اِنعامُ البارِی

دُروسِ بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درسِ بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور رُوح پرور تقاریر

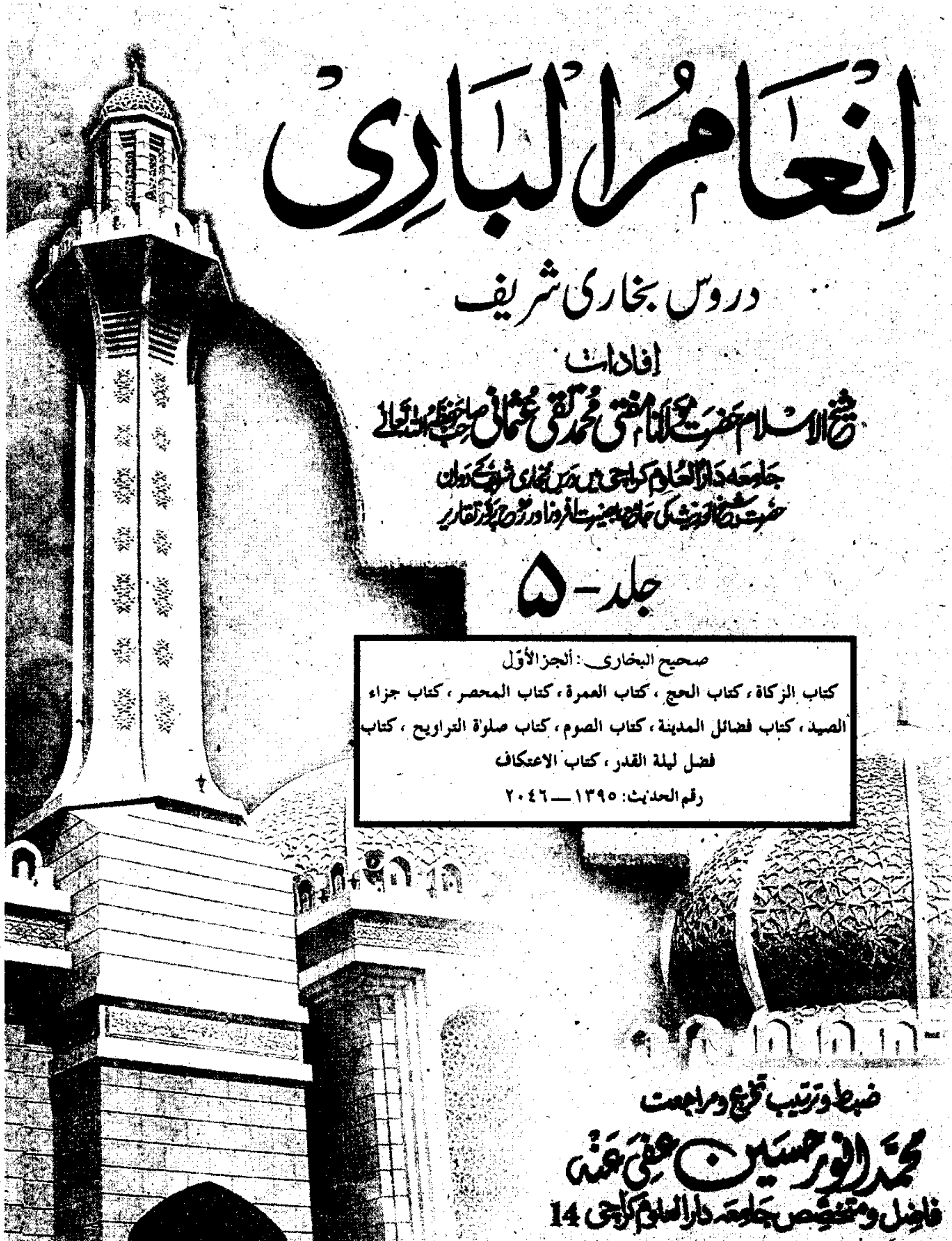
صحیح البخاری الجزء الاوّل

كتاب الزكاة، كتاب الحج، كتاب العمرة، كتاب المحصر
كتاب جزاء الصيد، كتاب فضائل المدينة، كتاب الصوم، كتاب
صلوٰة التراويح، كتاب فضل ليلة القدر، كتاب الاعتكاف
رقم الحديث: ١٣٩٥ ـــ ٢٠٤٦

جلد-۵

ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14

مکتبۃ الحراء
Phone: 009-213501039, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com



إِنْعَامُ الْبَارِی

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع بصیرت افروز اور پرمغز تقاریر

جلد - ۵

صحیح البخاری: ألجز الأوّل

كتاب الزكاة، كتاب الحج، كتاب العمرة، كتاب المحصر، كتاب جزاء الصيد، كتاب فضائل المدينة، كتاب الصوم، كتاب صلوٰة التراويح، كتاب فضل ليلة القدر، كتاب الاعتكاف

رقم الحديث: ۱۳۹۵ — ۲۰٤٦

ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت

محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14

مکتبۃ الحراء

8 131, Double Room, 36-A, 'K' Area Korangi, Karachi.
Contact, 0092-21-35031039, Cell : 0092-3003360816
Email: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com
WebSite: www.deeneislam.com

نام کتاب	:	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۵
افادات	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط وترتیب تخریج ومراجعت	:	محمد انور حسین (فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)
ناشر	:	مکتبۃ الحراء، ۱۳۱/ ۸، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
باہتمام	:	محمد اور حسین عفی عنہ
کمپوزنگ	:	حراء کمپوزنگ سینٹر موبائل نمبر: 0092-300-3360816

ناشر: مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

website:www.deeneislam.com

ملنے کے پتے

مکتبۃ الحراء۔ موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔فون 32722401 021
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔فون 3753255 042
- ☆ ادارہ اسلامیات، دینا ناتھ منشن مال روڈ، لاہور۔فون 37324412 042
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴۔فون 35031565-6 021
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴۔فون 35032020 021
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔فون 32631861 021

افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد خاتم النبيين و إمام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و أصحابه أجمعين ، و على كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا **"سحبان محمود"** صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرتؒ کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پرنور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاریؒ پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ ﷻ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل و **متخصص** جامعہ دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے۔ کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے **" كتاب بدء الوحي "** سے **"كتاب بدء الخلق "** تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرالیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی

نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کردی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظرِ ثانی کا اتنا اہتمام کرسکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابلِ اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جواب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہوجائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہوجائے، اور احادیث سے اصلاحِ اعمال واخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہوجائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندۂ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتّب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ ﷻ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضلِ خاص سے مغفرت ورحمت کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

۲۶ رشوال ۱۴۳۳ھ

۱۴ رستمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ

بندہ محمد تقی عثمانی

جامعہ دار العلوم کراچی

عرضِ مرتّب

نحمده و نصلى على رسوله الكريم

أمّا بعد ۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری شریف کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا **سحبان محمود** صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو جب شیخ الحدیثؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا تو یہ درس ۴ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سال تک کے یہ دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا اور یہ کہ ٹیپ ریکارڈر سے نقل کر کے تحریر شدہ شکل میں مجھے دکھایا جائے تاکہ میں اس پر سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی سات جلدیں ''انعام الباری'' کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ ﷻ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثالیں کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف کا جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد عطر نکلتا ہے وہ ''انعام الباری'' میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کا تفقہ علمی تشریحات، ائمہ اربعہ کے فقہی اختلافات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ''انعام الباری'' کے باقی ماندہ جلدوں کی تکمیل کی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے تاکہ حدیث و علوم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یارب العالمین . و ما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۶ رشوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۴ر ستمبر ۲۰۱۲ء۔ جمعہ

خلاصة الفهارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۴۔ کتاب الزکاۃ

(۱) باب وجوب الزکاۃ

زکوۃ کے واجب ہونے کا بیان

وقول اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَقِیْمُوْا الصَّلاۃَ وَ آتُوْا الزَّکَاۃَ﴾ [البقرۃ: ۴۳] **و قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: حدثنی أبو سفیان ﷺ فذکر حدیث النبی ﷺ فقال: یأمرنا بالصلاۃ والزکاۃ والصلۃ والعفاف.**

وقول اللہ تعالیٰ:

﴿وَ اَقِیْمُوْا الصَّلاۃَ وَ آتُوْا الزَّکَاۃَ﴾[البقرۃ:۴۳]

اور اللہ ﷻ کا قول کہ: ''نماز قائم کرو اور زکوۃ دو''۔

و قال ابن عباس رضی اللہ عنہما: حدثنی أبو سفیان ﷺ فذکر حدیث النبی ﷺ فقال: یأمرنا بالصلاۃ والزکاۃ والصلۃ والعفاف.

اور ابن عباس ﷺ کا بیان ہے کہ مجھ سے ابوسفیان ﷺ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کا قصہ بیان کیا تو کہا کہ ہمیں نماز، زکوۃ، صلہ رحم اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکوۃ کا پہلا باب ''**باب وجوب الزکاۃ**'' زکوۃ کی فرضیت کے بارے میں قائم کیا ہے۔

زکوۃ کب فرض ہوئی؟

اس میں کلام ہوا ہے کہ زکوۃ کب فرض ہوئی:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ۲ھ میں فرض ہوئی، لیکن محقق بات یہ ہے کہ فی نفسہٖ زکوۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوگئی تھی، البتہ اس کا نصاب، اس کی تفصیلات اور مصارف وغیرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئے۔

مکہ مکرمہ میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کی دلیل سورۃ المزمل میں موجود ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾

اور یہ سورۃ المزمل کی بالکل ابتدائی سورت ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ سورۃ المزمّل کا یہ حصہ مدنی ہے، اس لئے کہ اس میں جہاد کا بھی ذکر ہے جبکہ جہاد مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا، لیکن یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ سورۃ المزمل میں جو جہاد کا ذکر ہے وہ زمانہ مستقبل کا ہے:

"عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنكُمْ مَرْضَىٰ لا وَاٰخَرُوْنَ
يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ لا
وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ صلے"

لہٰذا یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے کے منافی نہیں ہے۔ تو یہ پوری سورت مکی ہے، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی۔

اس کے علاوہ ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو سفیان ﷛ کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابو سفیان ﷛ نے ہرقل کے دربار میں حضور ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا **"یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف"** حالانکہ یہ مکہ مکرمہ کا واقعہ ہے۔

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی، البتہ تفصیلات نہیں آئی تھیں بلکہ مطلقاً ہر قسم کا صدقہ و خیرات دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگئی، کسی مسافر کو کھانا کھلا دیا، کسی کے واسطے سامان بھیج دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ تو یہ صدقات منتشرہ تھے، لیکن ان کا نصاب اور مقدار وغیرہ متعین نہیں تھی۔

مدینہ منورہ میں ۲ھ میں پہلے روزے فرض ہوئے، پھر صدقۃ الفطر فرض ہوا، پھر زکوٰۃ فرض ہوئی، اس وقت نبی کریم ﷺ نے مقدار، نصاب اور تفصیلات بیان فرمائیں۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ ﷛ کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہے **"انشدک باللہ آللہ أمرک أن تأخذ هذه الصدقة من أغنيائنا فتقسمها على فقرائنا"** اور حضرت ضمام بن ثعلبہ ﷛ ۵ھ میں مدینہ منورہ آئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا انتظام ۵ھ سے پہلے ہو چکا تھا، لہٰذا دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب وغیرہ کی فرضیت ۲ھ کے بعد اور ۵ھ سے پہلے ہوئی۔

۱۳۹۵ ـ حدثنا أبو عاصم الضحاک بن مخلد، عن زکریا بن إسحاق، عن یحییٰ ابن عبداللہ بن صیفی، عن أبی معبد، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: أن النبی ﷺ بعث معاذا إلى الیمن، فقال: ((ادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا اللہ، و أنی رسول اللہ، فإن هم أطاعوا لذٰلک فأعلمهم أن اللہ افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم و لیلة، فإن

هم أطاعوا لذلک فأعلمهم أن الله افترض علیهم صدقة فی أموالهم، تؤخذ من أغنیائهم و ترد علی فقرائهم)). [أنظر: ۱۴۵۸، ۱۴۹۶، ۲۴۴۸، ۴۳۴۷، ۷۳۷۱، ۷۳۷۲]. [1]

ترجمہ: ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے معاذ ﷺ کو یمن بھیجا اور فرمایا کہ تم انہیں یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ ﷻ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اطاعت کریں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ ﷻ نے ان پر ان کی مالوں میں زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی۔

کیا کفار مخاطب بالفروع ہیں؟

"فقال: ((ادعهم إلی شهادة أن لا إله إلا الله، وأنی رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلک فأعلمهم أن الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم و لیلة".

حضرات حنفیہ اور شوافع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار مخاطب بالایمان بھی ہیں اور اور مخاطب بالعقوبات والمعاملات بھی۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کافر مشرف باسلام ہو جائے تو پچھلی نمازوں اور دوسرے فرائض وواجبات کی قضاء اس کے ذمہ واجب نہیں۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کفار حالت کفر میں صلوٰۃ وصوم اور زکوٰۃ وحج جیسے فرائض کے مکلّف اور مخاطب ہیں یا نہیں؟

حضرات مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک وہ ان عبادات کے مکلّف اور مخاطب ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک کفار کو ان عبادات کے ترک کرنے پر آخرت میں عذاب دیا جائیگا جو عقوبت کفر سے زائد ہوگا۔

حضرات حنفیہ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں:

عراقیین کے نزدیک وہ اعتقاداً بھی مخاطب ہیں اور اداءً بھی، لہٰذا قیامت کے دن ان کو ان عبادات پر عدم اعتقاد اور ان کی عدم ادائیگی دونوں حیثیتوں سے عذاب دیا جائے گا۔

---

[1] وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام، رقم: ۲۸، وسنن الترمذی، کتاب الزکاة عن رسول الله، باب ماجاء فی کراهیة أخذ خیار المال فی الصدقة، رقم: ۵۶۷، وسنن النسائی، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، رقم: ۲۳۹۲، وسنن أبی داؤد، کتاب الزکاة، باب فی زکاة السائمة، رقم: ۱۳۵۱، و سنن ابن ماجه، کتاب الزکاة، باب فرض الزکاة، رقم: ۱۷۷۳، ومسند أحمد ومن مسند بنی هاشم، باب بدایة مسند عبدالله بن العباس. رقم: ۱۹۶۷، وسنن الدارمی، کتاب الزکاة، باب فی فرض الزکاة. رقم: ۱۵۶۳.

جب کہ مشائخ ماوراء النہر کی ایک جماعت کے نزدیک وہ اعتقاداً مخاطب ہیں، اداً نہیں، لہٰذا ان کو عدم اعتقاد کی حیثیت سے تو عذاب دیا جائے گا عدم ادائیگی کی حیثیت سے نہیں۔

جب کہ حنفیہ میں سے ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ کفار عبادات کے مخاطب نہیں، نہ عقیدۃً اور نہ ہی عملاً۔ ان حضرات کے نزدیک کفار کو عدمِ ایمان پر تو عذاب دیا جائے گا لیکن عبادات کی عدم ادائیگی اور ان پر عدم اعتقاد کی وجہ سے کوئی عذاب نہ ہوگا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں **"والمختار قول العراقیین واختارہ صاحب "البحر" فی شرح "المنار"۔** [۲]

حدیث باب سے ان کے مخاطب نہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ نماز کی تعلیم دینے کو ان کے ایمان پر موقوف رکھا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ استدلال قوی نہیں، کیونکہ زکوٰۃ کی تعلیم کو نماز کے بعد رکھا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب نماز پڑھ لیں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح یہ مطلب بھی درست نہیں کہ جب ایمان لائیں گے تو نماز واجب ہوگی۔ اس کے برخلاف آیت کریمہ **" لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ "** سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو مخاطب بالفروع ہونے کے قائل ہیں اور جو حنفیہ مخاطب نہ ہونے کے قائل ہیں وہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ اعمال بطور علامت ایمان ذکر فرمائے گئے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

کیا کفار کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

" تؤخذ من أغنیائهم وترد علی فقرائهم" اس حدیث کے اشارۃ النص سے حنفیہ اور جمہور نے اس پر استدلال کیا ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں کو ہی دی جاسکتی ہے، غیر مسلم کو نہیں، کیونکہ فرمایا گیا ہے اغنیاء مسلمین سے لی جائے اور فقراء مسلمین کی طرف رد کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصرف صرف مسلمان ہی ہوسکتا ہے غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔

---

[۲] ثم قال : اعلم أن المختار أن الكفار مخاطبون بفروع الشريعة المأمور به والمنهي عنه ، هذا قول المحققين والاكثرين ، وقيل : ليسوا مخاطبين ، وقيل : مخاطبون بالمنهي دون المأمور . قلت : شمس الأئمة فی كتابه ، فی فصل بیان موجب الأمر فی حق الكفار : لاخلاف انهم مخاطبون بالايمان لأن النبی ﷺ بعث الی الناس كافة ليدعوهم الی الايمان ، قال تعالیٰ : ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً ﴾ [الاعراف:۱۵۸] ولاخلاف انهم مخاطبون بالمشروع من العقوبات ، ولا خلاف أن الخطاب بالمعاملات يتناولهم أيضاً ، ولاخلاف أن الخطاب بالشرائع يتناولهم فی حكم المؤاخذة فی الآخرة ، فأما فی وجوب الاداء فی أحكام الدنيا فمذهب العراقيين من أصحابنا أن الخطاب يتناولهم أيضاً. والأداء واجب عليهم ، ومشايخ ديارنا يقولون : انهم لايخاطبون بأداء مايحتمل السقوط من العبادات . عمدة القاری ، ج:۶ ، ص:۳۲۵ ، وفيض الباری ، ج:۳ ، ص:۵ .

امام زفر رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کافر کو بھی دے سکتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں عموم ہے، اس میں مطلق ہے **"إنما الصدقات للفقراء"** اب یہ فقراء مطلق ہے اس کے ساتھ مسلمان ہونے کی قید نہیں ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ میں حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مصرف صدقہ میں مسلمان اور ذمی دونوں شامل ہیں۔ [۳]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ حدیث میں خاص طور سے مسلمانوں کا ذکر ہے اور **"إنما الصدقات للفقراء"** میں عموم نہیں، بلکہ اجمال ہے، حدیث نے اس مجمل کی تفسیر کر دی۔ جمہور کا مفتی بہ مسلک یہی ہے کہ غیر مسلموں کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی، اگرچہ اس معاملے میں امام زفر رحمہ اللہ کے دلائل بھی مضبوط ہیں، لیکن امت کے سواد اعظم کا اتفاق ان کے مقابلے میں مضبوط تر ہے۔

۱۳۹۶ ـ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن ابن عثمان بن عبدالله بن موهب، عن موسىٰ بن طلحة، عن أبي أيوب رضي الله عنه أن رجلا قال للنبي ﷺ: أخبرني بعمل يدخلني الجنة. قال: ماله ماله؟ و قال النبي ﷺ: ((أرب ما له؟ تعبد الله ولا تشرك به شيئا. و تقيم الصلاة، و تؤتي الزكاة و تصل الرحم)). و قال بهز: حدثنا شعبة قال: حدثنا محمد بن عثمان و أبوه عثمان بن عبدالله أنهما سمعا موسىٰ بن طلحة، عن أبي أيوب عن النبي ﷺ بهذا. قال أبو عبدالله: أخشى أن يكون محمدٌ غير محفوظ، إنما هو عمرو. [أنظر: ۵۹۸۲، ۵۹۸۳]. [۴]

حضور ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا **"ماله ماله؟"** دیکھو اس کو کتنی فکر ہے کہ پوچھ رہا ہے جنت میں داخل ہونے والا عمل بتائیے۔

"و قال النبي ﷺ أرب ماله" یہ **" أَرَبٌ "** اور **" أَرِبَ "** مختلف طریقوں سے ضبط کیا گیا ہے، **"أرِبَ"** (بکسر الراء) کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ حاجت مند ہے اس کو حاجت پیش آ گئی ہے، اس کے بعد آپ

---

[۳] "قال سئل عن الصدقة فيمن توضع؟ فقال في أهل المسكنة من المسلمين وأهل ذمتهم وقال: وقد كان رسول الله يقسم في أهل الذمة من الصدقة والخمس" مصنف أبي شيبة، رقم: ۱۰۴۰۹، ج: ۲، ص: ۴۰۲، مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ.

[۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الايمان الذي يدخل به الجنة من تمسك بما أمر به دخل الجنة، رقم: ۱۴، و سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب ثواب من أقام الصلاة، رقم: ۴۶۴، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب ثواب حديث أبي أيوب الأنصاري، رقم: ۲۲۴۳۷، ۲۲۴۴۸.

ﷺ نے تعجب سے فرمایا کہ اس کو کیا ہوا ہے اور "أرَبٌ" (بفتح الراء) کہیں تب معنی ہوں گے کہ "ماله أرب" یعنی جو دھن اس کو لگی ہوئی ہے وہ ایک حاجت ہے، یعنی اس کو یہ دھن لگی ہوئی ہے کہ میں کس طرح جنت میں داخل ہو جاؤں، اس حاجت کی وجہ سے یہ سوال کر رہا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کی اس فکر کی تعریف فرمائی اور بعض نے اس کو "أرِبَ" یا "أرَبَ" بصیغۂ ماضی قرار دیا ہے، اس کے معنی بھی یہی ہے کہ اس کو حاجت پیش آگئی ہے۔

"حدثنا محمد بن عثمان" یہ جو محمد بن عثمان نام لیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید یہ محمد بن عثمان صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح نام عمرو ہے۔

۱۳۹۷ـ حدثني محمد بن عبدالرحيم قال : حدثنا عفان بن مسلم ، قال : حدثنا وهيب، عن يحيى بن سعيد بن حيان ، عن أبي ذرعة ، عن أبي هريرة ﷺ : أن أعرابياً أتى النبي ﷺ فقال : دلني على عمل اذا عملته دخلت الجنة . قال : ((تعبد الله لا تشرك به شيئاً . وتقيم الصلاة المكتوبة ، وتؤدي الزكاة المفروضة ، وتصوم رمضان)) . قال : والذي نفسي بيده لا أزيد على هذا . فلما ولى قال النبي ﷺ : ((من سره أن ينظر الى رجل من أهل الجنة فلينظر الى هذا)) . حدثنا مسدد ، عن يحيى، عن أبي حيان قال : أخبرني أبو ذرعة عن النبي بهذا .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جب میں اس کو کروں تو جنت میں داخل ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور فرض نماز قائم کر اور فرض زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ۔ تو اس اعرابی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس پر زیادتی نہیں کروں گا جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی جنتی دیکھنا ہو اچھا معلوم ہو تو وہ اس شخص کی طرف دیکھے۔[۵]

۱۳۹۸ـ حدثنا حجاج : حدثنا حماد بن زيد ، حدثنا أبو جمرة قال : سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يقول : قدم وفد عبدالقيس على النبي ﷺ فقالوا : يارسول الله انا هذا الحي من ربيعة قد حالت بيننا وبينك كفار مضر ، ولسنا نخلص اليك الا في الشهر الحرام . فمرنا بشيء نأخذه عنك وندعو اليه من وراء نا . قال : ((آمركم بأربع وأنهاكم عن أربع : الايمان بالله ، وشهادة أن لا له الا الله ، وعقد بيده هكذا . واقام الصلاة ، وايتاء الزكاة ، و أن تؤدوا خمس ماغنمتم ، وأنهاكم عن الدباء والحنتم ، و النقير ، والمزفت)) . وقال سليمان وأبو النعمان عن حماد : ((الايمان بالله : شهادة أن لا اله الا الله)). [راجع : ۵۳]

[۵] تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۱، ص:۵۹۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر ؓ خلیفہ ہوئے اور عرب کے بعض قبیلے کافر ہوگئے، تو حضرت عمر ؓ نے کہا کہ آپ لوگوں سے کس طرح جنگ کرینگے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہیں جس نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان کو بچالیا مگر کسی حق کے عوض اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

۱۳۹۹ ۔ حدثنا أبو اليمان الحكم بن نافع قال : أخبرنا شعيب بن أبي حمزة ، عن الزهري قال : حدثنا عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أن أبا هريرة ؓ قال: لما توفي رسول الله ﷺ ، و كان أبو بكر ؓ و كفر من كفر من العرب فقال عمر : فكيف تقاتل الناس؟ و قد قال رسول الله ﷺ : ((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فمن قالها فقد عصم مني ماله و نفسه إلا بحقه ، وحسابه على الله)) . [أنظر: ۱۴۵۷ ، ۶۹۲۴ ، ۷۲۸۴].

۱۴۰۰ ۔ فقال : والله لأقاتلن من فرّق بين الصلاة والزكاة ، فإن الزكاة حق المال. والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها. قال عمر ؓ : فو الله ما هو إلا أن شرح الله صدر أبي بكر ؓ فعرفت أنه الحق. [أنظر: ۱۴۵۶ ، ۶۹۲۵ ، ۷۲۸۵]. [۶]

تشریح

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ ؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی **''و كان أبو بكر''** یہ **''كان''** تامّہ ہے یعنی ابوبکر خلیفہ بنے۔

''و كفر من كفر من العرب'' اور عرب کے قبائل میں سے جو لوگ کافر ہوئے کافر ہوئے اور صدیق اکبر ؓ نے ان سے جہاد کا ارادہ کیا تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

''و كيف تقاتل الناس و قد قال رسول الله ﷺ : أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا

[۶] وفي صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب الأمر بقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله ، رقم: ۲۹ ، وسنن الترمذي ، كتاب الايمان عن رسول الله ، باب ماجاء أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله، رقم: ۲۵۳۲ ، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة ، باب مانع الزكاة ، رقم : ۲۴۰۰ ، وكتاب الجهاد ، باب وجوب الجهاد ، رقم: ۳۰۴۰ ، وكتاب التحريم الدم، رقم : ۳۹۰۶ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الزكاة ، رقم : ۱۳۳۱ ، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب مسند أبي بكر الصديق ،رقم : ۶۴ ، ۱۱۲ ، ۲۳۲ ، ۳۱۷ ، باقي مسند المكثرين ، باب باقي المسند السابق ، رقم : ۹۱۰۹ ، ۱۰۴۲۰ .

لا إلــه إلا الـلّـه" کہ آپ کیسے ان سے جہاد کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں "**فـمـن قالها فقد عصم منی ما له و نفسه**" پس جس نے یہ کلمہ کہہ دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے محفوظ کرلیا" **إلا بـحقـه** " الّا یہ کہ اسلام کے حق پر اس کی جان لی جائے یعنی قصاص وغیرہ میں "**وحسا به علی اللّٰه**" تو اس کے جواب میں صدیق اکبر ؓ نے فرمایا:

"**والـلّٰـه لأقـاتـلـن مـن فـرّق بيـن الصّلاة والزّكاة، فان الزكاة حق المال، واللّٰه لو منعونى عناقا كانو ا يؤدونها الى رسول اللّٰه ﷺ لقاتلتهم على منعها**"

اللہ کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کریں گے جو یہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو اس کے انکار پر میں ان سے قتال کروں گا۔

پھر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: "**فـوالـلّٰـه ما هو الا أن شرح اللّٰه صد رَ أبى بكر ؓ**" کہ خدا کی قسم اللہ جل جلالہ نے اس حکم کے لئے صدیق اکبر کا سینہ کھول دیا ہے اور ان کو اس پر شرح صدر ہے، "**فـعرفت أنه الحق**" تو میں جان گیا کہ یہی بات حق ہے جو صدیق اکبر ؓ فرمارہے ہیں اور اس میں میری رائے صحیح نہیں ہے۔

خلافت صدیق اکبر ؓ اور فتنہ ارتداد

صدیق اکبر ؓ کے زمانے میں جو فتنۂ ارتداد کا واقعہ پیش آیا اس کے سمجھنے میں بعض اوقات غلط فہمی ہو جاتی ہے اور اس میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے، جب حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبر ؓ نے خلافت کا کام سنبھالا تو صدیق اکبر ؓ کے عہد خلافت میں لوگوں کے پانچ گروہ ہو گئے تھے۔

پہلا گروہ

ایک گروہ تو سیدھے سادھے سچے مسلمانوں کا تھا، جنہوں نے حضرت صدیق اکبر ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور جیسے پہلے مسلمان تھے اسی طرح مسلمان باقی رہے اور جو فرائض پہلے ادا کرتے تھے وہی فرائض بعد میں بھی ادا کرتے رہے، ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا اور اسی پہلے گروہ کی اکثریت تھی، باقی چار گروہوں نے فتنہ پیدا کیا۔

دوسرا گروہ

دوسرا گروہ ان میں وہ تھا جو بالکل اعلانیہ مرتد ہو گیا، یعنی اس نے واپس بت پرستی شروع کر دی اور اسلام کو کھلم کھلا ترک کر دیا اور العیاذ باللہ کھلا کافر ہو گیا، ایسے لوگ بھی تھے مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔

تیسرا گروہ

تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو نبی کریم ﷺ کے بعد مدّعین نبوت کے متبع ہوئے تھے کوئی مسیلمہ بن کذاب کا، کوئی اسود عنسی کا اور کوئی سجاح کا جو ایک عورت تھی اور اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ تو کچھ لوگ ان مدّعیان نبوت کے پیچھے چل پڑے اور یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے تھے اور **"لا إله إلا الله"** بھی پڑھتے تھے، ان میں بعض نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بھی قائل تھے لیکن یہ لوگ ختم نبوت کے قائل نہیں تھے، حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے تھے بلکہ مدّعیان نبوت کو بھی مانتے تھے۔ یہ تیسرا گروہ تھا جو اعلانیہ تو اپنے آپ کو کافر نہ کہتے تھے لیکن ایسے کام کا ارتکاب اعلانیہ کرتے تھے جو موجبِ تکفیر تھا یعنی غیر نبی کو نبی ماننا، تو یہ بھی مرتد ہو گئے تھے۔

چوتھا گروہ

چوتھا گروہ وہ تھا جس نے کسی مدعی نبوت کو نہیں مانا اور بظاہر **"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"** کے قائل رہے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ زکوٰۃ فرض ہی نہیں اور جو کچھ فرض تھی وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تھی اب آپ کے بعد زکوٰۃ فرض نہیں رہی، اس گروہ کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ہے اور جس طرح نماز کا منکر کافر ہے اسی طرح زکوٰۃ کا منکر بھی کافر ہے، تو اس گروہ کے لوگ بھی کافر و مرتد تھے۔

پانچواں گروہ

پانچواں گروہ وہ تھا جو توحید کا بھی قائل تھا، حضور ﷺ کی رسالت کا بھی قائل تھا اور کسی مدعی نبوت کو نہیں مانتا تھا اور زکوٰۃ کی مطلق فرضیت کا بھی منکر نہیں تھا اس گروہ کے لوگ یہ کہتے تھے کہ زکوٰۃ فرض ہے ہم بھی مانتے ہیں لیکن ہم زکوٰۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیں گے بلکہ خود ادا کریں گے۔ پھر ان میں سے بعض کہتے تھے کہ ہم انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کریں گے اور بعض یہ کہتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہم کیوں ٹھیکہ دار بنائیں اور ان کی امارت کو ہم کیوں تسلیم کریں، ہم میں سے ہر قبیلہ کا ایک امیر ہو، اور ہم اس کو زکوٰۃ ادا کریں گے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیں گے اور یہ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے تھے **"خذ من أموالهم صدقة تطهرهم بها و تزكيهم"** کہ یہ خطاب حضور اکرم ﷺ کو ہے کہ آپ صدقہ وصول کریں اور آپ کے صدقہ وصول کرنے سے ان کو تزکیہ وطہارت حاصل ہوگا اور آپ ان کے حق میں دعا کریں گے، تو اب کون ہے جو حضور اکرم ﷺ کی طرح تطہیر و تزکیہ کر سکے اور حضور اکرم ﷺ جیسی دعا دے سکے، لہٰذا اب کسی امیر وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم خود ادا کریں گے۔ یہ پانچواں گروہ تھا ان کو بھی منکرین زکوٰۃ اور مانعین زکوٰۃ میں شمار کیا جاتا ہے۔

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس گروہ کا کوئی عمل موجبِ تکفیر نہیں تھا اس لئے کہ نہ یہ زکوٰۃ کے منکر تھے اور نہ دیگر ضروریاتِ دین میں سے کسی اور چیز کے منکر تھے لیکن انکار کررہے تھے صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کا اور اس کی وجہ سے قتال پر بھی آمادہ تھے، لہٰذا حقیقت میں یہ اہلِ بغی تھے، مرتد نہیں تھے۔ اگر فاروقِ اعظمؓ کو اشکال پیش آیا تو اس آخری گروہ کے بارے میں پیش آیا، پہلے تین گروہوں کے بارے میں کوئی اشکال کی بات تھی ہی نہیں، اس لئے کہ ان کا کفر ظاہر تھا۔ اشکال صرف اس آخری گروہ کے بارے میں تھا کہ یہ لوگ زکوٰۃ کو مانتے ہیں لیکن صرف صدیق اکبرؓ کو دینے سے انکار کررہے ہیں، محض اہلِ بغی ہونے کی وجہ سے قتال کیوں کیا جائے۔ اور اس کی دلیل مستدرک حاکم میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے: "**لأن أكون سألت رسول الله ﷺ عن ثلاث أحب الیّ من حمر النعم: من الخليفة بعدهٗ، وعن قوم قالوا نقر بالزكوٰة فی أموالنا ولا نؤديها اليک، أيحل قتالهم عن الكلالة.**" ے

اس کی تفصیلی وضاحت اس لئے کردی کہ اس سے بعض قادیانی اور منکرین حدیث بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا بھی یہی خیال تھا کہ جو شخص "**لا اله الا الله محمد رسول الله**" پڑھے وہ چاہے ضروریات دین میں سے کسی چیز کا بھی منکر ہو جائے اس کے اوپر تکفیر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے اور اس سے قتال نہیں کیا جاسکتا، تو یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ فاروقِ اعظمؓ کو اشکال صرف اس پانچویں گروہ کے بارے میں تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ نے جواب میں یہ فرمایا "**لأقاتلنّ من فرّق بين الصّلاة والزكاة**" یعنی جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ صلاۃ سے انکار کرنے والے سے قتال کے حضرت فاروق اعظمؓ بھی قائل تھے جب ہی تو الزام دیا کہ بتاؤ اگر کوئی شخص صلاۃ کا انکار کرے تو اس شخص سے قتال کروں یا نہ کروں، تو فاروق اعظمؓ کی طرف سے جواب یہ ہوتا کہ ہاں ضرور کریں تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جب نماز کے منکر کے ساتھ قتال ہے تو پھر زکاۃ کے منکر کے ساتھ بھی قتال ہوگا کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں، تو حقیقت میں بات یہ تھی۔

پھر آگے صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے مجھے ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کیا جو یہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے تب میں قتال کروں گا، تو حضرت عمرؓ کا موقف یہ تھا نہ کہ وہ جو ملحدین بیان کرتے ہیں۔ ۸

(۲) باب البيعة على ايتاء الزكاة

زکوٰۃ دینے پر بیعت کرنے کا بیان

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ [التوبة: ۵].

ترجمہ: اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

ے (منقول من لامع الدراری) ۸ تفصیل ملاحظہ فرمائیں: عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۳۳۵.

۱۴۰۱۔ حدثنا ابن نمیر قال : حدثنی أبی ، قال : حدثنا إسماعیل عن قیس قال: قال جریر بن عبداللہ ﷺ : بایعت النبی ﷺ علی إقام الصلاۃ، و إیتاء الزکاۃ، والنصح لکل مسلم۔ [۹]

ترجمہ: قیس روایت کرتے ہیں کہ جریر بن عبداللہ نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔ [۱۰]

(۳) باب إثم مانع الزکاۃ،

زکوٰۃ نہ دینے والے کے گناہ کا بیان

و قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ﴾

ترجمہ: اور اللہ ﷻ کا قول کہ: اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دو عذاب دردناک کی۔ جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب مزہ چکھو اپنے گاڑنے کا۔ [التوبۃ : ۳۴،۳۵].

۱۴۰۲۔ حدثنا الحکم بن نافع، أخبرنا شعیب، حدثنا أبو الزناد أن عبدالرحمن ابن ھرمز الأعرج حدثه أنه سمع أبا ھریرۃ ﷺ یقول : قال النبی ﷺ : «تأتی الإبل علی صاحبها علی خیر ما کانت، إذا ھو لم یعط فیها حقها، تطؤہ بأخفافها. و تأتی الغنم علی صاحبها علی خیر ما کانت، إذا لم یعط فیها حقها، تطؤہ بأظلافها و تنطحه

---

[۹] [أنظر: کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۵۷].

[۱۰] تفصیل ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۶۰۰.

بقرونها . قال : و من حقها أن تحلب على الماء . قال : ولا يأتي أحدكم يوم القيامة بشاة يحملها على رقبته لها يعار، فيقول : يا محمد ، فأقول : لا أملك لك شيئا، قد بلغت . ولا يأتي ببعير يحمله على رقبته له رغاء فيقول : يا محمد ، فأقول: لا أملك من الله لك شيئا ، قد بلغت)) . [أنظر: ۲۳۷۸، ۳۰۷۳، ۶۹۵۸] [۱۱]

مفہوم

"**تأتي الإبل على صاحبها على خير ما كانت**" کسی شخص کے پاس اونٹ ہوں اور اس نے ان کی زکاۃ ادا نہیں کی تو وہ اونٹ اپنے مالک کے پاس آئیں گے "**على خير ما كانت**" یعنی جتنے وہ دنیا میں موٹے تازے تھے اسی حالت میں آئیں گے "**إذا هو لم يعط فيها حقها**" تو اگر اس نے حق ادا نہیں کیا تھا تو موٹے تازے ہو کر اس کو اپنے پاؤں سے روندیں گے اور سینگ ماریں گے، ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص قیامت کے دن بکری کو اپنی گردن پر سوار کر کے آئے اور بکری آواز نکال رہی ہو اور یہ شخص آکر کہے کہ اے محمد! میرے سر پر بکری سوار ہو گئی ہے اور اس نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے اس سے مجھے نجات دلا ئیے، "**فأقول: لا أملك لك شيئا، قد بلغت**" میں کہوں گا اب میرے اختیار میں کچھ نہیں پہلے ہی میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں۔

"**ولا يأتي ببعير يحمله على رقبته**" اور نہ کوئی شخص اونٹ کو اپنی گردن پر سوار کر کے لائے اور وہ اونٹ بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص یہ کہے کہ اے محمد! میں مصیبت میں مبتلا ہو گیا آپ مجھے نجات دلوائیے، "**فأقول لا أملك من الله إنك شيئا قد بلغت**" اس کا مطلب یہ ہے کہ زکاۃ ادا کرنے کا اہتمام کرو، ورنہ یہ سب عذاب پیش آئیں گے۔

۱۴۰۳ ۔ حدثنا علی بن عبدالله : حدثنا هاشم بن القاسم : حدثنا عبدالرحمٰن ابن عبدالله بن دينار ، عن أبيه ، عن أبي صالح السمان ، عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : ((من آتاه الله مالاً فلم يؤد زكاته مثل له يوم القيامة شجاعا أقرع له زبيبتان ، يطوّقه يوم القيامة ، ثم يأخذ بلهزمتيه ، يعني بشدقيه ، ثم يقول : أنا مالك ، أنا كنزك)) . ثم تلا

[۱۱] وفي صحيح مسلم ،كتاب الزكاة ، باب اثم مانع الزكاة ،رقم :۱۶۴۸ ، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة ، باب مانع زكاة الابل ، رقم : ۲۴۰۵ ، و سنن أبي داؤ د ، كتاب الزكاة ، باب في حقوق المال ،رقم :۱۴۱۴ ، وسنن ابن ماجه، كتاب الزكاة ، باب ماجاء في منع الزكاة ،رقم :۱۷۷۶ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة، رقم :۷۲۴۷، ۷۳۹۵، ۷۸۳۷، ۸۳۰۷، ۸۵۷۷، ۸۶۱۹، ۹۹۵۱، ۱۰۴۳۵ ، وموطأ امام مالک ، کتاب الزکاۃ باب ماجاء في الكنز ،رقم : ۵۳۰.

﴿لا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ الآية [آل عمران: ۱۸۰] [أنظر: ۴۵۶۵، ۴۶۵۹، ۶۹۵۷]. [۱۲]

مفہوم

''شجاع'' کے معنی ہیں سانپ اور''اقرع'' کے معنی ہیں گنجا، یعنی مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا، ''له زبيبتان'' جس کے دائیں بائیں دو لمبے دانت ہوں گے،''يطوّقه يوم القيامة'' اور قیامت کے دن اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا''ثم يأخذه بلهزمتيه'' یعنی''بشدقيه'' پھر وہ اس کے باچھوں کو پکڑے گا''ثم يقول أنا مالك أنا كنزك''، یعنی جس چیز میں انہوں نے بخل کیا تھا وہی قیامت کے دن طوق بنا کر گلے میں ڈال دیا جائے گا۔

(۴) باب ما أدّى زكاته فليس بكنز،

جس مال کی زکوۃ دی جاتی ہے وہ کنز نہیں ہے،

لقول النبی ﷺ: ((ليس فيما دون الخمس أواق صدقة)).

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔

۱۴۰۴ ـ وقال أحمد بن شبيب بن سعيد، حدثنا أبی: عن يونس، عن ابن شهاب، عن خالد بن أسلم، قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر رضی الله عنهما، فقال أعرابی: أخبرنی قول الله: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ۳۴] قال ابن عمر: من كنزها فلم يؤد زكاتها فويل له. انما كان هذا قبل أن تنزل الزكاة فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال. [أنظر: ۴۶۶۱]

ترجمہ: خالد بن اسلم سے روایت ہے: فرمایا کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نکلے تو ایک اعرابی نے کہا کہ مجھے اللہ کے قول''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ'' کی تفسیر بتائیے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا جس نے اسے جمع کیا اور زکوۃ نہ دی تو اس کے لئے خرابی ہے اور یہ زکوۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا حکم ہے جب زکوۃ کی آیت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو مالوں کی پاکی ذریعہ بنایا۔

۱۴۰۵ ـ حدثنا اسحاق بن يزيد، أخبرنا شعيب بن اسحاق: قال الأوزاعی: أخبرنی يحيى بن أبی كثير أن عمرو بن يحيى بن عمارة، أخبره عن أبيه يحيى بن عمارة بن أبی الحسن أنه سمع أباسعيد ﷺ يقول: قال رسول الله ﷺ: ((ليس فيما دون خمس أواق صدقه. وليس

[۱۲] وفی صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الم مانع الزكاة، رقم: ۱۶۴۷، وسنن النسائی، كتاب الزكاة، باب أمنع زكاة ماله، رقم: ۲۴۳۶، وسنن أبی داؤد، كتاب الزكاة، باب فی حقوق المال، رقم: ۱۴۱۴.

فيما دون خمس ذودٍ صدقة . وليس فيما دون خمسِ أوسقٍ صدقةٌ)) . [أنظر : ۱۴۴۷، ۱۴۵۹، ۱۴۸۴] ۱۳

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷛ کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ (چاندی) سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ ہے اور پانچ وسق سے کم (غلہ یا کھجور) میں زکوٰۃ ہے۔

۱۴۰۶ ۔ حدثنا علی ، سمع هشيما ، أخبرنا حصين ، عن زيد بن وهب قال : مررت بالربذة فإذا أنا بأبی ذر ﷛ ، فقلت له : ما أنزلک منزلک هذا ؟ قال : كنت بالشام فاختلفت أنا و معاوية فی : ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ وَلا يُنْفِقُوْنَهَا فِی سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ۳۴] قال معاوية : نزلت فی أهل الكتاب . فقلت : نزلت فينا و فيهم . فكان بينی و بينه فی ذيک ، و كتب إلى عثمان ﷛ يشكونی ، فكتب إلیّ عثمان : أن أقدم المدينة ، فقدمتها . فكثر علیّ الناس حتى كأنهم لم يرونی قبل ذٰلک . فذكرت ذٰلک لعثمان فقال لی : إن شئت تنحيت فكنت قريبا . فذاک الذی أنزلنی هذا المنزل، ولو أمروا علیّ حبشيا لسمعت وأطعت. [أنظر: ۴۶۶۰] ۱۴

ترجمہ: زید بن وہب ﷛ روایت کرتے ہیں کہ میں ربذہ سے گذرا تو ابوذر غفاری ﷛ سے ملا اور ان سے پوچھا کہ آپ کو اس مقام میں کس چیز نے پہنچایا؟ انہوں نے بتایا کہ میں شام میں تھا تو مجھ میں اور معاویہ ﷛ میں آیت "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ" کی تفسیر میں اختلاف ہوا۔ معاویہ ﷛ نے کہا یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نزل ہوئی ہے۔ میں نے کہا ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس سلسلے میں میری ان سے خوب بحث ہوئی۔ انہوں نے عثمان ﷛ کو میرے شکایت کا خط لکھا، عثمان ﷛ نے مجھے لکھا کہ مدینہ چلے آؤ۔ چنانچہ میں چلا آیا تو لوگوں کا میرے پاس اس طرح ہجوم ہونے لگا گویا اس سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ میں نے یہ عثمان ﷛ سے کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو ایسی جگہ گوشہ نشین

۱۳ وفی صحيح مسلم ،كتب الزكاة ، باب مايقال عند المصيبة ،رقم : ۱۶۲۵ ،وسنن الترمذی ، كتاب الزكاة عن رسول اللّه ، باب ماجاء فی صدقة الزرع والتمر والحبوب ، رقم : ۵۶۸، وسنن النسائی ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الأبل ، رقم : ۲۴۰۲، وسنن أبی داؤد ، كتاب الزكاة ، باب ماتجب فيه الزكاة ، رقم : ۱۳۳۲ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب الزكاة ، باب ما تجب فيه الزكاة من الأموال ، رقم : ۱۷۸۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المكثرين باب مسند أبی سعيد الخدری ، رقم : ۱۰۶۰۶، ۱۰۸۲۳، ۱۰۹۷۷، ۱۱۱۳۸، ۱۱۱۴۷، ۱۱۲۷۲، ۱۱۲۸۲، ۱۱۳۲۳، ۱۱۳۸۶، ۱۱۴۹۴، وموطأ مالک ،كتاب الزكاة ، باب مايجب فيه الزكاة ، رقم : ۵۱۳، ۵۱۴، وسنن الدارمی ، كتاب الزكاة ، باب مالا يجب فيه الصدقة من الحبوب والورق والذهب ،رقم : ۱۵۷۷ .

۱۴ انفرد به البخاری .

ہو جاؤ جو مدینہ کے قریب ہو۔ یہی چیز تھی جس کے سبب سے میں اس جگہ میں مقیم ہوں اور اگر مجھ پر کسی حبشی کو امیر مقرر کر دیں تو میں سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔

تشریح

حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رَبذہ کے پاس سے گزرا (ربذہ مدینہ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے، الحمد للہ! میں نے زیارت کی ہے اور وہاں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مزار ہے) **"فإذا أنا بأبی ذر"** وہاں میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ موجود تھے تو میں نے ان سے کہا: **"ما أنزلک منزلک هذا"** کہ آپ سارا مدینہ منورہ چھوڑ کر رَبذہ میں کیوں مقیم ہو گئے؟

"قال: کنت بالشام فاختلفت أنا و معاویة" تو کہا میں شام میں تھا میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ خود شام کے گورنر تھے اور اختلاف **"والذین یکنزون الذهب والفضة"** کی تفسیر میں ہوا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے چونکہ اس سے پہلے احبار و رہبان وغیرہ ہی کا ذکر ہے اور میں نے کہا کہ نہیں، ان کے اور ہم سب کے بارے میں ہے **"فکان بینی و بینه فی ذیک"** یعنی میرے اور ان کے درمیان اس معاملے میں کچھ اختلاف ہو گیا **"و کتب الیٰ عثمان یشکونی"** تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں مسئلہ پیدا ہو گیا ہے اور میری شکایت کی، **"فکتب الی عثمان: أن اقدم المدینة"** پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر مجھے مدینہ بلا لیا **"فقدمتها"** چنانچہ میں مدینہ آ گیا **"فکثر علیّ الناس"** تو لوگ میرے پاس آنے لگے اور پوچھنے لگے کہ شام میں کیا قصہ تھا اور تم وہاں سے کیوں آ گئے **"حتیٰ کانهم لم یرونی قبل ذالک"** اتنی کثرت سے لوگ آنے لگے کہ گویا اس سے پہلے انہوں نے کبھی مجھے دیکھا ہی نہیں تھا **"فذکرت ذالک لعثمان"** میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ یہاں بھی یہ مسئلہ پیدا ہو رہا ہے کہ لوگ میرے پاس آ رہے ہیں اور یہ کہیں فتنہ نہ ہو جائے **"فقال لی إن شئت تنحیت فکنت قریباً"** تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو کہیں کنارہ کشی اختیار کر لیں اور قریب میں کہیں رہیں تاکہ لوگ زیادہ آپ کو پریشان نہ کریں **"فذالک الذی انزلنی هذا المنزل"** تو یہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے میں ربذہ میں مقیم ہو گیا **"ولو امّروا علیّ حبشیا لسمعتُ واطعتُ"** اگر مجھ پر کوئی حبشی بھی امیر بنا دیا جائے تو میں اس کی بھی اطاعت کروں گا، اس لئے کہ میں فتنہ فساد پیدا کرنا نہیں چاہتا۔

دراصل بات یہ تھی کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ جو تھے یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں **"ہر گلے را رنگ و بوئے دگر است"** تو ان کا الگ رنگ تھا، درویش آدمی تھے اور ان کا مذہب یہ تھا کہ کسی بھی آدمی کو اپنی ضرورت سے تین

دینار بھی فاضل رکھنا جائز نہیں۔اگلی حدیث آرہی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے احد کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر یہ سارا احد میرے لئے سونے کا بنا دیا جائے تب بھی میں اس بات کو پسند نہیں کروں گا کہ میرے گھر میں تین دینار بھی باقی رہیں، حضور اقدس ﷺ نے اپنی طبعی کیفیت بیان فرمائی تھی۔حضرت ابو ذر غفاری ؓ نے اپنے لئے یہ سمجھا کہ کسی بھی آدمی کے لئے تین دینار سے زیادہ رکھنا جائز نہیں ہے، ہاں کوئی قرضہ ہو تو اس کے لئے رکھ لے اور **"قوت الیوم واللیل"** ایک رات کے لئے رکھ لے، باقی اس سے زیادہ رکھنا جائز نہیں ہے۔باقی اس سے زیادہ جو رکھے گا وہ **"الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ"** کے اندر داخل ہے، لہٰذا ابو ذر غفاری ؓ کی عادت یہ تھی۔روایت میں آتا ہے کہ جب یہ حضور اقدس ﷺ سے کوئی سختی کا حکم سنتے جس میں رخصت ہوتی تو اس کی طرف زیادہ التفات نہیں فرماتے تھے اور سختی والے حکم پر خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ فرماتے، شاید اسی لئے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے تو اس لئے وہ تشدید والے حکم کو لے لیتے تھے، تو احد والی بات سنی تو اس کو لے لیا اور جو دوسرے احکام تھے ان کی طرف غلبۂ حال میں (میں اس کو غلبۂ حال پر محمول کرتا ہوں) توجہ نہ ہوئی، چنانچہ حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ جو اختلاف پیش آیا وہ یہ تھا کہ یہ کہتے تھے کہ تین دینار سے جو زیادہ رکھے گا تو یہ کنز میں داخل ہے اور اس کے اوپر یہ عذاب ہے جو کہ گزرا۔حضرت معاویہ ؓ نے کہا بھئی! اول تو یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں آئی ہے، دوسرے یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے دوسرے احکام بھی ہیں، اسی واسطے اس طرح لوگوں پر سختی نہ کرو، تو اس میں آپس میں اختلاف ہو گیا چونکہ اس طرح کی یہ بات کرنے لگے تھے تو بہت سے لوگ چونکہ یہ بڑے صحابی تھے تو ان کے متبع بھی ہونے لگے۔

حضرت معاویہ ؓ نے دیکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ پیدا ہو جائے، حضرت عثمان ؓ کو خط لکھا کہ یہ قصہ ہونے لگا ہے تو حضرت عثمان ؓ نے کہا کہ بہتر ہے کہ تم مدینہ میں آجاؤ، مدینہ منورہ بلایا تو وہاں پر بھی لوگ کثرت سے آنے لگے اور اس طریقے سے حضرت عثمان ؓ نے ان کے احترام کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ آپ چلے جائیں بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ کو اندیشہ ہے کہ اس سے فتنہ وفساد پیدا ہوگا تو آپ کہیں کنارہ کشی اختیار کر لیں، تو پھر یہ ربذہ چلے گئے۔ایک طرف تو اس بات کا یہ عالم تھا، دوسری طرف یہ تھا کہ اسی زمانے میں روایت میں آتا ہے کہ کوفے کے لوگ بڑے **"الکوفی لایوفی"** تو وہ تو ہمیشہ سے ہی فتنہ فساد کے خوگر رہے، تو انہوں نے دیکھا کہ ان کو لیڈر بنانے کا اور ان کو لیڈر بنا کر فساد برپا کرنے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے تو یہ لوگ حضرت ابو ذر غفاری ؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دیکھیں آپ کا تو یہ مذہب ہے اور ساری قوم دوسری طرف جا رہی ہے تو آپ ہمارے ساتھ آجائیں ہم آپ کی حمایت کریں گے چلو بغاوت کریں، تو حضرت ابو ذر غفاری ؓ نے فرمایا خبردار! اگر عثمان ؓ مجھے یہ حکم دیں کہ پیدل ساری دنیا کا چکر لگاؤ تو میں پیدل ساری دنیا کا چکر لگاؤں گا، اس واسطے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے اوپر ایک حبشی غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے تو تم اطاعت سے کام

لو، لہٰذا تم یہ فتنہ پیدا نہ کرو، اس سے انکار فرمایا لیکن اپنے مذہب پر قائم رہے اور ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے بھی تھا **"یسئلونک ما ذا ینفقون، قل العفو"** **عفو** کا معنی ضرورت سے زائد، وہ کہتے تھے کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا رکھنا گناہ ہے۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ وہاں پر **"یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو"** میں صدقہ کی زیادہ سے زیادہ مقدار کا بیان ہے کم سے کم مقدار کا نہیں یعنی وہ لوگ صدقے کی فضیلت سن کر اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر سب کچھ صدقہ کر دیتے تھے تو قرآن نے فرمایا کہ **"عفو"** کا صدقہ کرو، اپنی ضرورت سے زائد، تو وہ زائد سے زائد مقدار کا بیان ہے، کم سے کم مقدار کا بیان نہیں جیسے آج کل کثرت سے اس طرح کے لوگ معنی کرتے ہیں، یہ معنی نہیں ہیں بلکہ جتنا خرچ کرو وہ ضرورت سے فاضل ہونا چاہیئے، جو بیوی بچوں کی ضرورت کے اندر داخل ہے، اس کو خرچ کرنا جائز نہیں، یہ مقصد ہے۔ [۱۵]

۱۴۰۷ـ حدثنا عیاش قال : حدثنا عبد الأعلی قال : حدثنا الجریری ، عن أبی العلاء ،عن الأحنف بن قیس قال: جلست .ح وحدثنی اسحاق بن منصور :أخبرنی عبدالصمد قال : حدثنا أبی :حدثنا الجریری ،حدثنا أبو العلاء بن الشخیر أن الاحنف بن قیس حدثهم قال : جلست إلی ملاء من قریش فجاء رجل خشین الشعر والثیاب والهیئة حتی قام علیهم فسلم ثم قال : بشر الکانزین برضف یحمی علیهم فی نار جهنم ثم یوضع علی حلمة ثدی أحدهم حتی یخرج من نغض کتفه ویوضع علی نغض کتفه حتی یخرج من حلمة ثدیه یتزلزل . ثم ولی فجلس إلی ساریة وتبعته وجلست إلیه وأنا لا أدری من هو. فقلت له : لا أری القوم إلا قد کرهوا الذی قلت . قال : إنهم لا یعقلون شیئا.

ترجمہ: احنف بن قیس نے بیان کیا کہ میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا تو ایک شخص آیا جس کے بال اور کپڑے سخت تھے اور شکل سے پراگندی ظاہر ہوتی تھی یہاں تک کہ ان لوگوں کے پاس کھڑا ہو کر اس نے سلام کیا اور کہا کہ مال جمع کرنے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ایک پتھر جہنم کی آگ میں جمع کیا جائیگا پھر وہ ان کی چھاتی پر رکھا جائے گا جو ان کے مونڈھے کی ہڈی کے پاس سے (آر پار ہو کر) نکل جائے گا اور وہ پتھر ہلتا رہے گا، پھر وہ مڑا اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا میں بھی اس کے پیچھے گیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، میں نے اس سے کہا کہ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس بات سے ناراض ہوئے جو تم نے کہی۔ اس نے کہا وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

۱۴۰۸ـ قال لی خلیلی ـ قال : قلت : ومن خلیلک ؟ قال : النبی ﷺ ـ : ((یا أبا ذر،

[۱۵] عمدة القاری، ج :٦، ص :٣٦٠.

أتبصر أحدا؟)) . قال : فنظرت إلى الشمس ما بقي من النهار وأنا أرى أن رسول الله ﷺ يرسلني في حاجة له ، قلت : نعم . قال : ((ما أحب أن لي مثل أحد ذهبا أنفقه كله إلا ثلاثة دنانير)) . وإن هولاء لا يعقلون ، إنما يجمعون الدنيا. ولا والله لا أسألهم دنيا ولا أستفتيهم عن دين حتى ألقى الله عز وجل. [راجع: ۱۲۳۷].

حالانکہ میرے دوست نے کہا ہے میں نے پوچھا آپ کا خلیل کون ہے؟ کہا نبی اکرم ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر کیا تم احد پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ دن کا کون سا حصہ باقی رہ گیا ہے اور میں گمان کرنے لگا کہ شاید رسول اللہ ﷺ مجھے کسی ضرورت کے لئے بھیجیں گے۔ میں نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین اشرفیوں کے سوا میں کل خیرات نہ کروں اور یہ لوگ کچھ بھی نہیں سمجھتے ، یہ لوگ دنیا جمع کرتے ہیں اور میں ان سے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگوں گا اور نہ دین کے متعلق کوئی بات ان سے پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ ﷻ سے مل جاؤں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **"یا اباذر، أتبصر أحدا؟"** احد نظر آرہا ہے، تو کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ حضور اقدس ﷺ مجھے کسی کام سے احد بھیجنا چاہتے ہیں تو میں نے سورج کی طرف نگاہ ڈالی تو دن بہت تھوڑا سا رہ گیا تھا، اور یہ سوچ رہے تھے کہ اس وقت بھیجیں گے تو کس طرح میں رات سے پہلے واپس آؤں گا، یہ سوچ رہے تھے۔

"فلوّہ" گھوڑے کے بچے کو کہتے ہیں، یعنی ایسا زمانہ آجائے گا کہ لوگ اتنی کثرت سے دولت مند ہو جائیں گے کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہیں ہوگا تو اس سے پہلے پہلے صدقہ کرلو، یہی معنی ہیں صدقہ قبل از وقت کے۔

(۵) باب إنفاق المال في حقه

مال کا اس کے حق میں خرچ کرنے کا بیان

۱۴۰۹ ۔ حدثنا محمد بن المثنى : حدثنا يحيى ، عن إسماعيل قال : حدثني قيس، عن ابن مسعود ؓ قال : سمعت النبي ﷺ يقول : ((لا حسد إلا في اثنتين : رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق . ورجل آتاه الله حكمة فهو يقضي بها ويعلمها)) . [راجع : ۷۳]

ترجمہ: ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حسد صرف دو چیزوں پر جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ ﷻ نے مال دیا اور اس کو راہ حق پر خرچ کرنے کی قدرت دی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ ﷻ نے حکمت (علم) دی اور اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ [۱۶]

[۱۶] تشریح ملاحظہ فرمائیں انعام الباری، ج:۲، ص:۹۳، حدیث:۷۳۔

(۶) باب الرياء فی الصدقة

صدقہ میں ریاء کرنے کا بیان

لقوله تعالى : ﴿ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الأَذٰى ﴾ الى قوله : ﴿ وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَومَ الكافِرِينَ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنے خیرات احسان رکھ کر اور ایذاء دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو۔ [البقرة : ۲۶۴] کے

وقال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما : ﴿صلداً﴾ :ليس عليه شئ. وقال عكرمة : ﴿ وَابِلٌ ﴾ :مطر شديد . ﴿ والطَّلُّ ﴾ :الندى .

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا "صلداً" کا معنی ہے ایسی چیز جس پر کوئی چیز نہ ہو اور عکرمہ نے بیان کیا کہ "وابل" سے مراد شدید بارش ہے اور "والطل" سے مراد تری ہے۔

(۷) باب: لا تقبل صدقة من غلول

چوری کے مال سے صدقہ مقبول نہ ہوگا

"ولا يقبل الا من كسب طيب".

''اور صرف پاک کمائی کی خیرات مقبول ہوگی''۔

لقوله : ﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا آذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴾ [البقرة : ۲۶۳].

ترجمہ: جواب دینا نرم اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پرواہے نہایت تحمل والا۔

کے تفسیر عثمانی ،ص: ۵۶،سورة البقرة ،آیت : ۲۶۴.

(۸) باب الصدقة من كسب طيب.

پاک کمائی سے خیرات کرنے کا بیان

لقوله : ﴿ وَ يُرْبِى الصَّدَقٰتِ ط وَ اللّٰهُ لَايُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ . اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ وَ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِم وَ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ [البقرة : ۲۷۶ ـ ۲۷۷]

ترجمہ: اور بڑھاتا خیرات کو اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گناہ گار سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ ان کے لئے ہیں ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

۱۴۱۰ ـ حدثنا عبدالله بن منير : سمع أبا النضر : حدثنا عبدالرحمٰن هو ابن عبدالله بن دينار ، عن أبيه عن أبي صالح عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : ((من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب ، وإن الله يتقبلها بيمينه . ثم يربيها لصاحبه كما يربى أحدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل)).

تابعه سليمان عن ابن دينار. و قال ورقاء ، عن ابن دينار، عن سعيد بن يسار، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ . ورواه مسلم بن أبي مريم ، و زيد ابن أسلم ، و سهيل ، عن أبي صالح، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ . [أنظر: ۷۴۳۰] [۱۸]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پاک کمائی سے ایک

[۱۸] و في صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها ،رقم :۱۶۸۵ ، وسنن الترمذي، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب ماجاء في فضل الصدقة ، رقم :۵۹۷، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة عن، باب الصدقة من غلول ،رقم :۲۴۷۸، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزكاة باب فضل الصدقة ، رقم :۱۸۳۲ ، ومسند أحمد ، باقي المسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم :۷۳۱۴، ۸۰۳۱، ۸۶۰۴، ۸۸۷۷، ۹۰۵۵، ۹۰۶۴، ۹۱۹۸، ۹۷۰۷، ۱۰۵۲۳، ۱۰۶۶۵ ، وموطاء امام مالک ، كتاب الجامع ، باب الترغيب في الصدقة، رقم: ۱۵۸۱ ، وسنن الدارمي ، كتاب الزكاة ، باب في فضل الصدقة ، رقم :۱۶۱۳ .

کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ ﷻ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اللہ ﷻ صرف پاک کمائی کو قبول کرتا ہے، پھر اس کو خیرات کرنے والے کے لئے پالتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ خیرات پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

(۹) باب الصدقة قبل الرد

اس زمانے سے پہلے صدقہ کرنے کا بیان جب کوئی خیرات لینے والا نہ رہے گا

۱۴۱۱ ـ حدثنا آدم : حدثنا شعبة : حدثنا معبد بن خالد قال : سمعت حارثة بن وهب قال : سمعت النبی ﷺ یقول: ((تصدقوا فإنه یأتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقته فلا یجد من یقبلها. یقول الرجل : لو جئت بها بالأمس لقبلتها ، فأما الیوم فلاحاجة لی بها)) .[أنظر: ۱۴۲۴، ۷۱۲۰].

ترجمہ: حارثہ بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ خیرات کرو اس لئے کہ ایک ایسا زمانہ تم پر آئے گا جب ایک آدمی اپنی خیرات لے کر پھرے گا۔ تو اس کا لینے والا کسی کو نہ پائیگا اور آدمی اس سے کہے گا کہ اگر تم کل خیرات لے کر آتے تو میں اسے قبول کر لیتا آج تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

۱۴۱۲ ـ حدثنا أبو الیمان ، أخبرنا شعیب ، حدثنا أبو الزناد ، عن عبدالرحمٰن، عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال : قال النبی ﷺ : ((لا تقوم الساعة حتی یکثر فیکم المال فیفیض حتی یهم رب المال من یقبل صدقته . و حتی یعرضه فیقول الذی یعرضه علیه : لاأرب لی)) . [راجع:۸۵].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت نہیں آئی گی یہاں تک تم میں دولت کی زیادتی ہو جائے گی اور بہتی پھرے گی یہاں تک مال والے کو یہ فکر رہے گی کہ کوئی شخص اس کے صدقہ کو قبول کر لیتا اور یہاں تک وہ اس کو کسی کے سامنے پیش کرے گا تو وہ شخص جس کے سامنے مال پیش کرے گا تو وہ کہے گا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں۔

۱۴۱۳ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد ، حدثنا أبو عاصم النبیل، أخبرنا سعدان بن بشر ، حدثنا أبو مجاهد ، حدثنا محل بن خلیفة الطائی قال : سمعت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ یقول : کنت عند رسول اللہ ﷺ فجاء ہ رجلان : أحدهما یشکو العیلة ، والآخر یشکو قطع السبیل . فقال رسول اللہ ﷺ : ((أما قطع السبیل فإنه لا یأتی علیک إلا قلیل حتی تخرج العیر إلی مکة بغیر خفیر . وأما العیلة فإن الساعة لا تقوم حتی یطوف أحدکم بصدقته ، لا یجد من یقبلها منه . ثم لیقفن أحدکم بین یدی اللہ ، لیس بینه و بینه حجاب

ولا ترجمان يترجم له ، ثم ليقولن له : ألم أوتك مالاً ؟ فليقولن : بلىٰ .ثم ليقولن : ألم أرسل إليك رسولاً ؟ فليقولن : بلىٰ ، فينظر عن يمينه فلا يرى إلا النار، ثم ينظر عن شماله فلا يرى إلا النار. فليتقين أحدكم النار فإن لم يجد فبكلمة طيبة ».[أنظر:۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲]. [۱۹]

تشریح

دو آدمی آئے اور ایک شخص نے **"عَيْلَة"** یعنی فقر کی شکایت کی اور دوسرے نے قطعِ سبیل کی شکایت کی کہ راستے میں چور ڈاکو بہت ہیں، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قطعِ سبیل کا معاملہ تو یہ ہے کہ **" أما قطع السبيل لا يأتي عليك إلا قليل حتى تخرج العير إلىٰ مكة بغير خفير "** کہ عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ مکہ کی طرف قافلہ بغیر کسی نگہبان اور چوکیدار کے نکلے گا اور کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہوگا، ایسے آرام سے چلا جائے گا۔

"عيلة" کے معنی یہ ہیں کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم میں سے ایک شخص اپنے ہاتھ میں صدقہ لے کر پھرے گا اور اس کو قبول کرنے کے لئے کوئی شخص نہیں پائے گا۔

یہ واقعہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں پیش آ چکا ہے کہ لوگ بعض اوقات صدقہ لے کر جاتے تو کوئی قبول کرنے والا نہ ملتا اور ہو سکتا ہے کہ آگے بھی کبھی امام مہدیؒ کے زمانے میں بھی آ جائے۔

۱۴۱۴ ـ حدثنا محمد بن العلاء ، حدثنا أبو أسامة ، عن بريد ، عن أبي بردة ، عن أبي موسى رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال : « ليأتين على الناس زمان يطوف الرجل فيه بالصدقة من الذهب ثم لا يجد أحداً يأخذها منه. ويرى الرجل الواحد يتبعه أربعون امرأة يلذن به من قلة الرجال و كثرة النساء ».

ترجمہ: ابوموسی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک شخص صدقہ کا سونا لے کر گھومے گا لیکن اسے کوئی ایسا آدمی نہ ملے گا جو اسے قبول کرے اور انہیں میں ایک ایسا شخص بھی نظر آئے گا کہ اس کے پیچھے اس کی پناہ میں مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی کے سبب چالیس عورتیں ہوں گی۔

---

[۱۸] وفي صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، رقم: ۱۶۸۹ ، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة باب القليل في الصدقة ،رقم :۲۵۰۶ ، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، باب حديث عديّ بن حاتم الطائي ، رقم :۱۷۵۳۵ .

(۱۰) باب: اتقوا النار ولو بشق تمرة والقليل من الصدقة،

آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہو یا تھوڑا سا صدقہ دے کر

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ إلى قوله : ﴿فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ [البقرة: ۲۶۵،۲۶۶]

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے دل کو ٹھیک رکھ کر خرچ کرتے ہیں اس باغ کی طرح ہے جو اونچی جگہ پر ہے۔

یعنی ایک کھجور کا حصہ بھی تم صدقہ کرو گے تو اس سے تمہارے گناہوں کی معافی ہوگی اور آگ سے بھی حفاظت ہوگی۔

۱۴۱۵ ۔ حدثنا عبيد الله بن سعيد ، حدثنا أبو النعمان هو الحكم بن عبدالله البصرى ، حدثنا شعبة عن سليمان عن أبى وائل، عن أبى مسعود ﷺ قال : لما نزلت آية الصدقة كنا نحامل ، فجاء رجل فتصدق بشيء كثير، فقالوا : مرائى . و جاء رجل فتصدق بصاع ، فقالوا : إن الله لغنيٌّ عن صاع هذا . فنزلت ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ الآية [التوبة: ۷۹] [أنظر: ۱۴۱۶، ۴۶۶۸، ۴۶۶۹]. [۲۰]

مفہوم

فرماتے ہیں کہ جب صدقے کی فضیلت میں یہ آیت صدقہ نازل ہوئی، تو **"کنا نحامل"** ہم بار برداری اور مزدوری کیا کرتے تھے اور اس سے پیسے کما لیتے تھے گویا تب آمدنی ہوتی تھی **"فجاء رجل فتصدق بشيء کثیر"** ایک آدمی آیا اور اس نے بہت پیسے صدقہ کئے **"وقالوا مرائی"** تو منافقین نے کہا کہ یہ بہت بڑا ریا کار ہے، یہ دکھانا چاہتا ہے کہ میں بڑا سخی ہوں، اس واسطے اس نے بہت سارا صدقہ کیا **"وجاء رجل فتصدق بصاع"** ایک آدمی آیا، اس نے صرف ایک صاع صدقہ کیا تو منافقین نے کہا **"ان اللہ لغنیٌّ عن صاع هذا"** اللہ تعالیٰ اس کے صاع سے غنی ہیں، یہ کیا لے کر آیا ہے کوئی دینے کی چیز ہے، اس پر بھی اعتراض کیا، تو ہر طرف اعتراض، نہ ادھر نہ اُدھر، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی **﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾** وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں خوش دلی سے صدقہ کرنے والوں پر، **"مطوعین"** کے معنی خوش دلی سے صدقہ دینے والے، **"والذین لا یجدون الا جهدهم"** اور ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں جو نہیں پاتے لیکن اپنی کوشش کے مطابق جتنا ہوسکتا ہے وہ دے دیتے ہیں۔

---

[۲۰] وفى صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب الحمل باجرة يتصدق بها والنهى الشديد عن تنقيص المتصدق بقليل، رقم: ۱۶۹۲ ، وسنن النسائى كتاب الزكاة ، باب جهد المقل ، رقم : ۲۴۸۳.

۱۴۱۶۔ حدثنا سعید بن یحیی ، حدثنا أبی ، حدثنا الأعمش ، عن شقیق ، عن أبی مسعود ، الأنصاری ﷛ قال : کان رسول اللہ ﷺ اذا أمرنا بالصدقة أنطلق أحدنا الی السوق فیحامل فیصیب المد . وان لبعضهم الیوم لمائة ألف . [راجع : ۱۴۱۵]

ترجمہ: ابومسعود انصاری ﷛ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب ہمیں صدقہ کا حکم دیتے تو ہم میں سے کوئی آدمی بازار جاتا اور مزدوری کر کے ایک مد حاصل کرتا آج ان میں سے بعض کے پاس ایک لاکھ درہم ہیں۔

۱۴۱۷۔ حدثنا سلیمان بن حرب ، حدثنا شعبة ، عن أبی اسحاق قال : سمعت عبداللہ بن معقل قال : سمعت عدی بن حاتم ﷛ قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : ((اتقوا النار ولو بشق تمرةٍ)) . [راجع: ۱۴۱۳]

ترجمہ: عدی بن حاتم ﷛ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر چہ کھجور کا ٹکڑا ہو اسے صدقہ دے کر آگ سے بچو۔

۱۴۱۸۔ حدثنا بشر بن محمد قال : أخبرنا عبداللہ ، أخبرنا معمر ، عن الزهری قال : حدثنی عبداللہ بن أبی بکر بن حزم عن عروة ، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت : دخلت امرأة معها ابنتان لها تسأل . فلم تجد عندی شیئا غیر تمرة فاعطیتها ایاها ، فقسمتها بین ابنتیها ، ولم تأکل منها ، ثم قامت فخرجت . فدخل النبی ﷺ علینا فاخبرته فقال النبی ﷺ : ((من أبتلی من هذه البنات بشئی کن له ستراً من النار)) [أنظر: ۵۹۹۵] [۲۱]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ مانگتی ہوئی آئیں، اس نے میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ پایا، تو میں نے وہ کھجور اسے دے دی، اس عورت نے اس کھجور کو دونوں لڑکیوں میں بانٹ دیا اور خود کچھ نہ کھایا پھر کھڑی ہوگئی اور چل دی۔

جب نبی کریم ﷺ ہمارے پاس آئے تو میں نے آپ ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ان لڑکیوں کے سبب سے آزمائش میں ڈالا جائے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے آگ سے حجاب ہونگی۔

(۱۱) باب فضل صدقة الشحیح الصحیح

بخیل کی تندرسی کی حالت میں صدقہ کرنے کی فضیلت کا بیان

لقوله تعالیٰ: ﴿ و اَنفِقُوا مِمَّا رَزَقنٰكُم مِن

[۲۱] وفی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الاحسان الی البنات، رقم: ۴۷۶۳، وسنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی النفقة علی البنات والأخوات، رقم : ۸۳۸، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث السیدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۲۶، ۲۳۴۳۳، ۲۳۴۷۰، ۲۴۱۶۷، ۲۴۸۶۶.

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ [المنافقون: ۱۰]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور خرچ کرو اس چیز سے جو ہم نے تم کو دی قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے۔

وقوله: ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَابَيْعٌ فِيْهِ﴾ [البقرة: ۲۵۴].

اور اللہ کا قول کہ اے ایمان والو! تم خرچ کرو اس چیز سے جو ہم نے تم کو دی قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی اور نہ شفاعت۔

"الشحيح" ۔ **"شح"** سے نکلا ہے، اس کے معنی حرص اور بخل کے ہوتے ہیں، یہاں پر مراد یہ ہے کہ دل میں مال کی محبت ہو اور اس کے باوجود انسان صدقہ کرے، اس سے مراد مذموم محبت نہیں ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ **"وماآتي لمال على حبه ذوالقربیٰ والیتمیٰ"** باوجود مال سے محبت ہونے کے پھر بھی دیتا ہے اور جو محبت مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے مانع نہ ہو، وہ مذموم نہیں۔

۱۴۱۹ـ حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عبد الواحد، حدثنا عمارة بن القعقاع، حدثنا أبوزرعة، حدثنا أبو هريرة ﷺ قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله أي الصدقة أعظم أجرا؟ قال: ((أن تصدق وأنت صحيح شحيح تخشى الفقر، و تأمل الغنى ولا تمهل حتى إذا بلغت الحلقوم قلت: لفلان كذا ولفلان كذا، و قد كان لفلان)). [أنظر: ۲۷۴۸] [۲۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کون سا صدقہ اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تو تندرست ہے، بخیل ہے اور فقر سے ڈرتا ہے اور مالداری کی امید کرتا ہے اور نہ توقف کراتا کہ جان حلق تک آجائے اور تو کہے کہ اتنا مال فلاں شخص کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں شخص کو دے دیا جائے حالانکہ اب تو وہ مال فلاں کا ہی ہو چکا۔

[۲۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن أفضل الصدقة صدقة الصحيح الشحيح، رقم: ۱۷۱۳، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب أي صدقة أفضل، رقم: ۲۴۹۵، و كتاب الوصايا، باب الكراهية في تاخير الوصية، رقم: ۳۵۵۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في كراهية الاضرار في الوصية، رقم: ۲۴۸۱، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۶۲، ۷۱۰۰، ۹۰۰۹، ۹۳۹۲.

یعنی اتنا انتظار نہ کرو کہ جب تمہاری جان حلق تک پہنچ جائے تو اس وقت یہ کہو کہ اتنے فلاں کو دیدو اور اتنے فلاں کو دیدو، وصیت کرنا شروع کردی، حالانکہ تمہارا مال فلاں کا ہوگیا یعنی تمہارے وارث کا ہوگیا، اب تمہارا حق ہی نہیں کہ تم ایک حد سے زیادہ لوگوں کو دینے کی وصیت کرو، اس سے پہلے پہلے صدقہ کرو۔

باب:

۱۴۲۰ ۔ حدثنا موسی بن إسماعیل : حدثنا أبو عوانته ، عن فراس ، عن الشعبي ، عن مسروق ، عن عائشة رضي الله عنها : أن بعض أزواج النبي ﷺ قلن للنبي ﷺ : أینا أسرع بک لحوقاً ؟ قال : ((أطولکن یداً))، فأخذوا قصبة یذرعونها فکانت سودة أطولهن یداً. فعلمنا بعد أنما کانت طول یدها الصدقة ، وکانت أسرعنا لحوقا به ، وکانت تحب الصدقة. [۲۳، ۲۴]

حدیث کی تشریح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا **"اینا اسرعُ بک لحوقاً"** ہم میں سے کون زیادہ جلدی آپ سے جاکر ملے گی یعنی ازواج مطہرات میں سے کون ہے جس کا انتقال آپ کے بعد سب سے پہلے ہوگا اور وہ سب سے پہلے جاکر آپ سے ملے گی، تو آپ نے فرمایا **"أطولکنّ یدا"** تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں **"فأ خذوا قصبة یذرعونها"** تو ازواج مطہرات نے بانس لے کر ناپنا شروع کردیا کہ کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں **"فکانت سودةُ اطول یداً"** تمام ازواج میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے تو سمجھے کہ حضرت سودہؓ سب سے پہلے تشریف لے جائیں گی۔

"فعلمنا بعد إنما کانت طول یدها الصدقة" بعد میں پتہ چلا کہ لمبے ہاتھ ہونے سے مراد ظاہری لمبائی نہیں تھی بلکہ ایک اشارہ تھا صدقہ کی طرف کہ جو زیادہ صدقہ کرتی ہو **"وکانت أسرعنا لحوقاً به"** اور وہی خاتون جو سب سے زیادہ صدقہ کرتی تھیں وہی سب سے پہلے حضور ﷺ سے جاکر ملیں **"وکانت تحبّ الصدقة"** اور صدقہ کو پسند کرتی تھیں۔

بعض لوگوں نے **"کانت"** کی ضمیر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہی کی طرف راجع کردی، جیسا کہ یہاں

---

۲۳ لایوجد للحدیث مکررات.

۲۴ ذکر من اخرجه غیره . وفي صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل زینب أم المومنین ،رقم: ۴۴۹۰، وسنن النسائي ، کتاب الزکاة ، باب فضل الصدقة، رقم :۲۴۹۴، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حدیث السیدة عائشة ، رقم : ۲۳۷۵۲.

پر موجود ہے یعنی حضرت سودہؓ کے لمبے ہاتھ بھی تھے، بعد میں پتہ چلا کہ طولِ ید سے مراد صدقے کی کثرت ہے اور وہی سودہؓ صدقے کی کثرت کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ سے جا کر ملیں گی، بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا۔ اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض بھی کیا کہ یہ کیسے یہاں پر لائے ہیں۔

واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ شروع میں تو ازواج مطہرات ظاہری طول کے معنی سمجھ رہی تھیں اس کی وجہ سے ان کا خیال یہ ہوا کہ سودہؓ سب سے پہلے جا کر ملیں گی لیکن بعد میں دیکھا کہ حضرت سودہؓ تو زندہ رہیں اور حضور ﷺ سے سب سے پہلے ملاقات کرنے والی حضرت زینب بنت جحش تھیں، ازواج مطہرات میں ان کی وفات سب سے پہلے ہوئی اور وہ اپنے قد و قامت میں حضرت سودہؓ کے مقابلے میں چھوٹی تھیں، ان کے ظاہری طولِ ید کے ہونے کا امکان نہیں تھا تو جسم کے اعتبار سے ان کے ہاتھ لمبے نہیں تھے، انہیں اس واسطے بعد میں پتا چلا کہ طولِ ید سے مراد کثرت سے صدقہ کرنا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ زینب بنت جحشؓ تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی تھیں تو یہاں **"وکانت أسرعنا لحوقاً به"** میں **"کانت"** کی ضمیر ان خاتون کی طرف لوٹ رہی ہے جو کثرت سے صدقہ کرنے والی تھیں، یعنی حضرت زینب بنت جحشؓ، اگرچہ یہاں لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن ضمیر ان ہی کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ حضرت سودہؓ کی طرف۔ [۲۵]

---

[۲۵] ((وکانت أسراعنا لحوقاً به)) أي: بالنبي ﷺ، والضمير في: كانت، بحسب الظاهر، ويرجع الى سودة، وقد صرح به البخاري في (تاريخه الصغير) في روايته عن موسى بن اسماعيل بهذا الأسناد فكانت سودة أسراعنا ... الى آخره. وكذا أخرجه البيهقي في (الدلائل) من طريق العباس الدوري: عن موسى بن اسماعيل، وكذا في رواية عفان عند أحمد وابن سعد عنه، وقال ابن سعد: قال لنا محمد بن عمر، يعني: الواقدي، هذا الحديث وهم في سودة، وانما هو في زينب بنت جحش، رضي الله تعالىٰ عنها، فهي أول نسائه به لحوقاً. وتوفيت في خلافة عمر، ﷺ، وبقيت سودة الى أن توفيت في خلافة معاوية في شوال سنة أربع و خمسين، وفي (التلويح): هذا الحديث غلط من بعض الرواة، و العجب من البخاري كيف لم ينبه عليه، ولا مَن بعده من أصحاب التعاليق، حتى ان بعضه فسره بأن لحوق سودة من أعلام النبوة، وكل ذلك وهم، وانما هي زينب بنت جحش، فانها كانت أطولهن يداً بالمعروف، و توفيت سنة عشرين، وهي أول الزوجات وفاةً، و سودة توفيت سنة أربع وخمسين، وقد ذكر مسلم ذلك على الصحة من حديث عائشة بنت طلحة عن عائشة قالت: وكانتْ زينب أطولنا يداً لأنها كانت تعمل وتتصدق. قلت: أخذ صاحب (التلويح) هذا كله من كلام ابن الجوزي. وقوله: حتى ان بعضهم، المراد به الخطابي، وذكر صاحب (التلويح) أيضاً فقال: يحتمل أن تكون رواية البخاري لها وجه، وهو أن يكون خطابه، لمن كان حاضراً عنده، اذ ذاك من الزوجات، وأن سودة وعائشة كانتا ثمة و زينب غائبة لم تكن حاضرة. قلت: هذا من كلام الطيبي فانه قال: يمكن أن يقال فيما رواه البخاري: المراد الحاضرات من أزواجه دون زينب، فكانت سودة أولهن موتاً. قلت: يرد ماقاله ما رواه ابن حبان من رواية يحيى بن حماد: أن نساء النبي ﷺ اجتمعن عنده لم تغادر منهن واحدة، ويمكن أن يأتي هذا على أحد القولين في وفاة سودة، فقد روى البخاري في (تاريخه) باسناد صحيح الى سعيد بن أبي هلال أنه قال: ماتت سودة في خلافة عمر، ﷺ، وجزم الذهبي في (التاريخ الكبير) بانها ماتت في آخر خلافة عمر، ﷺ، وقال ابن سيد الناس: انه المشهور. وأما على قول الواقدي الذي تقدم ذكره فلايصح. وقال ابن بطال: هذا الحديث سقط منه ذكر زينب لاتفاق أهل السير على أن زينب أول من مات من أزواج النبي ﷺ قلت: مراده أن الصواب: وكانت زينب أسرعنا لحوقاً به. عمدة القاري، ج: ٦، ص: ٣٨٦ - ٣٨٧.

(۱۲) باب صدقة العلانية

اعلانیہ صدقہ کرنے کا بیان

و قوله عز وجل: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ إلى قوله: ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقره: ۲۷۴].

اور جو لوگ اپنا مال رات اور دن کھلم کھلا اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں تو ان کو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ملے گا۔ اور نہ تو ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

اعلانیہ صدقہ کرنے سے گویا یہ ثبوت ملا کہ اللہ نے اس کی بھی تعریف کی ہے۔

اعلانیہ صدقہ کرنا اس وقت قابلِ تعریف ہے جبکہ اعلانیہ کا مقصد ریا، نام ونمود اور دکھاوا نہ ہو، لیکن اگر نام ونمود ہو تو پھر اعلانیہ صدقہ کرنا بالکل بھی جائز نہیں۔

(۱۳) باب صدقة السر

پوشیدہ طور پر صدقہ کرنے کا بیان

وقال أبوهريرة ﷺ عن النبی ﷺ: ((ورجل تصدق بصدقةٍ فأخفاها حتى لاتعلم شماله ماصنعت بيمينه)) وقوله تعالىٰ: ﴿إِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ الآية [البقرة: ۲۷۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرد جس نے اس طرح چھپا کر خیرات کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوئی کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔

اور اللہ ﷻ کا قول اگر تم خیرات اعلانیہ کرو تو اچھا ہے اور اگر پوشیدہ طور پر کرو تو یہ بھی اچھا ہے۔

(۱۴) باب: إذا تصدق على غني وهو لا يعلم

جب کسی مالدار آدمی کو صدقہ دے اور وہ نہ جانتا ہو

۱۴۲۱ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: ((قال رجل: لأتصدقن بصدقة، فخرج بصدقته فوضعها في يد سارق فأصبحوا يتحدثون: تصدق على سارق. فقال: اللّهم لک

الحمد. لأتصدقن بصدقة ، فخرج بصدقته فوضعها في يد زانية . فأصبحوا يتحدثون : تصدق الليلة على زانية فقال : اللّٰهم لک الحمد على زانية . لأتصدقن بصدقة ، فخرج بصدقة فوضعها في يد غني فأصبحوا يتحدثون : تصدق على غني.فقال : اللّٰهم لک الحمد على سارق، وعلى زانية ، وعلى غني . فأتي فقيل له : أما صدقتک على سارق، فلعله أن يستعف عن سرقته . وأما الزانية فلعلها أن تستعف عن زناها. وأماالغني فلعله أن يعتبر فينفق مما أعطاه اللّٰه)). ۲۶ ، ۲۷

الفاظ حدیث کی تشریح

حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا **"لأ تصد قنّ بصدقة"** کہ میں آج کوئی صدقہ کروں گا **"فخرج بصدقته"** صدقہ کے لئے پیسے لے کر چلا **"فو ضعها في يد سارق"** تو کسی کو چپکے سے دیا اور جس کو دیا وہ چور تھا **"فا صبحوا يتحدثون"** صبح کے وقت میں لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے پائے گئے کہ آج ایک چور کو صدقہ دیا گیا۔ **"فقال اللهمّ لک الحمد"** اس پر صدقہ دینے والے نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ یا اللہ آپ کا شکر ہے۔ شکر اس لئے ادا کیا کہ اللہ نے مجھے صدقہ کی توفیق دی اور میں نے اس طرح صدقہ دیا کہ مجھے پتہ نہیں کہ متصدق علیہ کون ہے تو میں نے وہ کام کیا جو میرے کرنے کا تھا۔ اب یہ کہ صدقہ چور کے ہاتھ چلا گیا تو اے اللہ! یہ آپ کی تقدیر ہے اور یہ آپ کی طرف سے ہے، تو اس واسطے میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

پھر دوبارہ ارادہ کیا کہ **"لأ تصدقن بصدقة"** آج پھر ارادہ کیا کہ میں صدقہ کرونگا **"فخرج بصدقته فو ضعها في يد زانية"** تو ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے کر چلا گیا **"فاصبحوا يتحدثون : تُصدّق الليلة علىٰ زانيةٍ"** صبح میں لوگ پھر آپس میں باتیں کرتے پائے گئے **"فقال اللّٰهم لک الحمد علىٰ زانيةٍ"** کے معنی ہوئے میں نے تو آپ کے فضل سے صدقہ کر دیا، میں نے تو اپنی طرف سے صحیح نیت کی تھی اور صحیح آدمی کو دینے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ زانیہ کو پہنچ گیا، بہر حال اے اللہ! آپ کا شکر ہے۔

"لأتصدقنّ بصدقةٍ" پھر ارادہ کیا کہ آج صدقہ کروں گا **"فخرج بصدقته فو ضعها في يد غني"** اب ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دیا جو پہلے سے ہی مالدار تھا **"فاصبحوا يتحدثو ن : تصدّق علىٰ**

---

۲۶ لایوجد للحدیث مکررات.

۲۷ ذكر من أخرجه غيره ، وفي صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب ثبوت أجر المتصدق وان وقعت الصدقة في يد غير أهلها ، رقم :۱۶۹۸ ، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة، باب اذا أعطاها غنيا وهو لايشعر، رقم :۲۴۷۶، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين ، باب باقي المسند السابق ، رقم :۷۹۳۳، ۸۲۴۷.

غنی، فقال اللّٰھم لک الحمد علی سارق، وعلی زانیة، وعلی غنيٍ " اے اللہ! آپ کا شکر ہے چاہے صدقہ چور کو دیا، چاہے زانیہ کو، چاہے غنی کو دیا۔

" **فاُتِيَ** " تو اس کے پاس آنے والا آیا، " **اُتِيَ** " کے معنی ہیں " آیا گیا " یعنی آنیوالا اس کے پاس آیا یعنی خواب میں کوئی فرشتہ آیا، " **فقیل لہ** " اور اس خواب میں اس سے کہا گیا کہ " **امّا صدقتک علی سارقٍ** " تمہارا صدقہ جو چور کے پاس گیا " **فلعله أن یستعفّ عن سرقة** " تو شاید اس صدقہ کی برکت سے وہ اپنی چوری سے پاک ہو جائے۔

" **واما الزانیة فلعھا أن تستعفّ عن زناھا** " اور زانیہ اس صدقہ کی برکت سے شاید زنا سے پاک ہو جائے۔

" **و امّا الغنی فلعلّه أن یعتبر فینفق مما أعطاه اللّٰه** " شاید وہ عبرت حاصل کرے کہ کوئی تو مجھے بھی دے گیا تو کم از کم میں اللہ کے راستہ میں خرچ کروں، تو اس کے دل میں انفاق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

اس حدیث کو لاکر امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیا "**باب إذا تصدق علی غنيّ و ھو لا یعلم**" کہ اگر کوئی شخص غنی کو صدقہ دے جب کہ اس کو پتا نہ ہو کہ یہ غنی ہے تو وہ صدقہ اللہ کے ہاں معتبر ہو جاتا ہے، یعنی زکاۃ کے اندر بھی یہی حکم ہے کہ زکاۃ کسی شخص کو دے دی یہ سمجھ کر کہ یہ فقیر ہے، غیر صاحبِ نصاب ہے، بعد میں پتا چلا کہ وہ غنی تھا تو زکاۃ دہرانے کی ضرورت نہیں بلکہ زکاۃ ادا ہو جاتی ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، البتہ اگلے باب میں اختلاف ہے۔

(۱۵) بابٌ: إذا تصدق علی ابنه وھو لا یشعر

اپنے بیٹے کو خیرات دینے کا بیان اس حال میں کہ اسے خبر نہ ہو

۱۴۲۲ ۔ حدثنا محمد بن یوسف : حدثنا إسرائیل : حدثنا أبو الجویریة أن معن ابن یزید ﷺ حدثه ، قال : بایعت رسول اللّٰه ﷺ انا وأبی وجدی ، وخطب علی فأنکحنی. وخاصمت إلیه وکان أبی یزید أخرج دنانیر یتصدق بھا. فوضعھا عند رجل فی المسجد، فجئت فأخذتھا فأتیته بھا. فقال: واللّٰه ما إیاک أردت ، فخاصمته إلی رسول اللّٰه ﷺ فقال : ((لک ما نویت یا یزید ، ولک ما أخذت یا معن)) . [۲۸] ، [۲۹]

---

[۲۸] لا یوجد للحدیث مکررات.

[۲۹] وفی مسند أحمد ، مسند المکیین ، باب حدیث معن بن یزید السلمی ، رقم : ۱۵۲۹۹، ۱۵۵۹، وسنن الدارمی، کتاب الزکاۃ ، باب فیمن یتصدق علی غنی ، رقم : ۱۵۸۲ .

تشریح

حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے بیعت کی **"أنا وأبي وجدي"** میں نے، میرے باپ نے، میرے دادا نے، تینوں نے ایک ساتھ حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اس میں ایک تو اپنے لئے قابلِ فخر بات یہ بیان کی کہ ہمارے باپ دادا نے بھی ساتھ ساتھ بیعت کی تھی اور دوسری بات یہ بیان کی **"وخطب عليّ فأنكحني"** حضور اقدس ﷺ نے میرے نکاح کا پیغام دیا یعنی عورت کے اولیاء سے **"فأنكحني"** اور نکاح بھی میرا حضور اکرم ﷺ نے کروایا، تو گویا خصوصیت کا ایک واقعہ یہ ہے،

"وخاصمتُ إليه" یہ خصوصیت کا تیسرا واقعہ ہے میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مرتبہ اپنا مقدمہ لے گیا، اب آگے جو واقعہ بیان کر رہے ہیں یا تو وہی خصومت کا واقعہ کی تشریح ہے کہ خصومت اس طرح ہوئی یا کوئی اور واقعہ بھی ہوسکتا ہے، یہ تینوں باتیں الگ الگ ہیں جو گویا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ الگ الگ تین خصوصیات ہیں، آگے واقعہ بیان کرتے ہیں:

"وكان أبي يزيد أخرج دنانير يتصدق بها" میرے والد حضرت یزید نے کچھ دینار صدقہ کی نیت سے نکالے تھے۔

"فوضعها عند رجل في المسجد" تو وہ پیسے لے کر مسجد میں کسی صاحب کو دیدیئے جو مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو امانت دیدیئے کہ جو کوئی مستحق معلوم ہو تو اس کو میری طرف سے صدقہ کر دینا۔

"فجئت" اب میں مسجد میں آیا تو وہ صاحب اس لئے بیٹھے تھے کہ کوئی مناسب آدمی ملے تو اس کو صدقہ کے پیسے دیدوں اور یہی معن بن یزید رضی اللہ عنہ ان کو مناسب ملے، لہٰذا ان کو دیدیئے۔

"فأخذتها" چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں سے لے لئے۔ **"وأتيته بها"** تو میں والد صاحب کے پاس لے کر آیا اور بتایا کہ اس طرح ایک آدمی مسجد میں بیٹھا تھا میں یہ صدقہ اس سے لے کر آیا ہوں۔

"فقال والله ما إياك أردتُ" والد صاحب نے کہا قسم خدا کی میرا تمہیں دینے کا مقصد تھوڑا ہی تھا کہ اپنے بیٹے کو دیدوں، میرا مقصد تو صدقہ کرنا تھا۔

"فخاصمته الى رسول ﷺ" میں یہ معاملہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ **"خاصمت"** سے مراد جھگڑنا نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ مسئلہ پوچھنے گیا کہ آیا یہ میرے لئے جائز ہے کہ نہیں کہ قصہ یہ پیش آیا کہ میرے باپ رکھ گئے تھے اور میں لے گیا گویا متصدق کو بھی خیال نہیں تھا کہ میں اپنے بیٹے کو صدقہ کر رہا ہوں اور جس کے پاس امانت رکھی تھی شاید اس کو بھی پتا نہ ہو کہ یہ ان کے بیٹے ہیں بلکہ مستحق سمجھ کر دیدیا تو یہ آیا جائز ہوا کہ نہیں؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **"لك ما نويت يا يزيد ولك ما أخذت يا معن"** اے یزید! جو کچھ

تم نے نیت کی تھی تمہیں اس کا ثواب مل گیا اور اے معن! جو تم نے لیا وہ تمہارا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال فرما رہے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں" **لک ما نویت یایزید ولک ما أخذت یا معن**".

ویسے زکوٰۃ کا حکم جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ باپ بیٹے کو نہیں دے سکتا اور بیٹا باپ کو نہیں دے سکتا لیکن اگر کسی شخص نے اندھیرے میں اپنے بیٹے یا باپ کو زکوٰۃ دیدی مثلاً صاحبِ ہدایہ نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر اندھیرے میں یہ سمجھ کر زکاۃ دی کہ یہ مستحق ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ تو میرا ہی بیٹا تھا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں کہ زکاۃ ادا ہوگئی۔

حنفیہ کے نزدیک اگر بعد میں پتا چلا کہ میں نے اپنے باپ یا بیٹے کو زکوٰۃ دی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔[۳۰] اس میں اور غنی میں فرق ہے۔ غنی کو دینے کی صورت میں زکوٰۃ تیسرے آدمی کے پاس گئی یہ اور بات ہے کہ بعد میں پتہ چلا کہ وہ غنی تھا لیکن اگر بیٹے کو دی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دوبارہ اپنی ہی جیب میں آئی، اس واسطے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

حدیثِ باب کا جواب یہ ہے کہ یہ صدقہ نافلہ تھا، صدقہ نافلہ آدمی اپنی اولاد کو بھی دے سکتا ہے، اگر چہ کسی اور کو دینے کی نیت تھی لیکن اپنی اولاد کے پاس پہنچ گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور صدقہ نافلہ ادا ہو گیا، اسی کے بارے میں آپ نے فرمایا"**لک ما نویت یا یزید ولک ما أخذت یا معن**" لیکن اس سے زکوٰۃ واجبہ کا حکم نہیں نکلتا، اگر بیٹے کا کاروبار باپ سے الگ ہو تب بھی بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ "**انت ومالک لأبیک**".

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر اولاد بالغ ہو، عیال میں نہ ہو تو اسے اس صورت میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب وہ مدیون ہو یا جہاد میں مشغول ہو۔[۳۱]

---

[۳۰] ہدایہ، ج:۱، ص:۲۰۷۔

[۳۱] وفیہ: أن ماخرج الی الابن من مال الأب علی وجه الصدقة أو الصلة أو الهبة لا رجوع للأب فیه، وهو قول أبی حنیفة، رحمه الله: واتفق العلماء علی أن الصدقة الواجبة لاتسقط عن الولد اذا أخذها ولده، حاشا التطوع. قال ابن بطال: وعلیه حمل حدیث معن، وعند الشافعی، رحمه الله: یجوز أن یاخذها الولد بشرط أن یکون غارماً أو غازیاً، فیحمل حدیث معن علی أنه کان متلبساً بأحد هذین النوعین. قالوا: واذا کان الولد أو الوالد فقیراً أو مسکیناً، وقلنا فی بعض الأحوال: لاتجب نفقته، فیجوز لوالده أو لولده دفع الزکاة الیه من سهم الفقراء والمساکین بلاخلاف عند الشافعی، لأنه حینئذٍ کالأجنبی. عمدة القاری، ج:۶، ص:۳۹۵.

(۱۶) باب الصدقة باليمين

دائیں ہاتھ سے صدقہ کرنے کا بیان

۱۴۲۳ـــ حدثنا مسدد : حدثنا يحيى ، عن عبيد الله قال : حدثني خبيب بن عبدالرحمن ، عن حفص بن عاصم ، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال : ((سبعة يظلهم الله تعالىٰ في ظله يوم لاظل الا ظله : امام عادل ، وشباب نشأ في عبادة الله ، ورجل قلبه معلق في المساجد ، ورجلان تحابا في الله ، اجتمعا عليه وتفرقا عليه . ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال : انه أخاف الله ، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه ، ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه)) . [راجع: ۶۶۰]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی ہیں کہ اللہ ﷻ ان کو اپنے سایہ میں لے گا، جب اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ امام عادل، جوان جس کی نشو نما اللہ کی عبادت ہی میں ہوئی ہو، وہ مرد جس کا دل مسجد سے لگا ہو، وہ دو مرد جنہوں نے اللہ ہی کے لئے محبت کی ہو اور اس پر قائم رہے ہوں اور اسی کے لئے جدا ہوئے ہوں، وہ مرد جس کو منصب والی کوئی حسین عورت نے بلایا اور اس مرد نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جس نے صدقہ کیا اور اس کو اس طرح چھپایا کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ جانتا ہو کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے۔ اور وہ مرد جس نے تنہائی میں اللہ ﷻ کو یاد کیا اور اس کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۱۷) باب من أمر خادمه بالصدقة ولم يناول بنفسه

اس شخص کا بیان جس نے اپنے خادم کو صدقہ دینے کا حکم دیا اور خود نہیں دیا

وقال أبو موسى عن النبي ﷺ : ((هو أحد المتصدقين)).

اور ابو موسی ﷺ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ وہ بھی صدقہ دینے والوں میں شمار ہوگا۔

۱۴۲۵ ــــ حدثنا عثمان بن أبي شيبة : حدثنا جرير ، عن منصور عن شفيق ، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت : قال النبي ﷺ : ((اذا انفقت المرأة من طعام بيتها غير مفسدة لان لها أجرها بما انفقت ، ولزوجها أجره بما كسب وللخازن مثل ذلک ،لاينقص بعضهم أجر بعض شيئاً)) . [أنظر : ۱۴۳۷ ، ۱۴۳۹ ، ۱۴۴۰ ، ۱۴۴۱، ۲۰۶۵][۳۲]

[۳۲] وفي صحيح مسلم ،كتاب الزكاة ،باب أجر الخازن الامين والمرأة اذا تصدقت من بيت،رقم : ۱۷۰۱ ،وسنن الترمذي، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب في نفقة المرأة من بيت زوجها،رقم : ۶۰۸ ،كتاب الزكاة ، باب المرأة تتصدق من بيت زوجها ، رقم : ۱۴۳۵ ، وسنن ابن ماجه، كتاب التجارات ، باب ماللمرأة من مال زوجها ، رقم : ۲۲۸۵ ، ومسند أحمد باقي مسند الأنصار ،باب حديث السيدة عائشة ،رقم : ۲۳۰۴۲، ۲۳۵۳۹، ۲۵۱۲۲.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت اپنے گھر سے کھانا خیرات کرے بشرطیکہ فساد کی نیت نہ ہو تو اس عورت کو اجر ملے گا اس سبب سے کہ اس نے خیرات کی اور اس کے شوہر کو ثواب ملے گا اس سبب سے کہ اس نے کمایا اور خازن کے لئے بھی اتنا ہی اجر ہے۔ ان میں سے کسی کے اجر کو دوسرے بعض کے اجر سے کم نہیں کرے گا۔

(۱۸) بابٌ: لاصدقة إلا عن ظهر غنىً

صدقہ اسی صورت میں جائز ہے کہ اس کی مالداری قائم رہے

ومن تصدق وهو محتاج ، أو أهله محتاج ، أو عليه دين فالدين أحق أن يقضى من الصدقة والعتق والهبة ، وهو رد عليه ، ليس له أن يتلف أموال الناس، وقال النبي ﷺ: ((من أخذ أموال الناس يريد إتلافها أتلفه الله)) إلا أن يكون معروفا بالصبر، فيؤثر على نفسه ولو كان به خصاصة كفعل أبي بكر حين تصدق بماله ، وكذلك آثر الأنصار المهاجرين . ونهى النبي ﷺ عن إضاعة المال فليس له أن يضيع أموال الناس بعلة الصدقة ، وقال كعب ﷺ : قلت : يا رسول الله إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقة إلى الله وإلى رسوله ﷺ .قال : ((أمسك عليك بعض مالك فهو خير لك)). قلت : فإني أمسك سهمي الذي بخيبر.

تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ علیحدہ اور طویل باب قائم کیا ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

فرمایا کہ **"لا صدقة إلا عن ظهر غنى"** یعنی صدقہ مقبول نہیں مگر وہ جو اپنے پیچھے غنی چھوڑ کر جائے۔

"ظهر" کے معنی پشت **"عن ظهر غنيٍ"** یعنی جس کی پشت پر غنا ہو، مطلب یہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد بھی انسان دوسرے کا محتاج نہ ہو، بلکہ غنی رہے اور اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا حق ادا کر سکے۔ مطلب یہ ہوا کہ صدقہ اس وقت ناجائز ہے جب صدقہ کرنے کے بعد انسان کے پاس اپنے نفس، اپنی بیوی اور اپنے بچوں کا حق ادا کرنے کیلئے پیسے موجود نہ ہوں، اگر سب کچھ صدقہ میں دے کر اپنے بیوی بچوں کا حق دبالیا یہ جائز نہیں، جیسا کہ **"يسئلونك ماذا ينفقون"** کہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کب تک خرچ کرنا جائز ہے، بلکہ کس حد تک خرچ کرنا جائز ہے **"قل العفو"** لوگوں سے کہہ دو کہ جو ان کی ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں، جس سے بیوی بچوں کا حق دبالیا جائے۔

"ومن تصدق وهو محتاج" اگر کوئی اس حالت میں صدقہ کرے کہ خود محتاج ہو، **"أو أهله محتاج"** یا اس کے گھر والے محتاج ہوں اور پھر بھی اپنا اور ان کا پیٹ کاٹ کے صدقہ کر رہا ہے تو یہ جائز نہیں،

"أو علیه دین" یا اس کے اوپر دَین ہو، کسی کا قرضہ دینا ہے اور برخوردار صدقہ فرمارہے ہیں اور صاحبِ دَین کا حق دبائے بیٹھے ہیں تو یہ جائز نہیں **"فالدین أحقُّ أن یقضی من الصدقة"** صدقہ کی بہ نسبت دَین (قرض) اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ ادا کیا جائے۔

بعض لوگ عجیب ہوتے ہیں، ایک صاحب ہمارے والد صاحب کے پاس آیا کرتے تھے، ان کا ایک اصول تھا کہ جہاں وہ بے روزگار ہوئے پس پھر وہ بکثرت صدقہ کیا کرتے تھے اور جب روزگار ملتا تھا تو اپنے اس روزگار میں لگ جاتے تھے، پھر جب وہ بے روزگار ہوتے تھے، پیسے سے بالکل خالی ہوتے تھے یعنی مفلس ہوتے تھے تو وہ خوب ہدیے اور تحفے لایا کرتے تھے۔ والد صاحب کے پاس صبح شام کبھی کوئی چیز لارہے ہیں کبھی کوئی چیز، والد صاحب کو پتہ نہیں تھا جب پتہ چلا کہ یہ تو بے روزگار ہیں تو والد صاحب نے ان کو بہت ڈانٹا کہ یہ کیا حرکت ہے، تم سے اپنے بیوی بچوں کا حق ادا کرنا مشکل ہورہا ہے اور یہاں ہدیے، تحفے لارہے ہو، کہنے لگے جب میں آپ کے پاس ہدیے، تحفے لاتا ہوں تو اس برکت سے مجھے روزگار مل جاتا ہے، یہ ان کی توجیہ ہوتی تھی، تو بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ بیوی بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں اور خود صاحب ہدیے، تحفے اور صدقے کررہے ہیں یہ جائز نہیں، **"وهو ردّ علیه"** اور یہ سب اعمال ہدیے، صدقے اور تحفے وغیرہ اس کے اوپر مردود اور رد ہیں، رد ہونے سے معنی آخرت میں رد ہونا تو مسلم ہے اور دنیا میں بھی رد ہیں کہ قاضی بھی ان کو معتبر قرار نہ دے۔

حنفیہ کے ہاں اس اطلاق کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ہر ایک صورتحال میں الگ حکم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بظاہر یوں لگتا ہے کہ ہر حالت میں رد ہے لیکن ہمارے یہاں حالات مختلف ہیں اور مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف احکام ہیں۔ [۳۳]

"لیس له أن یتلف أموال الناس" کہتے ہیں رد اس لئے ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے اموال ضائع کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ **"من أخذ أموال الناس یرید اتلافها أتلفه الله"**.

یعنی جس نے لوگوں کے مال لئے اور اس کا ارادہ اس کے تلف کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے برباد کردے گا۔

بیوی بچوں کا حق مار کر صدقہ کرنا، ہبہ کرنا یہ سب حرام ہیں۔ سوال پیدا ہوا کہ حضرت! آپ نے فتویٰ

---

۳۳ ((وهو رد)) أی : غیر مقبول ، لأن قضاء الدین واجبٌ والصدقة تطوع ومن أخذ دیناً وتصدق به ولا یجد مایقضی به الدین فقد دخل تحت وعید من أخذ أموال الناس، ومقتضی قوله : ((وهو رد علیه)) أن یکون الدین المستغرق مانعاً من صحة التبرع ، لکن هذا لیس علی الاطلاق وانما یکون مانعاً اذا حجر علیه الحاکم ، وما قبل الحجر فلا یمنع ، کما تقرر ذلک فی موضعه فی الفقه ، فعلی هذا اما یحمل اطلاق البخاری علیه أو یکون مذهبه أن الدین المستغرق یمنع مطلقاً ، ولکن هذا خلاف ما قاله العلماء ، حتی ان ابن قدامة وغیره نقلوا الاجماع علی أن المنع انما یکون بعد الحجر .عمدة القاری ، ج : ٦ ، ص : ٣٠١ .

کہاں سے دیدیا کہ یہ سب کچھ حرام ہے جبکہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے موقع پر سب کچھ لائے تھے، سارے گھر میں صفائی کردی اور گھر والوں کے لئے کچھ چھوڑا ہی نہیں، سارا مال اور سبھی کچھ لے آئے، تو پھر کیا انہوں نے گناہ کیا کہ اپنے بیوی بچوں کا حق پامال کیا، تو امام بخاری رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں **"إلا أن یکون معروفاً بالصبر فیؤثر علی نفسه ولو کان به خصاصة"** کہ اگر وہ آدمی خود اور اس کے اہل وعیال صبر کرنے میں معروف ہوں اور اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے میں معروف ہوں، چاہے تنگدستی میں ہی کیوں نہ ہوں، اگر ایسے گھر والے ہیں جن کے بارے میں پتہ ہے کہ خوشدلی سے اس بات پر راضی ہیں کہ خود بھوکے رہیں اور دوسروں کو کھلائیں تو پھر اس میں جائز ہے، **"کفعل أبی بکر حین تصدق بماله"** جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل تھا کہ انہوں نے سارا مال صدقہ کردیا، اس لئے کردیا کہ جانتے تھے کہ میں خود بھی الحمد للہ خوشدلی سے اس بات پر راضی ہوں اور میرے بیوی بچے بھی خوشدلی سے اس بات پر راضی ہیں کہ ہم بھوکے رہ جائیں لیکن جہاد کا کام ہو جائے، تو اس صورت میں ان کے لئے جائز ہے، بڑی فضیلت کی بات ہے لیکن جہاں یہ بات نہ ہو تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ بڑی پتے کی بات کہہ گئے یہیں سے واعظین کو دھوکہ لگتا ہے۔ واعظین اور جو کسی خاص مقصد کے لئے لوگوں کو ابھارتے ہیں جیسے جہاد کے لئے، تبلیغ کے لئے، تو وہ تقریر کرنے والے اور بیان کرنے والے بسا اوقات اس باریک نکتہ کو سمجھے بغیر بیان کردیتے ہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ واقعات جو بے انتہا ایثار کے واقعات ہیں اور ان کے خاص حالات میں انہوں نے اس پر عمل کیا، ان کا ذکر کیا جاتا ہے، یہ باور کراتے ہوئے کہ تمہارے اوپر بھی ایسا ہی کرنا واجب ہے، حالانکہ اس طرح کہنا جائز نہیں۔ [۳۴]

اگر واقعات کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ دیکھو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس درجہ تک ایثار کیا کرتے تھے، لہٰذا تم بھی کچھ تو کرو، یہ بات ٹھیک ہے اور اس طرح بیان کرنا درست ہے لیکن اگر اس طرح کیا جائے کہ دیکھو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا تھا، لہٰذا تم بھی یہی کرو اور ایسا کرنا تم پر واجب ہے تو ایسا کہنا غلط ہوگا کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مخصوص حالات میں کیا، وہ اپنے بیوی بچوں کا ظرف جانتے تھے اور اپنا ظرف جانتے تھے، لہٰذا انہوں نے کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں اور پرندہ آکر درختوں میں الجھ گیا تو دل ودماغ میں آگیا کہ دیکھو! میرا کتنا بڑا باغ ہے کہ اس میں پرندہ الجھ گیا اور اس کو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے تو بعد میں انہوں نے پورا باغ

---

۳۴ فیه: کراهة السؤال اذا لم یکن عن ضرورة نحو الخوف من هلاکه ونحوه، وقال أصحابنا: من له قوت یوم فسؤاله حرام. وفیه: الغنی الشاکر أفضل من الفقیر، وفیه خلاف. وفیه: اباحة الکلام للخطیب بکل مایصلح من موعظة وعلم وقربة. وفیه: الحث علی الصدقة والانفاق فی وجوه الطاعة. عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۴۰۷.

صدقہ کر دیا کہ اس نے میری نماز میں خلل ڈال دیا، تو کوئی شخص اگر یہ واقعہ اس سیاق میں بتلائے کہ دیکھو صحابۂ کرام ﷺ کا یہ عالم تھا تو ہم کم از کم کچھ تو خشوع کا اہتمام کریں تو یہ ٹھیک ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس درجہ کا خشوع حاصل کرنا ان کو واجب تھا اور تم بھی جب تک اس درجہ پر نہیں آؤ گے اور غیر اختیاری خیالات تمہارے دماغ میں آئیں گے تو یہ ناجائز ہوگا یہ اگر کوئی کہے تو یہ غلو ہوگا اور یہ ناجائز ہوگا کیونکہ مطلوب خشوع کا اختیاری درجہ ہے اور یہی واجب ہے اور غیر اختیاری جو انسان کے بس سے باہر ہے وہ واجب نہیں۔

حضرت حنظلہ ﷺ کی اسی رات شادی ہوئی تھی اور اگلے دن صبح جہاد پر چلے گئے اور وہیں شہید ہو گئے، تو بیوی کو چھوڑ گئے اور شہید ہو گئے تو بیوی کے حق کا کوئی خیال نہ آیا کہ بھئی! تازی تازی شادی ہوئی ہے تو اسے کیسے چھوڑ کر چلا جاؤں، تو اگر کوئی اس واقعے کو اس سیاق میں بتائے کہ دیکھو! صحابۂ کرام ﷺ نے اتنی قربانیاں دی ہیں تو کچھ قربانیاں ہم بھی تو دیں، یہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ بیوی کو چھوڑ کر جہاد میں چلا جائے یا تبلیغ میں جائے اور اس کہ ذمہ لازم ہے کہ بیوی کا کوئی انتظام کئے بغیر چلا جائے تو یہ کہنا درست نہیں بلکہ ناجائز ہے، اس لئے کہ حضرت حنظلہ ﷺ کا واقعہ نفیرِ عام کا تھا اس وقت ہر شخص پر فرضِ عین تھا، جس کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں **"تخرج المرأة بغير اذن زوجها، وتخرج المولىٰ بغير اذن سيده"** لیکن عام حالات کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، وہاں وہ حکم ہے جو آپ نے حدیث میں پڑھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک نبی جب جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو فرمایا تین آدمی ہمارے ساتھ نہ چلیں، ایک وہ جس کی تازہ تازہ شادی ہوئی ہو، ایک وہ جس نے عمارت تعمیر کرنا شروع کی ہو اور اس کی چھت نہ پڑی ہو وغیرہ وغیرہ تو وہاں یہ حکم دیا کہ جو نیا شادی شدہ ہے وہ نہ جائے، اس لئے کہ ایک تو اس کو بیوی کا حق ادا کرنا ہوگا دوسرے یہ کہ جائے گا تو خیالات اس طرف لگے رہیں گے تو اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکے گا تو عام حالات میں تو یہ حکم ہے۔

البتہ صحابۂ کرام ﷺ کے جو واقعات ایثار علی النفس یا ایثار علی الاھل کے ہیں وہ یا تو ایسی ناگزیر صورتحال کے مطابق ہیں جہاں وہ فرض ہو گیا تھا، یا ایسے حالات سے متعلق ہیں جہاں ان کو اپنے اہل وعیال پر پورا بھروسہ اور اطمینان تھا کہ یہ خوشی سے اپنا حق چھوڑنے پر راضی اور آمادہ ہو جائیں گے، ان واقعات کو اس طرح منطبق کرنا کہ اگر یہ نہ کیا تو تمہارا ایمان مقبول نہیں، تمہاری عبادات قبول نہیں اور تمہارے ذمے ایسا کرنا فرض اور واجب ہے، یہ بڑی زیادتی اور غلو ہے اور اس سے خلل پیدا ہوتا ہے۔

میں نے یہ مسئلہ کئی جگہ متعدد خطبات میں بیان کیا کہ بھئی! طلبِ علم ہو، تبلیغ ہو یا جہاد ہو یہ سارے کام احکام اور حدود کے پابند ہیں، یہ نہیں کہ طلبِ علم کی دھن سوار ہوگئی تو اب احکام شریعت نظر انداز ہو گئے، والدین منع کر رہے ہیں اور روک رہے ہیں جب کہ ضرورت مند بھی ہیں ان کو چھوڑ کر مفتی بننے کے لئے تخصص فی الافتاء میں داخلہ لے لیا، ارے بھائی! پہلے فتویٰ اپنے اوپر تو نافذ کرو، اگر کوئی شخص والدین کو محتاج ہونے کی حالت میں

چھوڑ کر آیا اور وہ اس کے ضرور تمند ہیں مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے تخصص فی الافتاء میں پڑھنے کا شوق لگا ہوا ہے، یہ سب غلط ہے، والدین کو چھوڑ کر یا بیوی بچوں کو چھوڑ کر آدمی فتویٰ پڑھنے کے لئے آجائے، تبلیغ میں نکل جائے یا جہاد میں چلا جائے جبکہ والدین خدمت کے محتاج ہوں تو یہ سب غلط اور ناجائز ہے اور جہاد میں جب فرضِ عین نہ ہو، نفیرِ عام نہ ہو تو والدین کو محتاج چھوڑ کر نکلنا ناجائز ہے، جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ کے پاس صحابی آئے، انہوں نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس جہاد کے شوق میں آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں تو آپ نے فرمایا واپس جاؤ جس طرح انہیں رلایا تھا اب جا کر ہنساؤ، میں تمہیں جہاد میں قبول نہیں کرتا اور آپ نے رد کر دیا۔[۳۵]

میں یہ احکام بھی بیان کرتا تھا، جو چھپ بھی گیا تو ہمارے ایک تبلیغی بھائی کا خط آیا، بہت لمبا چوڑا کہ صاحب! آپ نے یہ سب قصے بیان کر دیئے ہیں، اور یہ کہ بیوی بچوں کا حق مقدم ہے اور تبلیغ مؤخر ہے تو آپ نے ہمارا معاملہ گڑبڑ کر دیا اور جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دوسرے واقعات ہیں، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور نہ جانے کتنے واقعات ہیں، ایثار و قربانی بھی کوئی چیز ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سارے واقعات انہوں نے لکھے، اب میں نے اسے سمجھایا کہ بھائی! ہر ایک چیز کا درجہ ہوتا ہے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس وقت کا ہے جب نفیرِ عام تھی اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جو واقعات ہیں، ہر ایک کے اندر کچھ نہ کچھ عارض موجود ہے اور یہ سارے واقعات خصوصی حالات کے تحت ہوئے ہیں، ان کو ایک عام اصول بنانا اور اس کی بنیاد پر لوگوں کو دعوت دینا بالکل غلط ہے۔ بیچارے مخلص آدمی تھے تو یکے بعد دیگرے میرے خیال میں اس کے پانچ یا چھ خط آتے رہے، میں لکھتا رہا، وہ پھر اس کے اوپر اشکال کرتے رہے، میں جواب دیتا رہا۔ چھ، سات خطوط کے بعد کہیں جا کر ان کو اطمینان ہوا، تو میں اس لئے بتلانا چاہ رہا ہوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار کے واقعات بے شمار ہیں اور ضرور بیان کرنے چاہئیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات بیان کرنے سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے، ایمان میں پختگی آتی ہے، اس لئے کہ ان کے حالات میں نور ہی نور ہے، بیان ضرور کرنا چاہئے لیکن اس کا سیاق یہ ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی قربانیاں دیں ہم کچھ تو دیں، یہ اگر اندازِ بیان ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ اعلیٰ معیار جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کیا ہر شخص کے ذمہ فرض ہے تو یہ غلط ہے۔

اب **"يؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة"** والی آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی کہ رات کے وقت میں مہمانوں کو کھلا رہے تھے اور سارے گھر والے تھے اور جس طرح یہ خود ایثار کر رہے تھے سارے گھر والے ایثار کر رہے تھے اس طرح کہ سامنے دکھانے میں یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ بھی کھا رہے ہیں حالانکہ نہیں کھا رہے تھے اور مہمان کو کھلا رہے تھے، تو سب گھر والے اس میں شریک تھے، سب دل سے اور خوشی سے راضی

---

[۳۵] مسند أحمد، رقم: ۶۴۹۰، ج: ۲، ص: ۱۶۰، مؤسسة قرطبة، مصر.

تھے یہ ایثار تو بڑی اچھی بات تھی، اس کی قرآن میں تعریف آئی ہے لیکن جہاں اور گھر والے راضی نہ ہوں تو وہاں جائز نہیں ہے کہ گھر والوں کو تو بھوکا مارے اور مہمانوں کو کھلائے، یہ ہے حکم جو امام بخاری رحمہ اللہ بیان فرما رہے ہیں۔

"وكذلك آثر الأنصار المهاجرين" اسی طرح انصار نے مہاجرین پر ایثار کیا کہ اکثر نے اپنی آدھی دولت دے دی تھی، حالانکہ اس کے ورثاء کہہ سکتے تھے کہ یہ تو ہمارے پاس آتی، آپ کیوں دے رہے ہیں؟ لیکن انہوں نے دیدی، اس لئے کہ سب خوشی سے راضی تھے، لیکن جہاں خوشی سے راضی نہ ہوں، وہاں دینا جائز نہیں ہے۔[۳۶]

"ونهى النبي ﷺ عن اضاعة المال" آپ ﷺ نے اضاعتِ مال سے منع فرمایا، **"فليس له أن يضيّع أموال الناس بعلة الصدقة"** تو اس کو حق نہیں کہ وہ لوگوں کے اموال صدقہ کی علت سے ضائع کرے، کیونکہ اب اس سے تمہارے ورثا کا حق، تمہارے بیوی بچوں کا حق متعلق ہو گیا تو اب اس کو صدقہ کا نام دے کر ضائع کرو، یہ درست نہیں۔

وقال كعب رضي الله عنه قلت يا رسول الله إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقةً إلى الله وإلى رسول الله ﷺ".

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی جب تبوک کے موقع پر توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں سارا مال اللہ اور اس کے رسول کے نام پر صدقہ کر دوں تو آپ نے فرمایا **"أمسك عليك بعض مالك فهو خير لك"** تم کچھ مال روک کر رکھو یہی تمہارے لیے بہتر ہے **"قلتُ فإني أمسك سهمي الذي بخيبر"** چنانچہ انہوں نے روک کے رکھا، تو معلوم ہوا کہ جب تک گھر والوں کا حق واجب ہے اس وقت تک صدقہ جائز نہیں۔

۱۴۲۶ـ حدثنا عبدان: أخبرنا عبد الله، عن يونس، عن الزهري قال: أخبرني سعيد بن المسيب: أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى، وابدأ بمن تعول)). [أنظر: ۱۴۲۸، ۵۳۵۵، ۵۳۵۶]. [۳۷]

[۳۶] وهو أيضاً مشهور في السير، وفيه أحاديث مرفوعة منها: حديث أنس: قدم المهاجرون المدينة وليس بأيديهم شيء فقاسمهم الأنصار. وأخرجه البخاري موصولاً في حديث طويل من كتاب الهبة في: باب فضل المنيحة. وذكر ابن اسحاق وغيره أن المهاجرين لما نزلوا على الأنصار آثروهم حتى قال بعضهم لعبدالرحمن بن عوف: أنزل لك عن احدى امرأتي. عمدة القاري، ج: ٦، ص: ٣٠٢.

[۳۷] وفي سنن النسائي، كتاب الزكاة، باب الصدقة عن ظهر غنى، رقم: ۲۴۸۷، وسنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب الرجل يخرج من ماله، رقم: ۱۴۲۷، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۵۸، ۷۰۴۴، ۷۱۲۰، ۷۴۱۴، ۷۵۲۸، ۸۳۴۸، ۸۳۸۸، ۸۷۵۹، ۸۸۵۵، ۹۲۴۰، ۹۷۸۴، ۹۸۳۳، ۱۰۱۰۷، ۱۰۳۶۶، ۱۰۳۹۸، وسنن الدارمي، كتاب الزكاة، باب متى يستحب للرجل الصدقة، رقم: ۱۵۹۲.

"**خير الصدقة ماكان عن ظهر غني**" یہ بحث اور تفصیل گذر چکی ہے اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے "**وابدأبمن تعول**" یعنی ان لوگوں سے صدقہ کرنا شروع کرو جو تمہارے زیر کفالت ہیں، سب سے پہلا صدقہ اپنے عیال پر ہے، اس کے بعد پھر دوسرے لوگوں پر ہے۔

۱۴۲۷۔ حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا وهيب : حدثنا هشام ، عن أبيه ، عن حكيم بن حزام ﷺ عن النبی ﷺ قال : ((اليد العليا خير من اليد السفلى ، وابدأ بمن تعول وخير الصدقة عن ظهر غنى ، ومن يستعف يعفه الله ومن يستغن يغنه الله)) .

ترجمہ: حکیم بن حزام ﷺ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے زیادہ اچھا ہے اور (صدقہ) شروع کر ان لوگوں سے جو تیری نگرانی میں ہوں اور بہتر صدقہ وہ ہے جو ان لوگوں پر کیا جائے جن کا وہ ذمہ دار ہے اور جو شخص سوال سے بچنا چاہے، تو اللہ ﷻ اسے بے پرواہ بنا دیتا ہے۔

۱۴۲۹۔ حدثنا أبو النعمان قال : حدثنا حماد بن زيد ، عن أيوب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی الله عنهما قال : سمعت النبی ﷺ

ح وحدثنا عبد الله بن مسلمة ، عن مالک عن نافع ، عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال وهو على المنبر وذكر الصدقة والتعفف والمسألة: ((اليد العليا خير من اليد السفلى ، فاليد العليا هی المنفقة والسفلى هی السائلة)). [۳۸]

"اليد العليا خير من اليد السفلى"۔

"**اليدالعليا**" کے معنی ہیں "**اليد المعطية**" اور "**اليدالسفلى**" کے معنی ہیں "**اليدالآخذة**" تو "**اليد المعطية خير من اليد الآخذة**" یہ مطلب ہے، وہ مطلب نہیں جو پیر صاحبان نے لیا کہ اپنے مریدوں سے کہا کہ جب تم آؤ ہمارے پاس تو تم اپنے ہاتھ پر ہدیہ ایسے رکھا کرو کہ ہم اوپر سے اٹھائیں تا کہ ہمارا ہاتھ "**اليد العليا**" رہے۔

---

[۳۸] وفی صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب بيان ان اليد العليا خير من اليد السفلى وان يد العليا هی المنفعة وان السفلى هی الآخرة، رقم :۱۷۱۵ ، وسنن النسائی ، كتاب الزكاة ، باب اليد السفلى ، رقم :۲۴۸۶ ، وسنن أبی داؤد، كتاب الزكاة ، باب في الاستعفاف، رقم :۱۴۰۵ ، ومسند احمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم :۴۲۴۴، ۵۰۹۲، ۵۴۷۰، ۵۷۶۶، ۲۱۱۴ ، وموطأ امام مالک ، كتاب الجامع ، باب ماجاء فی التعفف عن المسألة ، رقم :۱۵۸۶ ، وسنن الدارمی، كتاب الزكاة ، باب فی فضل اليد العليا ، رقم :۱۵۹۳ .

(۲۰) بابٌ: من أحب تعجيل الصدقة من يومها

اس شخص کا بیان جو صدقہ دینے میں عجلت کو پسند کرتا ہے

۱۴۳۰ ۔ حدثنا أبو عاصم، عن عمر بن سعید، عن ابن أبی ملیكة: أن عقبة بن الحارث ﷺ حدثه قال: صلى بنا النبی ﷺ العصر فأسرع ثم دخل البيت فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له فقال: ((كنت خلّفت فی البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته)). [راجع: ۸۵۱].

تشریح

یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر جلدی سے گھر تشریف لے گئے پھر واپس تشریف لائے اور بتایا کہ میرے گھر میں صدقہ کا کچھ سونا رکھا ہوا تھا تو میں نے اس بات کو ناپسندیدہ سمجھا کہ رات اس کے اوپر اسی حالت میں گزار دوں، اس لئے میں اس کو تقسیم کر آیا، تو آپ ﷺ نے اس کو تقسیم کرنے میں جلدی کی، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے **"بابٌ من أحبَّ تعجيل الصدقة من يومها"** کہ صدقہ کو یوم صدقہ سے پہلے معجّل کرنے کا استحباب کہ اگر چہ ابھی وجوبِ ادا نہیں ہوا لیکن وجوبِ ادا سے پہلے ہی آدمی صدقہ کر دے تو یہ جائز ہے۔

استدلال اس حدیث سے کیا ہے کہ وہ صدقہ کا تبر تھا اور اس پر وجوب ادا نہیں تھا لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے رات گزارنا بھی پسند نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس سے فراغت حاصل کرنی چاہئے۔

(۲۱) باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها

صدقہ پر رغبت دلانے اور اس کی سفارش کرنے کا بیان

۱۴۳۱ ۔ حدثنا مسلم: حدثنا شعبة: حدثنا عدی، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: خرج النبی ﷺ يوم عيد فصلى ركعتين لم يصل قبل ولا بعد، ثم مال على النساء ومعه بلال، فوعظهن وأمرهن أن يتصدقن فجعلت المرأة تلقى القلب والخرص. [راجع: ۹۸].

یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے اور اس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو عورتوں نے اپنے زیورات دینے شروع کر دیئے، حالانکہ کچھ عورتیں اس میں ایسی بھی ہوں گی جن کے ذمہ اس وقت فوری دینا واجب نہیں ہوگا لیکن جلدی ادا کر دیا۔

۱۴۳۲ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا عبد الواحد: حدثنا أبو بردة بن

عبداللہ بن أبی بردة : حدثنا أبو بردة بن أبی موسی ، عن أبیه ﷺ قال : كان رسول اللہ ﷺ إذا جاءه السائل أوطلبت إلیه حاجة قال : ((اشفعوا تؤجروا ویقضی اللہ علی لسان نبیه ﷺ ما شاء)) . [انظر: ۶۰۲۷، ۶۰۲۸، ۷۴۷۶]. ۳۹

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی سائل آتا، آپ ﷺ سامنے کوئی حاجت پیش کی جاتی تو ہمیں فرماتے کہ سفارش کرو۔ تم بھی اجر دیئے جاؤ گے۔ اور اللہ ﷻ اپنے نبی ﷺ کی زبان سے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

۱۴۳۳۔ حدثنا صدقة بن الفضل : أخبرنا عبدة ، عن هشام ، عن فاطمة ، عن أسماء رضی اللہ عنها قالت : قال لی النبی ﷺ : ((لا توكی فیوكی علیک)).

حدثنا عثمان بن أبی شیبة ، عن عبدة ، وقال :((لا تحصی فیحصی اللہ علیک)) .

[أنظر: ۱۴۳۴، ۲۵۹۰، ۲۵۹۱]. ۴۰

"لا توكی فیوكیٰ علیک" تم رسی باندھ کر نہ رکھو یعنی اپنے پیسوں وغیرہ کے تھیلیوں پر کہ اللہ تم پر رسی باندھ دے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کیلئے مال کو باندھ کر نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر باندھ کر رکھے گا۔ اللہ ﷻ تمہیں بے حساب دیتا ہے تو ایسے ہی تم بھی لوگوں کے اوپر بے حساب خرچ کرو، اور **لا تحصی الخ** کا مطلب ہے کہ تم گن گن کر مت رکھو کہ اللہ ﷻ بھی تمہیں گن گن کر دیں گے۔

(۲۲) باب الصدقة فیما استطاع

جہاں تک ہوسکے خیرات کرنے کا بیان

۱۴۳۴۔ حدثنا أبو عاصم ، عن ابن جریج ح .

وحدثنی محمد بن عبد الرحیم ، عن حجاج بن محمد ، عن ابن جریج قال

---

۳۹ وفی صحیح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب استحباب الشفاعة فیما لیس بحرام ،رقم : ۴۷۶۱، وسنن النسائی، كتاب الزكاة ، باب الشفاعة فی الصدقة ،رقم : ۲۵۰۹،وسنن أبی داؤد، كتاب الأدب ، باب فی الشفاعة ، رقم : ۴۴۶۲، ومسند أحمد ، أول مسند الكوفیین ، باب حدیث أبی موسی الأشعری ، رقم : ۱۸۷۶۲، ۱۸۷۹۸، ۱۸۸۴۴ .

۴۰ وفی صحیح مسلم ،كتاب الزكاة ، باب الحث علی النفاق وكراهیة الاحصاء ،رقم : ۷۰۹،وسنن الترمذی، كتاب البر والصلة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی السخاء ،رقم : ۱۸۸۳ ، وسنن النسائی، كتاب الزكاة، باب الاحصاء فی الصدقة،رقم : ۲۵۰۴ ، و سنن أبی داؤد، كتاب الزكاة ، باب فی الشح ، رقم : ۴۲۸ ، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۲۳۹۳۰، ۲۵۶۷۶، ۲۵۶۸۵، ۲۵۶۹۷، ۲۵۷۳۱، ۲۵۷۴۱، ۲۵۷۴۸.

أخبرني ابن أبي مليكة ، عن عباد بن عبد الله ابن الزبير : أخبره عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما أنها جاء ت النبي ﷺ فقال : ((لا توعي فيوعي الله عليك ، ارضخي ما استطعت)) .[راجع : ۱۴۳۳].

لا توعیٰ الخ کا مطلب ہے کہ برتن میں بند کر کے نہ رکھو، یہ لفظِ **وعاء** سے نکلا ہے۔

یہ انفاق فی سبیل اللہ بھی بڑی عجیب وغریب چیز ہے یعنی زکوٰۃ تو خیر واجب ہے ہی، لیکن زکوٰۃ کے علاوہ اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرنا یہ بڑے ہی نفع کی چیز ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے تو اس میں دل تنگ نہ کرنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ گاڑی میں جارہا تھا، گاڑی ایک سگنل پر رکی تو جیسے فقیر اور سائل وغیرہ آجاتے ہیں تو اس طرح کا کوئی آگیا تو والد صاحب نے اس کو کچھ دیدیا تو ہم نے تازہ تازہ مسئلہ پڑھا تھا کہ جس فقیر کے لئے سوال کرنا جائز نہیں اس کو دینا بھی جائز نہیں تو میں نے عرض کیا حضرت! یہ سب پیشہ ور قسم کے سائلین ہیں، عام طور سے ان میں مستحق تو کوئی ہوتا نہیں تو پھر آپ کیوں دے رہے ہیں تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں! کہاں مستحق اور غیر مستحق کی بات لے کر بیٹھے یہ کہ اللہ ﷻ ہمیں بھی استحقاق کی بنیاد پر دینے لگے کہ اگر ہم مستحق ہوں تو دے ورنہ نہ دے تو بتاؤ ہمارا کیا حشر بنے۔ اللہ ﷻ کی طرف سے ہمیں استحقاق کی بنیاد پر تھوڑی ملتا ہے بلکہ محض ان کی عطا کی بنیاد پر ملتا ہے تو جب اللہ ﷻ ہمیں بغیر استحقاق کے دیتا ہے تو کسی غیر مستحق کے پاس ہمارا پیسہ چلا گیا تو کیا ہوا؟ یہ عجیب بات فرمائی، اگرچہ مسئلہ یہ ضرور ہے کہ جس کے بارے میں متعین طور سے معلوم ہو کہ اس کے لئے لینا حرام ہے تو اس کو دینا بھی جائز نہیں، لیکن عام تأثر یہ قائم کر لینا کہ بازار میں جو بھی پھر رہا ہے یہ پیشہ ور ہیں یہ درست نہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ میں اللہ ﷻ مقدار نہیں دیکھتے جس کی کل آمدنی ایک روپیہ ہے وہ اگر ایک پیسہ دے تو اس کی وہی قدر وقیمت ہے بلکہ شاید اس سے زیادہ ہو جو ایک لاکھ کا مالک ایک ہزار دے رہا ہے، اس لئے یہ مقدار کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اللہ ﷻ کے لئے اپنے مال کی قربانی دینے کا مسئلہ ہے تو اس میں مولوی صاحبان یوں سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور احادیث میں جو کچھ ہے وہ سب وعظ میں سنانے کے لئے ہے۔ جب کبھی جمعہ کے دن وعظ کریں گے وہاں سنائیں گے، فضائل اعمال کی حدیثیں بھی اس کام کے لئے ہیں اور صدقات وخیرات کی تو خاص طور سے اس کام کے لئے ہیں، بعض مولوی صاحبان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو میرے گھر سے باہر کی بات ہے میں تو پیدا اس لئے ہوا ہوں کہ صدقہ خیرات لوں نہ کہ دوں، تو اس واسطے اس موضوع کا تعلق مجھ سے نہیں۔

ایک مولوی صاحب تھے، ایک مرتبہ اپنے گھر میں گئے تو دیکھا کہ بیوی کا زیور غائب ہے تو پوچھا تیرا زیور کہاں گیا تو وہ کہنے لگی کہ آج آپ وعظ کر رہے تھے میں بھی اس وعظ میں تھی، آپ نے صدقہ کی بہت فضیلت بیان کی تو میں نے اپنا زیور صدقہ کر دیا۔ مولوی صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ خدا کی بندی وہ وعظ تیرے واسطے تھوڑا ہی تھا

کہ تو اپنا زیور صدقہ کر کے بیٹھ جائے، وہ تو اس لئے تھا تا کہ لوگ اس پر عمل کریں اور کچھ لا کر ہمیں دیں، نہ یہ کہ تو اپنا سارا مال ومتاع دے کر بیٹھ جائے، اللہ ﷻ اس قسم کی ذہنیت سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

اپنے بزرگوں سے سنا ہوا طریقہ بتاتا ہوں کہ ہر شخص اس پر عمل کر سکتا ہے وہ یہ کہ جو بھی کسی کی آمدنی ہو، تھوڑی یا زیادہ، ایک روپیہ ہو یا دو روپیہ، ایک ہزار ہو یا ایک لاکھ ہو، کسی کی کتنی بھی آمدنی ہو، اس کا ایک حصہ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے مخصوص کر دے، دسواں حصہ، بیسواں حصہ، چالیسواں حصہ، سوواں حصہ، جتنی انسان کی استطاعت ہو، اس کے حساب سے کرے کہ جو بھی آمدنی ہوگی اس میں سے اتنا حصہ نکال کر رکھ دوں گا، ایک روپیہ ہوگا تو ایک پیسہ نکالوں گا اور ایک تھیلا بنا لے اور اس میں ڈال دے، جب کبھی کوئی ایسا موقع آئے اس میں دے دے، عادت پڑی رہے گی۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہر آمدنی کا زکاۃ کے علاوہ خمس نکالا کرتے تھے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ محنت والی آمدنی سے نصف عشر اور بے محنت حاصل ہونے والی آمدنی سے عشر نکالا کرتے تھے۔ میرے والد ماجدؒ کا بھی یہی طریقہ تھا اور اس میں ایسا وقت بھی گزرا کہ آمدنی کم ہوتی تھی لیکن یہ معمول کبھی قضا نہیں ہوا، اس کو ضرور نکالتے تھے، لوگ کہتے ہیں کہ دیں کہاں سے ہمارے پاس تو ہے ہی نہیں، ارے بھئی! اگر روپیہ ہے اور اس میں سے ایک پیسہ نکال سکتے ہو ایک پیسہ نکال لو۔

دیوبند میں ایک بزرگ تھے وہ گھاس کھودا کرتے تھے، گھاس گھود کے اپنا پیٹ پالتے تھے تو ان کی ہفتہ بھر یا مہینے بھر (مجھے یاد نہیں رہا) کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی، اور چھ پیسوں میں سے دو پیسے وہ اپنے اوپر خرچ کرتے تھے اور دو پیسے اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرتے تھے اور دو پیسوں میں علمائے دیوبند کی دعوت کرتے تھے اور وہ اس طرح کہ کئی ہفتوں تک دو، دو پیسے جمع کئے، ہفتوں مہینوں تک جمع ہو گئے تو بزرگوں کے پاس گئے، حضرت شیخ الہند، حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ ان حضرات کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ حضرت آپ کی دعوت کرنے کا دل چاہ رہا ہے، دعوت کو بلا لائے، خشکہ بنایا خشک چاول اور دال اور اس کی دعوت کر دی اور ہمارے سارے بزرگ حضرات فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کی دعوت میں نور ہے کہ جب اس کا کھانا کھا لیتے ہیں تو مہینے تک قلب میں نور محسوس ہوتا ہے تو ان کی دعوت کا انتظار رہتا تھا کہ کب یہ دعوت کریگا، کھانا بھی سیدھا سادہ سا چاول کا خشکہ اور دال، اور نور ایسا، جب آدمی کرنا چاہے تو چھ پیسے کیا چیز ہوتی ہے آج کل تو خیر چھ پیسے کچھ ہے ہی نہیں لیکن اس وقت بھی چھ پیسے کی کوئی خاص وقعت نہ تھی، لیکن اس میں بھی یہ اہتمام کر رکھا تھا تو اس طرح عادت بنی رہتی ہے اور اللہ ﷻ صحیح جگہ پر خرچ کرنیکی توفیق عطا فرماتے ہیں اور ایک پیسہ بھی اللہ ﷻ قبول فرما لیں تو پتہ نہیں اسی سے بیڑہ پار ہو جائے تو ہم سب اس کے محتاج ہیں۔

یہ تین روایتیں ہو گئیں:

(۱) لاتو کی فیو کی علیک (۲) لا تحصی فیحصی اللّٰہ علیک اور **(۳) لا توعی فیوعی اللّٰہ علیک لا توعی** کے معنی ہیں برتن میں جمع کر کے نہ رکھو بلکہ اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرواور "**توکی**" کا مطلب یہ ہے کہ اس پر رسی باندھ کر نہ رکھواور "**تحصی**" کا معنی یہ ہے کہ سارا مال گن گن کر استقصاء کر کے نہ رکھو۔

(۲۳) باب: الصدقة تكفر الخطيئة

صدقہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے

۱۴۳۵۔ حدثنا قتيبة: حدثنا جرير، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن حذيفة ﷺ قال: قال عمر ﷺ أيكم يحفظ حديث رسول الله ﷺ عن الفتنة؟ قال: قلت: أنا أحفظه كما قال. قال: انك عليه لجرى، فكيف قال؟ قلت فتنة الرجل في أهله وولده وجاره تكفره الصلاة والصدقة والمعروف. قال سليمان: قد كان يقول: الصلاة والصدقة و الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر. قال: ليس هذه أريد، ولكني أريد التي تموج كموج البحر. قال: قلت: ليس عليك بها يا أمير المؤمنين بأس، بينك وبينها باب مغلق. قال: فيكسر الباب أو يفتح؟ قال: قلت: لا، بل يكسر. قال: فانه اذا كسر لم يغلق أبداً. قال: قلت: أجل. قال فهبنا أن نسأله من الباب. فقلنا لمسروق: سله. قال: فسأله، فقال: عمر ﷺ. قال: قلنا: فعلم عمر من تعني؟ قال: نعم، كما ن دون غدٍ ليلة، وذلك حدثته حديثاً ليس بالأغاليط. [راجع: ۵۲۵]

ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے فتنہ کے متعلق حدیث یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے یاد ہے جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا۔ عمر بن خطاب ﷺ نے فرمایا تم اس پر زیادہ دلیر ہو بتاؤ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ میں نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا انسان کے لئے اس کی بیوی، بچے اور پڑوسی میں ایک فتنہ ہوتا ہے نماز، صدقہ اور اچھی بات اس کے لئے کفارہ ہے۔

سلیمان نے کہا کبھی اس طرح کہتے کہ نماز، صدقہ اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا (اس کا کفارہ ہے)۔ عمر ﷺ فرمایا میرا مقصد یہ نہیں، میرا مقصد تو وہ فتنہ جو سمندر کی موجوں کی طرح موج مارےگا۔ حذیفہ ﷺ نے کہا میں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کو اس سے خطرہ نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کے درمیان اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ عمر ﷺ نے پوچھا کیا بند دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ میں نے جواب دیا نہیں! بلکہ توڑا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ توڑا جائے گا تو کیا پھر کبھی بند نہ ہوگا؟ میں نے جواب دیا ہاں (کبھی بند نہ ہوگا)۔

ابووائل کا بیان ہے ہم اس بات سے ڈرے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھیں دروازہ کون ہے؟ چنانچہ ہم نے مسروق سے کہا کہ حذیفہ سے پوچھو، انہوں نے حذیفہ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ جانتے ہیں کہ کس کو مراد لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اس یقین کے ساتھ جانتے ہیں جس طرح ہر آنے والے دن کے بعدرات کے آنے کا یقین ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ جو حدیث میں نے بیان کی ہے اس میں غلطی نہیں ہے۔[۴۱]

(۲۴) باب من تصدق فی الشرک ثم أسلم

اس شخص کا بیان جس نے حالت شرک میں صدقہ کیا پھر مسلمان ہوگیا

۱۴۳۶ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد : حدثنا هشام : حدثنا معمر ، عن الزهری ، عن عروة، عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ قال: قلت: یارسول اللہ، رأیت أشیاء کنت أتحنث بها فی الجاهلیة من صدقة أو عتاقة أو صلة رحم ، فهل فیها من أجر؟ فقال النبی ﷺ : ((أسلمت علی ماسلف من خیر)) . [أنظر : ۲۲۲۰، ۲۵۳۸، ۵۹۹۲] [۴۲]

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان چیزوں کے متعلق بھی مجھے بتلائے جو میں جاہلیت کے زمانہ میں کرتا تھا۔ مثلاً صدقہ، غلام آزاد کرنا، صلہ رحمی تو کیا ان پر بھی اجر ملے گا تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ تو اپنی انہیں پچھلی نیکیوں کے ساتھ ہی مسلمان ہوا۔

اس مسئلہ پر بحث گذر چکی ہے۔

(۲۵) باب اجر الخادم اذا تصدق بأمر صاحبه غیر مفسد

خادم کے اجر کا بیان جب وہ اپنے مالک کے حکم سے خیرات کرے بشرطیکہ گھر بگاڑنے کی نیت نہ ہو

۱۴۳۸ ـ حدثنا محمد بن العلا : حدثنا أبو أسامة ، عن برید بن عبداللہ ، عن أبی بردة ، عن أبی موسی عن النبی ﷺ قال : ((الخازن المسلم الأمین الذی ینفذ۔ وربما قال: یعطی ـ ما أمر به کاملاً موفراً طیباً به نفسه فیدفعه الی الذی أمر له به أحد المتصدقین)) . [أنظر : ۲۲۶۰، ۲۳۱۹] [۴۳]

---

[۴۱] مزید تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۳،ص:۲۷۲، رقم حدیث:۵۲۵۔

[۴۲] وفی صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب بیان حکم عمل الکافر اذا أسلم بعده ، رقم : ۱۷۶ ، ومسند أحمد ، مسند المکیین ، باب مسند حکیم بن حزام عن النبی ،رقم : ۱۴۷۷۹، ۱۵۰۲۳ .

[۴۳] وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب أجر الخازن الأمین والمرأة اذا تصدقت من بیت، رقم : ۱۶۹۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الزکاة ، باب أجر الخازن اذا تصدق باذن مولاه ،رقم : ۲۵۱۳ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب أجر الخازن، رقم: ۱۴۳۴ ، ومسند أحمد ، أول مسند الکوفیین ، باب حدیث أبی موسی الأشعری ، رقم : ۱۸۶۹۱، ۱۸۷۹۸، ۱۸۸۷۴ .

ترجمہ: ابوموسی نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان خزانچی جو امانت دار ہو اور اپنے مالک کا حکم نافذ کرے، اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ جس قدر اسے حکم دیا جائے پورا کرے اور اس سے اس کا دل خوش ہو اور جس کے لئے اسے حکم دیا گیا ہے اس کو دیدے، تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

(۲۸) بابٌ مثل البخيل و المتصدق

صدقہ دینے والے اور بخیل کی مثال

۱۴۴۳۔ حدثنا موسى، حدثنا وهيب، حدثنا ابن طاوس، عن أبيه، عن أبي هريرة ﷺ قال: قال النبي ﷺ: ((مثل البخيل والمتصدق كمثل رجلين عليهما جبتان من حديد)).

ح وحدثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب، حدثنا أبو الزناد أن عبد الرحمٰن حدثه أنه سمع أباهريرة ﷺ أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((مثل البخيل والمنفق كمثل رجلين عليهما جبتان من حديد من ثديهما إلى تراقيهما، فأما المنفق فلا ينفق إلا سبغت أو وفرت على جلده حتى تخفى بنانه وتعفو أثره، وأما البخيل فلا يريد أن ينفق شيأ إلا لزقت كل حلقة مكانها فهو يوسعها ولا تتسع)). تابعه الحسن بن مسلم عن طاوس في الجبتين. [أنظر: ۱۴۴۴، ۲۹۱۷، ۵۲۹۹، ۵۷۹۷]. [۴۴]

تشریح

حضرت ابوہریرۃ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ **"مثل البخيل والمتصدق كمثل رجلين عليهما جبتان من حديد"** جنہوں نے لوہے کے جبے پہنے ہوئے ہیں **"من ثديهما الى تراقيهما"** وہ اس طرح ہیں کہ ان کے پستانوں سے لے کر ترقوت تک، ترقوت گلے کی ہڈی جس کو ہنسلی کہتے ہیں۔ **"فاما المنفق فلا ينفق إلا سبغت أووفرت على جلدة"** تو جو خرچ کرنے والا ہے جب خرچ کرتا ہے تو یہاں سے وہاں تک قمیص پھیل جاتی ہے **"سبغت"** یعنی سابغ ہو جاتی ہے یا فرمایا کہ **"فرت على جلده"** یعنی اس کی کھال پر بڑھ جاتی ہے **"حتى تخفى بنانه وتعفو أثره"** یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو بھی چھپا دیتی ہے بڑھ کر ہاتھوں تک آئی اور انگلیوں کو بھی چھپا دیا **"وتعفو أثره"** اور مٹا دیتی ہے اس کے نشان کو یعنی اور جتنے نشان ہیں وہ سب مٹ جاتے ہیں اور قمیص ہی سارے جسم کے اوپر پھیل جاتی ہے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ زمین پر اس کے نشان قدم کو مٹاتی ہوئی چلتی ہے۔

---

[۴۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب مثل المنفق والبخيل، رقم: ۱۶۹۷، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب صدقة البخيل، رقم: ۲۵۰۰، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۱۷۱، ۸۶۹۶، ۱۰۳۵۲.

"واما البخيل فلا يريد ان ينفق شيئا الا لزقت كل حلقة مكا نها" اور بخیل اگر کچھ خرچ کرنا چاہتا ہے تب بھی اس ذراع کا حلقہ اپنی جگہ پر جا کر چپک جاتا ہے یعنی بجائے اس کے کہ اتساع پیدا ہو اس کے بجائے وہ اور چپک جاتا ہے اور اندر چلا جاتا ہے **"فهو يوسعها ولا تتسع"** وہ اس کو وسیع کرنا چاہتا ہے تب بھی کشادہ نہیں ہوتا۔ تو یہ مثال ایسی ہے کہ خرچ کرنا بھی چاہے تو دل اندر سے تنگ ہوتا ہے اور نتیجہ یہ کہ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے اور خرچ نہیں کر پاتا۔

(۳۰) باب: على كل مسلم صدقة ، فمن لم يجد فليعمل بالمعروف

ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے جو شخص کوئی چیز نہ پائے تو وہ نیک عمل کرے

۱۴۴۵ ـ حدثنا مسلم بن ابراهيم : حدثنا شعبة ، حدثنا سعيد بن أبي بردة ، عن أبيه ، عن جده عن النبي ﷺ قال : ((على كل مسلمٍ صدقةٌ)). فقالوا: يا نبي الله، فمن لم يجد؟ قال : ((يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق)). قالوا: فان لم يجد؟ قال:((يعين ذا الحاجة الملهوف)).قالوا: فان لم يجد ؟ قال : ((فليعمل بالمعروف وليمسک عن الشر فانها له صدقةٌ)) .[أنظر : ٦٠٢٢]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے، لوگوں نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرے اور خود بھی نفع اٹھائے اور خیرات کرے، لوگوں نے کہا یہ بھی میسر نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا حاجت مظلوم کی امداد کرے۔ لوگوں نے کہا اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھی باتوں پر عمل کرے اور برائیوں سے رکے اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔

(۳۱) بابٌ: قدر كم يعطي من الزكاة والصدقة ؟ومن أعطى شاةً

زکاۃ اور صدقہ میں سے کتنا دیا جائے اور اس شخص کا بیان جس نے ایک بکری صدقہ میں دی

۱۴۴۶ ـ حدثنا أحمد بن يونس ، حدثنا أبو شهاب ،عن خالد الحذاء ،عن حفصة بنت سيرين، عن أم عطية رضى الله عنها قالت : بعث إلى نسيبة الأنصارية بشاة فأرسلت إلى عائشة رضى الله عنها منها، فقال النبي ﷺ : ((عندكم شيءٌ؟)) فقالت : لا، إلا ما أرسلت به نسيبة من تلك الشاة. فقال : ((ها ت فقد بلغت محلها)) . [أنظر: ۱۴۹۴، ۲۵۷۹]۔ [۴۵]

[۴۵] وفي صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب اباحة الهدية للنبي وبني هاشم وبني المطلب ، رقم : ۱۷۸۹ ،ومسند أحمد، من مسند القبائل ، باب حديث أم عطية الأنصارية اسمها نسيبة ، رقم :۲۶۰۳۸.

تبدلِ ملک سے تبدلِ عین کا حکم

حفصہ بنت سیرین حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ **"قالت: بُعث الی نسیبة الأ نصارية بشاة"** اور بعض روایات میں **"بَعَث"** صیغہ معروف کے ساتھ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت نسیبہ کے پاس ایک بکری بھیجی، اگر **"بَعَث"** معروف پڑھیں تو ضمیر فاعل نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے اور اگر **"بُعث"** مجہول پڑھیں تو پھر کہنے والے کے ذہن میں ہے کہ بھیجنے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔

"فأرسلت إلى عائشة منها" انہوں نے بکری ذبح کر کے کچھ گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا، جب آپ گھر میں تشریف لائے تو آپ فرمایا کہ **"عند کم شیٔ"** کچھ ہے کھانے کے لئے **"فقالت لا ، إلا ما أرسلت به نسيبة من تلک الشاة"** حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور تو کچھ نہیں ہے لیکن وہی بکری جو آپ نے نسیبہ کو بھیجی تھی اس کا کچھ حصہ نسیبہ نے میرے پاس بھیج دیا ہے **"فقال هات"** آپ نے فرمایا لے آؤ، **"فقد بلغت محلها"** کیونکہ وہ صدقہ کی بکری اپنی جگہ پر پہنچ گئی یعنی ہم نے جو صدقہ کیا تھا وہ صدقہ مکمل ہو گیا، اب چونکہ وہ نسیبہ کی ملکیت تھی انہوں نے پھر ہدیے کے طور پر بھیج دیا تو ہمارے لئے جائز ہے، تو یہ وہی بات نکل رہی ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں ہے کہ تبدلِ ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے۔

(۳۲) باب زكاة الورق

چاندی کے زکاۃ کا بیان

۱۴۴۷۔ حدثنا عبدالله بن يوسف ، أخبرنا مالک ، عن عمرو بن يحيى المازني ، عن أبيه قال : سمعت أبا سعيد الخدري قال : قال رسول الله ﷺ : ((ليس فيما دون خمس زود صدقة من الابل ، وليس فيما د ون خمس اواق صدقة ، وليس فيمان دون خمسة أوسق صدقة)). حدثنا محمد بن مثنى ، حدثنا عبدالوهاب قال : حدثني يحيى بن سعيد قال : أخبرني عمرو: سمع أباه ، عن أبي سعيد ﷺ : سمعت النبي ﷺ بهذا .[راجع : ۱۴۰۵]

((ليس فيما دون خمس زود صدقة من الابل ، وليس فيما د ون خمس اواق صدقة ، وليس فيمان دون خمسة أوسق صدقة))

مفہوم

پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ وسق غلہ کھجور سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳۳) بابُ العرض فی الزکاۃ

زکوٰۃ میں اسباب لینے کا بیان

اس باب میں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ زکوٰۃ میں جس طرح نقدی دینا جائز ہے اسی طرح نقد کے علاوہ سامان دینا بھی جائز ہے۔

وقال طاوس : قال معاذ ﷺ لإهل اليمن : ائتونى بعرض ثياب خميص أو لبيس فى الصدقة مكان الشعير والذرة ، أهون عليكم وخير لأصحاب النبى ﷺ بالمدينة . وقال النبى ﷺ : ((وأما خالد فقد احتبس أدراعه وأعتده فى سبيل الله)). وقال النبى ﷺ : ((تصدقن ولو من حليكن)) فلم يستثن صدقة الفرض من غيرها،فجعلت المرأة تلقى خرصها وسخابها ، ولم يخص الذهب والفضة من العروض.

"وقال طاؤس : قال معاذ ﷺ لإهل اليمن أيتونى بعرض ثياب خميص أولبيس فى الصدقة مكان الشعير والذرة".

حضرت معاذ ﷺ نے اہل یمن سے فرمایا کہ مجھے **"عرض ثياب"** یعنی کپڑوں کا سامان لا کر دیدو، یہ بیان ہے کہ سامان یعنی کپڑے **"عـــرض"** کے معنی سامان، اور اضافت بیانیہ ہے یعنی کپڑے، خمیص کپڑے یا لبیس کپڑے، یہ کپڑوں کی دو قسمیں ہیں خمیص یعنی وہ چادر جو سلی ہوئی نہ ہو اور لبیس سلی ہوئی چادر، صدقہ میں دیدو **"مكان الشعير والذرة"** جو اور مکئی کے بدلے مجھے یہ کپڑے لا کر دیدو، **"اهون عليكم"** یہ تمہارے لئے آسان ہوگا اور تمہاری آسانی کے لئے چاہ رہا ہوں کہ یہ چیزیں لا کر دیدو، **"وخير لأصحاب النبى ﷺ بالمدينة"** اور مدینہ طیبہ میں جو صحابۂ کرام ﷺ ہیں ان کے لئے یہ بہتر ہوگا، کیونکہ ان کو کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

"وقال النبى ﷺ :واما خالد فقداحتبس ادراعه" یہ اس حدیث کا حصہ ہے جس میں یہ آیا تھا کہ حضرت خالد ﷺ کے اوپر یہ الزام تھا کہ وہ زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ **"أما خالد فانكم تظلمون خالداً"** تم خالد پر ظلم کر رہے ہو، انہوں نے اپنی زرہیں اور اپنا ساز و سامان اللہ کے راستے میں وقف کر رکھا ہے **"احتبـــس"** کے معنی ہیں وقف کرنا، تو یہاں ساز و سامان کا وقف کرنا مذکور ہے، اسی پر امام بخاری رحمہ اللہ قیاس کر رہے ہیں کہ جب وقف کرنا جائز ہے تو ساز و سامان کا صدقہ کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

عروض کے ذریعے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے

"وقال النبى ﷺ تصدقن ولومن حليّكنّ" آپ نے خواتین سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا

کہ تم صدقہ کرو چاہے اپنے زیورات سے ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اگر نقد روپیہ نہیں ہے تو زیورات سے صدقہ کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ عرض سے بھی صدقہ کیا جا سکتا ہے **"فلم یستثن صدقة الغرض من غیرھا"** یعنی آپ ﷺ نے صدقہ فرض کو غیر فرض کے حکم سے مستثنیٰ نہیں فرمایا یعنی عورتوں سے یہ نہیں کہا کہ اگر صدقہ فرض ہے تو زیور مت دو، بلکہ نقدی دو **"فجعلت المرأة تلقی خرضها وسخابها"** تو عورتوں نے اپنے بندے اور گلوبند صدقے کے اندر دینا شروع کر دیئے، اب اتنا ضروری نہیں ہے کہ وہ سونے چاندی کے ہی ہوں کیونکہ اس زمانے میں زیورات سونے چاندی کے کم ہی ہوتے تھے اور مختلف چیزوں کے ہوتے تھے کبھی پتھر کے، کبھی کسی اور چیز کے، تو وہ سب دینا شروع کر دیئے، معلوم ہوا کہ صدقہ میں عرض دینا جائز ہے۔

"فلم یخص الذھب والفضة من العروض" آنحضرت ﷺ نے ذہب اور فضہ کو مخصوص نہیں فرمایا کہ تم ذہب وفضہ ہی کی زکوٰۃ میں زیور دو، بلکہ زکوٰۃ کی مطلق ادائیگی کا حکم دیا ہے، چاہے وہ ذہب وفضہ کے ذریعہ ہو اور چاہے عروض کے ذریعہ ہو، تو معلوم ہوا کہ عروض کے ذریعہ بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[۴۶]

اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، وہی دینی ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں حنفیہ کی تائید کی ہے اور یہ تمام دلائل اس پر واضح ہیں۔ بعض شافعیہ نے حضرت معاذ ﷺ کے اس عمل کو جزیہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن جزیہ کیلئے صدقہ کا لفظ معہود نہیں ہے۔[۴۷]

۱۴۴۸ ۔ حدثنا محمد بن عبد اللہ، حدثنی أبی قال: حدثنی ثمامة أن أنسا حدثه: أن أبا بكر كتب له التی أمر اللہ رسوله ((ومن بلغت صدقته بنت مخاض وليست عنده، و عنده بنت لبون فإنها تقبل منه، ويعطيه المصدق عشرين درهماً أو شاتين، فإن لم يكن عنده بنت مخاض علی وجهها وعنده ابن لبون فإنه يقبل منه وليس معه شیئ)). [أنظر: ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۲۴۸۷، ۳۱۰۶، ۵۸۷۸، ۶۹۵۵][۴۸].

زکوٰۃ کی ادائیگی میں اصل مدار قیمت پر ہے

حضرت انس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ان کو حضرت صدیق اکبر ﷺ نے خط لکھا کہ اللہ جل جلالہ نے زکوٰۃ

[۴۶] لأنه ﷺ أمرهن بالصدقة ولم يعين الفرض من غيره، ثم القاؤهن الخرص والسخاب وعدم ردّه ﷺ اياها منهن دليل علی أخذ العروض فی الزكاة، ويفهم من كلامه أنه لم يفرق بين مصارف الزكاة وبين مصارف الصدقة، لأن المقصود منهما القربة، والمصروف اليه الفقير والمحتاج ... فلم يخص الذهب والفضة من العروض ... من كلام البخاری ذكره لكيفية استدلاله علی أداء العرض فی الزكاة. عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۴۳۵. [۴۷] عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۴۳۳۔

[۴۸] وفی سنن النسائی، كتاب الزكاة، باب زكاة الابل، رقم: ۲۴۰۴، وسنن أبی داؤد، كتاب الزكاة، باب فی زكاة السائمة، رقم: ۱۳۳۹، وسنن ابن ماجه، كتاب الزكاة، باب اذا أخذ المصدق سناً دون سنٍ أو فوق سنٍ، رقم: ۱۷۹۰، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند أبی بكر الصديق، رقم: ۶۸.

کے بارے میں اپنے رسول کو جو حکم دیا ہے اس میں یہ ہے کہ جس شخص کا صدقہ بنتِ مخاض تک پہنچ جائے یعنی اس کے پاس اتنا نصاب ہو کہ اس کے ذمہ بنت مخاض واجب ہوتی ہو **"ولیست عندہ"** اور اس کے پاس بنت مخاض ہے نہیں **"عندہ بنت لبون"** اور اس کے پاس **"بنتِ لبون"** ہے **"فإنھا تقبل منه"** تو مصدق بنت مخاض کے بجائے بنتِ لبون کو قبول کرے گا **"ویعطیه المصدق عشرین درھما أو شاتین"** اور بیس درہم یا دو بکریاں لوٹا دے گا، کیونکہ بنتِ لبون بنتِ مخاض سے اعلیٰ ہوتی ہے، بنتِ مخاض تو ایک سال کی ہوتی ہے اور بنتِ لبون دو سال کی تو جب ایک سال کا جانور واجب تھا اور دے دیا دو سال کا جانور تو جو قیمت کا فرق ہے وہ مصدق لوٹا دے گا یا دو بکریاں لوٹا دے گا، اسی سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال فرما رہے ہیں کہ اصل بنتِ مخاض واجب تھی اور اس کی جگہ بنتِ لبون دیدی اور دونوں میں جو فرق ہے اس کو پیسوں سے بھی واپس کرنے کی اجازت ہے، اور دو بکریوں سے بھی واپس کرنے کی اجازت ہے تو معلوم ہوا کہ ادائے زکوۃ نقد سے بھی جائز ہے اور عروض سے بھی جائز ہے۔

"فان لم یکن عندہ بنتِ مخاض علی وجھھا" اگر اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو **"علی وجھھا"** یعنی زکوۃ کے طریقے پر دینے کے لئے **"وعندہ ابن لبون"** اور اس کے پاس ابن لبون ہے **"فإنه یقبل منه مصدق"** اس کو قبول کرلے گا **"ولیس معه شیء"** اور اس میں واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بیس درہم یا دو بکریاں، اس لئے کہ ابن لبون کی قیمت بنتِ مخاض کے برابر ہوتی ہے اگر چہ وہ دو سالہ ہے لیکن چونکہ نر ہے اور نر کی قیمت مادہ کے مقابلے میں کم ہوتی ہے، اس لئے بنتِ مخاض کی جگہ اگر ابنِ لبون لے لیا تو پھر کوئی چیز واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ پہلی بات تو یہ کہ زکوۃ میں اونٹ لئے اور اونٹ عروض میں سے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اونٹ زیادہ دے دیا تو اس کے بدلے میں پیسے واپس کئے یا دو بکریاں دیں تو معلوم ہوا کہ اصل مدار قیمت پر ہے، چاہے وہ قیمت میں عرض دے یا نقد دے۔[۴۹]

۱۴۴۹۔ حدثنا مؤمل: حدثنا اسماعیل، عن أیوب، عن عطاء بن أبی رباح قال: قال ابن عباس رضی اللہ عنھما: أشھد علی رسول اللہ ﷺ لصلی قبل الخطبة فرأی أنه لم یسمع النساء، فأتاھن ومعه بلال ناشر ثوبه فوعظھن وأمرھن أن یتصدقن فجعلت المرأۃ تلقی. وأشار أیوب الی أذنه والی حلقه. [راجع: ۹۸]

[۴۹] ذکرہ العینیؒ فی شرحه: قلت: حدیث الباب حجة لنا لأن ابن لبون لامدخل له فی الزکاۃ الا بطریق القیمة لأن الذکر لا یجوز فی الابل الا بالقیمة، ولذلک احتج به البخاری أیضا فی جواز أخذ القیم مع شدۃ مخالفته للحنفیة.

عمدۃ القاری، ج:٦، ص:۴۳۸.

ترجمہ: ابن عباس نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے ﷺ خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھی پھر آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ عورتوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکے ہیں۔ تو آپ ﷺ ان عورتوں کے پاس آئے اور بلال رضی اللہ عنہ بھی اپنے کپڑے پھیلائے ہوئے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی اور حکم دیا کہ صدقہ کریں، چنانچہ عورتوں نے یہ چیزیں پھینکنی شروع کیں۔

ایوب نے اپنے کانوں اور حلق کی طرف اشارہ کیا۔ ۵۰

(۳۴) باب : لا یجمع بین مفترق، ولایفرق بین مجتمع،

"ویذکر عن سالم، عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ مثلہ".

۱۴۵۰ ـ حدثنا محمد بن عبد اللہ الأنصاری قال: حدثنی أبی، قال: حدثنی ثمامة أن أنسا رضی اللہ عنہ حدثہ أن أبا بکر رضی اللہ عنہ کتب لہ التی فرض رسول اللہ ﷺ: ((ولا یجمع بین متفرق. ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة)). [راجع:۱۴۴۸].

"ولا یجمع بین متفرق. ولا یفرق بین مجتمع"

مجتمع کی دو تشریح

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر رہے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی **"ان انسا حدثہ أن أبا بکر کتب لہ التی فرض رسول اللہ ﷺ"** کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو وہ مقدار لکھ کر دی تھی جو رسول ﷺ نے مقرر فرمائی اور اس میں یہ جملہ بھی ہے کہ **"لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع"** کہ متفرق جانوروں کو جمع نہ کیا جائے اور جمع شدہ جانوروں کو زکوٰۃ کے خوف سے متفرق نہ کیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ کی تشریح

اس کی تشریح سمجھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ اس کی تشریح ائمہ ثلاثہ کسی اور طریقہ سے کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کی تشریح کسی اور طرح سے کرتے ہیں۔ ۵۱

ائمہ ثلاثہ کی تشریح یہ ہے کہ اگر جانور دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوں **"علی سبیل الشیوع"** جس کو خلطۃ الشیوع کہتے ہیں یعنی تمام جانور دو آدمیوں کے درمیان **"علی سبیل الشیوع"** مشترک طور سے مشترک مملوک ہیں تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسی صورت میں زکوٰۃ مجموعے پر عائد ہوتی ہے، ہر ایک کے انفرادی

---

۵۰ مطابقتہ للترجمة من حیث انہ ﷺ أمر النساء بدفع الزکاة فدفعن الحلق والقلائد، فھذا یدل علی جواز أخذ العرض فی الزکاة. عمدة القاری، ج:۶، ص: ۴۳۹، وراجع: انعام الباری، ج: ۲، ص: ۱۳۶، رقم: ۹۸.

حصے کے اعتبار سے زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی، بلکہ مجموعہ پر ہوتی ہے۔

پھر یہ اصول امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس درجہ عام ہے کہ اگر بالفرض ہر ایک شخص کے حصہ کا الگ الگ اعتبار کیا جائے تو کوئی بھی صاحبِ نصاب نہ بنتا ہو لیکن مجموعے کا حساب لیا جائے تو نصاب پورا ہو جائے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی جیسے چالیس بکریاں دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہیں تو اگر فرض کرو ہر ایک کی آدھی آدھی ہوں تو ان میں سے کوئی صاحبِ نصاب نہیں ہے، لیکن چونکہ مجموعہ نصاب کے برابر ہے اس واسطے مجموعہ پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلطۃ الشیوع کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہر ایک کا انفرادی حصہ بھی نصاب تک پہنچتا ہو تب تو خلطۃ الشیوع کا اعتبار ہوگا ورنہ نہیں، لیکن بہر حال اس میں دونوں متفق ہیں کہ اگر شرکاء کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہو تو زکوٰۃ کا حساب مجموعے سے کیا جائیگا، ہر ایک کے انفرادی حصہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اور جو حکم ان کے ہاں خلطۃ الشیوع کا ہے وہی خلطۃ الجوار کا بھی ہے۔[۵۲]

[۵۱، ۵۲] واختلف العلماء فی تأویل هذا الحديث ؛

فقال مالک فی (الموطا) : تفسير ((ولايجمع بين متفرق))، أن يكون ثلاثة أنفس لكل واحد أربعون شاة ، فاذا أظلهم المصدق جمعوها ليؤدوا شاة ، ولا يفرق بين مجتمع أن يكون لكل واحد مائة شاة وشاة فعليهما ثلاث شياه، فيفرقونها ، ليؤدوا شاتين فنهوا عن ذلک ، وهو قول الثورى والأوزاعى .

وقال الشافعى : تفسيره أن يفرق الساعى الأول ليأخذ من كل واحد شاة ، وفى الثانى ليأخذ ثلاثاً فالمعنى واحد لكن صرف الخطاب الشافعى الى الساعى كما حكاه عنه الداودى فی (كتاب الأموال) ، وصرفه مالک الى المالک ، وهوقول أبى ثور، وقال الخطابى عن الشافعى : انه صرفه اليهما .

وقال أبو حنيفة : معنى لا يجمع بين متفرق أن يكون بين رجلين أربعون شاة ، فاذا جمعاها فشاة ، واذا فرقاها فلا شیء ، ولا يفرق بين مجتمع أن يكون لرجل مائة شاة وعشرون شاة ، فان فرقها المصدق أربعين أربعين فثلاث شياه ،

وقال أبو يوسف : معنى الأول أن يكون لرجل ثمانون شاة ، فاذا جاء المصدق قال : هى بينى وبين اخوتى ، لكل واحد عشرون فلا زكاة ، أو ان يكون له أربعون ولأخوته اربعون فيقول : كلها لى ، فشاة . وفى (المحيط) : وتأويل هذا أنه اذا كان له ثمانون شاة تجب فيها واحدة فلا يفرقها ويجعلها لرجلين فيأخذ شاتين ، فعلى هذا يكون خطابا للساعى ، وان كانت لرجلين فعلى كل واحد شاة فلا تجمع ويؤخذ منها شاة ، والخطاب فى هذا يحتمل أن يكون للمصدق بأن يكون لأحدهما مائة شاة وللآخر مائة شاة وشاة فعليهما شاتان فلا يجمع المصدق بينهما ، ويقول هذه كلها لک فيأخذ منه ثلاث شياه ، ولا يفرق بين مجتمع بأن يكون لرجل مائة وعشرون شاة فيقول الساعى : هى لثلاثة فيأخذ ثلاث شياه ، ولو كانت لو احد تجب شاة ، و يحتمل أن يكون الخطاب لرب المال ، ويقوى بقوله : ((خشية الصدقة)) أى : فيخاف فى وجوب الصدقة فيحتال فى اسقاطها بأن يجمع نصاب أخيه الى نصابه فتصير ثمانين فيجب فيها شاة واحدة ، ولا يفرق بين مجتمع بأن يكون له أربعون فيقول نصفها لى ونصفها لأخى فتسقط زكاتها. وفى (المبسوط) : و المراد من الجمع و التفريق فى الملک لا فى المكان لاجماعنا على أن النصاب اذا كان فى ملک واحد يجمع و ان كان فى أمكنة متفرقة ، فدل أن المتفرق فى الملک لا يجمع فى حق الصدقة. عمدة القارى، ج: ٦، ص: ٤٤٠، ٤٤١.

"خلطۃ الجوار" کا مطلب

خلطۃ الجوار کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بکریاں یا جانور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ ممتاز ہیں لیکن رہتے ایک ساتھ ہیں اور ایک ساتھ رہنے کا معنی یہ ہے کہ ان کا باڑہ ایک ہے، ایک ہی چرواہا ان کو چرانے کے لئے لے جاتا ہے ایک ہی برتن میں ان کا دودھ دوہا جاتا ہے، چراہ گاہ بھی ایک ہی ہے، جب یہ ساری چیزیں اکٹھی ہوں تو کہیں گے کہ خلطۃ الجوار ہے اور اس خلطۃ الجوار میں بھی ائمہ ثلاثہ اس بات کے قائل ہیں کہ خلطۃ الجوار بھی معتبر ہے، لہٰذا زکوٰۃ بھی مجموعے سے ادا کی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلطۃ الشیوع بھی معتبر ہے اور خلطۃ الجوار بھی معتبر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تشریح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہ خلطۃ الشیوع کا اعتبار ہے اور نہ خلطۃ الجوار کا اعتبار ہے، لہٰذا ان کے نزدیک زکوٰۃ ہر صورت میں ہر شخص کے اپنے انفرادی حصہ پر عائد ہوگی اور مجموعہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر ایک کے انفرادی حصہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

اس کا ثمرۂ اختلاف اس طرح نکلے گا کہ مثلاً اسّی بکریاں دو آدمیوں کے درمیان آدھی آدھی مشترک ہیں تو ائمہ ثلاثہؒ چونکہ مجموعہ کا اعتبار کرتے ہیں اور مجموعہ پر ایک ہی بکری آتی ہے، لہٰذا زکوٰۃ میں ایک بکری نکالی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجموعے کا اعتبار نہیں بلکہ ہر ایک کے انفرادی حصے کا اعتبار ہے، لہٰذا اگر مجموعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصہ میں چالیس چالیس بکریاں آئیں اور چالیس بھی نصاب ہے تو ہر ایک کا نصاب کامل ہے، لہٰذا ہر ایک پر ایک ایک بکری دینا واجب ہے تو اس طرح دو بکریاں زکوٰۃ میں دی جائیں گی یہ تو ثمرۂ اختلاف ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ اگر خلطۃ الشیوع کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں تو بعض اوقات زکوٰۃ دینے والے کا فائدہ اس میں ہوتا ہے کہ شریک ہو جائے، مثلاً اوپر جو اسّی بکریوں والی مثال دی ہے کہ اسّی بکریاں دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوں آدھوں آدھ تو اس صورت میں زکوٰۃ دینے والے کا فائدہ شرکت میں ہے کہ ایک بکری دی جائیگی اور الگ الگ حصہ ہو تو دو بکریاں دی جائیں گی اور بعض اوقات فائدہ اس میں ہوتا ہے کہ شرکت نہ ہو بلکہ ہر ایک کا حصہ الگ الگ ہو مثلاً دو سو دو بکریاں دو آدمیوں کے درمیان آدھی آدھی مشترک ہیں تو دو سو دو کے مجموعہ پر تین بکریاں زکوٰۃ آئے گی، کیونکہ بکریوں کا نصاب یہ ہے کہ چالیس پر ایک، ایک سو بیس پر دو اور دو سو پر تین، تو دو سو دو بکریاں ہو گئیں تو مجموعہ پر تین بکریاں واجب ہو گئیں لیکن اگر اس کو تقسیم کر دیں تو ہر ایک کے حصہ میں ایک سو ایک بکری آئے گی اور ایک سو بیس تک ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے تو ہر ایک پر ایک

بکری واجب ہوگی تو اس صورت میں دو بکریاں دینی پڑیں گی جب کہ مجموعہ پر تین دینی پڑتیں تو اس صورت میں اگر شرکت کا اعتبار نہ کریں تو زکوٰۃ دینے والے کا فائدہ ہے۔

حدیث کی تشریح ائمہ ثلاثہ کے ہاں

ائمہ ثلاثہ حدیث پاک کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ **"لا یجمع بین متفرق"** زیادہ زکوٰۃ لگنے کے خوف سے متفرق بکریوں کو جمع نہ کیا جائے۔ مثلاً چالیس زید کی چالیس عمر کی تو یہ آپس میں یہ سمجھوتہ نہ کریں کہ لاؤ بھئی! ہم ان کو ملالیں تا کہ یہ اسّی ہو جائیں اور مجموعے سے ایک بکری جائے اور **"لا یفرق بین مجتمع"** کہ جو دوسو دو بکریاں مجتمع ہیں مشترک ہیں اور ان پر تین بکریاں عائد ہوگئی ہیں تو ان کو متفرق نہ کیا جائے جب زکوٰۃ کا وقت آنے لگے تو دونوں آپس میں سمجھوتہ کرلیں کہ بھئی دوسو دو پر تو تین بکریاں جارہی ہیں تو ایسا کرو ہم آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں کہ ایک سو ایک تم کرلو، ایک سو ایک میں کر لیتا ہوں، تا کہ ہر ایک کے حصہ پر الگ زکوٰۃ عائد ہونے سے ہماری صرف دو بکریاں جائیں یہ کام نہ کرو صدقہ کے خوف سے۔

ائمہ ثلاثہ یہ تشریح کرتے ہیں اور وہ اسی سے استدلال بھی کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے **"تفریق بین المجتمع"** اور **"جمع بین المتفرقات"** سے منع فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے حساب میں جمع تفریق مؤثر ہے اگر مؤثر نہ ہوتی تو جمع تفریق سے منع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

حدیث کی تشریح امام ابوحنیفہؒ کے ہاں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاف صاف حدیث میں موجود ہے کہ **"لیس فی أقل من خمسة ذود صدقة"** پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ نہیں اور انتالیس بکریوں میں صدقہ نہیں۔ یہ صراحۃً حدیث میں موجود ہے اور آپ کے قول پر یہ لازم آتا ہے کہ جس کا حصہ پانچ اونٹ سے کم ہے یا جس کا حصہ انتالیس بکریوں سے کم ہے، اس میں زکوٰۃ عائد ہو، لہٰذا وہ حدیث باب کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص جمع کو متفرق کرنے کا اور متفرق کو جمع کرنے کا حیلہ نہ کرے زکاۃ کے خوف سے، کیونکہ ایسا کرنے سے کچھ حاصل نہیں، ایسا کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا یعنی آپ نے جو **"تفریق بین المجتمع"** اور **"جمع بین المتفرق"** سے منع فرمایا ہے وہ اس لئے منع فرمایا ہے کہ بھئی! جب یہ دھندہ کرو گے تو اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، زکوٰۃ تب بھی ہر ایک کو اپنے حصے پر ادا کرنی پڑے گی، یہ تشریح حنفیہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کرتے ہیں۔

"فانهما يتراجعان بالسوية" کی تشریح

آگے جملہ ہے اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اگلے باب میں جو روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ **"وما**

کان من خلیطین فانھما یتراجعان بالسویۃ" اسی جملے کے ساتھ اگلا جملہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جمع نہ کرو اور جب دو شریک ہیں وہ بعد میں آپس میں تراجع کرلیں برابر، برابر یعنی جب مصدق زکوٰۃ لے جائے تو آپس میں ایک دوسرے سے رجوع کر کے اپنا حق برابرا کرلیں، اس کی تشریح بھی ائمہ ثلاثہ اور طریقے سے کرتے ہیں اور حضرات حنفیہ اور طریقے سے کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ زکاۃ اگر چہ مجموعے پر واجب ہوتی ہے، وہی اسّی بکریوں کی مثال ہے یا آسانی کے لئے یہ سمجھ لیں مثلاً پندرہ اونٹ خلطۃ الشیوع کے ساتھ مشترک تھے اور پندرہ اونٹ پر تین بکریاں واجب ہوتی ہیں، تو تین بکریاں مجموعے سے مصدق لے گیا۔

کس طرح لے گیا، اس لئے کہ موجود تھے تو اونٹ اور واجب تھیں بکریاں اور مشترک بکریاں موجود نہیں۔

اگر مشترک بکریاں موجود ہوتیں تو دونوں کی طرف سے تین بکریاں دے دی جاتیں، زکوٰۃ دونوں کی طرف سے ادا ہو جاتی، لیکن مشترک بکریاں موجود نہیں تھیں بلکہ زید کے پاس بکریاں تھیں عمرو کے پاس بکریاں نہیں تھیں تو زید نے کہا کہ بھئی! یہ تین بکریاں تم لے جاؤ، گویا زید نے اپنی ملکیت کی تین بکریاں مصدق کو دے دیں، تو اس کا کیا مطلب ہوا؟

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اپنے حصے کی زکاۃ بھی دے دی اور عمرو کے حصہ کی زکاۃ بھی دے دی، اب تین بکریاں جو واجب تھیں اس میں ڈیڑھ بکری عمرو پر واجب تھی، ڈیڑھ بکری زید پر واجب تھی، اس نے پوری تین دے دیں تو یہ بعد میں عمرو سے رجوع کرلے گا کہ بھئی! میں نے تین بکریاں دی ہیں ان میں سے ڈیڑھ بکری کی قیمت تم مجھے ادا کرو، تراجع کا یہ مطلب ہے۔

ائمہ ثلاثہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک تراجع اسی صورت میں ہوگا جبکہ زکوٰۃ تو مجموعے سے لے لی گئی، واجب تو ہوئی مجموعے پر لیکن لی گئی کسی ایک کی متمیز ملک سے یا مشترک ملک سے جس میں حصے برابر نہ ہوں تو جس کی ملک میں سے لی گئی ہے وہ دوسرے کے حصے کے بقدر قیمت اس دوسرے سے وصول کرلے گا، ائمہ ثلاثہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ نہیں یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ تو ہر ایک شخص کے انفرادی حصے پر عائد ہوگی، فرض کرو کہ پندرہ اونٹ دونوں کے درمیان اثلاثاً مشترک تھے، یعنی زید کے دو ثلث تھے اور ایک ثلث عمرو کا تھا، تین بکریاں اس طرح ہوئیں کہ دو زید پر واجب ہوئیں اور ایک بکری عمرو پر واجب ہوئی، اب یہ تین بکریاں واجب ہوئیں اور ان دونوں کے درمیان بکریاں اَنصافاً مشترک تھیں، فرض کرو کہ ان تین مشترک بکریوں سے مصدق یہ کہہ کر اٹھا کرلے گیا کہ تمہارے اونٹ بھی مشترک ہیں، بکریاں بھی تمہاری مشترک ہیں، لہٰذا تم ان مشترک بکریوں میں سے تین ہمیں دے دو، تو مشترک بکریوں میں سے تین لے گیا تو کیا ہوگا کہ زکوٰۃ جو واجب ہوگئی تھی وہ اثلاثاً ہوئی تھی۔ دو بکریاں زید کے ذمے ہوئیں تھیں اور ایک

بکری عمرو کے ذمے، اب بکریاں جو لے گیا وہ بھی ان کے درمیان مشترک تھیں تو بکریاں تین لے گیا جب کہ وہ بکریاں اَنصافاً مشترک تھیں یعنی نصفاً نصفاً، آدھی زید کی تھیں اور آدھی عمرو کی تھیں تو جب تین بکریاں گئیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ زید کی ڈیڑھ بکری گئی اور عمرو کی بھی ڈیڑھ بکری گئی، حالانکہ زید پر دو بکریاں واجب تھیں اور عمرو پر ایک بکری تو زید کی زکوٰۃ پوری نہ گئی دو بکریوں سے کم گئی، ڈیڑھ بکری گئی اور عمرو کی زکوٰۃ زیادہ چلی گئی کیونکہ ایک بکری واجب تھی اور گئی ڈیڑھ، تو یہ آدھی بکری کی قیمت زید سے وصول کرلے گا کہ میری آدھی بکری تمہاری زکوٰۃ میں چلی گئی ہے، لہٰذا تم اس کی قیمت ادا کرو۔ حنفیہ کے نزدیک تراجع کا مطلب یہ ہے۔

یہ میں نے آسان اور مختصر کر کے بتایا ہے، ورنہ تراجع کی بڑی پیچیدہ صورتیں بھی ہیں اور علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع، شامی اور قاضی خان نے فتاوٰی میں اس کی بہت تفصیل سے وضاحت کی ہے کہ تراجع کی کیا کیا صورتیں ہوتی ہیں، لیکن یہ میں نے آسان مثال دے کر بتایا اور سچی بات یہ ہے کی یہ جو جملہ ہے **"وما كان من خليطين فانهما يترا جعان بالسوية"** یہ جملہ حنفیہ کے مذہب پر زیادہ قوت کے ساتھ صادق آتا ہے بنسبت ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے۔ کیونکہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق اس جملے کا اطلاق صرف اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب زکوٰۃ تو مجموعے پر واجب ہوئی ہو لیکن ایک شخص کی متمیز ملک سے ادا کی گئی ہو، تبھی اس کا اطلاق ہوگا، اس کے بغیر اس جملے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ [۵۳]

حنفیہ کے نزدیک اس جملے کا ہر صورت میں اطلاق ہوجاتا ہے، چاہے زکوٰۃ مشترک مال سے لی گئی ہو، چاہے ہر ایک کی متمیز ملک سے لی گئی ہو، لہٰذا حنفیہ کا مذہب اس پر عمل کرنے میں زیادہ واضح ہے بنسبت ائمہ ثلاثہ کے۔ [۵۴]

کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

اس حدیث سے ہمارے زمانے کا ایک مسئلہ متعلق ہوجاتا ہے اور اس میں اس حدیث سے رہنمائی ملتی ہے، وہ کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ اس میں ایک ادارہ تجارتی ہوتا ہے اور اس میں ہزارہا افراد حصہ لیتے ہیں وہ سب آپس میں شریک ہوتے ہیں اور مشترک کاروبار کرتے ہیں، کمپنیوں میں یہی ہوتا ہے اور آج کل قانون میں کمپنی کو ایک مستقل شخص کہا جاتا ہے، کمپنی بذاتِ خود کیا ہے؟ یہ ایک قانونی انسان ہے جس کا خارج میں بحیثیت

---

۵۳ بدائع الصنائع، فصل أمّا نصاب الغنم فليس في أقل من الغنم زكاة، ج: ۲، ص: ۲۹، دارا الكتاب العربی، بيروت، والدرالمختار، باب زكاة المال، ج: ۲، ص: ۳۰۴، دار الفكر، بيروت، ۱۳۸۶ھ، وعمدة القاری، ج: ۶، ص: ۱۴۱.

۵۴ اس کی اور توجیہ بھی کی گئی ہے جو درس ترمذی میں دیکھی جاسکتی ہے، درس ترمذی، ج: ۲، ص: ۴۲۴۔

انسان وجود نہیں، لیکن شخصِ قانونی ہے۔ اس کو عربی میں "شخصية المعنوية" کہتے ہیں انگریزی میں اس کو جوڈیشنل پرسن (judicial person) کہا جاتا ہے یعنی قانونی شخص بلکہ بعض اوقات اصطلاح استعمال ہوتی ہے یعنی فرضی انسان، فرض کرلیا گیا جیسے یہ انسان ہے۔

اس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح انسان دائن بنتا ہے اور مدیون بنتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی دائن اور مدیون بنتا ہے، جس طرح انسان مدعی اور مدعیٰ علیہ بنتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی مدعی اور مدعیٰ علیہ بنتا ہے۔ تو ضرورت اس کی اس لئے پیش آئی کہ اس میں حصے دار بے انتہا ہوتے ہیں، ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں حصہ دار ہوتے ہیں تو اگر اس پر عام شرکت کا قاعدہ جاری کیا جائے اور اس ادارے کو کسی پر دعویٰ کرنے کی ضرورت پیش آئے یا کوئی اس پر دعویٰ کردے تو اگر پرانی شرکت والا حساب کیا جائے تو ایک لاکھ آدمیوں کے نام لکھنے پڑیں گے کہ یہ مدعی علیہم ہیں اور یہ مدعی۔ اس کے لئے ایک عذاب تو یہ کھڑا ہو جائے گا کہ پہلے ایک لاکھ آدمیوں کے نام معلوم کرے اور ان کے پتے اور ان کی ولدیت معلوم کرے، پھر ان کے نام وغیرہ لکھے تو دعویٰ تو دو سطروں میں ہوگا اور مدعی علیہم کا نام پوری کتاب ہوگی۔

دوسرے یہ کہ قاضی جب ان کو بلائیں گے کہ مدعی علیہ آؤ، تو معلوم ہوگا کہ مدعی علیہم کا جلوس چلا آرہا ہے اور عدالت میں کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہیں تو یہ عملاً ممکن نہیں کہ وہ سب جمع ہو پائیں اور اگر کسی کو اپنا وکیل بناتے ہیں تو پہلے سب سے دستخط لو کہ ہم فلاں فلاں کو اپنا وکیل بناتے ہیں تب جا کر کہیں وہ معاملہ آگے بڑھے تو یہ ایک مصیبت کھڑی ہو جائے، اس واسطے کمپنی کو بذاتِ خود "شخصِ قانونی" قرار دیا گیا۔

اب دعویٰ افراد پر نہیں ہے بلکہ اس کمپنی کے مجموعے پر ہے اور وہی کمپنی اصل میں مدعی علیہ ہے اور پھر سارے حصہ داروں کی سالانہ میٹنگ ہوتی ہے، اس سالانہ میٹنگ کے اندر کسی کو اپنا ڈائریکٹر مقرر کر لیتے ہیں یا چیف ایگزیکٹیو مقرر کر لیتے ہیں، وہ ان سب کی طرف سے کارروائی کرتا رہتا ہے۔ اس واسطے شخص قانون کی ضرورت پیش آئی، اب حکومت جو ٹیکس وغیرہ عائد کرتی ہے وہ کمپنی پر بحیثیت کمپنی عائد اور بحیثیت شخصِ قانونی کرتی ہے۔

اور یہی وہ مسئلہ ہے جو منطق میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ جزئیات الگ ہوتے ہیں اور مجموعہ کا وجود الگ ہوتا ہے۔ وہ جو مشہور قصہ ہے کہ ایک صاحبزادے منطق پڑھ کر گئے تھے اور جا کر اپنے والد سے کہا کہ یہ جو دو انڈے رکھے ہیں ان کو میں تین ثابت کر سکتا ہوں کہ ایک یہ انڈہ ہے اور ایک یہ انڈہ ہے اور ایک ان کا مجموعہ ہے تو باپ نے کہا کہ دو انڈے میں کھالیتا ہوں، مجموعہ تم کھالو، تو یہ جو مجموعہ ہے ایک مستقل وجود ہونے کی بات ہے منطق کی، وہی یہاں پر اپنائی گئی ہے کہ حصہ داران اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن ان کے مجموعہ کا نام کمپنی ہے اور وہ ایک شخصِ قانونی ہے، لہٰذا وہ مدعی بھی ہے اور مدعی علیہ بھی ہے اور وہی دائن بھی ہے اور مدیون بھی ہے، سب ہی کچھ ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا زکوٰۃ کے معاملے میں کمپنی پر بحیثیت شخصِ قانونی زکوٰۃ عائد ہوگی یا حصہ

داروں پر ہوگی۔

یہاں یہ مسئلہ آ گیا خلطۃ الشیوع کا کہ شافعیہ اور حنابلہ خلطۃ الشیوع کو معتبر مانتے ہیں اور معتبر ماننے کی وجہ سے زکاۃ مجموعہ پر عائد کرتے ہیں نہ کہ ہر شخص کے انفرادی حصہ پر، چاہے حصہ دار صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں۔ ایک شخص نے سو روپے کا حصہ لے رکھا ہے، لہٰذا مجموعہ پر کمپنی سے زکاۃ وصول کر لی جائے گی، یہ ائمہ شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب کا تقاضا ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ چونکہ ہر حصہ دار کے صاحب نصاب ہونے کو خلطۃ الشیوع معتبر ہونے کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، اس لئے اگر کوئی شیئرز ہولڈر صاحب نصاب نہ ہو تو پھر ان کے نزدیک کمپنی پر بحیثیت کمپنی زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق زکوٰۃ کمپنی پر بحیثیتِ کمپنی کے عائد نہ ہوگی بلکہ ہر شخص کے اپنے حصہ کے مطابق زکوٰۃ عائد ہوگی اور ہر ایک کے حصہ پر زکوٰۃ عائد ہونے کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ اس کے ساتھ صاحبِ نصاب بنتا ہے تو زکوٰۃ دے گا اگر نہیں بنتا تو زکوٰۃ نہیں دے گا۔

اب حنفیہ کے حساب سے ایک اور مسئلہ ہے کہ جب زکاۃ کمپنی کے اوپر نہیں عائد ہو رہی ہے بلکہ ہر ایک کے حصے پر عائد ہو رہی ہے تو حصے کی زکاۃ نکالنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جو حصے ہوتے ہیں ان کو عربی میں **"اسھم"** اور انگریزی میں شیئرز کہتے ہیں، یہ کیا چیز ہے؟

یہ حامل سہم کی متناسب ملکیت سے عبارت ہے کمپنی کے تمام اثاثوں میں جو حصہ دار ہوتا ہے وہ کمپنی کے تمام اثاثوں میں اپنے اس حصے کے تناسب سے ملکیت رکھتا ہے یعنی کمپنی فرض کرو ایک ٹیکسٹائل مل ہے جو کپڑا بناتی ہے تو اس کی ملکیت میں مشینیں بھی ہیں، کاریں بھی ہیں، فرنیچر بھی ہے، نقد رقم بھی ہے، دھاگہ بھی ہے، بنا ہوا کپڑا بھی ہے اور اس کی ملکیت میں بہت سی چیزیں اور بہت سی رقوم دوسروں سے وصول طلب ہیں، وہ بھی ہیں۔ ان سب چیزوں میں حاملِ سہم اپنے سہم کے تناسب سے ملکیت رکھتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک آدمی نے ایک ہزار روپے کے سہام لے رکھے ہیں اور کمپنی کے کل اثاثے دس کروڑ کے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شخص کمپنی کے تمام اثاثوں کے دس لاکھویں حصہ کا مالک ہے بلڈنگ میں بھی، فرنیچر میں بھی، کار میں بھی، نقد روپے میں بھی، مشینری میں بھی اور سامان میں بھی بلکہ ہر چیز میں، تو جب یہ عبارت ہے تمام اثاثوں کی ایک متناسب ملکیت سے تو ان میں سے بعض اثاثے قابلِ زکاۃ ہیں اور بعض اثاثے قابلِ زکوٰۃ ہیں ہی نہیں، مثلاً بلڈنگ اور فرنیچر پر زکاۃ نہیں ہے، جو کاریں استعمال میں ہیں ان پر زکاۃ نہیں ہے، لیکن جو دھاگہ خام مال پڑا ہے اس پر زکوٰۃ ہے، جو کپڑا تیار ہوا ہے اس پر زکوٰۃ ہے، جو رقم اپنے پاس کیش ہے اور جو بنک کے اندر رکھی ہے اس پر زکوٰۃ ہے یعنی بنک بیلنس ہے اس پر زکاۃ ہے اور اسی طرح جو رقمیں دوسروں سے واجب الوصول ہیں ان پر زکوٰۃ ہے۔

اب کمپنی کی اس قسم سے متعلق فقہی طور پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ اس کمپنی پر بحیثیت کمپنی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ کمپنی کے حصے داروں پر انفرادی طور سے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ شریعت میں شخص قانونی معتبر ہے یا نہیں؟

چوتھے یہ کہ اگر انفرادی حصوں کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے تو زکوٰۃ میں حصے کی اصل قیمت معتبر ہوگی یا اس وقت کی بازاری قیمت؟

پانچویں یہ کہ اگر انفرادی حصوں پر زکوٰۃ واجب ہے تو حصے کی پوری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اس کے صرف اتنے حصے پر جو اموال قابل زکوٰۃ کے مقابل ہے؟

خلاصہ یہ کہ کمپنی کے اثاثے دو قسم کے ہیں:

بعض قابلِ زکوٰۃ ہیں، بعض قابلِ زکاۃ نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق انسان کے انفرادی حصہ پر زکاۃ عائد ہو رہی ہے تو انفرادی حصہ مثلاً ایک سو روپے کا ہے یا ایک ہزار روپے کا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں سے کتنی مقدار پر زکوٰۃ عائد ہو رہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ جس شخص نے کمپنی کا یہ حصہ خریدا ہے تو آیا اس کا مقصد اس حصے کو خرید کر آگے نفع پر بیچنا ہے، کیونکہ بکثرت لوگ کمپنی کے حصے اس غرض سے خریدتے ہیں تاکہ جب ان کی قیمت بڑھے تو آگے بیچ دیں اگر اس نیت سے خریدا ہے تو پورے حصہ پر زکاۃ عائد ہوگی اور پورے حصے کی بازاری قیمت کے اعتبار سے زکاۃ دینا ہوگی، کیونکہ اس نے یہ حصہ تجارت کی نیت سے خریدا ہے یعنی بیچنے کی نیت سے اور کوئی بھی چیز انسان بیچنے کی غرض سے خریدے تو اس کی جو بازاری قیمت ہے اس کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ چیز بذاتِ خود قابلِ زکاۃ ہے یا نہیں، جیسے پورا گھر یا بلڈنگ ہے، تو بلڈنگ پر ویسے زکوٰۃ نہیں لیکن اگر کوئی بلڈنگ اس غرض سے خریدے کہ آگے بیچوں گا تو اس پر بھی زکوٰۃ آئیگی، تو جب اس نے تجارت کی غرض سے حصہ خریدا ہے تو اب کمپنی کی عمارتیں وغیرہ بھی تجارت میں شامل ہوگئیں، لہٰذا اس پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی۔

لیکن اگر اس نے حصہ بیچنے کی غرض سے نہیں خریدا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھوں اور کمپنی کے منافع میں شرکت کروں، کمپنی ہر سال منافع تقسیم کرتی ہے میرے پیسے لگے ہوئے ہیں ہر سال میں اس سے منافع لیتا رہوں گا اس مقصد کے لئے خریدا، تو اب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کمپنی کے اثاثوں میں کتنے فیصد اثاثے قابلِ زکوٰۃ ہیں اور کتنے فیصد اثاثے نا قابلِ زکوٰۃ ہیں، مثلاً حساب لگایا تو یہ پتہ چلا کہ اس کمپنی کا ٪۶۰ فیصد اثاثہ جو بلڈنگ ہے، فرنیچر ہے مشینری ہے اور کاریں ہیں یہ سب قابلِ زکوٰۃ نہیں اور ٪۴۰ فیصد اثاثے قابلِ زکوٰۃ ہیں یعنی ٪۴۰ فیصد کے اندر خام مال بھی ہے، تیار مال بھی ہے، نقد بھی اور دیون بھی ہیں وغیرہ

وغیرہ، تو اب حصہ کی جو بازاری قیمت ہوگی اس کے ٪۴۰ فیصد پر زکوٰۃ عائد ہوگی مثلاً بازار میں سو روپے کا ایک حصہ بک رہا ہے تو ۴۰ روپے پر زکوٰۃ ہوگی، اور یہ پتہ لگانا کہ کتنے اثاثے قابل زکاۃ ہیں اور کتنے اثاثے قابل زکوٰۃ نہیں، اس کا پتا اس طرح لگایا جاتا ہے کہ ہر سال کمپنی کی بیلنس شیٹ شائع ہوتی ہے اس کے اندر تفصیل ہوتی ہے کہ ہماری املاک میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں، اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تو جو آدمی پتا لگا سکے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ صرف اتنے حصے کی زکاۃ ادا کرے جو قابل زکوٰۃ اثاثوں کے مقابلے میں ہے اور اگر یہ پتا لگانا ممکن نہ ہو تو پھر اس کے لئے احتیاط اس میں ہے کہ عمومی بازاری قیمت پر زکوٰۃ ادا کرے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب پتا لگانا ممکن نہ ہو تو سہم کی قیمت اسمیہ کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ کمپنی کے حصوں کی ایک قیمت اسمیہ ہوتی ہے اور ایک قیمت سوقیہ ہوتی ہے اور ایک قیمت التصفیہ ہوتی ہے۔ مثلاً آج ایک کمپنی قائم ہوئی تو لوگوں سے کہا گیا کہ آپ لوگ اس میں پیسے لگائیں اور ایک حصہ دس روپے کا ہے، اب لوگ جتنے چاہیں حصے لے لیں، کسی نے سو حصے لے لئے، کسی نے ایک ہزار حصے لے لئے، کسی نے ایک لاکھ لے لئے دس دس روپے کے۔ تو دس روپے حصے کی قیمتِ اسمیہ ہے جس پر ابتداً وہ جاری کیا گیا اور جب وہ سٹرفکیٹ دیا جاتا ہے تو اس پر دس روپے لکھا جاتا ہے، اس کو قیمتِ اسمیہ کہتے ہیں۔

اب کمپنی نے کاروبار شروع کیا تو جو پیسے جمع ہوئے اس سے اثاثے خریدے اور کاروبار شروع کیا، نفع ہوا، نفع بھی اصل سرمائے کے ساتھ کچھ شامل کرلیا جاتا ہے جو تقسیم کرلیا جاتا ہے، ہوتے ہوتے اس کی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے تو اثاثے جتنے بھی ہیں موجودہ قیمت کے لحاظ سے سب کی جو قیمت بنتی ہے اس کو قیمت التسویہ کہتے ہیں، مثلاً کمپنی آج سے ایک سال پہلے قائم ہوئی تھی اور اس کا ایک حصہ دس روپے کا تھا اور اس وقت اس طرح دس کروڑ روپے جمع ہوئے تھے، مثلاً دس کروڑ سے کاروبار شروع کیا، اب ایک سال کے بعد اگر آج اس کمپنی کو تحلیل کیا جائے تو اس کے جتنے اثاثے موجود ہیں ان کی قیمت فرض کرو دس کروڑ بن گئی ہے یا بیس کروڑ تو جب بیس کروڑ بن گئی اور بیس کروڑ کو ایک کروڑ افراد پر تقسیم کریں گے، کیونکہ ایک کروڑ حصے جاری ہوئے تھے تو فی حصہ بیس روپے آئے گا تو جس حصہ کی قیمت دس روپے تھی اب اس کی قیمت ۲۰ روپے ہوگئی تو قیمت التسویہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر آج کمپنی کو تحلیل کیا جائے تو اس کے اثاثوں کی جتنی قیمت بنتی ہے وہ قیمت کے حساب سے فی حصہ کتنی قیمت بڑھ جاتی ہے وہ قیمت التسویہ ہے، لیکن اس قیمت التسویہ کا پتا اسی وقت چل سکتا ہے جبکہ سارے اثاثوں کی قیمت آج لگائیں، مثلاً بلڈنگ اور کار کی آج کیا قیمت ہے، اور ہر چیز کی قیمت بڑھ گئی یا گھٹ گئی وغیرہ وغیرہ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آج قیمت لگائیں، ہر روز قیمت التسویہ معلوم ہو سکتی ہے۔

تیسری قسم قیمتِ سوقیہ ہے، قیمتِ سوقیہ بھی بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ بازار میں حصے کس قیمت پر فروخت ہو رہے ہیں دس روپے کا ایک حصہ تھا، اب بازار میں کس قیمت میں فروخت ہو رہا ہے وہ قیمتِ سوقیہ ہے۔

اس کام کا ایک مستقل بازار ہوتا ہے جس کو اسٹاک ایکسچینج یعنی ''بازارِ حصص'' کہتے ہیں، جس میں سب یہی کام ہوتا ہے۔ تو اصل اور عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ قیمتِ سوقیہ برابر ہونی چاہئے قیمت تصفیہ کے، کہ اثاثے جو ہیں ان کی قیمت بڑھ گئی یا گھٹ گئی، جتنی بھی قیمت بڑھ گئی ہے تو اس حساب سے اس کی قیمت متعین کی جائے، لیکن حقیقی قیمت تصفیہ کا متعین کرنا عام آدمی کے لئے مشکل ہے۔

اس واسطے یوں کرتے ہیں کہ جو ''بازارِ حصص'' میں کام کرنیوالے لوگ ہیں یہ مختلف اندازوں اور تخمینوں کے حساب سے قیمت لگاتے ہیں، اس میں کچھ تو کمپنی کے اثاثوں کا اندازہ اور تخمینہ ہوتا ہے کہ تخمیناً اب اس کے اثاثے اس قیمت کے ہونگے اور کچھ اس میں نفع کے امکانات کا عنصر شامل ہوتا ہے کہ یہ کمپنی آئندہ نفع میں جائے گی یا نقصان میں جائیگی، نفع کی شرح بڑھے گی یا گھٹے گی، اس کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کی قیمت بڑھے گی یا گھٹے گی۔ اس کو تخمینہ اور مجازفہ کہا جاتا ہے۔

اور اس کا زیادہ مدار عالمی حالات پر ہوتا ہے، کشمیر میں کارگل پر قبضہ ہو گیا ملک پر جنگ کے خطرات منڈلانے لگے تو معلوم ہوا کہ حصص کی قیمتیں گر گئیں، کیوں؟ اس واسطے کہ خریدنے والوں کو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ جنگ ہونے والی ہے تو جنگ ہونے کے نتیجے میں باہر سے رابطہ منقطع ہو جائے گا، خام مال آنا بند ہو جائیگا اور اس کے نتیجے میں کمپنی اپنی مصنوعات کو صحیح طریقے سے پیدا نہیں کر سکے گی، جب پیدا نہیں کر سکے گی تو نفع نہیں ہوگا، تو جو حصہ دار ہیں ان کو ان کی حصہ داری کا مناسب بدل نہیں ملے لہٰذا قیمتیں گھٹ گئیں، حالانکہ اثاثے تو وہی ہیں جوں کے توں، لیکن نفع بخشی کی امید اور خسارے کے خطرات کے پیشِ نظر قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اگر قیمت تصفیہ بیس روپے ہے تو بازاری قیمت ایک سو بیس روپے، اس واسطے کہ سٹے بازوں کو اس بات کا غالب گمان ہے کہ قیمت اور نفع جو ہے بڑھ جائے گا، یا قیمت تو ہے بیس روپے اور قیمتِ سوقیہ گھٹ کر تین روپے رہ گئی، کیوں؟ اس واسطے کہ اگرچہ اثاثے تو ہیں لیکن اندیشہ ہے کہ یہ نقصان میں جائے گی تو قیمت تین روپے ہو جائیگی تو اس میں قیمتِ سوقیہ کے اندر عنصر جو ہوتا ہے وہ تخمینہ اور جزاف کا ہوتا ہے۔

اب شرعی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کا معاملہ ہو یا کوئی اور معاملہ، اس میں انصاف اور اصل کا تقاضہ یہ ہے کہ اعتبار ہو قیمت تصفیہ کا نہ کہ قیمتِ اسمیہ کا اور نہ ہی قیمتِ سوقیہ کا، بلکہ اعتبار قیمتِ تسویہ کا ہونا چاہئے، کیونکہ وہی صحیح بتاتی ہے کہ اثاثوں کی مالیت کتنی ہے، لیکن جیسا میں نے عرض کیا کہ اس کا پتہ لگانا بہت مشکل کام ہے یہ عام طور سے اس وقت ہوتا ہے جب کہ کمپنی تحلیل ہو جائے تو پھر اس کی قیمتیں لگتی ہیں، لیکن کم از کم ایک عام حصے دار کے لئے آسان نہیں ہے کہ وہ قیمت تصفیہ مقرر کرے، لہٰذا مجبوراً یا قیمتِ اسمیہ کو اختیار کیا جائے گا یا قیمتِ سوقیہ کو اختیار کیا جائے گا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں احوط طریقہ

بعض علماء عصر یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے معاملہ میں قیمتِ سوقیہ کو اختیار کریں، کیونکہ واحد ممکن ذریعہ

موجودہ مالیت کے معلوم کرنے کا وہ قیمتِ سوقیہ ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں قیمتِ سوقیہ میں اوپر نیچے دونوں طرف بڑا مبالغہ ہوتا ہے، لہٰذا اعتبار قیمتِ اسمیہ کا کیا جائے تو اس میں دونوں قول ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ قیمتِ سوقیہ کا اختیار کرنا احوط ہے، لہٰذا اسی پر مدار ہونا چاہئے، لیکن اگر حصوں کی قیمت سوقیہ ایک ہزار روپیہ ہو تو ایک ہزار روپے میں زکوۃ نہیں آئے گی بلکہ ایک ہزار روپے کے اندر جو قابل زکوۃ اثاثوں کا تناسب ہے اس کے اوپر زکوۃ ہے، تو احوط یہی ہے تاکہ زکوۃ کے اندر کوئی اندیشہ وغیرہ نہ رہے، لیکن اگر قیمتِ تصفیہ معلوم کرنے کا کوئی راستہ ہو تو اصل بات یہ ہے کہ زکوۃ اسی کے اعتبار سے عائد ہو، لیکن چونکہ اس کے معلوم کرنے کا راستہ آسان نہیں ہے، اس لئے اس حصے کی مالیت لگانے کا یہی راستہ ہوسکتا ہے کہ ان حصوں کی خرید وفروخت جس قیمت پر ہو رہی ہے اسی کو زکوۃ کے حق میں معتبر مانا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۳۵) بابٌ: ما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية،

کسی مال میں دو شخص شریک ہوں تو دونوں زکوۃ دے کر اس میں برابر سمجھ لیں

"وقال طاوس وعطاء: إذا علم الخليطان أموالهما فلا يجمع مالهما، وقال سفيان: لاتجب حتى يتم لهذا أربعون شاةً ولهذا أربعون شاةً".

طاؤس اور عطاء رحمہما اللہ دونوں کہتے ہیں کہ دونوں خلیطین کو اپنے اموال کا پتا ہے یعنی دونوں کے اموال متمیز ہیں تو اس کو جمع نہیں کیا جائیگا۔

اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ عطاء اور طاؤس رحمہما اللہ خلطۃ الشیوع کا اعتبار تو کرتے ہیں، لیکن خلطۃ الجوار کا اعتبار نہیں کرتے۔

"وقال سفيان" سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ زکوۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ ہر ایک کی چالیس بکریاں مکمل نہ ہو جائیں، جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے وہی ان کا بھی قول ہے۔ [۵۵]

۱۴۵۱ـ حدثنا محمد بن عبد الله قال: حدثني أبي قال: حدثني ثمامة أن أنسا حدثه: أن أبا بكر ﷺ كتب له التي فرض رسول الله ﷺ ((وما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية)). [راجع: ۱۴۴۸]

[۵۵] ((اذا علم الخليطان)) يعني: لا يكون المال بينهما مشاعاً، وهذا يسمى بخلطة الجوار، فمذهب طاؤس وعطاء، رضي الله تعالىٰ عنهما، هو خلطة الشيوع.

وقال التيمي: كان سفيان لايرى للخلطة تأثيراً كما لايراه أبو حنيفة، رضي الله تعالىٰ عنه، وفي (التوضيح): وقول مالك كقول عطاء، رضي الله تعالىٰ عنهما. عمدة القاري، ج: ٦، ص: ۴۴۳-۴۴۴.

ترجمہ: حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ ان کے پاس حضرت ابوبکر ﷺ نے وہ چیزیں لکھ کر بھیجیں جو رسول اللہ ﷺ نے فرض کی تھیں اس میں یہ بھی تھا کہ جو مال دوشریکوں کا ہو اور دونوں زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد آپس میں برابر سمجھ لیں۔

(۳۶) باب زکاۃ الإبل

اونٹ کی زکوٰۃ کا بیان

"ذكره أبو بكر وأبو ذر وأبوهريرة ﷺ عن النبي ﷺ".

اس کو ابوبکر ﷺ، ابوذر ﷺ اور ابوہریرہ ﷺ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔

۱۴۵۲۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا الوليد بن مسلم: حدثنا الأوزاعي قال: حدثني ابن شهاب، عن عطاء بن يزيد، عن أبي سعيد الخدري ﷺ: أن أعرابيًا سأل رسول الله ﷺ عن الهجرة، فقال: ((ويحك، إن شأنها شديد، فهل لك من إبل تؤدي صدقتها؟)) قال: نعم. قال: ((فاعمل من وراء البحار، فإن الله لن يترك من عملك شيئاً)). [أنظر: ۲۶۳۳، ۳۹۲۳، ۶۱۶۵] ۵۶

تشریح

حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے بارے میں سوال کیا **"فقال ويحك ان شانها شديد"** آپ نے فرمایا کہ ہجرت کا معاملہ تو بڑا سخت ہے یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ ہجرت تمہارے بس کا کام نہیں۔

"فهل لك من ابل تؤدى صد قتها؟" کیا اونٹ ہیں کہ تم صدقہ کرو **قال نعم. قال: "فاعمل من وراء البحار"** تو آپ نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو سمندر کے پار بھی۔

بعض نے کہا سمندر کے پار اور بعض نے کہا بستیوں کے باہر۔ "بحر" کا لفظ بعض اوقات بستی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی جہاں کہیں بھی ہو تم عمل کرتے رہو اور صدقہ کرتے رہو **"فان الله لن يترك من عملك شيئا"** اللہ جل جلالہ تمہارے عمل میں سے کوئی کمی نہیں کریں گے، یعنی آپ ﷺ نے ہجرت سے اس کو مستثنیٰ کر دیا اور فرمایا کہ جہاں کہیں بھی رہو وہاں رہتے ہوئے اپنا عمل کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو تو تمہارا عمل

۵۶ وفي صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب المبايعة بعد فتح مكة على الاسلام والجهاد والخير، رقم: ۳۴۶۹، وسنن النسائي، كتاب البيعة، باب شأن الهجرة، رقم: ۴۰۹۴، وسنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، الباب ماجاء في الهجرة وسكنى البدو، رقم: ۲۱۱۸، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ۱۰۶۸۲.

اللہ ﷻ کے ہاں انشاء اللہ مقبول ہوگا۔

اب اس میں کلام ہوا ہے کہ ہجرت سے آپ نے اس کو کیسے مستثنیٰ کر دیا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس لئے کر دیا کہ ان کی بستی والے سارے مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت تو اس وقت فرض ہوتی ہے جب کسی بستی میں کفر کا غلبہ ہو، یہاں تو یہ مسئلہ نہیں تھا بلکہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔

بعض نے کہا اس لئے منع کیا کہ ہجرت کی جو فرضیت تھی وہ بڑے شہر والوں پر تھی، دیہات والوں پر اور اعرابیوں پر نہیں تھی۔[۵۷]

بعض نے کہا کہ **"لاھجرۃ بعدالفتح"** یعنی فتح مکہ کے بعد کی بات ہے جب ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی تھی، یہ بات بھی صحیح نہیں ہے بلکہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ اصل میں فتح مکہ سے پہلے جو ہجرت کی فرضیت تھی وہ دو باتوں کے ساتھ معلول تھی:

ایک اس کی علت یہ تھی کہ ایسی جگہ انسان رہتا ہو جہاں اپنے دین پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ استطاعت بھی ہو تب ہجرت فرض ہوتی ہے، اور یہاں ان دونوں میں سے کوئی ایک بات یا دونوں باتیں مفقود تھیں، ہوسکتا ہے یہ ایسی جگہ رہتے ہوں جہاں ان کا دین پر عمل کرنا ممکن ہو، چنانچہ کہہ رہے ہیں کہ میں زکوٰۃ نکال سکتا ہوں، حضور نے فرمایا نکالو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہجرت فرض تو ہو لیکن ان کے ذاتی حالات نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوں کہ یہ ان کے بس کا کام نہیں اور اس کی انہیں استطاعت نہیں اور ظاہر ہے احکام شریعت استطاعت کی حد تک ہی فرض ہو سکتے ہیں، جہاں استطاعت نہ ہو تو **"لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا"** لہٰذا آپ نے ان کو ہجرت سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔[۵۸]

(۳۷) باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہ

یہ وہی بات ہے جو پہلے بھی آئی تھی کہ اگر زکوٰۃ میں ادنیٰ جانور وغیرہ واجب ہے لیکن ادنیٰ دینے کے لئے موجود نہیں تو اعلیٰ دے دے اور مصدق ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان جو فرق ہے وہ اس کو واپس کردے، یا واجب ہے اعلیٰ اور اعلیٰ دینے کے لئے ہے نہیں تو ادنیٰ دیدے اور ادنیٰ اور اعلیٰ کی قیمت میں جو فرق ہے اس کی قیمت ادا کردے، اس باب کا یہ حاصل اور خلاصہ ہے۔

۱۴۵۳ ۔ حدثنا محمد بن عبداللہ قال : حدثنی أبی قال : حدثنی ثمامۃ أن أنساً ؓ حدثہ : ان أبا بکر ؓ کتب لہ فریضۃ الصدقۃ التی أمر اللہ رسولہ ﷺ : ((من بلغت

---

[۵۷] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: عمدۃ القاری، ج:۶، ص:۴۴۷۔

[۵۸] فیض الباری، ج:۳، ص:۲۹۔

عنده من الابل صدقة الجذعة وليست عنده جذعة وعنده حقة فانها تقبل منه الحقة،ويجعل معها شاتين ان استيسرتا له ، أو عشرين درهما .ومن بلغت عنده صدقة الحقة وليست عنده الحقة وعنده الجذعة فانها تقبل منه الجذعة ، ويعطيه المصدق عشرين درهما أو شاتين . ومن بلغت عنده صدقة الحقة وليست عنده الا بنت لبون فانها تقبل منه بنت لبون ويعطى شاتين أو عشرين درهما ، ومن بلغت صدقة بنت لبون وعنده حقة فانها تقبل منه الحقة ويعطيه المصدق عشرين درهماً أو شاتين . ومن بلغت صدقة بنت لبون وليست عنده وعنده بنت مخاض فانها تقبل منه بنت مخاض ويعطى معها عشرين درهماً أو شاتين)) . [راجع : ۱۴۴۸]

ترجمہ: حضرت انس ؓ نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر ؓ نے ان کو وہ فرض زکوٰۃ لکھ کر بھیجی جس کا اللہ ﷻ نے اپنے رسول اللہ ﷺ حکم دیا تھا۔ جس شخص پر زکوٰۃ میں جذعہ یعنی پانچ برس کی اونٹنی واجب ہو اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ یعنی چار سال کی اونٹنی ہو، تو اس سے جذعہ لیا جائے گا اور زکوٰۃ دینے والا اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے گا۔

جس پر زکوٰۃ میں حقہ واجب ہو لیکن اس کے پاس حقہ نہ ہو بلکہ بنت لبون ہو تو اس سے بنت لبون لیا جائے گا اور دو بکریاں یا بیس درہم دے گا اور جس پر زکوٰۃ میں بنت لبون واجب ہو اور اس کے پاس حقہ ہو تو اس سے حقہ لیا جائے گا اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو بیس درہم دے گا۔

جس شخص پر زکوٰۃ میں بنت لبون واجب ہو اور اس کے پاس بنت لبون یعنی دو سال کی اونٹنی نہ ہو بلکہ بنت مخاض یعنی ایک سال کی اونٹنی ہو تو اس سے بنت مخاض یعنی ایک سال کی اونٹنی لی جائے گی اور اس کے ساتھ زکوٰۃ دینے والا بیس درہم یا دو بکریاں دے گا۔

(۳۸) باب زكاة الغنم

بکریوں کی زکوٰۃ کا بیان

۱۴۵۴ ـ حدثنا محمد بن عبد الله بن المثنى الأنصارى قال : حدثنى أبى قال: حدثنى ثمامة بن عبدالله بن أنس أن أنساً حدثه : أن أبا بكر ؓ كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين : ۵۹

۵۹ وفى صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الابل ، رقم : ۲۴۰۴، وسنن أبى داؤد ، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة،رقم : ۱۳۳۹، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزكاة ، باب ۱۲ اذا أخذ المصدق سنا دون سن أو فوق سن،رقم: ۱۷۹۰ ،ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ،باب مسند أبى بكر الصديق ، رقم: ۶۸.

"(بسم الله الرحمٰن الرحيم) هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله ﷺ على المسلمين ، والتي أمر الله بها رسوله ، فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها، ومن سئل فوقها فلايعط:((في كل أربع وعشرين من الابل فمادونها من الغنم ، من كلّ خمس شاة، فاذا بلغت خمساً وعشرين الى خمسٍ وثلاثين ففيها بنت مخاضٍ أنثى، فاذا بلغت ستاً وثلاثين الى خمس و أربعين ففيها بنت لبون أنثى ، فاذا بلغت ستاً وأربعين الى ستين ففيها حقةٌ طروقة الجمل ، فاذا بلغت واحدةً وستين إلى خمسٍ وسبعين ففيها جذعة ، فاذا بلغت يعني ستّاً وسبعين الى تسعين ففيها بنتا لبون، فاذا بلغت احدى وتسعين إلى عشرين ومائةٍ ففيها حقتان طروقتا الجمل ، فاذا زادت على عشرين ومائة ففي كل أربعين بنت لبون ، وفي كل خمسين حقةٌ . ومن لم يكن معه الا أربع من الابل فليس فيها صدقةٌ الا أن يشاء ربها ، فاذا بلغت خمساً من الابل ففيها شاة .وفي صدقة الغنم في سائمتها اذا كانت أربعين الى عشرين ومائة : شاة . فاذا زادت على عشرين ومائة الى مائتين : شاتان . فاذا زادت على مائتين الى ثلاث مائة ففيها ثلاث . فاذا زادت على ثلاث مائة ففي كل مائة شاةٌ . فاذا كانت سائمة الرجل ناقصة من أربعين شاةً واحدةً فليس فيها صدقةٌ الا أن يشاء ربها .وفي الرقة ربع العشر. فان لم تكن الا تسعين ومائة فليس فيها شيءٌ الا أن يشاء ربها)).[راجع : ۱۴۴۸]

تشریح

جب حضرت ابوبکر ﷺ نے حضرت انس ﷺ کو بحرین بھیجا تو اس وقت یہ کتاب ان کو دی جس میں صدقے کے احکام تھے، "**بسم الله الرحمٰن الرحيم هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله ﷺ**" فرمایا کہ یہ صدقے کا وہ فریضہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں پر مقرر فرمایا اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا "**فمن سئلها من المسلمين على وجهها**" مسلمانوں میں سے جس سے اس طریقے کے مطابق مانگا جائے جو آگے آرہا ہے "**فليعطها**" اس کو چاہئے کہ دیدے، "**ومن سئل فوقها فلايعط**" اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو وہ نہ دے، کیونکہ اللہ جل جلالہ نے اس سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا، "**في كل أربع وعشرين من الابل فمادونها من الغنم**" چوبیس اونٹ یا اس سے کم میں زکاۃ بکریوں کے ذریعے دی جائے گی، ہر پانچ پر ایک بکری دی جائے گی۔

"من کلّ خمسٍ شاۃ، فاذابلغت خمساً وعشرین الی خمس وثلاثین ففیھا بنت مخاضٍ انثٰی...... فاذابلغت ستاوأربعین الیٰ ستین ففیھا حقۃ طروقۃ الجمل"

حقہ کے معنی ہیں چار سال کی اونٹنی، **"طروقۃ الجمل"** جو اس قابل ہو کہ اونٹ اس سے جفتی کر سکے،

"فاذابلغت واحدۃ وستین إلی خمسٍ وسبعین ففیھا جذعۃ .... إلی عشرین ومائۃ ففیھا حقتان طروقتاالجمل طروقۃ الجمل" جو اونٹ جفتی کے قابل ہو۔

ائمہ ثلاثہ اور حدیث کا ظاہری مفہوم

یہاں جو ایک سو بیس تک کا نصاب بیان کیا گیا ہے، یہ تمام فقہاء کرام کے درمیان متفق علیہ ہے اور حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں، اختلاف ایک سو بیس کے بعد ہوتا ہے۔ یہاں حدیث میں یوں لکھا ہے:

"فاذا زادت علی عشرین ومائۃ ففی کل أربعین بنت لبون وفی کل خمسین حقۃ"

یعنی جب اونٹ ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ یعنی حساب اربعینات اور خمسینات میں دائر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک سو بیس پر تین بنتِ لبون تھے کیونکہ ایک سو بیس میں تین اربعینات ہیں، پھر ایک سو تیس پر دو بنتِ لبون اور ایک حقہ، کیونکہ ایک سو تیس میں دو اربعینات ہیں (۴۰+۴۰=۸۰) اور ایک خمسین ہے (۸۰+۵۰=۱۳۰) تو اس طرح ایک سو تیس پر دو بنتِ لبون اور ایک حقہ ہو گئے، ایک سو چالیس پر دو حقے اور ایک بنتِ لبون، کیونکہ ایک سو چالیس میں دو خمسینات ہیں اور ایک اربعین ہے، ایک سو پچاس پر تین حقے کیونکہ اس میں تین خمسینات ہیں، ایک سو ساٹھ پر چار بنتِ لبون، کیونکہ چار اربعینات ہیں تو ہر دس پر جو دس کا عدد آئے گا اس میں یا تو اربعینات ہوں گے یا خمسینات ہوں گے، جتنے اربعینات ہوں گے اتنی بنتِ لبون اور جتنے خمسینات ہوں گے اتنے ہی حقے۔ حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے اور اسی ظاہری مفہوم کو ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ایک سو بیس کے بعد مختلف ہے۔ [۶۰]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک سو بیس پر پہنچنے کے بعد پھر استیناف ہوگا یعنی پھر وہی پانچ پر ایک بکری والا سلسلہ چلے گا، ایک سو بیس پر دو حقے تھے، اب ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی تو ایک سو پچیس پر دو حقے ایک بکری، ۱۳۰ پر دو حقے دو بکریاں، ۱۳۵ پر دو حقے تین بکریاں، ۱۴۰ پر دو حقے چار بکریاں، ۱۴۵ پر دو حقے ایک بنتِ مخاض اور ۱۵۰ پر تین حقے اس میں بنتِ لبون نہیں آئیں گی۔

اس میں چونکہ بنتِ لبون نہیں آئی اس لئے یہ استیناف ناقص کہلاتا ہے۔ جب ایک سو پچاس پر پہنچ گئے پھر استیناف کامل شروع ہوگا کہ ہر پانچ پر ایک بکری اور ۱۵۰ پر تین حقے تھے اس لئے ایک سو پچپن (۱۵۵) پر تین حقے ایک بکری، ۱۶۰ پر تین حقے دو بکری اور ۱۶۵ پر تین حقے تین بکری، ۱۷۰ پر تین حقے چار بکری، ۱۷۵ تک یہی رہے گا، ۱۷۶ پر تین حقے ایک بنتِ مخاض اور پھر دس کے بعد (۱۸۶ پر) ایک بنتِ لبون، پھر دو سو پر چار حقے، پھر ہمیشہ استینافِ کامل ہی ہوتا ہے۔ یہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اونٹ کی ہر چیز ٹیڑھی ہے یہاں تک اس کی زکوٰۃ بھی ٹیڑھی ہے۔ چنانچہ ایک سو بیس کے بعد یہ سلسلہ چلے گا۔ [۶۱]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی بنیاد

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی بنیاد حضرت عمرو بن حزم ؓ کا صحیفہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا اثر ہے جو طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے اور حضرت حضرت علی ؓ کا اثر ہے۔

اور حضرت علی ؓ کے اثر میں جو پچیس اونٹوں پر پانچ بکریوں کی بات ہے اسے سفیان ثوری رحمہ اللہ نے غیر ثابت قرار دیا ہے۔

حنفیہ کے دلائل جو امام ابوعبید رحمہ اللہ نے کتاب الاموال میں اور دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ جب ۱۲۰ تک یہی معاملہ چلا۔ اس کے بعد فرمایا **"فاذا زادت علی عشرین ومائة تُعاد الفریضة الی أول الابل"**.

اور حدیث باب میں فرمایا گیا **"فی کل أربعین بنت لبون"** اس میں **"فی کل خمسین حقة"** تو یہ بھی حنفیہ کے مذہب پر منطبق ہو جاتا ہے، کیونکہ عرب میں کسر کو حذف کرنے کا بکثرت رواج ہے، تو اربعین کا اطلاق ۳۵ پر اور چالیس پر بھی ہو جاتا ہے تو ہم نے جو استینافِ کامل بتایا ہے تو اس میں بھی ہر اربعین پر بنت لبون ہی آتی ہے اگرچہ اربعین سے پہلے شروع ہو جاتی ہے اور اربعین کے بعد تک جاری رہتی ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح ہے کہ **"فی کلّ اربعین بنت لبون ، فی کل خمسین حقة"** تو بلا تکلف ہے تو گویا دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح کر دی کہ اس کی وہ تشریح اختیار کی جو عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمائی البتہ صرف یہ ہے کہ **"فی کل أربعین بنت لبون"** کی تاویل تھوڑی سی ذرا زبردستی معلوم ہوتی ہے لیکن اور باتیں جو ہیں وہ ٹھیک بیٹھتی ہیں۔

اب مجھے لگتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ شاید دونوں طریقے حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہوں، چاہے ائمہ ثلاثہ کا طریقہ ہو چاہے حنفیہ کا طریقہ ہو۔ تو یہاں آپ ﷺ نے یہ فرمایا اور عبداللہ بن مسعود ؓ نے وہ طریقہ بتایا ہوگا، عبداللہ بن مسعود ؓ نے اسی واسطے اختیار کیا، وہ افقہ الصحابہ ہیں اور امور غیر مدرکہ بالقیاس میں صحابی کا قول بھی مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا دونوں طریقے شاید نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہوں اور ائمہ ثلاثہ

نے ایک طریقہ اختیار کرلیا اور حنفیہ نے دوسرا۔[62]

"ومن لم يكن معه الا أربع من الإبل فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها"

جس کے پاس چار سے زیادہ اونٹ نہ ہوں **"فليس فيها صدقة"** تو اس پر زکوٰۃ نہیں **"الاأن يشاء ربها"** الا یہ کہ ان کا مالک خود ہی تطوعاً دے **"فإذا بلغت خمساً من الإبل ففيها شاة"** یعنی پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔

"وفي صدقة الغنم" اگر کسی کے پاس چالیس بکریوں سے کم ہیں، چاہے ایک ہی بکری کم ہو یعنی ۳۹ ہوں **"فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها وفي الرقة ربع العشر"** یعنی چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے **"فإن لم تكن إلا تسعين ومائة"** اگر ایک سو نوے ہوں دو سو پوری نہ ہوں تو **"فليس فيها شئى إلا أن يشاء ربها"**.

(۳۹) باب: لا يؤخذ في الصدقة هرمة ولا ذات عوار، ولا تيس إلاماشاء المصدق

زکوٰۃ میں نہ بوڑھی اور نہ عیب دار بکری اور نہ نر لیا جائے مگر یہ کہ زکوٰۃ دینے والا لینا چاہے

"هرمة" یعنی بوڑھی، تو بہت بوڑھا جانور صدقے میں نہ لیا جائے **"ذات عوار"** عیب والا، **"ولا تيس"** تیس کے معنی "نر" نر بھی زکوٰۃ میں نہ لیا جائے، مطلب یہ ہے کہ اگر سارے نر ہی نر ہیں تو ٹھیک ہے نر لے لیکن اگر سارے انثی ہوں تو پھر ان میں نر لینا ٹھیک نہیں۔ **"الاماشاء المصدق"**.

۱۴۵۵۔ حدثنا محمد بن عبدالله قال: حدثني أبي قال: حدثني ثمامة ان أنساً ﷺ حدثه: ان أبابكر ﷺ كتب له التي أمر الله رسوله ﷺ: ((ولا يخرج في الصدقة هرمة ولا ذات عوار، ولا تيس الا ماشاء المصدق)).

ترجمہ: حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ ان کو حضرت ابوبکر ﷺ نے زکوٰۃ کا حکم لکھ کر دیا جو اللہ ﷻ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ زکوٰۃ میں بڈھی اور اور عیب دار بکری نہ دی جائے اور نہ بکرا دیا جائے۔

الا ماشاء المصدق ــــ اس لفظ کو مختلف طریقوں سے ضبط کیا گیا ہے، اگر اس کو **"مصدّق"** [**بتشديد الدال وفتحها**] پڑھیں **"كما ضبطه العيني"** یا **"مُصْدِق"** [**بسكون الصاد وكسر الدال**] پڑھیں **"كما ضبطه الحافظ في الفتح"** تو اس سے مراد مالک ہے اور استثناء کا تعلق صرف **"تيس"** سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ نر کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے یا جفتی کے لئے اس کی ضرورت ہونے

---

[60]، [61]، [62] عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۴۵۳، ۴۵۴، و فیض الباری، ج: ۳، ص: ۱۹.

کی وجہ سے مالک کو نر دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ، ہاں اگر مالک خود نر دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

اور اگر اسے **"مُصَدِّق"** [**بتشدید الدال و کسرھا**] پڑھا جائے تو اس سے مراد صدقہ وصول کرنے والا ہے، اور استثناء کا تعلق **"ھرمۃ ، ذات عور"** اور **"تیس"** تینوں سے ہے، یعنی زکوۃ دینے والے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ مصدق کو یہ تین قسم کے جانور لینے پر مجبور کرے، لیکن اگر مصدق کسی وجہ سے فقراء کا فائدہ ان کے لینے میں محسوس کرے تو لے سکتا ہے۔

اور استثناء کی ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے اور **"الا"** کے معنی میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مالک کو بوڑھے، عیب دار یا نر جانور دینے کا حق نہیں بلکہ وہ جانور دے جو مصدق چاہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴۰) باب أخذ العناق فی الصدقة

زکوۃ میں بکری کا بچہ لینے کا بیان

۱۴۵۶۔ حدثنا أبو الیمان ، أخبرنا شعیب ، عن الزھری

ح وقال اللیث : حدثنی عبدالرحمٰن بن خالد ، عن ابن شھاب ، عن عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبة بن مسعود أن أبا ھریرة ؓ قال : قال أبو بکر ؓ : واللہ لو منعونی عنا قاً کانوا یؤدونھا إلی رسول اللہ ﷺ لقاتلتھم علی منعھا. [راجع: ۱۴۰۰]

۱۴۵۷۔ قال عمر ؓ : فما ھو إلا أن رأیت أن اللہ شرح صدر أبی بکر ؓ بالقتال فعرفت أنه الحق. [راجع: ۱۳۹۹]

یہ حضرت ابوبکر ؓ کا وہی ارشاد ہے جو پہلے بھی گذرا ہے کہ اگر لوگ ایک بکری کا بچہ بھی روک دیں گے تو ان سے قتال کروں گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ زکوۃ میں بکری کا بچہ بھی دیا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ استدلال بڑا ہی کمزور ہے، کیونکہ صدیق اکبر ؓ کا مقصد مبالغہ ہے، اس لئے کہ اس کے بارے میں بعض روایتوں میں **"عقال"** آیا ہے کہ ایک رسی بھی اگر روک لیں تو وہ بھی لوں گا، محاورے میں مراد یہ نہیں ہوتا کہ عام حالات میں بکری کا بچہ لیا جاتا ہے بلکہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اگر زکوۃ اتنی مقدار میں بھی روکیں گے تو ان سے قتال کروں گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب جو **"لامع الدراری"** میں مذکور ہے کہ اگر سارے بچے ہی بچے ہوں تو زکوۃ بھی بچے کی شکل میں دے سکتے ہیں، سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ان پر "حولان حول" ہوگا تو وہ بچے نہ رہیں گے،

بڑے ہوجائیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بچے بڑی بکریوں سے ''اثناء حول'' میں پیدا ہوئے اوران کی مائیں مرگئیں، اور بچے بقدر نصاب رہ گئے تو ان پر امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر زکوۃ واجب ہوگی۔

حنفیہ کے مسلک میں بچوں پر زکوۃ نہیں ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبالغے پر مبنی ہے۔

(۴۱) باب: لا تؤخذ كرائم أموال النّاس في الصّدقة

زکوۃ میں لوگوں کے عمدہ اموال نہیں لئے جائینگے

۱۴۵۸ ــ حدثنا أمية بن بسطام : حدثنا يزيد بن زريغ : حدثنا روح بن القاسم ، عن اسماعيل بن أمية ، عن يحيى بن عبدالله بن صيفي ، عن أبي معبد ، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ لما بعث معاذاً علي اليمن قال : ((انک تقدم علي قوم أهل كتاب ، فليكن أول ما تدعوهم اليه عبادة الله ، فاذا عرفو الله فاخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلواتٍ في يومهم وليلتهم ، فاذا فعلوا الصلاة فاخبرهم أن الله قد فرض عليهم زكاةً توخذ من أموالهم وترَد علي فقرائهم ،فاذا أطاعوا بها فخذ منهم وتوق كرائم أموال الناس)) . [راجع:۱۳۹۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل کتاب کے پاس جارہے ہو انہیں سب سے پہلے خدا کی عبادت کی طرف بلاؤ، جب وہ اللہ جل جلالہ کو جان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ جل جلالہ نے ان پر پانچ نمازیں دن رات میں فرض کی ہیں، جب وہ یہ کرلیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ جل جلالہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہیں، جو ان کے مالوں میں سے لی جائیں گی اوران کے فقیروں کو دی جائیگی، جب وہ یہ مان لیں تو ان سے زکوۃ وصول کرو لیکن ان کے عمدہ مال لینے سے بچتے رہو۔

(۴۳) باب: زكاة البقر

گائے کی زکوۃ کا بیان

وقال أبو حميد : قال : النبي ﷺ : ((لأعرفن، ماجاء الله رجل ببقرة لها خوارٌ)) .

ويقال : جؤارٌ ﴿تجارُون ﴾[النحل:۵۳] أي ترفعون اصواتكم كما تجار البقرة .

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا البتہ میں جانوں گا اس کو جو اللہ جل جلالہ کے پاس گائے لیکر آئے گا اور بولتی ہوگی۔

اور بعض نے ''خوارٌ'' کے بجائے ''جوارٌ'' کہا ہے۔ ''تجارُون'' کے معنی ہیں وہ اپنی آواز بلند کرتے ہونگے جس طرح گائے آواز بلند کرتی ہے۔

۱۴۶۰۔ حدثنا عمر بن حفص بن غياث ، حدثنا أبى ، حدثنا العمش عن المعرور بن سويد ، عن أبى ذر ﷺ قال :انتهيت اليه ﷺ قال : ((والذى نفسى بيده ، أو والذى لا الـه غيره ، أو كما حلف ، ما من رجل تكون له ابل أو بقر أو غنم لا يؤدى حقها الا أتى بها يوم القيامة أعظم ما تكون وأسمنه ، تطؤه بأخفافها وتنطحه بقرونها ، كلّما جازت أخراها ردت عليه أوّلاها حتى يقضى بين الناس)) .

رواه بكير ، عن أبى صالح ، عن أبى هريرة ﷺ عن النبى ﷺ : [أنظر : ۶۶۳۸] ۲۳

ترجمہ: حضرت ابوذر ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ان کے یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا، تو آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یا یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یا اسی طرح کی کوئی قسم کھائی کہ نہیں شخص جس کے پاس اونٹ، گائے، بکری ہو اور اس کا حق ادا نہ کرے مگر یہ کہ قیامت کے دن یہ جانور اس حال میں لائیں جائینگے کہ پہلے سے زیادہ اور موٹے ہونگے اور اپنے کھروں سے ان کو روندے گیں اور سینگوں سے مارینگے، جب آخری جانور اس پر گذر جائے گا تو پھر پہلا جانور اس پر لوٹ کر آئے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔

(۴۴) باب الزكاة على الأقارب

رشتہ داروں کو زکوۃ دینے کا بیان

وقال النبى ﷺ : ((له أجران : أجر القرابة وأجر الصدقة)).

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کے لئے دو اجر ہیں: ایک قرابت کا دوسرے صدقہ کا ثواب۔

۱۴۶۱۔ حدثنا عبدالله بن يو سف : أخبرنا مالک عن إسحاق بن عبد الله بن أبى طلحة : أنه سمع أنس بن مالک ﷺ يقول : كان أبوطلحة أكثر الأنصار بالمدينة مالاً من نخل . وكان أحب أمواله إليه بيرحاء وكانت مستقبلة المسجد ، وكان رسول الله ﷺ يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب. قال أنس ﷺ : فلما أنزلت هذه الآية ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ قام أبو طلحة إلى رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله ، إن الله

۲۳ وفى صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدى الزكاة ،رقم : ۱۶۵۲ ، وسنن الترمذى ، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب ماجاء عن رسول الله فى منع الزكاة من التشديد،رقم : ۵۶۰، نسائى ، كتاب الزكاة ، باب التغليظ فى حبس الزكاة ، رقم : ۲۳۹۷، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزكاة ، باب ماجاء فى منع الزكاة ، رقم : ۱۷۷۵، ومسند أحمد ، مسند الأنصار ، باب حديث أبى ذر الغفارى ، رقم : ۲۰۳۸۹، ۲۰۴۳۱، ۲۰۴۴۳، ۲۰۵۱۶، وسنن الدارمى ، كتاب الزكاة ، باب من لم يؤد زكاة الابل والبقر والغنم ، رقم : ۱۵۶۶ .

تبارک وتعالیٰ یقول: ﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران: ۹۲] وإن أحب أموالي إلي بيرحاء، وإنها صدقة لله أرجو برها وذخرها عند الله، فضعها يارسول الله حيث أراك الله. قال: فقال رسول الله ﷺ: «بخ، ذلك مال رابح، ذلك مال رابح، وقد سمعت ماقلت، وإني أرى أن تجعلها في الأقربين». فقال أبوطلحة: أفعل يا رسول الله. فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه.

تابعة روح. وقال يحيى بن يحيى وإسماعيل عن مالك: «رايح». [أنظر: ۲۳۱۸، ۲۷۵۲، ۲۷۵۸، ۲۷۶۹، ۴۵۵۴، ۴۵۵۵، ۵۶۱۱]. [۶۴]

ترجمہ: حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے، ان کے پاس کھجور کے باغ تھے، اپنے تمام مال میں ان کو بیر حاء بہت زیادہ محبوب تھا، اس کا رخ مسجد نبوی کی طرف تھا۔ نبی اکرم ﷺ وہاں جاتے اور وہاں کا پاکیزہ پانی پیا کرتے تھے۔

انس ؓ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت اتری:

﴿لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

''کہ تم نیکی نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی پیاری چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو''۔

ابوطلحہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ تم نیکی نہیں پا سکتے، جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور میرے تمام مالوں میں بیر حاء مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اللہ ﷻ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اس کے ثواب اور ذخیرہ آخرت کی امید کرتا ہوں، اس لئے آپ اسے رکھ لیجئے اور جہاں مناسب ہو صرف کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاباش، یہ تو مفید مال ہے، یہ تو آمدنی کا مال ہے اور جو تو نے کہا، میں نے سن لیا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔

ابوطلحہ نے عرض کی یارسول اللہ ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ ابوطلحہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد

---

[۶۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج و الاولاد، رقم: ۱۶۶۴، وسنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة آل عمران، رقم: ۲۹۲۳، وسنن النسائي، كتاب الاحباس، باب الاحباس كيف يكتب الحبس وذكر الاختلاف على ابن عون في خبر ابن عمر فيه، رقم: ۳۵۴۵، وسنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب في صلة الرحم، رقم: ۱۴۳۹، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۷۰۱، ۱۱۹۸۵، ۱۲۳۱۹، ۱۳۱۹۳، ۱۳۲۶۸، ۱۳۵۲۵، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب الترغيب في الصدقة، رقم: ۱۵۸۲، و سنن الدارمي، كتاب الزكاة، باب أي الصدقة أفضل، رقم: ۱۵۹۶.

بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

اس حدیث میں بتلانا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اقربین کے لئے فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ اقارب کو صدقہ کرنا یہ دوہرا ثواب ہے کہ اس میں صلہ بھی ہے اور صدقہ بھی۔ اور اگرچہ یہاں بظاہر زکوۃ مراد نہیں ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے زکوۃ کو صدقۂ نافلہ پر قیاس کیا ہے۔

۱۴۶۲ ۔ حدثنا ابن أبی مریم : أخبرنا محمد بن جعفر قال : أخبرنی زید ، عن عیاض بن عبداللہ ، عن أبی سعید الخدری ﷺ :خرج رسول اللہ ﷺ فی أضحی أو فطر إلی المصلی ، ثم انصرف فوعظ الناس وأمرهم بالصدقة ، فقال : ((أیها الناس تصدقوا))، فمر علی النساء فقال: یا معشر النساء تصد قن فإنی رأیتکن أکثر أهل النار)) .فقلن : وبم ذلک یا رسول اللہ ؟ قال :((تکثرن اللعن ، وتکفرن العشیر، مارأیت من ناقصات عقل ودین أذهب للب الرجل الحازم من إحداکن یا معشر النساء)) . ثم انصرف . فلما صار إلی منزله جاء ت زینب امرأة ابن مسعود تستأذن علیه ، فقیل : یارسول اللہ هذه زینب فقال :((أی الزیانب ؟))فقیل : امرأة ابن مسعود ، قال : ((نعم ، ائذنوا لها)) ، فأذن لها. قالت : یا نبی اللہ ، إنک أمرت الیوم بالصدقة وکان عندی حلی لی فأردت أن أتصدق به، فزعم ابن مسعود أنه وولده أحق من تصدقت به علیهم . فقال البنی ﷺ : ((صدق ابن مسعود ، زوجک وولدک أحق من تصدقت به علیهم)) .[راجع:۳۰۴].

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے، پھر نماز سے فارغ ہوئے پھر لوگوں کو نصیحت کی اور ان کو صدقہ کا حکم دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں! صدقہ کرو، پھر عورتوں کے پاس پہنچے اور فرمایا، اے عورتوں کی جماعت تم خیرات کرو اس لئے کہ مجھے دوزخیوں میں اکثر عورتیں دکھلائی گئیں۔

عورتوں نے عرض کیا ایسا کیوں یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو، شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ اے عورتوں! میں نے تم سے زیادہ دین اور عقل میں ناقص کسی کو نہ دیکھا جو بڑے بڑے ہوشیاروں کے عقل گم کر دے۔

پھر آپ ﷺ گھر واپس ہوئے جب گھر پہنچے تو ابن مسعود ﷺ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا آئیں اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! یہ زینب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کون سی زینب؟ کہا گیا ابن مسعود کی بیوی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اجازت دو، انہیں اجازت دی گئیں۔ تو انہوں نے آکر عرض کیا یا نبی اللہ آج آپ ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا، میرے پاس ایک زیور تھا میں نے ارادہ کیا کہ اسے خیرات کردوں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کیا کہ وہ اور ان کا بیٹا اس خیرات کے زیادہ مستحق ہیں، ان لوگوں سے جن کو میں خیرات دینا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے شوہر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے اور تمہارے شوہر اور تمہارا لڑکا ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جن کو تم خیرات دینا چاہتی ہے۔

"فزعم ابن مسعود أنه وولده أحق" یعنی انہوں نے کہا کہ میرے شوہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں اور میری اولاد کہ تم مجھ پر صدقہ کرو، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صحیح کہا وہ زیادہ حقدار ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس سے مراد صدقۂ نافلہ ہے نہ کہ صدقۂ واجبہ۔ [۶۵]

آگے ان شاء اللہ باب الزکاۃ علی الزوج میں اس کی تفصیل آئیگی۔

(۴۵) باب: لیس علی المسلم فی فرسه صدقة

مسلمان پر اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے

۱۴۶۳ ـ حدثنا آدم، حدثنا شعبة، حدثنا عبدالله بن دينار قال: سمعت سليمان ابن يسار، عن عراک بن مالک، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((ليس على المسلم في فرسه وغلامه صدقة)). [أنظر: ۱۴۶۴]. [۶۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، مسلمان پر اس کے گھوڑے میں اور اس کے غلام میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

---

[۶۵] احتج بهذا الحديث الشافعي وأحمد في رواية، وأبو ثور و أبو عبيد وأشهب من المالكية، وابن المنذر و أبويوسف ومحمد وأهل الظاهر، وقالوا: يجوز للمرأة أن تعطي زكاتها الى زوجها الفقير. وقال الحسن البصري و الثوري وأبوحنيفة ومالک وأحمد في رواية وأبوبكر من الحنابلة: لايجوز للمرأة أن تعطي زوجها من زكاة مالها، و يروى ذلک عن عمر، رضي الله تعالىٰ عنه، واجابوا عن حديث زينب بأن الصدقة المذكورة فيه انما هي من غير الزكاة. كذا ذكره العيني في عمدة القاري، ج:۶، ص: ۴۷۱.

[۶۶] وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الزكاة على المسلم في عبده وفرسه، رقم: ۱۶۳۲، وسنن الترمذي، كتاب الزكاة عن رسول الله، باب ماجاء ليس في الخيل والرقيق صدقة، رقم: ۵۶۹، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة الخيل، رقم: ۲۴۲۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، صدقة الرقيق، رقم: ۱۳۶۰، وسنن ابن ماجه، كتاب الزكاة، باب صدقة الخيل والرقيق، رقم: ۱۸۰۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۹۹۴، ۷۱۴۳، ۷۴۳۰، ۸۹۱۳، ۸۹۴۶، ۹۰۷۷، ۹۲۰۹، ۹۲۷۴، ۹۲۹۵، ۹۲۹۶، ۹۷۹۲، وسنن الدارمي، كتاب الزكاة، باب مالاتجب فيه الصدقة من الحيوان، رقم: ۱۵۷۶.

(۴۶) باب: ليس على المسلم في عبده صدقة

۱۴۶۴۔ حدثنا مسدد، حدثنا يحيى بن سعيد، عن خثيم بن عراک قال: حدثني أبي، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ.

ح وحدثنا سليمان بن حرب: حدثنا وهيب بن خالد: حدثنا خثيم بن عراک بن مالک، عن أبيه، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((ليس على المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه)). [راجع: ۱۴۶۳].

تشریح

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں پر اس کے گھوڑے میں اور اس کے غلام میں صدقہ نہیں ہے۔

اس سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس بات پر استدلال فرماتے ہیں کہ گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں۔

گھوڑوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

ایک تو وہ جو ذاتی استعمال کے لئے ہو۔ اس پر زکوٰۃ بالاجماع نہیں ہے۔ ۶۷

دوسرے وہ جو تجارت کے لئے ہوتا ہے، اس پر بالاجماع زکوٰۃ ہے اور یہ مالِ تجارت کے حکم میں ہے۔

تیسرے وہ جو نسل کشی کے لئے ہو اور سائمہ ہو، چراگاہوں میں چرتے ہوں اور مقصد اس کا نسل کشی ہو، نہ تو ذاتی استعمال کے لئے ہیں نہ وہ تجارت کے لئے ہیں، بلکہ ان سے صرف نسل کشی مقصود ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس پر زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان پر ''زکوٰۃ'' ہے یا تو ہر گھوڑے سے ایک دینار دیدے یا گھوڑے کی قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ ۶۸

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال ایک تو اس حدیث سے ہے جو پیچھے بخاری ہی کے اندر گزری ہے کہ: ''**الخيل ثلاثة: هي لرجل وزرٌ وهي لرجل سترٌ وهي لرجل أجرٌ**'' ۶۹

۶۷، ۶۸ (البدائع): الخيل ان كانت تعلف للركوب أو الحمل أو الجهاد في سبيل الله فلا زكاة فيها اجماعاً، وان كانت للتجارة تجب اجماعاً، و ان كانت تسام للدر و النسل و هي ذكور و اناث يجب عنده فيها الزكاة حولاً واحداً، وفي الذكور المنفردة و الاناث المنفردة روايتان. و في (المحيط): المشهور عدم الوجوب فيهما. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۴۷۸.

۶۹ صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب الم مانع الزكاة، رقم: ۹۸۷، داراحياء التراث العربي، بيروت، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۴۷۷.

پھر **"لرجل أجر"** کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: **"لم ینس حق اللہ فی رقابھا وفی ظھورھا"**۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں اس نے اس کو باندھ کر رکھا اور اللہ کے جو حقوق ہیں اس کی رقبہ میں، وہ بھی اس نے فراموش نہیں کئے اور اللہ کا جو حق ہے اس کی ظہر میں وہ بھی اس نے فراموش نہیں کیا، ظہر میں حق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ضرورت مند کو سواری کے لئے دیدے، لیکن رقبہ میں حق ہونے کا سوائے اس کے کوئی معنی نہیں ہوسکتا کہ زکوٰۃ ادا کرے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے خیل سائمہ سے زکوٰۃ وصول فرمائی۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ مالکی ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے خیل سائمہ کی زکوٰۃ وصول کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے جو حنیفہ کی دلیل ہے۔ ۷۰

اور حدیث باب میں جو فرس ہے اس سے مراد فرسِ رکوب ہے جیسا کہ آگے غلام آرہا ہے اور غلام سے مراد غلامِ خدمت ہے، ورنہ اگر غلام تجارت کے لئے ہو تو بالاجماع اس پر زکوٰۃ ہے تو جس طرح غلام کی تشریح کی گئی کہ غلام سے مراد خدمت کا غلام ہے اسی طرح فرس کی بھی تشریح کی جائے گی کہ فرس سے مراد رکوب کا فرس

۷۰، ۷۱ وأبو عمر في (التمهيد) وأخرجه ابن أبي شيبة : عن محمد بن بكر عن ابن جريج قال : أخبرني عبدالله بن حسين أن ابن شهاب أخبره أن السائب ابن أخت نمر أخبره أنه كان يأتي عمر بن الخطاب بصدقة الخيل ، وأخرجه بقي بن مخلد في (مسنده) عنه ، وقال أبو عمر : الخبر في صدقة الخيل عن عمر، رضي الله تعالىٰ عنه ، صحيح من حديث الزهري عن السائب بن يزيد، وقال ابن رشد المالكي في (القواعد) : قد صح عن عمر، رضي الله عنه ، انه كان يأخذ الصدقة عن الخيل ، وروى أبو عمر بن عبد البر باسناده : أن عمر بن الخطاب قال ليعلى بن أمية : تأخذ من كل أربعين شاةً شاةً ، و لاتأخذ من الخيل شيئاً؟ خذ من كل فرس ديناراً ، فضرب على الخيل ديناراً ديناراً ، وروى أبو يوسف عن أبي عبدالله فورك بن الخضرم السعدي عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جابر بن عبدالله قال : قال رسول الله ﷺ : ((في الخيل في كل فرس دينار)) ، ذكره في (الامام) عن الدار قطني و رواه أبو بكر الرازي ، و روى الدار قطني في (سننه) عن أبي اسحاق عن حارثة بن مضرب قال : جاء ناس من أهل الشام الى عمر فقالوا : انا قد أصبنا اموالاً خيلاً ورقيقاً واماء ، نحب أن نزكيه ، فقال : ما فعلوه صاحبي قبلي فافعله أنا ، ثم استشار أصحاب النبي ﷺ فقالوا : حسن ؛ وسكت علي ، رضي الله عنه ، فسأله فقال : هو حسن لو لم يكن جزية راتبة يأخذون بها بعدك ، فأخذ من الفرس عشرة دراهم ، ثم أعاد قريباً منه بالسند المذكور ، والقضية . وقال فيه : فوضع على كل فرس ديناراً ، احكام القرآن للجصاص ، ج:۴، ص: ۳۶۳، و عمدة القاري ، ج :۶، ص: ۴۷۷، والتمهيد لابن عبدالبر ، ج:۴، ص:۲۱۵، ۲۱۶، و ج:۱۷، ص:۱۳۳، ومصنف ابن أبي شيبة ، باب ماقالوا في زكاة الخيل ، ج: ۲، ص: ۳۸۱، رقم : ۱۰۱۴۳، وسنن الدار قطني ، باب الحث على اخراج الصدقة وبيان قسمتها، ج: ۲، ص: ۱۳۷، رقم : ۱۰ .

ہے اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں عام طور سے گھوڑے نسل کشی کے لئے نہیں پالے جاتے تھے بلکہ گھوڑے رکوب کے لئے ہوتے تھے یا تجارت کے لئے ہوتے تھے۔ اس واسطے اس زمانے میں یہ حکم اتنا مشہور نہ ہوا اور پھر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خیلِ سائمہ بکثرت ہونے لگے، اس واسطے اس حکم کی ضرورت پیش آئی تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان پر زکاۃ عائد کی۔

یہیں سے بعض لوگوں کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ متجددین یوں کہتے ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس چیز پر زکوٰۃ عائد کردی جس پر رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی یعنی گھوڑے، لیکن ایسا نہیں ہے، زکوٰۃ تو تھی لیکن حضور ﷺ کے زمانے میں وہ گھوڑے نہیں پائے جاتے تھے جن پر زکوٰۃ ہو اس لئے وصول نہیں کی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وصول کی۔ بس اتنی سی بات ہے، ایسا نہیں ہے کہ حضور کے زمانے میں جس چیز پر زکوٰۃ نہیں تھی اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے عائد کردی۔ [۱]

(۴۷) باب الصدقة على اليتامى

یتیموں پر صدقہ کا بیان

۱۴۶۵ ۔۔ حدثنا معاذ بن فضالة ، حدثنا هشام ، عن يحيى، عن هلال بن أبي ميمونة، حدثنا عطاء بن سار : أنه سمع أبا سعيد الخدرى رضي الله عنه يحدث : أن النبى ﷺ جلس ذات يوم على المنبر وجلسنا حوله فقال : ((إن مما أخاف عليكم من بعدى ما يفتح عليكم من زهرة الدنيا وزينتها)) ، فقال رجل : يا رسول الله ، أو يأتى الخير بالشر؟ فسكت النبى ﷺ ، فقيل له : ما شأنك تكلّم رسول الله ﷺ ولا يكلّمك؟ فرأينا أنه ينزل عليه ، قال: فمسح عنه الرحضاء ، فقال : ((أين السائل؟)) وكأنه حمده ، فقال : ((إنه لايأتى الخير بالشر وإن مما ينبت الربيع يقتل أو يلم إلا آكلة الخضير، أكلت حتى إذا امدت خاصرتاها استقبلت عين الشمس فثلطت وبالت ورتعت . وإن هذا المال خضرة حلوة ، فنعم صاحب المسلم ما أعطى منه المسكين واليتيم وابن السبيل)) أو كما قال النبى ﷺ ((وإنه من يأخذه بغير حقه كالذى يأكل ولا يشبع ، ويكون شهيدا عليه يوم القيامة)) . [راجع : ۹۲۱] [۲] ، [۳]

[۲] أخرجه البخارى فى الجمعة والجهاد والسير والرقاق ايضاً.

[۳] وفى صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب تخوف مايخرج من زهرة الدنيا، رقم : ۱۷۴۴ ، وسنن النسائى ، كتاب الزكاة ، باب الصدقة على اليتيم، رقم : ۲۵۳۴ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الفتن ، باب فتنة المال ، رقم : ۳۹۸۵، ومسند أحمد ، باقى مسند المكثرين ، باب مسند أبى سعيد الخدرى ، رقم : ۱۰۶۱۱ ، ۱۰۷۳۰ ، ۱۱۴۳۳ .

تشریح

حضرت ابو سعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے، ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے بعد جو سب سے زیادہ خوف ہے وہ یہ کہ تمہارے اوپر دنیا کی زہرہ یعنی جو شادابی ہے وہ کھول دی جائے گی، یعنی مال و دولت بہت ہو جائے گا **"وزینتھا"** اور دنیا کی زینت، **"فقال رجلٌ یا رسول اللہ أو یأتی الخیر بالشر"** کہ یا رسول اللہ خیر بھی کوئی شر لا سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں مال کے لئے کئی جگہ خیر کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً **"وانہ لحب الخیر لشدید"** اس میں خیر سے مراد مال ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اچھی چیز ہے تو سوال کیا کہ خیر بھی شر لے کر آئے گا جس کی وجہ سے آپ یہ اندیشہ کر رہے ہیں کہ تمہارے اوپر مال و دولت زیادہ پھیلا دیا گیا تو تم فتنے میں مبتلا ہو گے تو جب یہ سوال کیا گیا تو نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے، **"فقیل لہ ماشأنک؟ تکلم رسول اللہ ﷺ ولا یکلمک؟"** تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم رسول اکرم ﷺ سے بات کر رہے ہو اور وہ اس کا جواب نہیں دے رہے، تم سے بات نہیں کر رہے **"فرأینا أنہ ینزل علیہ"** پھر ہمارا خیال ہوا کہ آپ جو خاموش ہوئے اس وجہ سے کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، **"فمسح عنہ الرحضاء"** اس کے بعد آپ نے اپنے چہرے مبارک سے پسینہ پونچھا، رحضاء کے معنی پسینہ کے ہیں آپ پر جب وحی نازل ہوا کرتی تھی تو آپ پر بکثرت پسینہ آجایا کرتا تھا، آپ نے پسینہ پونچھا اور فرمایا کہ **"این السائل؟"** کہاں ہے وہ شخص جو سوال کر رہا تھا **"وکانّہ حمدہ"** اور اس انداز سے پوچھا کہ گویا آپ کو اس کا سوال پسند آیا اور آپ نے اس کی تعریف کی کہ اچھا سوال کیا کہ کیا خیر بھی شر لا سکتا ہے، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ **"إنہ لایأتی الخیر بالشر"** خیر تو شر نہیں لاتا لیکن آگے ایک تمثیل دی ہے۔

اس تمثیل کا حاصل یہ ہے کہ خیر تو شر نہیں لاتا لیکن جب آدمی خیر کا استعمال غلط کرتا ہے تو اس سے شر پیدا ہو جاتا ہے، اس کی مثال یہ دی کہ **"ان مما ینبت الربیع یقتل أو یلم إلا آکلۃ الخضیر"** بہار کا موسم جو چیزیں اگاتا ہے یعنی گھاس وغیرہ، اس میں سے بعض گھاس ایسی ہوتی ہے جو قتل کر ڈالتی ہے یا قتل کر دینے کے قریب ہوتی ہے، **"الم یلمّ"** کے معنی ہیں قریب ہو جانا، مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بارش برسی، اس سے گھاس اگی اور کثرت کے ساتھ پھیل گئی تو جانور بعض اوقات بے تحاشا کھا لیتا ہے، بے تحاشا کھانے کے نتیجے میں اس کو ہیضہ لاحق ہو گیا اور اس گھاس نے جو بہار سے اگی تھی اس کو قتل کر ڈالا یا قتل نہ کیا کم از کم بیماری کی وجہ سے مرنے کے قریب پہنچا دیا یہ معنی ہے **"ان مما ینبت الربیع یقتل أو یلم"** کا۔

آگے فرمایا **"إلا آکلۃ الخضیر"** سوائے ان جانوروں کے جو سبزہ کھائیں **"أکلت حتی إذا

امتدت حاصرتاها" کہ وہ ایک حد تک کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی دونوں کوکھیں کھانے کی وجہ سے پھیل جاتی ہیں تو وہ کھانا چھوڑ دیتے ہیں "**استقبلت عین الشمس**" سورج کی آنکھ کے سامنے یعنی اس کے رخ پر کھڑے ہو جاتے ہیں "**فثلطت وبالت ورتعت**" پھر گوبر کرتے ہیں اور پیشاب کرتے ہیں پھر چرنا شروع کر دیتے ہیں ، "**ثلطت**" کے معنی ہیں گوبر کرنا اور "**بالت**" کے معنی پیشاب کرنا، تو ایک حد تک کھایا اور جب دیکھا کہ پیٹ بھرنے لگا تو چھوڑ دیا اور سورج کی طرف دیکھ کر تھوڑا سا سیر سپاٹا کیا اور اس کے نتیجے میں جو فضلہ تھا وہ چلا گیا اور جو غذا جزو بدن بنی تھی وہ جزو بدن بن گئی اور جو فضلہ تھا وہ خارج ہو گیا، پھر ٹھیک ٹھاک ہو گئے پھر تھوڑا سا چر لیا تو ان کے حق میں یہ سبزہ ہلاکت کا ذریعہ نہیں بنتا، لیکن پہلی قسم جو ہے اس نے بے تحاشا کھا لیا، سوچے سمجھے بغیر کہ کیا کھانا چاہئے کیا نہیں کھانا چاہئے، کتنا کھانا چاہئے، کتنا نہیں کھانا چاہئے، تو وہ ان کے لئے ہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

فرمایا "**وإن هذا المال خضرة حلوة**" کہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔

"**فنعم صاحب المسلم ما أعطى منه المسكين واليتيم وابن السبيل**".

یعنی سب سے بہتر مسلمان وہ ہے جو اس مال میں سے مسکین کو دے، یتیم کو دے اور ابن سبیل کو دے "**أو كما قال النبي ﷺ، وانه من يأخذه بغير حقه**" یعنی جو ناحق طریقے سے مال حاصل کرتا ہے۔

"**كالذي يأكل ولا يشبع**" وہ اس کی طرح ہے کہ کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔

"**ويكون شهيدا عليه يوم القيامة**" اور وہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہی دے گا کہ اس نے مجھے بری طرح کھایا تھا کہ اس نے کوئی حدود کی رعایت نہیں کی تھی۔

مطلب یہ نکلا کہ اگرچہ مال فی نفسہ خیر ہے لیکن جب انسان اس کو غلط اور بے تحاشا استعمال کرتا ہے، اس کے حصول میں نہ حلال و حرام کی پرواہ کرتا ہے اور نہ اس کے کھانے میں کسی حد کی پرواہ کرتا ہے بلکہ کھاتا ہی چلا جاتا ہے تو وہ اس کے لئے ہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جو اسے جائز طریقے سے حاصل کرے، ناجائز سے پرہیز کرے اور کھانے کے اندر احتیاط کرے کہ حد تک کھائے اس کے بعد نہ کھائے، بلکہ چھوڑ دے تو پھر اس کے لئے وہ خیر ہی خیر ہے کوئی شر نہیں۔

(۴۸) باب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر

شوہر اور زیر تربیت یتیم بچوں کو زکوۃ دینے کا بیان

"**قاله أبو سعيد عن النبي ﷺ**".

۱۴۶۶ - حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني شقيق، عن عمرو بن الحارث، عن زينب امرأة عبدالله رضي الله عنهما، قال: فذكرته لإبراهيم

فحدثني إبراهيم ، عن أبي عبيدة ، عن عمرو بن الحارث ، عن زينب امرأة عبدالله بمثله سواء . قالت : كنت في المسجد فرأيت النبي ﷺ قال : ((تصدقن ولو من حليكن)). وكانت زينب تنفق على عبد الله وأيتام في حجرها ، فقالت لعبدالله : سل رسول الله ﷺ: أيجزي عني أن أنفق عليك وعلى أيتامي في حجري من الصدقة ؟ فقال : سلي أنت رسول الله ﷺ ، فانطلقت إلى النبي ﷺ فوجدت امرأة من الأنصار على الباب ، حاجتها مثل حاجتي . فمر علينا بلال فقلنا : سل النبي ﷺ : أيجزي عني أن أنفق على زوجي وأيتام لي في حجري؟ وقلنا: لا تخبرنا، فدخل فسأله فقال : ((من هما ؟)) قال : زينب ، قال: ((أي الزيانب ؟)) قال: امرأة عبد الله ، قال : ((نعم ولها أجران: أجر القرابة ، وأجر الصدقة)) . ۴؎ ، ۵؎

تشریح

یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے لیکن یہاں تھوڑی سی تفصیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں مسجد میں تھی کہ حضور نے فرمایا **"تصدقن ولو من حليكن"** یہ حضرت زینب ہیں۔ ان کا نام رائطہ بھی تھا، اور یہ ہنرمند تھیں، اور اپنے ہنر سے کام کر کے کمائی کرتی تھیں، اور حضرت عبداللہؓ پر بھی خرچ کرتی تھیں جو ان کے شوہر تھے اور ان کے زیرِ پرورش کچھ یتیم تھے ان پر بھی خرچ کرتی تھیں تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ آپ رسول اکرم ﷺ سے جا کر پوچھئے کہ **"أيجزي عني أن أنفق عليك"** کیا میں آپ پر خرچ کروں تو کیا یہ میرے لئے جائز ہے اور ٹھیک ہے۔ ۶؎

۴؎ لايوجد للحديث مكررات.

۵؎ وفي صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج والأولاد ، رقم: ۱۶۶۷ ، وسنن الترمذي ، كتاب الزكاة ، عن رسول الله ، باب ماجاء في زكاة الحلي ، رقم : ۵۷۵، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب الصدقة على الأقارب ، رقم : ۲۵۳۶، و سنن ابن ماجه ، كتاب الزكاة ، باب الصدقة على ذي قرابة ، رقم: ۱۸۲۴ ، ومسند أحمد ، مسند المكيين ، باب حديث زينب امرأة عبدالله ، رقم: ۱۵۵۰۲ ، ۲۵۸۰۳، وسنن الدارمي ، كتاب الزكاة ، باب أي صدقة أفضل ، رقم : ۱۵۹۵ .

۶؎ وقال النبي ﷺ: ((زوجك وولدك أحق من تصدقت عليهم))، والولد لاتدفع اليه الزكاة اجماعاً، وقال بعضهم : احتج الطحاوي لقول أبي حنيفة . فأخرج من طريق رائطة امرأة ابن مسعود أنها كانت امرأة صنعاء اليدين ، فكانت تنفق عليه وعلى ولده ، قال : فهذا يدل على أنها صدقة تطوع ، وأما الحلي فانما يحتج به على من لايوجب فيه الزكاة ، وأما من يوجبه فلا . عمدة القاري ، ج : ۶، ص : ۴۷۱ .

"فقال: سلي انت رسول ﷺ" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خود ہی جا کر سوال کرو **"فانطلقت إلى النبي ﷺ فوجدت امرأة من الأنصار على الباب"** تو دیکھا کہ انصار کی خاتون بھی دروازے پر کھڑی ہیں، **"حاجتها مثل حاجتي"** وہ بھی کسی ایسی ہی قسم کا سوال کرنے آئی تھیں، **"فمر علينا بلال"** حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گذرے ہم نے ان سے کہا کہ **"سل النبي ﷺ أيجزئ عني أن أنفق على زوجي وايتام لي في حجري"** کہ یہ جا کر سوال کریں کہ شوہر کو صدقہ دینا اور جو یتیم زیر پرورش ہیں ان کو صدقہ دینا جائز ہے؟ **"وقلنا لا تخبر بنا"** اور ان سے یہ کہا کہ یہ نہ بتایئے کہ ان سے کون پوچھ رہا ہے؟ شاید یہ سوچا ہوگا کہ اپنے شوہر کی لاج رکھنی مقصود ہوگی کہ اس سے یہ پتہ چلے گا کہ بیوی شوہر پر صدقہ کر رہی ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ شوہر کی سبکی ہو، اس لئے شاید یہ کہا ہوگا **"فدخل"** یہ اندر گئے **"فسئله، فقال من هما؟"** آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے وہ جو پوچھ رہی ہیں **"قال زينب"** تو آپ ﷺ نے پوچھا **"اي الزيانب"** کونسی زینب؟ تو انہوں نے کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تھا مت بتلانا، لیکن انہوں نے بتلا دیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا مت بتلانا لیکن حضور ﷺ نے کہا کہ بتلاؤ، ظاہر ہے کہ حضور کا حکم مقدم تھا اس وجہ سے اس کا جواب دیدیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"نعم! ولها أجران: أجر القرابة و أجر الصدقة"

کہ ان کو دینے کے دو فائدے ہیں قرابت کا، صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا اور صدقے کا ثواب بھی ملے گا۔

پہلے جو روایت گذری ہے اس میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے خود مسئلہ پوچھا تھا اور اس روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معلوم کرایا۔

دونوں میں تطبیق ایک تو اس طرح سے دی جا سکتی ہے کہ خود پوچھنے کی روایت میں اسناد مجازی ہے، جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مذی کا مسئلہ معلوم کرایا تھا، مگر بعض روایتوں میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پوچھنا منقول ہے۔

دوسرے یہ تطبیق بھی ممکن ہے کہ شروع میں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھنے کو کہا اور مقصد معاملے کو خفیہ رکھنا تھا، لیکن بعد میں جب حضور ﷺ کو معلوم ہو گیا یا تو آپ ﷺ نے انہیں بلوالیا یا وہ خود آپ ﷺ کے پاس چلی گئیں اور براہ راست بھی مسئلہ معلوم کر لیا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ بیوی کے لئے شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور شوہر کے لئے بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

یہی مسلک امام شافعی اور صاحبین کا ہے، اور امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صحیح قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شوہر کے بیوی کو اور بیوی کے شوہر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور حدیثِ باب ان کے نزدیک صدقۂ نافلہ پر محمول ہے، کیونکہ یہاں زکوٰۃ وغیرہ کے کسی لفظ کا ذکر نہیں ہے، اس لئے اس سے مراد صدقہ نافلہ ہے۔ نیز اس میں اولاد کو صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، حالانکہ اولاد کو زکوٰۃ دینا شافعیہ کے نزدیک بھی جائز نہیں، کیونکہ علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ۷۷

۱۴۶۷۔ حدثنا عثمان بن أبی شیبة ، حدثنا عبدة عن هشام ، عن أبیه ، عن زینب بنت أم سلمة عن أم سلمة قالت : قلت : یا رسول الله ، ألی أجر أن أنفق علی بنی أبی سلمة ، إنما هم بنی . فقال : ((أنفقی علیهم ، فلک أجر ما أنفقت علیهم)) . [أنظر: ۵۳۶۹].

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ان کے وہ بیٹے جو ابوسلمہ سے ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کہ نہیں "انما هم بنی" وہ میرے بیٹے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں انفاق کرو تمہیں اجر ملے گا۔

یہاں بھی جمہور کے نزدیک انفاق تطوعاً اور نافلۃً مراد ہے اور زکوٰۃ کا حکم یہاں پر لاگو نہیں ہوگا۔

(۴۹) باب قول الله تعالى: ﴿وفی الرِّقَابِ وَالغَارِمِیْنَ وَفِی سَبِیلِ اللّٰهِ﴾

ویذکر عن ابن عباسؓ: یعتق من زکاة ماله ، ویعطی فی الحج. وقال الحسن : إن اشتری أباه من الزکاة جاز ، ویعطی فی المجاهدین والذی لم یحج . ثم تلا ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ [التوبة: ۶۰] الآیة . فی أیها أعطیت أجزت. وقال النبی ﷺ: ((إن خالداً احتبس أدراعه فی سبیل الله)) ویذکر عن أبی لاس : حملنا النبی ﷺ علی إبل الصدقة للحج.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کئے اور حج میں دیئے۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر زکوٰۃ سے اپنے باپ کو خریدے تو جائز ہے اور مجاہدین اور اس شخص کو بھی دیا جا سکتا ہے جس نے حج نہ کیا ہو، پھر آیت: ﴿انما الصدقات للفقراء...﴾

---

۷۷ وقال الطحاوی : وقد بین ذلک ما حدثنا یونس قال : حدثنا عبدالله بن یوسف قال : أخبرنا اللیث عن هشام بن عروة عن أبیه عن عبیدالله بن عبدالله ((عن رائطة بنت عبدالله امرأة عبدالله بن مسعود ، وکانت امرأة صنعاً ، ولیس لعبدالله بن مسعود مال ، وکانت تنفق علیه وعلی ولده معها ، فقالت : والله لقد شغلتنی انت وولدک عن الصدقة فما أستطیع ان أتصدق معکم بشیء ! فقال : ماأحب انی لم یکن لک فی ذلک أجر أن تفعلی ، فسألت رسول الله ﷺ هی وهو ، فقالت : یارسول الله انی امرأة ذات صنعة أبیع منها ، ولیس لولدی ولا لزوجی شیءٌ ، فشغلونی فلا أتصدق فهل لی فیهم أجرٌ؟ فقال : لک فی ذلک أجر ما أنفقت علیهم ، فأنفقی علیهم ...)) ففی هذا الحدیث أن تلک الصدقة مما لم یکن فیه زکاة ، والدلیل علی أن الصدقة کانت تطوعاً کما ذکرنا . عمدة القاری ، ج:۶، ص: ۴۷۱.

آخر تک تلاوت کی۔ ان میں سے جس کو بھی دیا جائے کافی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خالد نے اپنی زرہیں خدا کی راہ میں وقف کردیں ہیں اور ابو لاس ؓ سے منقول ہے کہ ہم کو حضور اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کی اونٹ پر سوار کر کے حج کرنے کے لئے بھیجا۔

تشریح: یہ باب اللہ جل جلالہ کے ارشاد :

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة : ٦٠]

ترجمہ: ''زکوٰۃ جو ہے وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ جل جلالہ کا اور اللہ جل جلالہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے''۔

کے بیان میں ہے اور یہ آیت مصارف صدقہ کے بارے میں ہے۔ [۸]

---

[۸] چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دیدی ہے، آپ ﷺ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے، کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔

حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی، کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا، بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیئے ہیں۔ جو آٹھ ہیں: (۱) ''فقراء'' [جن کے پاس کچھ نہ ہو] (۲) ''مساکین'' [جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو] (۳) ''عاملین'' [جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں] (۴) ''مؤلفۃ القلوب'' [جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیر ذلک من الانواع، اکثر علماء کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی] (۵) ''رقاب'' [یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں] (۶) ''غارمین'' [جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کے ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے] (۷) ''سبیل اللہ'' [جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے] (۸) ''ابن السبیل'' [مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو]۔ ''حنفیہ'' کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور ''فقر'' شرط ہے۔ تفسیر عثمانی، سورۃ التوبہ، آیت: ۶۰۔

"ویذکر عن ابن عباس رضی الله عنهما : یعتق من زکاۃ ماله".

اس سے **"وفی الرقاب"** کی تفسیر مقصود ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق (جو ابن القاسم رحمہ اللہ سے مروی ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے جائیں۔ یہی قول امام اسحاق اور ابوثور رحمہما اللہ کا بھی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اور بن وہب رحمہم اللہ کی روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ **"فی الرقاب"** کا مطلب یہ ہے کہ مکاتب کو رقم دی جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جائے، امام بخاری رحمہ اللہ بظاہر پہلے مسلک کو اختیار کر کے حضرت ابن عباس کے اثر سے استدلال کر رہے ہیں کہ انہوں فرمایا **"یعتق عن زکاۃ ماله"** اس کا ظاہر یہ ہے کہ غلام خرید کر آزاد کیا جائے، لیکن اول تو حضرت ابن عباس کے اس اثر کو امام احمد رحمہ اللہ نے مضطرب قرار دیا ہے، کیونکہ امام اعمش رحمہ اللہ سے ان کے شاگرد اسے مختلف سندوں سے روایت کرتے ہیں، اور اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے **"یذکر"** کہکر نقل کیا ہے جزم نہیں فرمایا۔ دوسری اس کی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مکاتب کی مدد کی جائے اس کی تائید مسند احمدؒ اور دار قطنیؒ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے، جس میں **"فک الرقبة"** کی تفسیر **"أن تعین فی ثمنها"** کی گئی ہے۔[۹]

دوسرا مصرف اس میں باب **"والغارمین"** کو بیان کیا گیا ہے، اس کی تشریح میں جمہور جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں یہ کہتے ہیں کہ غارمین سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص مدیون ہے اور دین اتنا ہے کہ اگر وہ اپنا موجودہ مال دین میں دیدے تو بقدر نصاب باقی نہ بچے۔ تو اس کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ''غارمین'' کی یہ تفسیر کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کہ جس شخص نے کسی کی کفالت لے لی تو اس کفالت کی ادائیگی کے لئے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

"فی سبیل الله" حنفیہ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا معنی ہے کہ کوئی غازی ہو یا مجاہد اور اس کو اسلحہ یا نفقہ وغیرہ کی ضرورت ہے تو اس کو دیدیا جائے۔

شرط یہ ہے کہ فقیر ہو، اس میں فقر ملحوظ ہے اور اسی طرح سے منقطع الحاج، یعنی حج کرنے نکلا لیکن سامان

---

۹ وجه قول الجمهور ما رواه البراء بن عازب : ((ان رجلاً جاء الی النبی ﷺ فقال : دلنی علی عمل یقربنی من الجنة ویباعدنی من النار ، فقال : اعتق النسمة ، وفک الرقبة ، قال : یارسول الله أولیسا واحداً ، قال : لا ، عتق النسمة أن تنفرد بعتقها ، وفک الرقبة : أن تعین فی ثمنها)). رواه أحمد والدار قطنی . عمدة القاری ، ج :٦ ، ص:۴۸۸، وسنن الدار قطنی، باب الحث علی اخراج الصدقة وبیان قسمتها ، رقم : ۱ ، ج:۲،ص: ۱۳۵ ، دار المعرفة، بیروت، سنة النشر ، ۱۳۸٦ھ ، ۱۹٦۰ء، ومسند أحمد ، ج: ۴،ص: ۲۹۹ ، مؤسسة قرطبة ، مصر.

چوری ہوگیا یا قافلہ سے پیچھے رہ گیا اگر چہ اپنے گھر کے حساب کے اعتبار سے تو غنی ہے لیکن وہ سفرِ حج میں غنی نہیں ہے تو وہاں پر اس کو مدد کی جاسکتی ہے لیکن پھر بھی تملیک ضروری ہے۔ ۸۰

"ویعطی فی الحج" اور حج میں بھی دیدے کہ کسی شخص سے کہے کہ جاؤ تمہارے حج کا خرچہ میں اٹھاؤں گا تو اس طرح بھی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے، لیکن یہاں بھی فقر اور تملیک شرط ہے۔

"وقال الحسن : ان اشترى أباه من الزكاة جاز"

اگر کوئی شخص اپنے باپ کو زکوٰۃ کے مال میں خریدے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ جونہی خریدے گا، فوراً آزاد ہوجائے گا۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق زکوٰۃ کے امور میں یہ بھی داخل ہے لیکن جیسا کہ اوپر گذرا کہ حنفیہ کے نزدیک اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

"ویعطی فی المجاهدین" اور مجاہدین کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، **"والذی لم یحجّ"** یعنی جس نے حج نہیں کیا اس کو حج کرانے کے لئے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مجاہد کو یا حاجی کو مالک بنا کر دے جب کہ وہ محتاج ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی تردید

"فی ایّها أعطیت اجزَتْ" یہاں سے دوسرا مسئلہ بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن نے جو آٹھ مصارف بیان کئے ہیں، ان میں سے جس مصرف میں بھی زکوٰۃ دی جائے گی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کی تردید کر رہے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اصنافِ ثمانیہ میں سب کو دینی چاہئے، صرف کسی ایک صنف کو دینا کافی نہیں بلکہ سب مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے، تو ان کے خلاف کہہ رہے ہیں کہ نہیں مصارفِ ثمانیہ میں سے کسی ایک کو بھی دیدیں گے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ ۸۱

---

۸۰ ﴿وفی سبیل الله﴾ [التوبة : ٦٠] وهو منقطع الغزاة عند أبي يوسف، و منقطع الحاج عند محمد، و فی (المبسوط): وفی سبیل الله فقراء الغزاة عند أبي يوسف، وعند محمد : فقراء الحاج . وقال ابن المنذر : وفی (الأشراف) قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد : فی سبیل الله هو الغازی غير الغنی ، وحكى أبو ثور عن أبي حنيفة أنه الغازی دون الحاج ، وذكر ابن بطال أنه قول أبي حنيفة ومالك والشافعی ، ومثله النووی فی (شرح المهذب) . وقال صاحب (التوضيح): وأما قول أبي حنيفة : لايعطى الغازی من الزكاة الا أن يكون محتاجا ، فهو خلاف ظاهر الكتاب والسنة ، عمدة القاری، ج: ٦، ص: ٤٨٧.

۸۱ ومن قول الحسن يعلم أن اللام فی قوله : ((للفقراء)) لبيان المصرف لا للتمليك . فلو صرف الزكاة فی صنف واحد كفى . عمدة القاری ، ج: ٦، ص: ٤٨٨.

"وقال النبی ﷺ : ((إن خالداً احتبس أدرعه فی سبیل اللّٰہ)) ویذکر عن أبی لاسٍ: حملنا النّبی ﷺ علی إبل الصدقة للحج".

یہ حدیث تفصیل سے موصولاً آگے آرہی ہے، **"ویذکر عن أبی لاس"** ابولاس صحابی ہیں، ان کا نام بعض نے زیاد اور بعض نے عبداللہ بن عنمہ بیان کیا ہے اور ان سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ان سے منقول ہے کہ **"حملنا النبی ﷺ علی ابل الصدقة للحج"** یعنی حضورِ اکرم ﷺ نے ہمیں حج کے لئے صدقہ کے اونٹوں پر سوار کیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہوکر حج کے لئے چلے جاؤ۔

اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ﷺ کو جو اونٹ دیئے، وہ تملیکاً دیئے تھے یا عاریتاً؟

اگر تملیکاً دئے ہوں تو پھر تو کوئی اشکال کی بات نہیں، اس لئے کہ یہ صورت ہمارے مذہب کے مطابق بھی درست ہے، اور اگر عاریۃً محض سوار کیا کہ ابھی تم ان پر سواری کرو بعد میں یہ اونٹ بیت المال چلے جائیں گے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ آخر کبھی نہ کبھی تو تملیک ہو ہی جائے گی۔

۱۴۶۸ ـ حدثنا أبو الیمان : أخبرنا شعیب قال : حدثنا أبو الزّناد ، عن الأعرج، عن أبی هریرة ﷺ قال : أمر رسول اللّٰہ ﷺ بصدقةٍ فقیل : منع ابن جمیل وخالد بن الولید والعباس بن عبدالمطلب ، فقال النبی ﷺ : ((ما ینقم ابن جمیل إلّا أنّه کان فقیراً فأغناه اللّٰہ ورسوله . وأمّا خالد فإنّکم تظلمون خالداً ، قد احتبس أدراعه وأعتده فی سبیل اللّٰہ . وأمّا العباس بن عبدالمطلب فعمّ رسول اللّٰہ ﷺ فهی علیه صدقةٌ ومثله معها)) .

تابعه ابن أبی الزّناد عن أبیه ، وقال ابن إسحاق ، عن أبی الزّناد : ((هی علیه ومثله معها)) . وقال ابنِ جریج : حُدّثت عن الأعرج مثله . ۸۲

تشریح

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا، صدقہ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ صدقہ ادا کرو اور صدقہ وصول کرنے کے لئے ایک آدمی بھی بھیجا۔

۸۲ وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب فی تقدیم الزکاة ومنعها، رقم : ۱۶۳۴ ، وسنن الترمذی ، کتاب المناقب عن رسول اللّٰہ ، باب مناقب العباس بن عبد المطلب ، رقم : ۳۶۹۴ ، وسنن النسائی، کتاب الزکاة ، باب أعطاء سید المال بغیر اختیار المصدق ، رقم : ۲۴۲۰ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب فی تعجیل الزکاة ، رقم : ۱۳۸۲ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم : ۷۹۳۵ .

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

اگر چہ جمہور کہتے ہیں کہ صدقات واجبہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، مگر علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے متعدد علماء کے حوالہ سے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ یہ نفلی صدقہ تھا، اور تائید میں مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت پیش کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **"ان النبی ﷺ ندب الناس الی الصدقة"** اگر یہ بات صحیح ہو تو حضرت عباس ؓ اور حضرت خالد بن ولید ؓ کا انکار بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے، اور حضرت خالد ؓ کے بارے میں آپ کا یہ فرمانا بھی کہ **"قد احتبس أدراعه واعتده فی سبیل اللہ"**.۸۳

"فَقِیْلَ" بعد میں آپ ﷺ کو بتایا گیا یعنی حضرت عمر ؓ نے آکر بتایا کہ **"منع ابن جمیل وخالد بن الولید والعباسُ بن عبدالمطلب"**.

ان تین حضرات: حضرت ابن جمیل، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **"ما ینقم ابن جمیل إلّا أنه کان فقیراً فأغناه اللہ ورسوله"** کہ ابن جمیل اس بات کا بدلہ دے رہے ہیں کہ وہ فقیر تھے اللہ اور اس کے رسول نے ان کو غنی کر دیا ہے، یعنی زکوٰۃ دینے سے جو وہ انکار کر رہے ہیں تو کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ان کو غنا عطا فرما دی ہے، تو بجائے اس کے کہ اس پر شکر ادا کرتے، اب وہ زکوٰۃ سے منکر ہو گئے ہیں۔

اصل واقعہ کیا ہے

ان کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ یہ ابن جمیل فقیر قسم کے آدمی تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی تو ان کو کافی مال اور مویشی وغیرہ مل گئے۔ یہاں تک کہ مال مویشی اتنے ہو گئے کہ ان کے لئے مدینہ منورہ میں رکھنا مشکل ہو گیا تھا، چنانچہ یہ دیہات میں چلے گئے، پہلے جب مدینہ منورہ میں رہتے تھے تو پانچوں وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، اب جب دیہات چلے گئے تو مال مویشی میں ایسے لگے کہ پانچ وقت کی نمازیں تو جماعت سے چھوٹ گئیں، البتہ جمعہ میں آجاتے تھے، پھر مال مویشی اس قدر بڑھے کہ جمعہ میں آنا بھی چھوڑ دیا اور جب مال میں مزید اضافہ ہوا تو نوبت یہاں تک آگئی کہ جب حضرت عمر ؓ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے گئے تو

---

۸۳ وقال القرطبی: الجمهور صاروا الی أن الصدقة هی الواجبة، لکن یلزم علی هذا استبعاد هؤلاء المذکورین لها، ولذلک قال بعض العلماء: کانت صدقة التطوع، وقد روی عبدالرزاق هذا الحدیث وفیه: ((ان النبی ﷺ ندب الناس الی الصدقة ...)). تفسیر القرطبی، ج:۳، ص:۳۷۴، ومسند عبدالرزاق، کتاب الزکاة، باب من کتم صدقته، رقم: ۶۸۲۴، ۶۹۱۸، ج:۴، ص:۸، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، وعمدة القاری، ج:۶، ص:۴۸۹.

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ کوئی جزیہ ہے کہ تم مجھ سے وصول کرنے آئے ہو، اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہے۔

بعض حضرات نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ منافقین میں سے تھے۔ (واللہ اعلم) جبکہ بعض افراد نے کہا کہ منافق نہیں تھے۔ پھر بعد میں ان کو توبہ کی توفیق ملی یا نہیں، اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا ہوا، لیکن بعد میں حضور اکرم ﷺ نے ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرما دیا تھا کہ ان سے زکوٰۃ وصول نہ کرنا، ان سے زکوٰۃ نہ لینے کا یہ حکم تکوینی تھا نہ کہ تشریعی، چنانچہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانے تک زندہ رہے لیکن پھر بھی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے، پھر بعد میں خود اپنی زکوٰۃ دینے لگے ہوں تو ممکن ہے اللہ ہی جانے کیا صورتِ حال تھی؟ روایات میں اس کی زیادہ تفصیل نہیں ملی، یہ ابن جمیل ہی کے نام سے مشہور ہیں، اور ان کا اپنا نام معلوم نہیں، مختلف لوگوں نے مختلف نام بتائے ہیں۔

آپ ﷺ نے ان کے بارے میں جو ارشاد فرمایا اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ وہ یعنی ابن جمیل بدلہ نہیں لے رہے مگر اس بات کا کہ وہ فقیر تھے اللہ ﷻ نے ان کو غنی کر دیا اس کا یہ بدلہ لے رہے ہیں کہ زکوٰۃ نہیں دے رہے۔ یہ ان پر طنز ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے ان کو غنی کر دیا تو اس کا بدلہ ان کو شکر کر کے کرنا چاہئے تھا مگر یہ بجائے شکر کے زکوٰۃ کے منکر ہو گئے ہیں۔

"واما خالد" اور جو خالد بن ولید ؓ کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے بھی زکوٰۃ نہیں دی تو **"فانکم تظلمون خالداً"** تم لوگ حضرت خالد ؓ سے زکوٰۃ لینے کا مطالبہ کر کے ان پر ظلم کر رہے ہو، اس لئے کہ **" قد احتبس ادرعه واعتده فی سبیل اللّٰه "** انہوں نے اپنی زرہیں اور اپنا ساز و سامان اللہ ﷻ کے راستے میں وقف کر دیا ہے۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنی زرہیں اور اسلحہ وغیرہ وقف کر دیا تھا تو آنحضرت ﷺ کے اس جملے کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تو ایسے نیک آدمی ہیں کہ انہوں نے اپنا ذاتی ساز و سامان بھی اللہ ﷻ کے راستے میں وقف کر دیا ہے تو وہ زکوٰۃ سے کیسے انکار کر سکتے ہیں، اگر پھر بھی زکوٰۃ سے انکار کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس نصاب ہی نہیں ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنا سارا ساز و سامان اللہ ﷻ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے جس کی وجہ سے اب وہ صاحبِ نصاب نہیں رہے کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہو، لہٰذا ان سے زکوٰۃ وصول کرنا ظلم ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنا ساز و سامان بطورِ زکوٰۃ وقف کر دیا، گویا زکوٰۃ اس طرح ادا کی کہ اپنا ساز و سامان ہی اللہ ﷻ کے راستے میں وقف کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تیسرے معنی مراد لے کر اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے تملیک ضروری نہیں، کیونکہ مالِ وقف میں تملیک نہیں ہوتی بلکہ مالِ الواقف محبوس علیٰ ملکِ واقف یا محبوس علیٰ ملک اللہ ہو جاتا ہے اور فقیر اس مالِ موقوف کا مالک نہیں بن سکتا، ہاں اس کی منفعت اٹھا سکتا ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ یہ معنی مراد لے کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وقف کرنے کی صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ کے پیسوں سے کوئی مسجد بنا دے یا کوئی مدرسہ تعمیر کر دے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن یہ صرف امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

جمہور کا عمل

جمہور علماء کے نزدیک تیسرے معنی مراد نہیں، بلکہ پہلے دو معانی میں سے کوئی ایک معنی مراد ہیں اور ان دونوں معانی کے اعتبار سے یہ حدیث تملیک کے خلاف نہیں۔

اور اگر علامہ قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ کا قول لیا جائے جو اوپر بیان ہوا کہ یہ صدقہ واجبہ تھا ہی نہیں تو کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے تو اپنا ساز و سامان پہلے ہی فی سبیل اللہ وقف کر رکھا ہے، اس لئے اگر وہ نفلی صدقہ نہیں دے رہے تو کچھ حرج نہیں۔

بہرصورت! اس حدیث کے اشارۃ النص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے زرہوں کے وقف کو درست قرار دیا، اس سے فقہاءِ حنفیہ نے وقف المنقولات کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

"واما العباس بن عبدالمطلب" اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق جو کہا ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے تو **"فعمّ رسول ﷺ فھی علیہ"** وہ تو حضور اکرم ﷺ کے چچا ہیں اور زکوٰۃ ان پر فرض ہے اور آگے بدل آرہا ہے **"صدقۃ ومثلھا زکاۃ"** اور اتنا ہی اور یعنی وہ زکوٰۃ دینے سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں، زکوٰۃ بھی دیں گے اور اتنا اس کے برابر اور صدقہ بھی کریں گے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہ تھا آپ دو سال کی زکوٰۃ بعض اوقات اکٹھی ادا کر دیا کرتے تھے، ایک سال کی زکوٰۃ دینے کا جب وقت آیا تو اس سال کی بھی زکوٰۃ دے دی اور اس سے اگلے سال کی بھی پیشگی ادا کر دی، اب اگلے سال حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ان کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے پہنچ گئے جبکہ وہ گذشتہ سال زکوٰۃ ادا کر چکے تھے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ وصول کرتے ہوئے کلام میں درشتی

بھی اختیار کی تو حضرت عباسؓ کو یہ بات تھوڑی سی ناگوار گزری۔

چنانچہ انہوں نے کہا کہ دیکھو میں رسول اللہ ﷺ کا چچا ہوں اور **"عم الرجل صنو أبیه"** اور جو زکوٰۃ میں نے دینی تھی وہ دے چکا ہوں، اب تمہیں زکوٰۃ نہیں دیتا، تو حضرت عمرؓ نے جب حضور اکرم ﷺ سے ان کی شکایت کی تو حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا **"فعمّ رسول الله ﷺ"** کہ وہ حضور کے چچا ہیں، لہٰذا ان سے بات کرنے میں ذرا لحاظ کی ضرورت تھی اور وہ زکوٰۃ کے وجوب سے منکر بھی نہیں ہیں، وہ تو دو دو سال کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کر دیتے ہیں۔

چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ **"فانا أخذنا زكاة العباس عام الأول للعام"** ہم نے عباس کی زکوٰۃ پچھلے سال ہی لے لی تھی اس سال کے حساب میں تو اس واسطے ان سے مطالبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں آپ نے سوال کی مذمت فرمائی کہ ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے۔[۸۴]

اور اگر علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی بات لی جائے کہ یہ صدقہ نافلہ تھا تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ تو ایسے سخی ہیں کہ دو سال کی زکوٰۃ اکٹھی دیدیتے ہیں، لہٰذا اگر انہوں نے نفلی صدقہ دینے سے انکار کیا ہے تو یقیناً کوئی وجہ ہوگی۔

(۵۰) باب الاستعفاف عن المسألة

سوال سے بچنے کا بیان

۱۴۶۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن ابن شهاب ، عن عطاء بن یزید اللیثی ، عن أبی سعید الخدری ؓ : ان ناسا من الأنصار سألوا رسول اللہ ﷺ فاعطاهم ، ثم سألوه فاعطاهم ، ثم سألوه فاعطاهم ، حتی نفد ما عنده ، فقال : ((ما یکون عندی من خیر فلن ادخره عنکم . ومن یستعفف یعفه اللہ ، ومن یستغن یغنه اللہ ومن یتصبر یصبره اللہ . وما أعطی أحد عطاءً خیراً وأوسع من الصّبر))[أنظر : ۶۴۷۰] [۸۵]

[۸۴] وسنن الترمذی ، کتاب المناقب عن رسول اللہ ، باب مناقب العباس بن عبد المطلب ، رقم : ۳۶۹۴.

[۸۵] وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب فضل التعفف و الصبر ، رقم : ۱۷۴۵ ، وسنن الترمذی ، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الصبر ، رقم : ۱۹۴۷ ، وسنن النسائی ، کتاب الزکاة ، باب ماجاء فی الصبر ، رقم : ۲۵۴۱ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب فی الاستعفاف ، رقم : ۱۴۰۱ ، و مسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی سعید الخدری ، رقم : ۱۰۵۶۶ ، ۱۰۵۸۲ ، ۱۰۶۲۲ ، ۱۰۶۳۸ ، ۱۰۶۶۹ ، ۱۰۹۷۳ ، ۱۱۰۱۱ ، ۱۱۴۵۶ ، وموطا امام مالک ، کتاب الجامع ، باب ماجاء فی التعفف عن المسألة ، رقم : ۱۵۸۵ ، وسنن الدارمی ، کتاب الزکاة ، باب فی الاستعفاف عن المسألة ، رقم : ۱۵۸۹ .

ترجمہ: ابو سعید خدری ﷛ سے روایت ہے کہ انصار کی ایک جماعت نے حضور اکرم ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے ان کو دیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ ﷺ کے پاس تھا ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا میں تم سے بچا نہیں رکھوں گا اور جو شخص سوال سے بچنا چاہے تو اللہ ﷻ اسے بچا لے گا اور جو شخص بے پرواہی چاہے تو اسے اللہ ﷻ بے پرواہ بنا دے گا اور جو شخص صبر کرے گا اللہ ﷻ اسے صبر عطا کرے گا اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت نہیں ملی۔

۱۴۷۰ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن أبی الزناد ، عن الأعرج ، عن أبی ھریرۃ ﷛ : أن رسول اللہ ﷺ قال : ((والذی نفسی بیدہ لأن یأخذ أحدکم حبلہ فیحتطب علی ظھرہ خیر لہ من أن یأتی رجلاً فیسألہ ، أعطاہ أو منعہ)) . [أنظر : ۱۴۸۰، ۲۰۷۴، ۲۳۷۴]. ۸۶

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷛ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔تم میں سے ایک شخص کا رسی لینا اور اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آ کر کچھ مانگے اور وہ اسے دے یا نہ دے۔

۱۴۷۱ ـ حدثنا موسی : حدثنا وھیب : حدثنا ھشام ، عن أبیہ ،عن الزبیر بن العوام ﷛ عن النبی ﷺ قال : ((لأن یأخذ احدکم حبلہ فیأتی بحزمۃ حطب علی ظھرہ فیبیعھا فیکف اللہ بھا وجھہ خیر لہ من أن یسأل الناس ، أعطوہ أو منعوہ)) .[أنظر : ۲۰۷۵، ۲۳۷۳] ۸۷

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اس کو بیچے اور اللہ ﷻ اس کی عزت کو محفوظ رکھے، تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے اور وہ اسے دیں یا نہ دیں۔

۱۴۷۲ ـ حدثنا عبدان : أخبرنا عبداللہ : أخبرنا یونس، عن الزھری ، عن عروۃ

---

۸۶ وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاۃ ، باب کراھۃ المسألۃ للناس ، رقم : ۱۷۲۷ ، وسنن الترمذی ، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی النھی عن المسألۃ ، رقم : ۶۱۶ ، وسنن النسائی ، کتاب الزکاۃ ، باب الاستعفاف عن المسألۃ ، رقم : ۲۵۴۲ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی ھریرۃ ، رقم : ۷۰۱۶، ۷۱۷۷، ۷۶۴۶، ۸۷۷۱، ۹۰۵۳، ۹۴۹۰، ۹۷۶۶، ۱۰۰۳۳ ، وموطأ مالک ، کتاب الجامع ، باب ماجاء فی التعفف عن المسألۃ ، رقم :۱۵۸۸ .

۸۷ وفی سنن ابن ماجہ ، کتاب الزکاۃ ، باب کراھیۃ المسألۃ ، رقم : ۱۸۲۶ ، ومسند أحمد ، مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ ، باب مسند الزبیر بن العوام ،رقم : ۱۳۳۳ ، ۱۳۵۴ .

ابن الزّبیر، وسعید بن المسیّب : أن حکیم بن حزام ﷺ قال : سألت رسول اللّٰہ ﷺ فأعطانی ، ثم سألته فأعطانی ، ثم سألته فأعطانی ، ثم قال : ((یا حکیم ، إن ھٰذا المال خضرة حلوةٌ ، فمن أخذه بسخاوة نفس بورک له فیه ، ومن أخذه بإشراف نفس لم یبارک له فیه ، وکان کالذی یأکل ولا یشبع . الید العلیا خیرٌ من الید السّفلی)) . فقال حکیمٌ : فقلت : یا رسول اللّٰہ ، والذی بعثک بالحق لا أرزأُ أحداً بعدک شیئاً حتی أفارق الدّنیا . فکان أبو بکر ﷺ یدعو حکیماً إلی العطاء فیأبی أن یقبله منه . ثم إنّ عمر ﷺ دعاه لیعطیه فأبی أن یقبل منه شیئاً . فقال : إنّی أشھدکم معشر المسلمین علی حکیم ، أنی أعرض علیه حقّه من ھٰذا الفیءِ فیأبی أن یأخذه . فلم یرزأ حکیمٌ أحداً من النّاس بعد رسول اللّٰہ حتی توفّی . [أنظر: ۲۷۵۰، ۳۱۴۳، ۶۴۴۱]. ۸۸ے

حدیث کی تشریح

حضرت حکیم بن حزام ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مال کا سوال کیا "ثم سألته فأعطانی، ثم سألته فأعطانی" میں بار بار آپ ﷺ سے سوال کرتا رہا اور آپ دیتے رہے، "ثم قال" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا" یا حکیم، إن ھٰذا المال خضرة حلوةٌ" اے حکیم! یہ مال وہی سرسبز اور میٹھا ہے۔ "خضرة" میں "تا" مبالغہ کی ہے تانیث کی نہیں، پھر فرمایا "فمن أخذه بسخاوة نفس" پس جو شخص نفس کی سخاوت کے ساتھ مال لے گا، نفس کی سخاوت کا مطلب یہ ہے کہ مال کی لالچ نہ ہو اور اصرار کے ساتھ مانگنا نہ ہو اور اس کی طرف طمع لگا تا نہ ہو تو "بورک له" تو اللہ جل جلالہ اس کے لئے مال میں برکت عطا فرما دیتے ہیں، " ومن اخذه باشراف نفس" اور جو شخص اشراف نفس کے ساتھ لے گا، اشراف کے معنی ہیں جھانک جھانک کر دیکھنا، مطلب یہ ہے کہ طمع لگی ہوئی ہے کہ فلاں جگہ سے پیسے آئیں گے فلاں جگہ سے مال آئے گا "لم یبارک له فیه" اس شخص کے لئے اس مال میں برکت نہیں ہوگی، لہٰذا ہدیہ، تحفہ بغیر اشراف کے ہو تو برکت والا ہے، اشراف کے ساتھ ہو تو برکت نہیں ہوگی۔

۸۸ے وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب بیان أن الید العلیا خیر من ید السفلی وأن الید العلیا ھی المنفقة وان السفلی ھی الآخذة ، رقم: ۱۷۱۷ ، وسنن الترمذی ، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللّٰہ ، باب منه ، رقم :۲۳۸۷ ، وسنن النسائی ، کتاب الزکاة ، باب مسألة الرجل فی أمر لا بد له منه ، رقم: ۲۵۵۶ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی ھریرة ، رقم: ۷۴۱۴، ۹۲۴۰، ۱۰۳۹۸ ، وسنن الدارمی ، کتاب الزکاة ، باب فی فضل الید العلیا، رقم: ۱۵۹۴ .

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے لکھا ہے کہ ایک استاد تھے جو انتہائی بزرگ تھے، ایک دفعہ مجلس میں آئے تو ان کے چہرے پر شاگرد نے بھوک کے آثار دیکھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فاقے سے ہیں، اسی وقت شاگرد وہاں سے اٹھ کر گیا اور اچھا سا کھانا بنا کر تھالی میں رکھ کر لایا، جب لا کر رکھا تو عرض کیا کہ حضرت دل چاہ رہا ہے کہ آپ یہ کھانا کھالیں، انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں نہیں کھاتا لے جاؤ، چنانچہ شاگرد اٹھا اور فوراً کھانا لے گیا، استاد سے کھانے کے لئے اصرار بھی نہیں کیا، جب کھانا لے کر کچھ دور چلا گیا تو پھر وہی کھانا لے کر واپس شیخ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اب کھالیجئے، چنانچہ شیخ نے کھالیا، وجہ اس کی یہ بیان ہوئی کہ پہلی مرتبہ جب شاگرد اٹھ کر گیا تو شیخ کا دل اس کی طرف متوجہ ہوگیا کہ یہ جو گیا ہے شاید میری ضرورت پوری کرنے کے لئے گیا ہو، لہٰذا اب جو کھانا لایا تو یہ کھانا اشرافِ نفس کے ساتھ تھا جس میں برکت کی کوئی امید نہیں تھی اس لئے شیخ نے کھانے سے انکار کردیا، شاگرد بھی سمجھ گیا کہ شیخ اس لئے انکار کر رہے ہیں اس لئے اس نے بھی کھانے پر اصرار نہیں کیا اور کھانا واپس لے گیا اور پھر دوبارہ لے کر آیا کہ اب جو آئے گا تو بغیر اشراف کے ہوگا، چنانچہ اسی بنا پر شیخ نے وہ کھانا کھالیا۔

اس کی وجہ یہ بیان کی کہ **"وکان کالذی یاکل ولا یشبع"** جو اشرافِ نفس میں مبتلا ہوتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے کہ کھاتا تو ہے لیکن پیٹ نہیں بھرتا، **"فقال حکیم: فقلت: یا رسول اللہ والذی بعثک بالحق لا أرزءُ احداً بعدک شیئاً"** حضرت حکیم بن حزام نے قسم کھالی کہ آپ کے بعد کسی بھی شخص کے مال میں کوئی کمی نہیں کروں گا یعنی کسی کے مال میں سوال کر کے کمی نہیں کروں گا کہ تم مجھے دے دو، **"رَزَأَ - یَرْزَءُ"** کے معنی ہیں کمی کرنا۔

حضورِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حکیم کو عطاء یعنی بیت المال سے تقسیم کئے جانے والے مال لینے کے لئے بلایا کرتے تھے **"فیابیٰ أن یقبل منہ ثم ان عمر رضی اللہ عنہ دعاہ لیُعطیہ فابیٰ أن یقبل منہ شیئاً فقال: انی أشھدکم معشر المسلمین علی حکیم أنی أُعرض علیہ حقّہ من ھٰذا الفیء فیابیٰ أن یاخذہ، فلم یَرْزَأْ حکیم احداً من الناس بعد رسول اللہ ﷺ حتی توفی"** حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ کی بات کا اتنا اثر لیا کہ اس کے بعد دوسروں سے کوئی چیز لینے کو گوارا نہیں کیا کہ جو کچھ اللہ جل جلالہ دے رہے ہیں وہی ٹھیک ہے، دوسروں سے لینے کی اب کیا ضرورت ہے۔

(۵۱) باب من أعطاہ اللہ شیئاً من غیر مسألۃٍ ولا إشراف نفس.

﴿وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾

اس شخص کا بیان جس کو اللہ جل جلالہ کچھ بغیر سوال اور طمع کے دلادے

اگر سوال بھی نہ ہو اور اشرافِ نفس بھی نہ ہو تو پھر ہدیہ، تحفہ وغیرہ لینا درست ہے اور اس مال میں برکت ہوگی، چنانچہ آیت کریمہ میں لینے کو حق قرار دیا کہ لوگوں کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے، اس میں دینے

والے کا کوئی احسان نہیں۔

ایک ہوتا ہے اشرافِ نفس محض لذت اندوزی کے لئے، ایک ہے بالکل مخمصے کی حالت میں ہونا، مخمصے کی حالت میں تو خنزیر بھی حلال ہو جاتا ہے اشرافِ نفس تو بہت معمولی بات ہے۔

۱۴۷۳۔ حدثنا یحیی بن بکیر : حدثنا اللّیث عن یونس ، عن الزّهری ، عن سالم أن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال : سمعت عمر یقول : کان رسول اللّٰہ ﷺ یعطینی العطاءَ فأقول : أعطه من هو أفقر إلیه منّی . فقال : ((خذه ، إذا جاءک من هٰذا المال شیءٌ وانت غیر مشرف ولا سائل فخذه ، و ما لا ، فلا تتبعه نفسک)).[أنظر: ۷۱۶۳، ۷۱۶۴].۸۹

مطلب

حضورِ اکرم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے عطاء دیا کرتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ سے عرض کرتے تھے کہ کسی زیادہ محتاج کو دے دیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال میں سے کوئی چیز اشرافِ نفس اور سوال کے بغیر تمہارے پاس آئے تو اس کو لے لو، اسی کو کسی نے کہا ہے کہ

چیزے کہ بے طلب رسد آں دادۂ خداست
او را تو رد مکن کہ فرستادۂ خداست

لہٰذا جو چیز بغیر طلب کے مل جائے جب اشرافِ نفس کے ساتھ نہ ہو تو وہ اللہ جل جلالہ کی نعمت ہے اس کو لے لینا چاہئے **"وما لا فلا تُتبِعْهُ نفسک"** یعنی جو چیز اشرافِ نفس اور سوال کئے بغیر نہ ملے تو اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگاؤ۔

(۵۲) باب من سأل النّاس تکثراً

اس شخص کا بیان جو مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے سوال کرے

۱۴۷۴۔ حدثنا یحیی بن بکیر : حدثنا اللّیث ، عن عبید اللّٰہ بن أبی جعفر قال : سمعت حمزة بن عبداللّٰہ بن عمر قال : سمعت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ : ((ما زال الرّجل یسأل النّاس حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة

---

۸۹ وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب اباحة الأخذ لمن أعطی من غیر مسألة ولا اشراف، رقم: ۱۷۳۱، وسنن النسائی ، کتاب الزکاة ، باب من آتاه اللّٰہ عزوجل مالاً من غیر مسألة ، رقم : ۲۵۵۸، وسنن أبی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب فی الاستعفاف ، رقم : ۱۴۰۴، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرین بالجنة ، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم : ۹۲ ، ۱۳۱ ، ۲۶۷ ، ۳۴۹، وسنن الدارمی ، کتاب الزکاة ، باب النهی عن رد الهدیة ، رقم : ۱۵۹۰ .

لحم))۔ [أنظر: ۱۴۷۸] ۹۰

اس میں ایک جملہ ہے جو یہاں مقصود ہے **"حتی یأتی یوم القیامۃ لیس فی وجھہ مزعۃ لحم"** یعنی جو شخص بلا استحقاق دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ آخرت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا کوئی ٹکڑا بھی نہ ہوگا، العیاذ باللہ۔ اس سے وہ شخص مراد ہے جو سوال کرے، باوجودیکہ اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔

اور شرعاً ہر اس شخص کے لئے سوال کرنا ناجائز ہے جس کے پاس **"قوت یوم ولیلۃ"** یعنی ایک دن اور ایک رات کے کھانے کا انتظام ہو، ہاں جس شخص کے پاس رات دن کے کھانے کا بھی انتظام نہ ہو تو اس کے لئے شرعاً سوال کرنا جائز ہو جاتا ہے، البتہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ غنیٰ ہر شخص کا اس کے حالات کے مطابق ہوتا ہے۔

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ یہ جو ہمارے ہاں رسم بنی ہوئی ہے کہ لوگ سوال کرتے پھرتے ہیں کہ بھئی! ہماری بیٹی کی شادی ہو رہی ہے، فلاں ہو رہا ہے اس میں پیسے دے دو، یہ کر دو، وہ کر دو، یہ سب ناجائز ہے، بیٹی کی شادی کرنے کے لئے کیا ضروری ہے کہ اتنا لمبا چوڑا خرچ کیا جائے، جتنی استطاعت اللہ ﷻ نے دے رکھی ہے اس کے مطابق کرو، اس سے آگے مت بڑھو، تو اس واسطے سوال کے جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ **"قوت یوم ولیلۃ"** بھی نہ ہو، اس کے بغیر سوال کرنا جائز نہیں۔

سوال: کیا سفیروں کا مدرسے کے لئے چندہ مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

بات یہ ہے کہ سفراء کا جا کر مانگنا چونکہ مدرسے کے لئے ہوتا ہے اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا، اس لئے وہ سوال کی تعریف میں نہیں آتا، لیکن پسندیدہ پھر بھی نہیں ہے، کیونکہ اس میں اہلِ علم کی بے وقعتی اور بے توقیری ہے کہ وہ جا کر پھرتے رہیں جیسے رمضان المبارک میں کراچی میں سفراء کا زبردست ہنگامہ اور طوفان ہوتا ہے، تو یہ طریقہ اہلِ علم کی بے وقعتی کی وجہ سے پسندیدہ نہیں، لیکن اس کو حرام بھی نہیں کہہ سکتے، اس واسطے کہ ان کا مانگنا اپنے لئے نہیں۔

۱۴۷۵ ۔ وقال: ((ان الشمس تدنو یوم القیامۃ حتی یبلغ العرق نصف الأذن ، فبینما ھم کذالک استغاثوا بآدم ، ثم بموسی ، ثم بمحمد ﷺ)) وزاد عبداللہ بن صالح : حدثنی اللیث قال : حدثنی ابن أبی جعفر : ((فیشفع لیقضی بین الخلق ، فیمشی حتی یأخذ بحلقۃ الباب فیومئذ یبعثہ اللہ مقاما محمودا ، یحمدہ أھل الجمع کلھم)) . وقال معلی: حدثنا

۹۰ وفی سنن النسائی ، کتاب الزکاۃ، باب المسألۃ ، رقم : ۲۵۳۸ ، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابۃ ، باب مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۴۰۹، ۵۳۵۹.

وهيب ، عن النعمان بن راشد ، عن عبدالله بن مسلم أخي الزهري ، عن حمزة : سمع ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي ﷺ في المسألة .[أنظر : ۴۷۱۸]

اور فرمایا آفتاب قیامت کے دن قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ نصف کان تک پسینہ آجائے گا۔ پس وہ اسی حال میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس فریاد لے کر جائیں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت محمد ﷺ کے پاس جائیں گے۔

ابن ابی جعفر کا بیان ہے کہ، آپ ﷺ سفارش کریں گے، تا کہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے آپ ﷺ روانہ ہونگے یہاں تک بہشت کے دروازے کا حلقہ پکڑ لیں گے، اس دن اللہ جل جلالہ آپ ﷺ کو مقام محمود پر کھڑا کردیگا، جس کی تمام لوگ تعریف کریں گے۔

اور ابن عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کرنے کے متعلق روایت کیا ہے، یہی مقصد ترجمہ ہے۔

(۵۳) باب قول الله عزّ و جل : ﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً﴾ [البقرة : ۲۷۳]

اللہ جل جلالہ کا قول کہ لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگتے

و كم الغنى ، وقول النبي ﷺ : ((ولا يجد غنى يغنيه)) لقول الله عزّو جل :
﴿ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْأَرْضِ﴾ الى قوله ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيْمٌ ﴾ [البقرة : ۲۷۳]

آیتِ کریمہ میں اللہ جل جلالہ نے اصحابِ صفہ کی تعریف فرمائی کہ "**لايسئلون النّاس الحافاً**" اس آیت میں "**الحافاً ، لايسئلون**" کی قید نہیں ہے۔ ظاہر میں یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ لگ لپٹ کر تو نہیں مانگتے ویسے مانگتے ہیں حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے کیونکہ "**الحافا**" قید نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مانگتے ہی نہیں کہ الحاف کی ضرورت پیش آئے وہ تو اللہ جل جلالہ کے بھروسے پر پڑے رہتے ہیں۔

"**وكم الغنى**" سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غنا کی مقدار کیا ہے اور کتنی مقدار میں آدمی غنی ہوتا ہے۔

"**قول النبي ﷺ : ((ولا يجد غنىً يغنيه))** حضورِ اکرم ﷺ نے غنا کی تعریف فرمائی کہ جو انسان کو بے نیاز کردے، پھر اگر ایک دن اور ایک رات کے لئے بے نیاز کر دیا تو غنا ہو گیا، اس معنی کے اعتبار سے غنی وہ ہے جو سوال کو حرام کردے۔

۱۴۷۶ ۔ حدثنا حجاج بن منهال : حدثنا شعبة قال : أخبرني محمد بن زياد قال : سمعت أبا هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال : ((ليس المسكين الذي ترده الأكلة والأكلتان. ولكن

المسکین الذی لیس له غنی ویستحیی أولا یسأل النّاس الحافاً))۔[أنظر : ۱۴۷۹، ۴۵۳۹] ۹۱

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے واپس کردیں یعنی اس نے سوال کیا کسی نے ایک لقمہ دے دیا تو یہ اس کو لے کر چلا گیا، یہ مسکین نہیں ہے، بلکہ مسکین وہ ہے کہ "**الذی لیس له غنیً و یستحیی**" جس کے پاس غنا نہیں ہے لیکن پھر بھی (سوال کرنے سے) شرماتا ہے "**او لا یسأل النّاس الحافا**" مسکین وہ ہے جو لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتا۔

۱۴۷۷۔ حدثنا یعقوب بن إبراهیم : حدثنا إسماعیل بن علیّة ، حدثنا خالد الحذّاءُ ، عن ابن أشوع ، عن الشّعبی قال : حدثنی کاتب المغیرة بن شعبة قال : کتب معاویة إلی المغیرة بن شعبة أن اکتب إلی بشیءٍ سمعته من النبی ﷺ. فکتب إلیه : سمعت النبی ﷺ یقول : ((إنّ اللّٰه کره لکم ثلاثاً : قیل وقال ، وإضاعة المال ، وکثرة السّؤال)) . [راجع: ۸۴۴]

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ ﷜ نے مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ مجھے کچھ لکھ کر بھیجو جو تم نے سرور دو عالم ﷺ سے سنا ہو، انہوں نے لکھ بھیجا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اللہ جل جلالہ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں ہیں: ایک بے فائدہ گفتگو، دوسرے مال کا ضائع کرنا اور تیسرے بہت مانگنا۔

تشریح

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر کثرتِ سوال کو مال کے سوال پر محمول کیا ہے، مال کا سوال بھی مراد ہوسکتا ہے اور ویسے ہی مختلف قسم کے جو لوگ بے فائدہ سوالات کرتے ہیں وہ بھی مراد ہوسکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس حدیث کو اضاعتِ مال کی ممانعت کی بنا پر اس باب میں لائے ہوں اور مقصد یہ ہو کہ جس شخص کو سوال کرنا جائز نہیں، اس کو دینا اضاعت مال ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا۔

۱۴۷۸۔ حدثنا محمد بن غریر الزّهری : حدثنا یعقوب بن إبراهیم ، عن أبیه ، عن صالح بن کیسان ، عن ابنِ شهاب قال : أخبرنی عامر بن سعد ، عن أبیه قال : أعطی رسول اللّٰه ﷺ رهطاً وأنا جالسٌ فیهم . قال : فترک رسول اللّٰه ﷺ فیهم رجلاً لم یعطه و

۹۱ وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب المسکین الذی لایجد غنیً ولا یفطن له فیتصدق علیه ، رقم : ۱۷۲۳ ، وسنن النسائی ، کتاب الزکاة ، باب تفسیر المسکین ، رقم : ۲۵۲۴ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی ، رقم : ۱۳۹۰ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی هریرة ، رقم : ۷۲۲۵ ، ۷۸۴۰ ، ۸۷۴۸ ، ۸۷۷۷ ، ۹۳۷۰ ، ۹۴۲۲ ، ۹۵۱۰ ، ۹۶۸۷ ، ۱۰۱۶۵ ، وسنن الدارمی ، کتاب الزکاة ، باب المسکین الذی یتصدق علیه ، رقم: ۱۵۶۴ .

هو أعجبهم إليّ . فقمت إلى رسول الله ﷺ فساررته فقلت : ما لَكَ عن فلان ؟ والله إنّي لأراه مؤمناً ، قال : ((أومسلماً)) قال : فسكتّ قليلاً ثم غلبني ما أعلم فيه فقلت : يارسول الله ، ما لَكَ عن فلان ؟ و الله إني لأراه مؤمناً قال : ((أو مسلما)) . قال : فسكتّ قليلاً ثمّ غلبني ما أعلم منه ، فقلت : يا رسول الله . ما لَكَ عن فلان ؟ و الله إني لأراه مؤمناً ، قال: ((أو مسلماً)) : ((إنّي لأعطي الرّجل وغيره أحب إليّ منه خشية أن يكبّ في النّار على وجهه)) .

وعن أبيه ، عن صالح ، عن إسماعيل بن محمّد أنّه قال : سمعت أبي يحدّث بهذا فقال في حديثه : فضرب رسول الله ﷺ بيده فجمع بين عنقي و كتفي ثمّ قال : ((أقبل أي سعد ، إنّي لأعطي الرّجل)) . قال أبو عبدالله ﴿ فكُبكِبوا﴾ [الإسراء: ۹۴] : قلبوا ، ﴿مُكِبًّا﴾ يقال : أكبّ الرّجل إذا كان فعله غير واقع على أحدٍ ، فإذا وقع الفعل قلت : كبّه الله لوجهه ، و كببته أنا. [راجع: ۲۷]

تشریح

حضرت سعد بن وقاص ﷺ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو کچھ مال عطا فرمایا۔ یہاں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ صدقات میں سے تھا یا مالِ غنیمت میں سے تھا۔لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس سیاق میں یہ روایت لے کر آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدقات میں سے تھا،تو کچھ لوگوں کو آپ ﷺ نے مال دیا **"أنا جالس فيهم"** میں بھی ان لوگوں میں بیٹھا ہوا تھا **"ترک رسول الله ﷺ فيهم رجلا لم يعطه"** ان میں سے ایک صاحب کو آپ نے چھوڑ دیا اس کو کچھ نہیں دیا **"هو اعجبُهم اليّ"** حالانکہ وہ شخص مجھے ان میں سب سے زیادہ پسند تھا **"فقمتُ الیٰ رسول الله ﷺ فساررته"** میں کھڑے ہو کر حضور اکرم ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے سرگوشی کی **"فقلت ما لک عن فلان؟ والله انی لأُراه مومناً"** میں نے کہا کہ آپ فلاں سے کیوں اعراض فرما رہے ہیں، بخدا میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن آدمی ہے گویا اس کو دینا چاہئے، **قال: ((أو مسلما))** آپ نے فرمایا **"أو مسلماً"** یعنی تم نے جو اس پر قطعی طور پر ایمان کا حکم لگا دیا یہ مناسب نہیں ہے، ہاں! البتہ اسلام کا حکم لگا سکتے ہو، کیونکہ ایمان ایک باطنی چیز ہے انسان کے دل میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے، اس کے بارے میں کوئی قطعی یا یقینی بات نہیں کہی جا سکتی، البتہ اسلام ایک ظاہری چیز ہے، اسلام کے معنی یہ ہیں کہ کسی نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تو اب ہم اس کے مکلف ہیں کہ اس کو مسلمان سمجھیں جب تک کہ اسلام کے خلاف کوئی بات ظاہر نہ ہو، اس لئے قطعی طور پر کسی کو مسلمان کہنا تو صحیح ہے کیونکہ ظاہری افعال سے وہ آدمی مسلمان نظر آتا ہے، لیکن قلب کے فعل پر کوئی قطعی یا یقینی حکم لگانا ممکن نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جو اس کو مؤمن قرار دے رہے ہو، اس کے بجائے تمہیں مسلم کہنا چاہئے تھا۔

"**قال فسکتُ قلیلاً**" حضرت سعد ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر خاموش رہا، "**ثمّ غلبنی ما أعلم فیه**" یعنی میرے علم میں یہی بات تھی کہ وہ اچھا آدمی ہے تو اسی بات کا میرے دل میں دوبارہ تقاضا پیدا ہوا کہ دوبارہ یہ بات عرض کروں "**فقلت: یا رسول اللہ، ما لک عن فلان؟ واللہ انّی لأراہ مؤمناً قال: أو مسلماً**" آپ ﷺ نے دوبارہ وہی بات فرمائی "**قال: فسکتّ قلیلاً ثمّ غلبنی ما أعلم منه، فقلت: یا رسول اللہ. ما لک عن فلان؟ واللہ انّی لأراہ مؤمناً، قال: "أو مسلماً، ثلاث مرات**" یعنی یہ واقعہ تین مرتبہ پیش آیا۔

اشکال: یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ نے "**مومناً**" کی جگہ "**مسلماً**" کا لفظ فرمادیا تو پھر حضرت سعد ﷺ بار بار وہی لفظ "**مؤمناً**" کیوں استعمال کرتے رہے۔

جواب: ممکن ہے کہ حضرت سعد ﷺ اس وقت حضورِ اکرم ﷺ کا منشأ پوری طرح سمجھ نہیں پائے کہ مجھے مؤمن کا لفظ نہیں بولنا چاہئے تھا مسلم کا لفظ بولنا چاہئے، بلکہ وہ یہ سمجھے مؤمن اور مسلم دونوں مترادف الفاظ ہیں، میں نے مؤمن کہا اور آپ ﷺ نے مسلم فرمایا، تو چونکہ دونوں مترادف الفاظ ہیں، اس لئے معنی میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی، اس وجہ سے انہوں نے گویا بار بار مؤمن کا لفظ استعمال فرمایا، پھر آپ نے اس شخص کو مال نہ دینے کی وضاحت فرمائی کہ "**انی اعطی الرّجل وغیرُہ أحبّ الیّ منه خشیة أن یُکبّ فی النّار علی وجھه**" بعض اوقات میں کسی شخص کو (مال) وغیرہ دیتا ہوں اس حالت میں کہ دوسرا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے یعنی جس کو دیا ہے اس سے زیادہ محبوب دوسرا آدمی ہے اس کے باوجود میں اس کو دیتا ہوں جو اتنا محبوب نہیں ہے "**خشیة أن یُکب فی النار علی وجھه**" اس ڈر سے کہ کہیں وہ شخص اپنے منہ کے بل آگ میں نہ ڈال دیا جائے، اس لئے اس کو نہیں دیتا۔

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ محبوب شخص مستحقِ صدقہ نہیں ہوتا اور مستحقِ صدقہ نہ ہونے کے باوجود کوئی شخص صدقہ لے لے تو اس کے اوپر عذاب کا اندیشہ ہے کہ اس کو جہنّم میں منہ کے بل ڈال دیا جائے۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مجھے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے یا بذریعۂ وحی علم ہو جاتا ہے کہ اگر اس محبوب شخص کو مال دیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ زیادہ مال آجانے کے بعد اس کے اعمال میں کمی پیدا ہو جائے یا اس مال کو کسی معصیت میں استعمال کرے (العیاذ باللہ) تو اس کی وجہ سے کہیں جہنّم میں نہ ڈال دیا جائے، اس واسطے میں اس کو مال نہیں دیتا۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کا دوسرا طریق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "**وعن أبیه، عن صالح، عن إسماعیل بن محمد أنّه قال: سمعت أبی یُحدّث بھذا**"

یہ حدیث یعقوب بن ابراہیم نے اپنے والد سے روایت کی تھی تو یہ اس کا دوسرا طریق ہو گیا جس میں مزید اضافہ یہ ہے **"فقال فی حدیثه، فضرب رسول اللّٰہ ﷺ بیده ، فجمع بین عنقی و کتفی"** آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک میری گردن اور کندھے کے درمیان مارا **"ثمّ قال" : ((أقبل أی سعدُ))** اے سعد! سامنے آؤ **"إنی لأعطی الرّجل"** یعنی آگے پھر وہی بات ارشاد فرمائی۔

"قال أبو عبداللّٰہ :((فکبکبوا)) "أی قُلِبُوا" اس حدیث میں **" أن یکبّ فی النّار"** کا لفظ آیا تھا تو اس کی مناسبت سے قرآنِ کریم میں **"فکبکبوا فیها هم والغاوٗن"** میں **"کبکبوا"** کے معنی بیان کردئے کہ اس کے معنی ہیں پلٹ دینا، **"یقال: أکبّ الرّجل إذا کان فعله غیر واقع علی أحد"**.

یہاں سے یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ یہ ان افعال میں سے ہے جو باب افعال میں تو لازم ہوتے ہیں لیکن مجرد میں متعدی ہوتے ہیں جب کہ عام طور پر افعال مجرد میں لازم ہوتے ہیں اور بابِ افعال میں متعدی، پس **"أکبّ"** کے معنی ہیں خود گر جانا اور **"کبّ"** کے معنی ہیں گرادینا، چنانچہ فرمایا **"أکبّ الرّجل إذا کان فعله غیر واقع علی أحد"** یعنی **"أکبّ"** اس وقت کہتے ہیں جب کہ اس کا فعل کسی اور پر واقع نہ ہو رہا ہو بلکہ خود گر گیا ہو اور جب فعل کسی اور پر واقع ہو رہا ہو تو **"کبّ"** کہتے ہیں **"فإذا وقع الفعل قلت : کبّه اللّٰہ لوجهه، و کببته أنا"** اور پھر **"کبّ"** اور **" کبکب"** باب **"بعثر"** دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی گرانا اور **"أکبّ"** کے معنی ہیں خود گرنا، چنانچہ آیتِ کریمہ **"أفمن یمشی مکبًّا علی وجهه أهدیٰ أم من یمشی سویًّا علی صراط مستقیم** میں **مُکِبًّا"** بابِ افعال سے ہے اور لازم ہے۔

۱۴۷۹ ـ حدثنا إسماعیل بن عبداللّٰہ قال: حدثنی مالک، عن أبی الزّناد، عن الأعرج، عن أبی هریرة ﷺ أن رسول اللّٰہ قال: ((لیس المسکین الذی یطوف علی النّاس تردّه اللّقمة واللّقمتان، والتّمرة اللتّمرتان. ولکن المسکین الذی لا یجد غنیً یغنیه. ولا یفطن له فیتصدّق علیه، ولا یقوم فیسأل النّاس)). [راجع: ۱۴۷۶]

اس حدیث میں حضورِ اکرم ﷺ نے مسکین کی تعریف فرمائی ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو سوال کرنے کے لئے لوگوں کے پاس گھومے، **" تردّه اللّقمة واللقمتان"** کہ ایک لقمہ یا دو لقمے اس کو دے دیئے تو واپس چلا گیا، **"وَ التّمرة و التّمرتان"** یا ایک دو کھجور دے کر واپس لوٹا دیا گیا، **" و لا یفطن له فیتصدّق علیه"** اور لوگوں کو پتہ بھی نہ ہو کہ اس کے پاس مال نہیں ہے کہ لوگ اس پر صدقہ کریں، **"ولا یقوم فیسأل النّاس"** اور وہ خود کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا تو یہ حقیقت میں مسکین ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ایسے لوگوں کو خاص طور سے تلاش کرنا چاہئے۔

۱۴۸۰ ـ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث : حدثنا أبی : حدثنا الأعمش : حدثنا أبو

صالح ، عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال : ((لأن یأخذ کم أحدکم حبله ثم یغدو ، أحسبه قال: الی الجبل فیحتطب فیبیع فیاکل ویتصدق خیر له من أن یسأل الناس))

"قال أبو عبدالله : صالح بن کیسان أکبر من الزهری وهو قد أدرک ابن عمر".

یہ روایت صالح بن کیسان نے زہری سے نقل کی ہے، چنانچہ سند میں اس طرح ہے "عن صالح بن کیسان عن ابنِ شهاب" صالح بن کیسان اگر چہ امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں لیکن عمر میں ان سے بڑے ہیں، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے اور تابعین میں سے ہیں۔

(۵۴) باب خرص التّمر

کھجور کا اندازہ کر لینے کا بیان

۱۴۸۱، ۱۴۸۲ـ حدثنا سهل بن بكّار : حدثنا وهيبٌ ، عن عمرو بن يحيى، عن عبّاس السّاعدی ، عن أبی حميد السّاعدی قال : غزونا مع النبی ﷺ غزوة تبوک ، فلمّا جاء وادی القری إذا امرأةٌ فی حديقة لها ، فقال النبی ﷺ لأصحابه : ((اخرُصوا)) ، وخرص رسول الله ﷺ عشرة أوسق ، فقال لها : ((أحصی ما يخرج منها)) . فلمّا أتينا تبوک قال : ((أمّا إنّها ستهبُّ اللّيلة ريحٌ شديدةٌ فلا يقومنّ أحدٌ. ومن كان معه بعيرٌ فليعقله)) فعقلناها. وهبّت ريحٌ شديدةٌ فقام رجلٌ فألقته بجبل طیءٍ . وأهدی ملک أيلة للنبی ﷺ بغلةً بيضاءَ وكساه بُرداً وكتب له ببحرهم . فلمّا أتی وادی القری قال للمرأة : ((كم جاء حديقتک ؟)) قالت : عشرة أوسق خرص رسول الله ﷺ . فقال النبی ﷺ : ((إنی متعجلٌ إلی المدينة فمن أراد منكم أن يتعجّل معی فليتعجّل)) . فلمّا قال ابنِ بكّار كلمةً معناها أشرف علی المدينة ، قال : ((هٰذه طابةٌ)) . فلمّا رأی أُحداً قال : ((هٰذا جُبيلٌ يُحبّنا ونُحبّهُ ، ألا أخبركم بخير دور الأنصار ؟)) قالوا : بلیٰ . قال : ((دُورُ بنی النّجّار ، ثم دور بنی عبد الأشهل، ثم دور بنی ساعدة أو دور بنی الحارث بن الخزرج ، وفی كل دور الأنصار ــ يعنی ــ خيراً)) . [أنظر ۱۸۷۲، ۳۱۶۱، ۳۷۹۱، ۴۴۲۲] .

وقال سليمان بن بلال : حدثنی عمرو : ((ثمّ دار بنی الحارث ، ثمّ بنی ساعدة)). وقال سليمان ، عن سعد بن سعيد ، عن عمارة بن غزيّة ، عن عبّاس ، عن أبيه رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال : ((أحد جبل يحبنا ونحبه)) . وقال أبو عبد الله : كل بستان عليه حائط فهو

حديقة ، ومالم يكن عليه حائط لم يقل : حديقة. ۹۲

تشریح

حضرت ابوحمید ساعدی ؓ اپنی اس روایت میں غزوۂ تبوک کے واقعے کا ذکر کر رہے ہیں۔اس حدیث میں انہوں نے غزوۂ تبوک کے متفرق واقعات ذکر فرمائے ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، **"فلما جاء وادی القری"** یعنی تبوک جاتے ہوئے جب آپ وادی القریٰ پہنچے۔وادی القریٰ تبوک کے راستے میں ایک جگہ ہے **"إذا امرأة في حديقة لها"** تو آپ ﷺ نے اچانک دیکھا کہ ایک باغ میں ایک عورت بیٹھی ہے **" فقال النبي ﷺ لأصحابه: اخرصوا"** آپ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا کہ اندازہ لگاؤ یعنی یہ اندازہ لگاؤ کہ اس عورت کے باغ میں کتنا پھل آرہا ہے **"وخرص رسول الله ﷺ عشرة أوسق"** حضورِ اکرم ﷺ نے خود اندازہ لگایا کہ اس کے باغ میں دس وسق کھجوریں آئیں گی **" فقال لها أحصي ما يخرج منها"** پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ اس باغ کا جتنا بھی پھل پیدا ہوگا اس کو شمار کرکے رکھنا، یہ تبوک جاتے ہوئے راستے کا واقعہ تھا۔

جب ہم تبوک پہنچے تو آپ نے اس بات کا اعلان کیا کہ آج کی رات شدید ہوا چلے گی، للہذا کوئی شخص کھڑا نہ ہو یعنی ہوا اتنی تیز چلے گی کہ اس میں آدمی کے گرجانے اور اُڑ جانے کا اندیشہ ہے، **"ومن كان معه بعير فليعقله"** جس کے پاس کوئی اُونٹ ہو وہ اس کو باندھ کر رکھے **" فعقلناها"** چنانچہ ہم نے اُونٹوں کو باندھ کر رکھا **"وهبّت ريح شديدةٌ"** بہت تیز ہوا چلی **"فقام رجل"** ایک آدمی کھڑا ہو گیا حالانکہ حضورِ اکرم ﷺ نے کھڑے ہونے سے منع فرمایا تھا، **"فألقته بجبل طي"** تو ہوا اس کو اڑا کر طی کے دو پہاڑوں کی طرف لے گئی اور وہاں ڈال دیا یہ وہی دو پہاڑ ہیں جو ''اجأ'' اور ''سلمیٰ'' کے نام سے مشہور ہیں یہ بھی غزوۂ تبوک کا ایک واقعہ بیان ہوا۔

"وأهدى ملك ايلة للنبي ﷺ بغلةً بيضاء" یہاں سے غزوۂ تبوک کا ایک اور واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایلہ بستی کے بادشاہ نے حضورِ اکرم ﷺ کو تحفہ میں سفید خچر بھیجا **"وكساه بردًا"** اور کچھ چادریں حضورِ اکرم ﷺ کو پیش کیں **" وكتب له ببحرهم"** اور اپنی بستیاں لکھ کر دیں، پہلے گذر چکا ہے کہ **"بَحر"** اور **"بَحرو"** بعض اوقات بستی کے معنی میں آتا ہے یہاں پر یہی معنی مراد ہیں یعنی ملکِ ایلہ نے کچھ بستیاں لکھ کر

---

۹۲ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب أحد جبل يحبنا ونحبه ، رقم : ۲۴۲۶ ، وكتاب الفضائل ، باب في معجزات النبي ، رقم : ۴۲۳۰ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الخراج والأمارة والفئي ، باب في احياء الأموات ، رقم : ۲۶۷۵ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث أبي حميد الساعدي ، رقم : ۲۲۴۹۸ ، وسنن الدارمي ، كتاب السير ، باب في قول هدايا المشركين ، رقم ۲۳۸۴ .

حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیں کہ گویا آپ ﷺ ان بستیوں کے حکمران ہوں گے۔

"فلمّا أتى وادى القرى" جب تبوک سے واپسی پر وادی القری پہنچے تو اس عورت کے پاس سے گذرے اور اس سے فرمایا، **"کم جاء حدیقتک؟"** تمہارے باغ سے کتنے پھل نکلے؟ **"قالت عشرة أوسقٍ"** تو عورت نے بتلایا کہ دس وسق نکلا۔ **"خرص رسول الله ﷺ"** اس کو (خرص) مرفوع اور منصوب پڑھنا دونوں صحیح ہیں یعنی یہ دس وسق وہی مقدار تھی جو حضورِ اکرم ﷺ نے جاتے وقت اندازہ لگائی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا **"إنی متعجل إلى المدینة"** کہ بھئی میں ذرا جلدی مدینہ جانا چاہتا ہوں۔

"فمن أراد منکم أن یتعجل معی فلیتعجل" کہ جو شخص میرے ساتھ جلدی جانا چاہے اسے چاہئے کہ جلدی کرے، **"فلمّا قال : ابن بکّار کلمة معناها اشرف على المدینة"** بیچ میں راوی کہہ رہے ہیں کہ ابنِ بکّار نے کوئی ایسا کلمہ کہا تھا جس کے معنی **"اشرف"** تھے لیکن وہ کلمہ بعینہ ابن بکار سے روایت کرنے والے کو یاد نہیں رہا، ابنِ بکار سے روایت کرنے والے کون ہیں تو وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ہیں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ ابنِ بکار نے کوئی کلمہ ایسا کہا تھا جس کے معنی ہیں **"اشرف"** بعینہ وہ کلمہ امام بخاری رحمہ اللہ کو یاد نہیں رہا، پس **"فلمّا اشرف على المدینة"** جب آپ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا **"ھٰذه طابة"** آپ نے مدینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ طابۃ ہے یعنی مدینہ کو آپ ﷺ نے طابۃ فرمایا۔

"فلمّا رأى أحداً" جب احد پہاڑ کی طرف دیکھا تو آپ نے فرمایا **"ھذا جبیل یحبّنا ونحبّه"** پھر فرمایا **"الا اخبرکم بخیر دور الأنصار؟ قالوا: بلى. قال: دور بنی النجّار ثم دور بنی الأشھل، ثم دور بنی ساعدة أو دور بنی الحارث بن الخزرج"**۔

یہ انصار کے مختلف خاندان تھے، ان کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ان میں خیر ہے **"وفی کل دور الأنصار"** یعنی **"خیراً"** پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے انصار کے گھرانوں میں خیر نہیں ہے بلکہ انصار کے سارے ہی گھرانوں میں خیر ہے۔

منشاءِ بخاری

اس حدیث کو یہاں لانے کا منشأ وجوب زکوٰۃ کا وقت آنے سے پہلے مقدارِ زکوٰۃ کا اندازہ لگانے کی مشروعیت بیان کرنا ہے جیسے "خرص" کہتے ہیں، حدیث سے نفس خرص کا ثبوت ہو رہا ہے۔

دوسری احادیث میں جو امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کی ہیں، آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ زرعی پیداوار کا اندازہ لگانے کے لئے خارصین کو بھیجا کرتے تھے۔

أئمہ کے اقوال

حنفیہ کے نزدیک اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ آئندہ ملنے والے عشر کا اندازہ بھی ہو جائے اور زمیندار عشر کی ادائیگی کے وقت اپنی پیداوار کی مقدار کو معقول حد سے کم دکھا نہ سکے۔ اور صحیح روایت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ کو خیبر بھیجنے کا ذکر آتا ہے کہ ان کو آپ ﷺ ''خرص'' کے لئے بھیجتے تھے اور خیبر میں یہودی آباد تھے جن پر اطمینان نہیں تھا کہ وہ پیداوار پوری دکھائیں گے، البتہ زکوٰۃ کٹائی کے وقت پر ہی واجب الاداء ہوگی، خرص کے وقت نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک خرص کا حکم یہ ہے کہ اندازہ سے جتنی پیداوار ثابت ہوا تنی پیداوار کا عشر اسی وقت پہلے سے کٹے ہوئے پھلوں سے وصول کیا جا سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا استدلال حدیث میں **''اذا خرصتم فخذوا''** کے الفاظ سے ہے، دوسری روایت سے بھی ان کا استدلال ہے: **''ان النبی ﷺ قال فی زکاۃ الکروم انها تخرص کما یخرص النخل ثم تؤدی زکاته زبیباً کما تؤدی زکاۃ النخل تمراً''**۔

امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں محض اندازہ سے عشر وصول نہیں کیا جا سکتا بلکہ پھلوں کے پکنے کے بعد دوبارہ وزن کر کے حقیقی پیداوار متعین کی جائیگی اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔[93]

پھر اس روایت کے اخیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیقہ کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ **''کل بستان علیه حائط فهو حديقة''** ہر وہ باغ جس کے اردگرد چاردیواری ہو، وہ حدیقہ کہلاتا ہے، **''وما لم یکن علیه حائطٌ لم یقل: حديقة''** یعنی جس باغ کے اردگرد چاردیواری نہ ہو، اس کو حدیقہ نہیں کہتے۔

وقال سلیمان بن بلال : حدثنی عمرو: ((ثم دار بنی الحارث، ثم بنی ساعدة))

یہاں اس روایت کے مختلف طریق اور ان میں الفاظ کا فرق بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ سلیمان بن بلال کی روایت میں دار بنی الحارث کے بعد آپ نے بنی ساعدہ کا ذکر فرمایا تھا جب کہ پہلی روایت میں بنی ساعدہ کا ذکر پہلے ہے اور بنی حارث بن الخزرج کا ذکر بعد میں ہے۔

(۵۵) باب العشر فیما یسقیٰ من ماء السماءِ الجاری،

''ولم یر عمر بن عبدالعزیز فی العسل شيئاً''۔

آسمان کے پانی اور جاری پانی سے سیراب کی جانی والی زمین میں دسواں حصہ واجب ہے

یہ باب عشر کے وجوب کے بیان میں ہے اور عشر ہر اس پیداوار میں واجب ہوتا ہے جو آسمان کے پانی یعنی بارش سے سیراب ہوئی ہو یا ماء جاری سے سیراب ہوئی ہو۔

---

۹۳ تفصیل درسِ ترمذی میں ہے۔

"ولم یر عمر بن عبدالعزیز فی العسل شیئاً"

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شہد کے بارے میں کوئی صدقہ یا عشر واجب نہیں کیا۔

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو مسئلے بیان فرمائے ہیں:

پہلا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ عشر کے وجوب کے لئے کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شہد پر کوئی عشر مقرر نہیں فرمایا۔

اختلاف ائمہ

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین کی جو بھی پیداوار ہو چاہے وہ کھیت کی ہو یا باغ کی، اس میں عشر کے وجوب کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں، بلکہ قلیل و کثیر ہر مقدار پر عشر واجب ہے تھوڑا سا بھی اگر عشر نکلے گا تو عشر نکالنا صاحبِ پیداوار کے لئے ضروری ہے۔

جمہور کا مسلک

جمہور جن میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین بھی ہیں فرماتے ہیں کہ شرعاً جس طرح سونے چاندی کا نصاب ہے، جانوروں اور مویشیوں کا نصاب ہے، اسی طرح زرعی پیداوار کا بھی نصاب مقرر ہے اور وہ نصاب پانچ وسق ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے تو پانچ وسق تین سو صاع ہو گئے تو تین سو صاع تک گویا عشر واجب نہیں، جب پیداوار تین سو صاع تک پہنچے گی تو اس پر عشر واجب ہوگا، یہ جمہور کا مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی روایت ہے جو یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمائی ہے۔ اس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

" فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا: العشر، وما سقی بالنضح : نصف العشر".

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس زمین کو بارش نے سیراب کیا ہو یا قدرتی چشموں نے سیراب کیا ہو یعنی اس کو سیراب کرنے کے لئے کوئی محنت و مشقت اٹھانی نہ پڑتی ہو بلکہ چشمے خود اس کو سیراب کر رہے ہوں **"أو کان عثریاً"** یا وہ **"عثری"** ہو۔

"عثری" زمین

"عثری" عاثور سے نکلا ہے، اس کے معنی ہیں وہ درخت جو کسی نہر وغیرہ کے کنارے ہوتے ہیں اور ان کو پانی دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ ان درختوں کی جڑیں اتنی دور تک پھیلی ہوتی ہیں کہ وہ خود پانی کو چوس لیتی ہیں تو جس زمین میں ایسے درخت ہوں جو نہر وغیرہ کے قریب ہونے کی وجہ سے خود پانی حاصل کر لیتے ہوں، وہ زمین "عثری" کہلاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ آپ نے تین قسمیں بیان فرمادیں۔

۱۔ بارانی زمین۔

۲۔ قدرتی چشموں سے سیراب ہونے والی زمین۔

۳۔ نہر وغیرہ سے قریب تر زمین جو خود نہر سے پانی حاصل کر لیتی ہو۔

ان تینوں کے بارے میں حکم یہ فرمایا کہ ان میں عشر واجب ہے۔

"وما سُقی بالنضح"۔

اور وہ زمین جو اونٹوں سے سیراب ہوتی ہو، **"نضحٌ"** یہ **"ناضح"** کی جمع ہے، **"ناضح"** اس اونٹ کو کہتے ہیں جو زمین کو سیراب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اونٹ کے اوپر پانی رکھ کر لے جاتے ہیں اور پھر اس پانی سے زمین کو سیراب کرتے ہیں۔

تو جو زمین اونٹوں سے سیراب کی جائے اس میں نصف العشر ہے یعنی بیسواں حصہ۔ یہاں آپ نے دونوں قسموں میں تفریق بیان فرمادی کہ جس زمین کو سیراب کرنے کے لئے نہ کوئی محنت کرنی پڑی ہو، نہ کوئی پیسہ خرچ کرنا پڑا ہو تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور جس زمین کو سیراب کرنے میں محنت کرنا پڑی ہو یا پیسے خرچ کرنے پڑے ہوں تو اس میں نصف العشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

وجہ استدلال

یہاں کلمہ **"ما"** استعمال کیا **"فیما سقت السماء"** جو کلمۂ عام ہے یعنی جس چیز کو بھی بارش نے سیراب کیا ہو، اس میں آپ نے کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی بلکہ جو بھی پیداوار ہوگی اس میں اس تفصیل کے مطابق عشر واجب ہوگا جو آپ ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال ہے کہ اس میں آپ نے کوئی نصاب مقرر نہیں فرمایا۔

جمہور کا استدلال

جمہور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اگلے باب

میں روایت کی ہے کہ **"ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة"** کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ حدیث صاف صاف بتا رہی ہے کہ پانچ وسق نصاب مقرر ہے اس سے کم میں صدقہ واجب نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر یہ فرمایا کہ **"فيما سقت السماء"** والی حدیث عام ہے اور **"ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة"** والی حدیث خاص ہے اور حدیثِ خاص حدیثِ عام پر قاضی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حدیثِ عام کو بھی حدیث خاص پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ **"ما سقت السماء"** سے مراد بھی پانچ وسق سے زیادہ والی پیداوار ہے، یہ مراد نہیں کہ اگر پیداوار تھوڑی ہو تو بھی اس پر عشر واجب ہوگا، یہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کے لئے استدلال کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے **"ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة"** والی حدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ایک جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ جو فرمایا کہ خاص عام پر قاضی ہوتا ہے یہ اس وقت ہے جبکہ خاص متأخر ہو اور عام متقدم ہو یعنی عام والی حدیث پہلے آئی ہو اور خاص والی حدیث بعد میں آئی ہو، تب تو یہ کہیں کہ خاص والی حدیث نے عام والی حدیث کو منسوخ کر دیا یا اس میں تخصیص پیدا کر دی، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ حدیثِ خاص پہلے آئی ہو اور حدیثِ عام بعد میں آئی ہو تو عام والی حدیث خاص والی حدیث کے لئے ناسخ قرار دی جائے گی، جبکہ یہاں ان دونوں حدیثوں میں تاریخ کا یقینی علم نہیں ہے کہ کونسی حدیث مقدم ہے اور کون سی مؤخر، لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عام کو مؤخر سمجھ کر اس کو ناسخ قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہر مقدار پر عشر واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی احتیاط پر عمل کیا ہے۔

دوسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے، تو اس حدیث میں عشر کا نصاب بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ یہاں مالِ تجارت کا نصاب بیان کرنا مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں صدقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے نہ کہ عشر کا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بیچنے کے ارادے سے پانچ وسق گندم اپنے پاس رکھی ہوئی ہے تو اس میں تو زکوٰۃ واجب ہے لیکن اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں، اس لئے کہ پانچ وسق گندم دو سو درہم کے برابر ہو جاتی ہے جو کہ چاندی کا نصاب ہے، لہٰذا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، بعض حضرات نے یہ توجیہ بیان کی ہے لیکن یہ دونوں جوابات مضبوط نہیں۔

پہلا جواب اس لئے مضبوط نہیں کہ یہ کہنا کہ خاص عام پر اس وقت قاضی ہوتا ہے جب خاص کا متأخر ہونا ثابت ہو تو یہ اصول مسلّم نہیں، بلکہ بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے کہ خاص مقدم تھا اور عام اس سے مؤخر لیکن مراد اس سے خاص ہی ہوتا ہے۔

دوسرا جواب اس لئے قوی نہیں کہ یہ کہنا کہ پانچ وسق کی مقدار دوسو درہم کی قیمت کے برابر ہوتی ہے یہ بڑا مشکل ہے، اس واسطے کہ پیداوار کی نوعیت تو مقرر نہیں کی گئی، پانچ وسق گندم کے بھی ہو سکتے ہیں، پانچ وسق جو کے بھی ہو سکتے ہیں، پانچ وسق مکئی کے بھی ہو سکتے ہیں، تو پانچ وسق مختلف اجناس کے ہو سکتے ہیں اور یہ کہنا کہ ہر جنس کے پانچ وسق کی مقدار کی قیمت دوسو درہم ہو گی یہ بات قابلِ قبول نہیں، کیونکہ ہمیشہ گندم کی قیمت جو کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ نے پانچ وسق کی مقدار ہر پیداوار کے بارے میں بیان فرمائی ہے اور کسی ایک پیداوار کی خصوصیت نہیں فرمائی، لہٰذا یہ دونوں جواب پسندیدہ نہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ

تیسری توجیہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے اور وہ نسبتاً بہتر ہے، وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے دونوں حدیثوں میں دو مختلف حکم بیان فرمائے ہیں، جس حدیث میں **"ما سقت السماء والعیون"** آیا ہے اور نصاب کی مقدار مقرر نہیں فرمائی اس میں مطلق وجوبِ عشر کا بیان ہے اور جس حدیث میں پانچ وسق کی مقدار مقرر فرمائی ہے، اس سے مراد سرکاری طور پر عشر کی وصولیابی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر پیداوار پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں عشر واجب تو ہے لیکن سلطان وصول نہیں کرے گا بلکہ خود صاحبِ زمین اپنے طور پر ادا کرے گا اور اگر پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا عشر مصدق وصول کرے گا اور اس کی تائید میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ نے عرایا والی احادیث پیش کی ہیں کہ ان میں بھی آنحضرت ﷺ نے پانچ وسق تک عرایا کی اجازت دی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ لوگ پانچ وسق تک کی مقدار عریہ کے طور پر فقراء کو خود ہی دے دیتے تھے چونکہ عریہ اور ہدیہ کے طور پر خود دے دیتے تھے تو گویا اس کا فریضہ (عشر) خود ہی ساقط ہو گیا، اس لئے آپ نے اس حدیث میں مصدق کو تاکید فرمائی کہ تم پانچ وسق سے کم میں صدقہ وصول نہ کرنا، کیونکہ پانچ وسق کی مقدار میں لوگ خود عریہ کے طور پر فقراء اور مساکین کو دے دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پانچ وسق کا جو نصاب ہے وہ مصدق کی طرف سے وصولیابی کا نصاب ہے نہ کہ مطلق وجوبِ عشر کا، مطلق وجوبِ عشر تو ہر قلیل وکثیر پر ہوتا ہے، یہ پہلا مسئلہ تھا جو امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب میں بیان کیا ہے۔ [۹۴]

۹۴ فیض الباری، ج:۳، ص:۴۵، ۴۶۔

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے شہد پر کوئی عشر مقرر نہیں فرمایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور خود امام بخاری رحمہ اللہ علیہ شہد پر عشر کے وجوب کے قائل نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک شہد پر بھی عشر واجب ہے اگر کسی نے شہد کا فارم لگایا اور اس کے اندر مکھیاں لا کر گھسائیں اور پھر اس نے شہد نکالا تو اس کا دسواں حصہ بھی عشر کے طور پر دینا ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی روایت ہے جو ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے جس میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عسل کے بارے میں فرمایا کہ **"فی کل عشرۃ ازقٍ زق"** کہ ہر دس مشکوں میں ایک مشک واجب ہے۔ [۹۵]

ابن ماجہ میں ابوسیارہ المتعی ﷺ کی ایک روایت ہے کہ انہوں نے پھر حضور اکرم ﷺ سے ذکر کیا کہ **"ان لی نحلاً"** میرے پاس شہد کی مکھیاں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا **"ادّ العشر"** یعنی ان کا عشر ادا کرو۔ [۹۶]

اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ استدلال فرماتے ہیں کہ شہد میں بھی عشر واجب ہے۔ [۹۷]

اگرچہ یہ روایتیں سند کے اعتبار سے بہت زیادہ مضبوط نہیں لیکن ان کا مجموعہ بے اصل نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زکوۃ کے بارے میں مسلک یہ ہے کہ جہاں دلائل میں تھوڑا سا بھی تعارض ہو تو وہ اس جہت کو اختیار کرتے ہیں جو انفع للفقراء ہو اور یہاں انفع للفقراء یہ ہے کہ شہد کے اوپر بھی عشر واجب کیا جائے۔ [۹۸]

۱۴۸۳ ۔ حدثنا سعید بن أبی مریم : حدثنا عبداللہ بن وھب قال : أخبرنی یونس ابن یزید ، عن الزھری ، عن سالم بن عبداللہ ، عن أبیہ ﷺ عن النبی ﷺ أنّہ قال: ((فیما سقت السماءُ والعیون أو کان عثریًا : العشر. وما سقی بالنضح : نصف العشر)) .

[۹۵] سنن الترمذی ، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ ﷺ ، باب ماجاء فی زکاۃ العسل ، رقم : ۶۲۹.

[۹۶] سنن ابن ماجہ ، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ العسل ، رقم :۱۸۲۳ ، دارالفکر ، بیروت.

[۹۷] نصب الرایۃ ، ج: ۲، ص: ۳۹۱.

[۹۸] عمدۃ القاری ، ج :۶، ص :۵۲۵.

قال أبو عبدالله : هذا تفسير الأوّل ، لأنه لم يوقّت في الأوّل، يعني حديث ابن عمر: ((فيما سقت السماءُ العشر)) . وبيّن في هذا و وقّت ، والزيادة مقبولةٌ والمفسّر يقضي على المبهم إذا رواه أهل الثبت كما روى الفضل بن عباس : أن النبي ﷺ لم يصل في الكعبة . وقال بلال : ((قد صلّى)) فأخذ بقول بلال ، وترك قول الفضل. [۹۹، ۱۰۰]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"هذا تفسير الأوّل"** ۔ **"هذا"** سے اگلے باب کی طرف اشارہ کررہے ہیں، بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ یہ **"هذا"** ماقبل کی طرف جارہا ہے لیکن یہاں ماقبل کی طرف نہیں جارہا بلکہ **"هذا"** سے مابعد کی طرف اشارہ ہے اور اول سے مراد یہی حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ روایت کررہے ہیں یعنی **"فيما سقت السماء والعيون"** والی حدیث۔

مطلب یہ ہے کہ ابو سعید خدری ﷺ کی حدیث جو اگلے باب میں آرہی ہے وہ اس حدیث کی تفصیل ہے جو یہاں بیان ہو رہی ہے **"لأنه لم يوقّت في الأوّل"** کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے **"فيما سقت السماء"** والی حدیث میں عشر کے وجوب کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی **"وبيّن في هذا ووقّت"** جبکہ اگلے باب کی حضرت ابو سعید خدری ﷺ کی روایت میں مقدار مقرر فرمائی ہے، **"و الزيادة مقبولة"** اور کسی حدیث میں کوئی راوی زائد بات بیان کرے تو اس کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، **"و المفسّر يقضي على المبهم"** اور مفسر قاضی ہوتا ہے مبہم کا تو **"ما سقت السماء"** مبہم ہے اور خمسۃ اوسق مفسر ہے تو مفسر ہی کو اختیار کرنا ہوگا اور اسی کو ترجیح دینی ہوگی۔[۱۰۱]

"إذا رواه أهل الثبت" جبکہ مفسر کو ثقہ لوگ روایت کررہے ہوں **"كما روى الفضل بن عبّاس"** جیسے کہ فضل بن عباس ﷺ نے روایت کی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی تھی اور حضرت بلال ﷺ نے کہا کہ **"قد صلّى"** یعنی آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی **"فأُخذ قولُ بلال وتُرِكَ قول الفضل"** تو حضرت بلال ﷺ کا قول لے لیا گیا اور فضل بن عباس ﷺ کا قول ترک کر دیا گیا کیونکہ حضرت بلال ﷺ خاص طور سے نماز پڑھنے کی روایت بیان فرمارہے تھے تو ان کی روایت مفسر ہے اور فضل بن عباس ﷺ کی روایت مبہم ہے تو اسی طرح پانچ وسق والی روایت مفسر ہے اور **"ما سقت السماء"** والی روایت مبہم اور مفسر مبہم کے لئے قاضی ہوتا ہے۔[۱۰۲]

---

[۹۹] لايوجد للحديث مكررات .

[۱۰۰] وسنن الترمذي ، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب ماجاء في الصدقة فيما يسقى بالأنهار وغيرها ، رقم : ۵۷۹، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة ، باب مايوجب العشر ومايوجب نصف العشر ، رقم: ۲۴۴۲، وسنن أبي داؤد ، كتاب الزكاة، باب صدقة الزرع ، رقم : ۱۳۶۱ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزكاة ، باب صدقة الزروع والثمار ، رقم : ۱۸۰۷ .

[۱۰۱] ، [۱۰۲] عمدة القاري ، ج : ۲ ، ص: ۵۲۹، ۵۳۰ ، وفيض الباري ، ج : ۳،ص: ۴۵، ۴۶ .

(۵٦) باب : ليس فى مادون خمسة أوسق صدقة

۱۴۸۴۔ حدثنا مسدد حدثنا يحيى : حدثنا مالک قال : حدثنى محمد بن عبدالله ابن عبدالرحمن بن أبى صعصعة ، عن أبيه ، عن أبى سعيد الخدرى ﷺ عن النبى ﷺ قال : ((ليس فيما أقل من خمسة أوسق صدقة ، ولا فى أقل من خمسة من الابل الذود صدقة . ولا فى أقل من خمس أواق من الورق صدقة)). [راجع : ۱۴۰۵]

یہی حدیث ہے جس میں پانچ وسق کا ذکر ہے جو مفسّر ہے۔

(۵۷) باب أخذ صدقة التّمر عند صرام النّخل وهل يترک الصّبىُّ فيمسُّ تمر الصدقة

پھل توڑتے وقت کھجور کی زکوٰۃ لینے کا بیان

۱۴۸۵ ۔ حدثنا عمر بن محمد بن الحسن الأسدى : حدثنا أبى : حدثنا إبراهيم ابن طهمان ، عن محمد بن زياد ، عن أبى هريرة ﷺ قال : كان رسول الله ﷺ يؤتى بالتّمر عند صرام النّخل فيجئ هذا بتمره وهذا من تمره حتى يصير عنده كوم من تمر، فجعل الحسن والحسين رضى الله عنهما يلعبان بذلک التمر ، فأخذ أحدهما تمرةً فجعله فى فيه ، فنظر اليه رسول الله ﷺ فأخرجها من فيه ، فقال : ((أما علمت أن آل محمد ﷺ لا يأكلون الصدقة ؟)) .[أنظر : ۱۴۹۱، ۳۰۷۲] ۱۰۳

تشریح

حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کے پاس کھجوریں لائی جاتی تھیں "عند صرام النّخل" کھجوروں کی کٹائی کے وقت۔ "صرام" کے معنی ہیں کٹائی یعنی جب پھلوں کی کٹائی ہوتی تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس کھجوریں لائی جاتی تھیں، "فيجئ هذا بتمره وهذا من تمره" تو یہ اپنی کھجور لا رہا ہے وہ اپنی کھجور لا رہا ہے "حتى يصير عنده كوم من تمر" یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس کھجوروں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔

۱۰۳ و فى صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى اله وهم بنو هاشم وبنو المطلب دون غيرهم ، رقم : ۱۷۷۸ ، ومسند احمد ، باقى مسند المكثرين، باب مسند ابى هريرة ، رقم: ۷۴۳۱، ۸۸۹۹، ۸۹۴۰، ۹۳۵۱، ۹۶۴۵، ۹۷۸۵، وسنن الدارمى ، كتاب الزكاة ، باب الصدقة لاتحل للنبى ولا لأهل بيته، رقم : ۱۵۸۵ .

حنفیہ کی دلیل

یہاں یہ حدیث حضرات حنفیہ کی دلیل ہے کہ کسی بھی پھل یا پیداوار کا عشر اس کی کٹائی کے بعد وصول کیا جائے گا اور یہی بات قرآنِ کریم میں بھی فرمائی گئی ہے **"فاٰتوا حقه یوم حصاده"** اس میں بھی کٹائی کا ذکر ہے، لہٰذا یہ حدیث اور یہ آیتِ کریمہ ان فقہاء کرام کے خلاف حجت ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ کٹائی سے پہلے ہی سلطان کسی آدمی کو باغات میں بھیج دے گا اور وہ اندازہ لگائے گا جس کو خرص کہتے ہیں جس کا ذکر پیچھے آیا تھا اور اسی خرص کے مطابق عشر وصول کرلے گا۔

یہ مسئلہ میں نے وہاں باب خرص التمر میں بیان نہیں کیا تھا حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ اس باب سے اسی طرف اشارہ کرنا تھا کہ بعض فقہاء کرام کا مسلک یہ ہے کہ کٹائی سے پہلے ہی کسی شخص کو خارص بنا کر بھیجیں گے اور وہ اندازہ کرکے جتنی مقدار اپنے اندازے میں مقرر کرے گا اتنی مقدار بطورِ عشر اسی وقت وصول کرلے گا کٹائی کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ استدلال کرتے ہیں ان احادیث سے جن میں یہ آتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کٹائی سے پہلے خارصوں (اندازہ کرنے والوں) کو مختلف باغات اور کھیتوں میں بھیجا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اسی مقصد کے لئے خیبر بھیجا تھا تو وہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر خرص کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی بنیاد پر زکوٰۃ وغیرہ وصول نہیں کی جاسکتی تو پھر خرص کا فائدہ کیا ہوا؟

خارِص کی شہادت/ ناظر کی رپورٹ

حضراتِ حنفیہ کا کہنا ہے کہ خرص کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ پہلے سے پتہ چل جائے کہ اس سال اتنا پھل آنے والا ہے اور اس سے اتنا عشر وصول ہوگا تو خرص کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایک اندازہ قائم ہوجاتا ہے۔

دوسرا فائدہ اس سے یہ ہے کہ جب خارص نے جاکر اندازہ کرلیا کہ فلاں باغ سے اتنا پھل نکلنے والا ہے تو بعد میں اگر باغ والا عشر کی ادائیگی سے بچنے کے لئے پھل وغیرہ کو چھپانا چاہے گا تو اس کے پاس پھل چھپانے کا موقع نہیں ہوگا، کیونکہ پہلے سے ایک آدمی اندازہ کرکے جاچکا ہے کہ اس میں اتنا پھل آنے والا ہے، اب اگر مالک پھل چھپائے گا تو خارص کہے گا کہ ابھی دو تین مہینے پہلے میں دیکھ کر گیا تھا تو اب اس سے پھل اتنا کم کیوں ہوگیا۔ خرص کا مقصد صرف یہ ہے۔ لیکن عشر کی ادائیگی میں حقیقی وزن یا حقیقی کیل کا اعتبار ہے جو کٹائی کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے جس کی دلیل قرآنِ کریم کی آیت **"و آتوا حقه یوم حصاده"** اور یہ حدیث ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی **"باب خرص التمر"** قائم تو کیا تھا لیکن وہ حدیث نہیں لائے جس میں حضور ﷺ کا کسی کو خارص بنا کر بھیجنا منقول ہے، بلکہ وہاں تبوک والا قصہ روایت کردیا ہے اور تبوک والے قصے

میں عشر وصول کرنے والی کوئی بات تو تھی نہیں، تو غالباً اسی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ خرص کی بنیاد پر وصولیابی درست نہیں ہے بلکہ حقیقی وزن اور کیل کی بنیاد پر وصولیابی ہونی چاہئے۔

"وهل يترک الصبیُّ فيمسُّ تمر الصدقة"۔

کیا جائز ہے بچہ کو چھوڑ دیا جائے تا کہ صدقہ کے کھجوروں میں سے لے لے؟

"فجعل الحسن والحسين رضی الله عنهما يلعبان بذٰلک التمر" کھجوروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے تو حضراتِ حسنینؓ اس سے کھیلنے لگے **"فاخذ احدهما تمرةً فجعله في فيه"** ان میں سے ایک نے ایک کھجور اٹھائی اور اپنے منہ میں رکھ لی **"فنظر إليه رسول الله ﷺ"** رسول کریم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا **"فاخرجها من فيه"** تو ان کے منہ سے وہ کھجور نکال دی **"فقال: أما علمت أن آلِ محمد ﷺ لا يأكلون الصدقة"** اور آگے حدیث آرہی ہے کہ آپ نے فرمایا **"کخ کخ"** یعنی اس کو نکالنے کے لئے آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ آلِ محمد ﷺ صدقہ نہیں کھاتے۔

(۵۸) باب: من باع ثماره أو نخله أو أرضه أو زرعه، وقد وجب فيه العشر أو الصّدقة فأدّى الزّكاة من غيره، أو باع ثماره ولم تجب فيه الصّدقة.

جس نے اپنا پھل، درخت، زمین یا کھیتی کو بیچا اور اس میں عشر یا زکوٰۃ واجب تھی
تب دوسرے مال سے زکوٰۃ دے، یا پھل بیچے جس میں صدقہ واجب نہ تھا

مقصدِ ترجمہ

اس ترجمۃ الباب کا مقصود یہ ہے کہ جس کسی زرعی پیداوار پر عشر واجب ہو جاتا ہے چاہے پھل ہوں یا ترکاریاں وغیرہ ہوں تو اگر چہ عشر اس خاص پھل پر واجب ہوا لیکن صاحبِ تمر کے ذمہ یہ ضروری نہیں ہے کہ عشر اسی پھل میں سے ادا کرے بلکہ جس پھل سے چاہے ادا کر سکتا ہے، چاہے اسی پھل میں سے ادا کرے، چاہے بازار سے کوئی پھل خرید کر اس سے ادا کرے، چاہے اس کی قیمت دے دے، لہٰذا اسی پھل میں سے عشر نکالنا کوئی ضروری نہیں اور جب اس پھل میں سے عشر نکالنا ضروری نہیں تو یہ بھی جائز ہے کہ عشر نکالنے سے پہلے باغ کا سارا پھل بیچ دے۔ اس لئے کہ پھل تو اگر چہ بیچ دیا لیکن عشر کی جو مقدار اس پر واجب ہے وہ بعد میں ادا کر دے گا یا تو نقد کی صورت میں یا بازار سے اتنا ہی پھل خرید کر، لہٰذا کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی میں سے ادا کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی تردید

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے

اس قول کی تردید فرمائی ہے جس کی رو سے اگر پیداوار پر زکواۃ واجب ہوگئی ہو تو ادائیگی سے پہلے اسے بیچنا جائز نہیں، بیع فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں مملوک وغیر مملوک کی اکھٹی بیع لازم آئیگی، اس لئے کہ مقدارِ عشر صاحبِ زمین کے بجائے مساکین کی ملکیت ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ملکیت تو مالک ہی کی ہے، البتہ اس پر مساکین کا حق ہے، لہٰذا بیع مالا یملک لازم نہیں آتی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول بھی اسی کے مطابق ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے "**بیع الثمرة قبل أن یبدو صلاحها**" سے منع فرمایا ہے، جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ "**بیع الثمرة بعد بدوّ الصلاح**" جائز ہے تو بدوّ صلاح کے بعد آپ ﷺ نے ثمرہ کی بیع جائز قرار دی اور اس میں یہ شرط نہیں لگائی کہ یہ بیع اس وقت جائز ہوگی جب لوگ بیع سے پہلے عشر نکال چکے ہوں بلکہ مطلقاً جائز قرار دیا تو اگر اسی پھل سے عشر نکالنا ضروری ہوتا تو آپ بغیر عشر نکالے اس پھل کو بیچنے کی اجازت نہ دیتے اور چونکہ بیع کی اجازت دی ہے تو معلوم ہوا کہ اسی پھل میں سے عشر نکالنا ضروری نہیں بلکہ دوسرے پھلوں سے یا نقد سے بھی عشر ادا کیا جاسکتا ہے، یہ ترجمۃ الباب کا مقصود ہے۔

چنانچہ فرمایا "**من باع ثماره أو نخله أو أرضه أو زرعه وقد وجب فیه العشر أو الصدقة**" یعنی عشر واجب ہونے کے بعد جس طرح پھل اور درخت بیچ سکتا ہے، اسی طرح زمین اور کھیت بھی بیچ سکتا ہے۔ "**فأدّی الزکاة من غیره**" بعد میں یہ بیچنے کے بعد اس پھل کے علاوہ کسی دوسرے پھل یا کسی اور ذریعے سے زکوٰۃ ادا کردے تو ایسا کرنا جائز ہے "**أو باع ثماره ولم تجب فیه الصدقة**" اور یہ بھی جائز ہے کہ صدقہ کے واجب ہونے سے پہلے ہی پھل کو بیچ دے اور صدقہ واجب ہوتا ہے حصاد (کاٹنے) کے وقت، تو صدقہ واجب ہونے سے پہلے پھل بیچنا بھی جائز ہے۔

"**وقول النبی ﷺ: ((لا تبیعوا الثمرة حتی یبدو صلاحها)) فلم یحظر البیع بعد الصّلاح علی أحد، ولم یخصّ من وجبت علیه الزّکاة ممّن لم تجب**".

آپ ﷺ نے بدوّ صلاح کے بعد کسی کے لئے بھی بیع کو منع نہیں کیا "**ولم یخصّ من وجبت علیه الزّکاة ممّن لم تجب**" اور مخصوص نہیں فرمایا کہ بھئی! جس پر زکوٰۃ واجب ہوگئی ہو وہ نہ بیچے اور جس پر واجب نہ ہوئی ہو وہ بیچ دے، ایسی کوئی تفصیل آپ نے بیان نہیں فرمائی تو معلوم ہوا کہ بیچنا ہر صورت میں جائز ہے اور ہر صورت میں جائز ہونے کا لازمی نتیجہ ہی ہے کہ عشر دوسری چیزوں سے بھی ادا ہوسکتا ہے۔

یہ استدلال تو امام بخاری رحمہ اللہ کر رہے ہیں جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں، لیکن حنفیہ کے ہاں مفہومِ مخالف کو مسکوت عنہ سمجھا جاتا ہے اور مسکوت عنہ کا حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ اصل کی طرف لوٹتا ہے اور اصل چونکہ اشیاء

میں اباحت ہے تو اگر قید لگائی گئی ہے "قبل أن یبدوا صلاحُها" تو قبل بدوّ صلاح تو ممنوع ہوگیا اور بعد بدوّ صلاح مسکوت عنہ ہوگیا اور مسکوت عنہ اصل کی طرف لوٹتا ہے اور اشیاء میں اصل اباحت ہے، لہٰذا یہاں بھی اباحت ہوگی۔

۱۴۸۶۔ حدثنا حجاج : حدثنا شعبة : أخبرني عبدالله بن دينار قال : سمعت ابن عمر رضي الله عنهما: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمرة يبدو صلاحها. وكان اذا سئل عن صلاحها قال: ((حتى تذهب عاهته)) . [أنظر :۲۱۸۳، ۲۱۹۴، ۲۱۹۹، ۲۲۴۷، ۲۲۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ ان کا قابل انتفاع ہونا ظاہر ہو جائے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ قابل انتفاع ہونا کیا چیز ہے؟ تو کہتے کہ اس کی آفت جاتی رہے۔

۱۴۸۷۔ حدثنا عبدالله بن يوسف : حدثني الليث : حدثني خالد بن يزيد ، عن عطاء بن أبي رباح ، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها . [أنظر :۲۱۸۹، ۲۱۹۶، ۲۳۸۱]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے۔

۱۴۸۸۔ حدثنا قتيبة ، عن مالك، عن حميد ، عن أنس بن مالك رضي الله عنه : أن رسول الله نهى عن بيع الثمار حتى تزهى قال : حتى تحمار . [أنظر : ۲۱۹۵، ۲۱۹۷، ۲۱۹۸، ۲۲۰۸]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ رنگین ہو جائیں یعنی سرخی آ جائے۔[۱۰۴]

(۵۹) باب : هل يشترى صدقته ؟ ولا بأس أن يشترى صدقة غيره

کیا اپنے صدقہ کے مال کو خرید سکتا ہے؟ اور غیروں کے صدقہ کو خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں

"لأن النبي ﷺ إنما نهى المتصدق خاصة عن الشراء ، ولم ينه غيره"

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف صدقہ دینے والے کو خریدنے سے منع فرمایا ہے اور دوسروں کو منع نہیں فرمایا۔

یہ باب قائم کیا ہے کہ کیا کوئی شخص اپنا صدقہ خرید سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی کوئی چیز کسی فقیر کو صدقہ کردی، بعد میں اسی فقیر سے اگر پیسے دے کر خریدنا چاہے تو ایسا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

پہلے تو یہ بتا رہے ہیں کہ اگر صدقہ کرنے والا کوئی اور ہو، اور خریدنے والا کوئی اور ہو تو اس صورت کے جواز میں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں، مثلاً زید نے عمرو پر صدقہ کیا پھر عمرو نے وہ صدقہ والی چیز بکر کو بیچ دی تو بکر کے لئے

[۱۰۴] ان احادیث کی تشریح اور اختلاف ائمہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۶، ص:۳۶۳۔

خریدنا بالاجماع جائز ہے اوراس میں کوئی شبہ نہیں، **"ولا بأس أن يشترى صدقة غيره"** کے یہ معنی ہیں۔

لیکن اگر زید نے عمرو کو صدقہ کیا اور پھر زید عمرو ہی سے خود پیسے دے کر وہ چیز خریدنا چاہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس کے لئے یہ باب قائم کیا کہ **"هل يشترى صدقته"** اور استفہام کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

ائمہ کی آراء

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ اپنا صدقہ خریدنا جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں اگر محاباۃ کے ساتھ خریدے تو جائز نہیں۔

محاباۃ

محاباۃ کا مطلب ہے بازاری قیمت سے کم میں خریدنا، کسی کو صدقہ دیا تو وہ بیچارہ ویسے ہی بارِ احسان میں ہے تو اس سے کہا کہ مجھے بیچ دے اور وہ صدقہ کی بنا پر اس کے ساتھ رعایت کرے، تو رعایت کے ساتھ اگر خریدے تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر بازاری قیمت پر خریدے تو حرام تو نہیں البتہ مکروہِ تنزیہی ہے۔

مسئلہ: مکروہ تنزیہی

محاباۃ کی صورت میں اگر خریدتا ہے تو اس کی حرمت واضح ہے، کیونکہ اپنا صدقہ لے رہا ہے تو کم از کم اس کا کچھ حصہ تو بلا معاوضہ ہی آیا تو اس لئے ناجائز ہوا، لیکن اگر محاباۃ نہ ہو تو حنفیہ کہتے ہیں کہ تبدّلِ مِلک تبدلِ عین کا سبب ہوتا ہے، جب صدقہ فقیر کے پاس پہنچ گیا تو وہ اس کی مِلک بن گیا اور جب اس کی ملک بن گیا تو وہ چیز ہی بدل گئی جب کہ آگے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آرہی ہے کہ **"لک صدقة ولنا هدية"** تو تبدّلِ ملک سے تبدّلِ عین ہو گیا، لہٰذا اگر بیع بازاری قیمت پر ہو تو حرام نہیں، لیکن مکروہِ تنزیہی ہے کہ آدمی گویا ایک چیز صدقہ کرنے کے بعد پھر اس لالچ میں ہے کہ وہ چیز اسے دوبارہ مل جائے چاہے پیسوں ہی سے صحیح۔ گویا صدقہ کرنے کے بعد پچھتا رہا ہے کہ کیوں میں نے صدقہ میں دے دی تو اپنے صدقہ پر پچھتانا یا ندامت کا اظہار کرنا یا اس میں طمع کرنا یہ مکروہِ تنزیہی ہے۔

۱۴۸۹ ـ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن سالم، أن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما كان يحدث: أن عمر بن الخطاب تصدق بفرس في سبيل الله، فوجده يُباعُ، فأراد أن يشتريه، ثم أتى النبي ﷺ فاستأمره فقال: ((لا تعد في صدقتك)). فبذلك كان ابن عمر رضى الله عنهما لا يترك أن يبتاع شيئاً

تصدق به إلّا جعله صدقةً .[أنظر: ۲۷۷۵، ۲۹۷۱، ۳۰۰۲]. ۱۰۵

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ حضرت عمرؓ کے واقعے سے استدلال کر رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک گھوڑا صدقہ کیا تھا بعد میں دیکھا کہ جس کو صدقہ دیا تھا وہ اس گھوڑے کو ٹھیک ٹھاک رکھ نہ سکا اور صحیح استعمال نہ کر سکا یا اس سے گم ہو گیا، حدیث میں الفاظ آتے ہیں **"فاضاعه"** یعنی اس نے اس کو ضائع کر دیا، ضائع کرنے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ گم کر دیا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ٹھیک سے اسے محفوظ نہ رکھ سکا اور اس کی قدر پہچان نہ سکا اور ایسے ہی کسی کے ہاتھ اونے پونے بیچ دیا، تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ گھوڑا بازار میں بک رہا ہے اور گھوڑا اچھا تھا اس لئے ان کا ارادہ ہوا کہ میں ہی کیوں نہ خرید لوں۔

چنانچہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"لا تعد في صدقتک"** تم اپنے صدقہ میں دوبارہ عود نہ کرو۔ اس کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خود خریدنا جائز نہیں۔

حنفیہ کی توجیہ

حنفیہ فرماتے ہیں کہ آگے حدیث میں صراحت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کو محاباۃ اور رعایت کے ساتھ بیچ رہا تھا تو رعایت کے ساتھ خریدنا جائز نہیں اور اگر رعایت کے ساتھ نہ بیچا ہوتا تب بھی اگر حضور ﷺ یہ فرماتے کہ **"لا تعد في صدقتک"** یہ اس بات کی صریح دلیل نہ ہوتی کہ اپنے صدقے کو کسی حال میں خریدنا جائز نہیں، کیونکہ یہ کراہت تنزیہی پر محمول ہو سکتا ہے، للہٰذا اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکالنا کہ اپنے صدقے کو کسی بھی حال میں خریدنا جائز نہیں، یہ درست نہیں۔

۱۴۹۰ - حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك بن أنس ، عن زيد بن أسلم ، عن أبيه قال: سمعت عمر بن الخطاب ؓ يقول: حملت على فرس في سبيل الله فأضاعه الذي كان عنده ، فأردت أن أشتريه فظننت أنّه يبيعه برخص. فسألت النبي ﷺ فقال : ((لا تشتر ولا تعد في صدقتک ، وإن أعطاكه بدرهم ، فإن العائد في صدقته كالعائد في

---

۱۰۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الهبات ، باب كراهية شراء الانسان ماتصدق به ممن تصدق عليه، رقم : ۳۰۴۶، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة ، باب شراء الصدقة ، رقم : ۲۵۷۰، وسنن أبي داؤد ، كتاب الزكاة باب الرجل يبتاع صدقته، رقم : ۱۳۵۸ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم : ۴۲۹۲، ۴۶۶۸، ۴۹۳۰، ۵۵۳۴، وموطأ امام مالك ، كتاب الزكاة ، باب اشتراء الصدقة والعود فيها، رقم : ۵۵۱.

قيئه)). [أنظر: ۲۶۲۳، ۲۶۳۶، ۲۹۷۰، ۳۰۰۳].[۱۰۶]

ترجمہ: حضرت اسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے اللہ ﷻ کے راستہ میں ایک گھوڑا دیا۔ جس شخص کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے اس کو خراب کردیا، تو میں نے اسے خریدنا چاہا اور میں نے سمجھا کہ وہ اسے سستا بیچ دے گا، تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے نہ خریدو اور اپنے صدقہ کو واپس نہ لو، اگر چہ وہ تم کو ایک درہم میں دے، اس لئے کہ صدقہ دے کر واپس لینے والا اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قے کو کھائے۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ **"فظننت أنه يبيعه برخص"** حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے گمان کیا کہ وہ مجھے سستے داموں بیچ دے گا، تو یہی حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر سستے داموں بیچ رہا ہے تو پھر جائز نہیں۔ اوپر جو حدیث آئی تھی اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ **"فبذلک کان ابن عمر رضی اللہ عنهما لا يترک أن يبتاع شيئاً تصدق به إلا جعله صدقة"** حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول یہ تھا کہ وہ کسی صدقہ دی ہوئی چیز کو نہیں خریدتے تھے لیکن اگر کبھی لاعلمی میں خرید لیتے تو پھر اس کو نہیں چھوڑتے تھے مگر پھر بعد میں اس کو دوبارہ صدقہ کردیتے تھے۔ یہاں یہ قید نہیں ہے کہ سستا خریدتے تو دوبارہ صدقہ کرتے، ورنہ نہ کرتے، لہٰذا یہ ان کے تورع پر محمول ہے۔ کیونکہ اپنے کئے ہوئے صدقے کو خریدنا صورۃً اس بات کی علامت محسوس ہوتا ہے کہ گویا انسان اپنے صدقے پر پچھتا رہا ہے۔

(۶۱) باب الصّدقة على موالى أزواج النبى ﷺ

ازواج نبی کریم ﷺ کے غلاموں کو صدقہ دینے کا بیان

۱۴۹۲ ۔ حدثنا سعيد بن عفير : حدثنا ابن وهب ، عن يونس ، عن ابن شهاب : حدثني عبيد الله بن عبدالله ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : وجد النبی ﷺ شاةً ميتةً أعطيتها مولاة لميمونة من الصّدقة ، قال النبی ﷺ : ((هلّا انتفعتم بجلدها ؟)) قالوا:

[۱۰۶] وفی صحيح مسلم، كتاب الزكاة ، باب كراهية شراء الانسان ما تصدق به ممن تصدق عليه ، رقم: ۳۰۴۴، و سنن الترمذی ، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب ماجاء فی كراهية العود فی الصدقة ، رقم : ۶۰۴، وسنن النسائی، كتاب الزكاة ، باب شراء الصدقة ، رقم : ۲۵۶۸، وسنن أبی داؤد، كتاب الزكاة ، باب الرجل يبتاع صدقه،رقم : ۱۳۵۸، وسنن ابن ماجه ، كتاب الاحكام ، باب من تصدق بصدقة فوجدها تباع هل يشتريها ،رقم : ۲۳۸۳، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب أول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۱۶۱، ۲۴۹، ۲۶۸، ۳۶۱، وموطأ امام مالک ، كتاب الزكاة ، باب اشتراء الصدقة والعود فيها ، رقم : ۵۵۰.

إنها ميتة . قال : ((إنّما حرم أكلها)) . [أنظر : ۲۲۲۱ ، ۵۵۳۱ ، ۵۵۳۲] ۱۰۷

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مری ہوئی بکری پائی، جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو خیرات میں دی گئی تھی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کی کھال سے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا، لوگوں نے عرض کیا وہ تو مردار تھی، آپ ﷺ نے فرمایا، حرام تو مردار کا کھانا ہے۔

موالی کی تعریف اور صدقہ کا حکم

''موالی'' جمع ہے ''مولیٰ'' کی جس کا اطلاق بہت سے معانی پر آتا ہے۔

۱۔ ''ورثہ'' یعنی وہ عصبات جو ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کی وارث ہوتے ہیں، اگر میت کے ذوی الفروض نہ ہوں تو کل مال کے وارث ہوتے ہیں۔

۲۔ مولی الیمین یعنی جس کو معاہدہ کے ذریعہ دوست وحقدار بنایا، حلیف۔

۳۔ چچا کے بیٹے۔

۴۔ وہ مالک ومحسن جو غلام کو آزاد کرنے والا ہے۔

۵۔ نیز وہ غلام جس کو آزاد کردیا گیا ہو۔

۶۔ دینی دوست وغیرہ۔

یہاں موالی سے مراد آزاد کردہ غلام ہیں اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے جو موالی ہیں وہ تو بنو ہاشم کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان کے لئے صدقہ لینا حلال نہیں لیکن آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے جو موالی ہیں ان کے لئے صدقہ لینا حلال ہے۔

چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک مولاۃ تھیں، اس کو صدقے میں سے ایک بکری دی گئی تھی، تو معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات کے موالی کے لئے صدقہ حلال ہے۔

---

۱۰۷ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحيض ، باب طهارة الجلود الميتة بالدباغ ، رقم : ۵۴۲ ، وسنن الترمذي ، كتاب اللباس عن رسول الله ، باب ماجاء في جلود الميتة اذا دبغت ، رقم : ۱۶۴۹ ، وسنن النسائي ، كتاب الفرع والعتيرة ، باب جلود الميتة ، رقم : ۴۱۶۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب اللباس ، باب في أهب الميتة ، رقم : ۳۵۹۲ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب اللباس ، باب لبس جلود الميتة اذا دبغت ، رقم : ۳۶۰۰ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۱۸۹۹ ، ۲۲۵۱ ، ۳۳۰۹ ، ۲۳۷۴ ، ۲۳۹۱ ، ۲۴۰۷ ، ۲۸۶۱ ، ۲۸۹۰ ، ۳۲۷۳ ، ۳۲۸۲ ، موطأ امام مالك ، كتاب الصيد ، باب ماجاء في جلود الميتة ، رقم : ۹۴۲ ، وسنن الدارمي ، كتاب الأضاحي ، باب الاستمتاع الجلود الميتة ، رقم : ۱۹۰۵ .

۱۴۹۳۔ حدثنا آدم : حدثنا شعبة : حدثنا الحكم ، عن إبراهيم ، عن الأسود ، عن عائشة رضى اللّٰه عنها : أنّها أرادت أن تشترى بريرة للعتق ، وأراد مواليها أن يشترطوا ولاء ها ، فذكرت عائشة للنبى ﷺ ، فقال لها النبى ﷺ : ((اشتريها فإنّما الولاءُ لمن أعتق)) . قالت : وأتى النبى ﷺ بلحم فقلت : هٰذا ما تصدق به على بريرة . فقال : ((هو لها صدقة ولنا هدية)). [راجع: ۴۵۶]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لئے خریدنا چاہا اور اس کے مالک نے یہ شرط کرنا چاہے کہ اس کی ولاء ان لوگوں کی ہوگی، حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بیان کیا تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اس کو خرید لو۔ ولاء تو اسی کی ہے جو آزاد کرے۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا تو میں نے کہا یہ تو وہی ہے، جو بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ میں ملا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

حدیث کا مطلب

اس حدیث میں بھی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مولاۃ تھیں مگر ان پر صدقہ کو آپ نے جائز قرار دیا تو معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات کے موالی کے لئے صدقہ جائز ہے۔

(۶۲) باب: إذا تحوّلت الصّدقة

جب صدقہ کی حیثیت بدل جائے

۱۴۹۴۔ حدثنا على بن عبداللّٰه : حدثنا يزيد بن زريع : حدثنا خالد ، عن حفصة بنت سيرين ، عن أمّ عطية الأنصارية رضى اللّٰه عنها قالت : دخل النبى ﷺ على عائشة رضى اللّٰه عنها فقال : ((هل عندكم شيءٌ ؟)) فقالت : لا ، إلّا شيءٌ بعثت به إلينا نسيبة من الشّاة الّتى بعثت بها من الصّدقة . فقال : ((إنّها قد بلغت محلّها)) . [راجع: ۱۴۴۶].

۱۴۹۵۔ حدثنا يحيى بن موسى : حدثنا وكيعٌ : حدثنا شعبة ، عن قتادة ، عن أنس ؓ : أنّ النبى ﷺ أتى بلحم تصدق به على بريرة فقال : ((هو عليها صدقةٌ و هو لنا هديةٌ)) . و قال أبو داؤد : أنبأنا شعبة ، عن قتادة ، سمع أنساً ؓ عن النبى ﷺ. [أنظر: ۲۵۷۷] ۱۰۸

۱۰۸ وفى صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب اباحة الهدية للنبى ولبنى هاشم وبنى المطلب ، رقم : ۱۷۸۶ ، وسنن النسائى ، كتاب العمرى ، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها ، رقم : ۳۷۰۰ ، وسنن أبى داؤد ، كتاب الزكاة ، باب الفقير يهدى للغنى من الصدقة ، رقم : ۱۴۱۱ ، ومسند أحمد ، باقى مسند المكثرين ، باب أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۷۱۵ ، ۱۱۸۷۵ ، ۱۲۳۹۳ .

یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے کہ حضور ﷺ نے نُسَیبہ کے پاس صدقہ کی بکری بھیجی تھی اور انہوں نے بکری کا کچھ گوشت حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے وہ صدقہ تو اپنے محل تک پہنچ گیا تو اب ہمارے لئے کھانا جائز ہے۔

اس سے بھی اوپر والے مسئلے میں حنفیہ کی دلیل بنتی ہے کہ جب متصدق علیہ سے دیا ہوا صدقہ بطورِ ہبہ قبول کرنا جائز ہے تو خریدنا بطریق اَولیٰ جائز ہوگا۔

(۶۳) باب أخذ الصّدقة من الأغنياءِ . وتردّ فى الفقراء حيث كانوا

مالداروں سے صدقہ لینے کا بیان اور فقراء کو دیا جائے جہاں بھی ہو

۱۴۹۶ ـ حدثنا محمّد أخبرنا عبدالله : أخبرنا زكريا بن إسحاق ، عن يحيى بن عبدالله بن صيفى ، عن أبى معبد مولى ابنِ عباس عن ابن عباسٍ رضى الله عنهما قال : قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن : ((انّک ستأتى قوماً أهل كتاب ، فإذا جئتهم فادعهم إلى أن يشهدوا أن لا إله إلّا الله ، وأنّ محمداً رسول الله . فإن هم أطاعوا لک بذٰلک فأخبرهم أنّ الله قد فرض عليهم خمس صلوات فى كلّ يومٍ وليلةٍ . فإن هم أطاعوا لک بذٰلک فأخبرهم أنّ الله قد فرض عليهم صدقةً تؤخذ منْ أغنيائهم . فتردّ على فقرائهم . فإن هم أطاعوا لک بذٰلک فإيّاک وكرائم أموالهم . واتّق دعوة المظلوم ، فإنه ليس بينها وبين الله حجابٌ)) . [راجع: ۱۳۹۵]

منشاءِ بخاریؒ

یہ حدیث بھی پہلے گذر گئی ہے یہاں لانے کا منشأ یہ ہے کہ حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ **"تؤخذ من أغنيائهم فتردُ على فقرائهم"** دونوں میں **"هم"** ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہو رہی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اغنیاء مسلمین سے لے کر فقراء مسلمین کو دیا جائے گا۔

زکوٰۃ کی منتقلی کا حکم

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ کسی بھی جگہ کے مسلمانوں کو زکوٰۃ دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ جس شہر میں زکوٰۃ نکالنے والا موجود ہے اسی شہر کے فقراء کو دے۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے والا اگر کراچی کا ہے تو کراچی ہی کے فقراء کو دے، بغیر ضرورت کے دوسرے شہر میں بھیجنا جائز نہیں، مگر یہ کہ اس شہر میں

کوئی مستحق زکوٰۃ نہ رہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ دوسرے شہر میں بھی بھیج سکتا ہے اور کسی جگہ کے فقیر کو بھی دے سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ ایک علاقہ کی زکوٰۃ بلاضرورت دوسرے شہر کی طرف منتقل نہ کی جائے، لیکن اگر دوسرے شہر کی فقراء کی احتیاج سخت شدید ہو یا اس شخص کے اعزہ واقرباء غریب اور مستحق زکوٰۃ ہوں اور وہ کسی دوسرے شہر یا ملک میں رہتے ہوں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، بلکہ اس دوسری صورت میں نبی کریم ﷺ نے دوہرے اجر وثواب کی خبر دی ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تائید کر رہے ہیں کہ ہاں صدقہ وغیرہ دوسری جگہ بھی بھیجا جا سکتا ہے کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ نے **"تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم"** فرمایا ہے اور شہر وغیرہ کی کوئی خصوصیت بیان نہیں فرمائی، چنانچہ باب قائم فرمایا **"باب أخذ الصّدقة من الأغنياءِ وتردّ في الفقراء حيث كانوا"** یعنی فقراء جہاں کہیں بھی ہوں ان کو زکوٰۃ وغیرہ دی جا سکتی ہے۔[109]

(۶۴) باب صلاة الامام. ودعائه لصاحب الصدقة،

امام کا صدقہ دینے والے کے لئے دعائے خیر وبرکت کرنے کا بیان

وقوله تعالىٰ: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط﴾ [التوبة : ۱۰۳]

ترجمہ: لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس کی وجہ سے اور دعا دے ان کو بیشک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے۔[110]

[109] ((حيث كانوا))، يشعر بأنه اختار جواز نقل الزكاة من بلد الى بلد، وفيه خلاف، فعن الليث بن سعد وأبي حنيفة وأصحابه جوازه، ونقله ابن المنذر عن الشافعي واختاره، والأصح عند الشافعية والمالكية ترك النقل، فلو نقل أجزأ عند المالكية على الأصح، ولم يجزئ عند الشافعية على الأصح الا اذا فقد المستحقون لها. وقال الكرماني: الظاهر أن غرض البخاري بيان الامتناع، أي: ترد على فقراء أولئك الأغنياء، أي: في موضع وجد لهم الفقراء، والا جاز النقل، ويحتمل أن يكون غرضه عكسه. عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۵۵۲.

[110] توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی اس پر مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک قسم کی روحانی کدورت وظلمت وغیرہ جو گناہ کا طبعی اثر ہے وہ ممکن ہے باقی رہ جاتی ہو جو بالخصوص صدقہ اور عموماً حسنات کے مباشرت سے زائل ہوتی ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک وصاف کرتا اور اموال کی برکت بڑھاتا ہے۔ (''زکوٰۃ'' کے لغوی معنی نماء یعنی بڑھنے کے ہیں) اور ایک بڑا فائدہ صدقہ کرنے میں یہ تھا کہ صدقہ کرنے والوں کو حضور ﷺ دعائیں دیتے تھے جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا، بلکہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی۔ اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ لائے امام المسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اس کے لئے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ ''صلوٰۃ'' کا استعمال نہ کرے جو حضور ﷺ کا مخصوص حق تھا۔ تفسیر عثمانی، سورۃ التوبۃ، آیت: ۱۰۳۔

۱۴۹۷۔ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن عبدالله بن أبی أوفی قال: كان النبی ﷺ اذا أتاه قوم بصدقتهم قال: ((اللّٰهم صلّ علی فلان)) فأتاه أبی بصدقته، فقال: ((اللّٰهم صلّ علی آل أبی أوفی)). [أنظر: ۴۱۶۶، ۶۳۳۲، ۶۳۵۹] [۱۱۱]

ترجمہ: عبداللہ بن ابی اوفی نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی جماعت صدقہ لے کر آتی تو آپ ﷺ فرماتے، اے اللہ! آل فلاں پر اپنی رحمت نازل فرما چنانچہ میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما۔

(۶۵) باب ما يستخرج من البحر

اس مال کا بیان جو سمندر سے نکالا جائے

"وقال ابن عباس رضی الله عنهما: ليس العنبر بركازٍ إنّما هو شيءٌ دسره البحر. وقال الحسن: فی العنبر واللّؤلؤ الخمس، فإنّما جعل النبی ﷺ فی الرّكاز الخمس ليس فی الذی يصاب فی الماءِ".

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عنبر رکاز نہیں یہ تو ایسی چیز ہے جسے سمندر پھینک دیتا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے کہا کہ عنبر اور موتی میں پانچواں حصہ ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے رکاز میں پانچواں حصہ مقرر کیا، اس چیز میں نہیں ہے جو سمندر میں پائی جائے۔

سمندر سے جو پیداوار نکالی جائے جیسے موتی ہیں یا عنبر وغیرہ تو اس پر نہ زکوٰۃ واجب ہے نہ عشر، ہاں اگر کوئی ان کی تجارت کرے گا تو پھر مالِ تجارت کے احکام اس پر جاری ہوں گے، لیکن مطلق جب سمندر سے نکالی اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

یہی حنفیہ اور جمہور کا مسلک ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

وقال الحسن: "فی العنبر و اللؤلؤ الخمس" حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سمندر سے نکالے ہوئے موتیوں اور عنبر وغیرہ میں خمس دینا ہوگا، وہ گویا اس کو رکاز کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔

---

[۱۱۱] وفی صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الدعاء لمن أتی بصدقة، رقم: ۱۷۹۱، وسنن النسائی، كتاب الزكاة، باب صلاة الامام علی صاحب الصدقة، رقم: ۲۴۱۶، وسنن أبی داؤد، كتاب الزكاة، باب دعاء المصدق لأهل الصدقة، رقم: ۲۴۱۶، وسنن أبی داؤد، كتاب الزكاة، باب دعاء المصدق لأهل الصدقة، رقم: ۱۳۵۶، وسنن ابن ماجه، كتاب الزكاة، باب مايقال عند اخراج الزكاة، رقم: ۱۷۸۶، ومسند احمد، أول مسند الكوفيين، باب بقية حديث عبد الله بن أبی أوفی عن النبی، رقم: ۱۸۳۳، ۱۸۳۲۷، ۱۸۳۴۵، ۱۸۵۹۲، ۱۸۶۰۱.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ فرمایا **"وقال ابن عباس رضی اللہ عنهما: لیس العنبر برکاز"**۔ عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا کہ عنبر رکاز میں داخل نہیں ہے۔ آگے حدیث آرہی ہے جس میں آپ نے فرمایا **"وفی الرکاز الخمس"** یعنی رکاز میں آپ ﷺ نے خمس واجب کیا ہے، **"لیس فی الذی یصاب فی الماء"** اور اس چیز پر خمس واجب نہیں کیا جو کہ پانی میں مل جائے۔ تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عنبر رکاز میں داخل نہیں، لہٰذا اس پر خمس بھی واجب نہیں، عنبر وھیل مچھلی کے پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ **"یستخرج من البحر"** میں داخل ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آگے فرمایا **"ھو شیء دسره البحر"** یعنی عنبر ایسی چیز ہے جس کو سمندر چھوڑ کر چلا جاتا ہے، لہٰذا اس پر کوئی عشر اور زکاۃ وغیرہ واجب نہیں اور نہ ہی اس پر خمس ہے۔

۱۴۹۸ ـ وقال اللیث: حدثنی جعفر بن ربیعة، عن عبدالرحمٰن بن هرمز، عن أبی هریرة ﷺ عن رسول اللہ ﷺ: «أنّ رجلاً من بنی إسرائیل سأل بعض بنی إسرائیل أن یسلفه ألف دینار، فدفعها إلیه، فخرج فی البحر فلم یجد مرکباً، فأخذ خشبةً فنقرها فأدخل فیها ألف دینار فرمی بها فی البحر فخرج الرّجل الذی کان أسلفه فإذا بالخشبة فأخذها لأهله حطبا ـ فذکر الحدیث ـ فلمّا نشرها وجد المال». [أنظر: ۲۰۶۳، ۲۲۹۱، ۲۴۰۴، ۲۴۳۰، ۲۷۳۴، ۶۲۶۱].

پھر اس کے بعد وہی مشہور روایت نقل کی ہے جو کئی دفعہ بخاری میں آئی ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ ایک آدمی کو سمندر سے خشبہ یعنی ایک لکڑی ملی جس میں ہزار دینار تھے لیکن اس میں خمس وغیرہ دینے کا ذکر نہیں ہے، یہ واقعہ ذکر کر کے گویا امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر اس شخص نے خمس ادا نہیں کیا، ورنہ آنحضرت ﷺ اس کا ذکر فرماتے، معلوم ہوا کہ سمندر سے نکلنے والے مال پر خمس نہیں ہے۔

(٦٦) باب: فی الرّکاز الخمس،

رکاز میں پانچواں حصہ ہے

ترجمۃ الباب کا پس منظر

اس باب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ زمین سے نکلنے والی اشیاء پیداوار کے علاوہ دو قسم کی ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ زمین میں سے مدفون خزانہ نکل آیا، اس کو کنز کہتے ہیں اور رکاز بھی کہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی معدن ہے یعنی کسی چیز کی کان ہے جیسے نمک، سونے اور چاندی کی کان وغیرہ۔

خزانہ کے حکم پر سب کا اجماع ہے اس کا حکم متفق علیہ ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جہاں کہیں خزانہ نکلے تو اس کو دیکھا جائے گا کہ آیا وہ کسی مسلمان کا دفن کیا ہوا ہے یا کسی کافر کا، اگر علامتوں اور قرائن سے معلوم ہو کہ وہ مسلمان کا دفن کیا ہوا ہے یعنی اس علاقہ کے دارالاسلام بننے کے بعد کسی مسلمان نے دفن کیا تھا لیکن اب پتہ نہیں چل رہا کہ وہ کون ہے تو اس صورت میں اس خزانہ کا حکم لقطہ جیسا ہوتا ہے، کیونکہ یہ مسلمان کا گمشدہ سامان ہے۔

اور جاننے کے لئے علامتیں یہ ہوسکتی ہیں کہ جو سکہ وغیرہ نکلا ہے وہ کس زمانہ کا ہے وہ اگر اس علاقے کے دارالاسلام بننے کے بعد کا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ کسی مسلمان کا ہوگا یا اور کوئی علامت ہو جس سے پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان کا ہے تب تو اس کا حکم لقطے کا ہے، جو احکام لقطے کے گذرے ہیں وہی سب احکام اس پر منطبق کئے جائیں گے۔

لیکن اگر علامتوں سے معلوم ہو کہ کسی مسلمان کا دفن کیا ہوا نہیں ہے بلکہ کسی کافر کا دفن کیا ہوا ہے اور یہ خزانہ اس زمانے کا ہے جب یہ علاقہ کافروں کے زیر تسلط تھا تو اس کے بارے میں سب کا اجماع ہے کہ جس کی مملوکہ زمین میں نکلا ہے وہ اس کا مالک ہے، البتہ اس کا خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا چاہئے، گویا اس کا حکم مالِ غنیمت جیسا ہے کہ اگر میری مملوک زمین میں نکلا ہے تو میں اس کا مالک ہوں، لیکن مجھ پر لازم ہے کہ اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کروں، یہ کنز کا حکم متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے۔

معدن یعنی کان اگر کسی کی زمین میں نکل آئی یعنی پہلے پتہ نہیں تھا بعد میں پتہ چلا کہ اس میں نمک یا سونے کی کان ہے، یا پلاٹینیم (**platinium**) کی کان ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر بھی خمس ہے یعنی جس شخص کی زمین میں کان نکلی ہے وہ اس میں سے جو کچھ بھی نکالے گا، اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ معدن میں خمس نہیں ہے بلکہ جو کچھ نکلا ہے، جب اس کا مالک اس کو بیچے گا تو بیچنے کے نتیجے میں اس کو جو آمدنی حاصل ہوگی اس پر زکوٰۃ ہوگی، وہی ڈھائی فیصد کے حساب سے چالیسواں حصہ، لیکن اس پر خمس واجب نہیں ہوگا۔ یہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔

اختلاف کا مدار

اس اختلاف کا منبع درحقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **"وفی الرکاز الخمس"** یعنی رکاز

میں خمس ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رکاز کا لفظ کنز اور معدن دونوں کو شامل ہے اور رکاز کے معنی ہیں وہ چیز جو زمین میں گڑھی ہوئی ہو تو زمین میں گڑھا ہوا جس طرح کنز ہوتا ہے اسی طرح معدنیات بھی ہو سکتے ہیں، لہٰذا دونوں کا حکم ایک ہے اور رکاز کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ رکاز صرف اس خزانے کو کہتے ہیں جو کسی نے دفن کیا ہو اور معدن پر رکاز کا اطلاق نہیں ہوتا، لہٰذا **"وفی الرکاز الخمس"** کے عموم میں معدنیات داخل نہیں ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ائمہ ثلاثہ کی تائید کی ہے اور ان کے قول پر مزید استدلال اس سے کیا ہے کہ جس حدیث میں **"فی الرکاز الخمس"** آیا ہے اسی میں **"المعدن جبار"** بھی ہے اور جبار کے معنی ہیں ہدر، تو **"المعدن جبار"** کے معنی امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ لئے ہیں کہ معدن ہدر ہے یعنی اس پر کوئی خمس وغیرہ واجب نہیں۔

"قال بعض الناس"

امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف ائمہ ثلاثہ کی تائید ہی نہیں کی، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول **"قال بعض الناس"** کہہ کر نقل کیا ہے اور اس پر شدت کے ساتھ نکیر فرمائی ہے اور کہا ہے کہ ان کا قول تناقض پر مبنی ہے، یہ تو اس باب کا پس منظر ہے اور یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر کافی لمبی چوڑی نکیر فرمائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول لغۃً، درایۃً اور روایۃً ہر طرح سے راجح ہے۔

راجح قول "لغۃً"

لغۃً تو اس لئے راجح ہے کہ تمام اہلِ لغتِ قدیم جب رکاز کے لفظ کی تشریح کرتے ہیں تو اس میں معدن کو بھی شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رکاز زمین میں ہر گڑھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق جس طرح خزانے پر ہوتا ہے، اسی طرح معدن پر بھی ہوتا ہے۔ امام جوہری اور امام ازہری کا یہی قول ہے اور اس کے علاوہ بہت سے علمائے لغت کے اقوال میں نے **"تکملہ فتح الملہم"** میں نقل کئے ہیں جو سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ معدن رکاز کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا لغۃً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک راجح ہے۔

راجح قول "روایۃً"

روایۃً اس وجہ سے راجح ہے کہ بعض دوسری احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معدن پر بھی خمس ہے مثلاً ایک حدیث امام ابوعبید رحمہ اللہ نے کتاب الأموال میں روایت کی ہے اور اس کی اصل ابوداؤد میں بھی ہے کہ آپ ﷺ سے اس مال کے بارے میں پوچھا گیا جو خرابِ عادی میں پایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے

فرمایا **"فیه وفی الرکاز الخمس"** اس خزانے میں اور رکاز میں خمس ہے۔[۱۲۱]

خرابِ عادی — خراب کے معنی ویرانہ کے ہیں اور عادی الارض اس زمین کو کہتے ہیں جس کے ملاک مر گئے ہوں اور ان کا کوئی پتہ، نشان باقی نہ رہا ہو یہ قومِ عاد کی طرف منسوب ہے اور عادی اسی لئے کہتے ہیں کہ گویا یہ زمانۂ عاد سے چلی آرہی ہے، تو یہاں **"رکاز"** کا عطف کیا خزانہ پر، کیونکہ **"فیه"** کی ضمیر مدفون خزانہ کی طرف راجع ہو رہی ہے اور عطف مغائرت پر دلالت کرتا ہے، تو معلوم ہوا کہ رکاز مدفون خزانے کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اور وہ معدن کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اس واسطے اس روایت سے بھی معدن پر خمس کا وجوب معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی آثار وروایات اس میں موجود ہیں جو میں نے **"تکملہ فتح الملهم"** میں جمع کی ہیں، تو روایات سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک راجح ہے۔

راجح قول "درایۃً"

درایۃً اس لئے راجح ہے کہ جو علّت کنز پر خمس کے وجوب کی ہے وہی علّت معدن پر خمس کے وجوب میں بھی پائی جاتی ہے اور کنز کے اوپر خمس واجب کرنے کی علّت یہ ہے کہ کافروں کے زیر تسلّط تھی اور وہ اس میں مال چھوڑ کر گئے ہیں اس لئے یہ بھی مالِ غنیمت کے مشابہ اور اس کے حکم میں ہے، اگرچہ غنیمت کے تمام احکام اس پر جاری نہ ہوں، مثلاً مجاہدین میں تقسیم۔

اسی طرح اگر معدن ملتی ہے تو وہ بھی یقینی طور پر اس وقت سے زمین کے اندر موجود ہے جب اس پر مسلمانوں کا نہیں بلکہ کافروں کا تسلّط تھا، یعنی کافروں کے زمانے کی ہے، لہٰذا وہ بھی مال غنیمت میں داخل ہوگی اور اس پر بھی غنیمت کا حکم جاری ہوگا۔

تو لغۃً بھی، روایتاً بھی اور درایتاً بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک راجح ہے۔

ایک روایت میں رکاز کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ **"هو مال"** وہ مال ہے جو اللہ ﷻ نے اس دن پیدا فرمایا جس دن زمین پیدا فرمائی۔ اب اس تفصیل کے ذیل میں کنز نہیں آتا، کیونکہ کنز تو وہ ہے جو بعد میں دفن کیا گیا، لیکن معدن اس میں داخل ہوگیا، لہٰذا ان تمام دلائل سے یہ پتا چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا **"المعدن جبار"** اس سے پتہ چلتا ہے کہ معدن پر زکوٰۃ نہیں ہے، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شان سے بہت ہی بعید ہے، اس لئے کہ حدیث کے پورے الفاظ جو خود امام بخاریؒ نے بھی ذکر کئے ہیں، یہ ہیں، **"العجماء جبار، والبئر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس"**.

---

[۱۲۱] عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۵۶۲.

"العجماء" کے معنی ہیں حیوان، اگر حیوان کسی کو زخم لگا دے تو اس کا ضمان کسی پر نہیں ہے، **"والبئر الجبار"** اگر کسی نے اپنی مِلک میں صحیح اور جائز طریقہ پر کنواں کھودا اور کوئی جا کر اس میں گر گیا تو صاحب بئر پر اس کا ضمان نہیں ہے۔

آگے فرمایا **"والمعدن جبار"** معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کان میں داخل ہوا، تاکہ کوئی چیز نکالے اور اس میں گر کر ہلاک ہو گیا تو وہ جبار یعنی ہدر ہے، اس کا ضمان کسی پر نہیں ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ دو میں تو یہ کہا کہ جبار کے معنی ہیں ضمان نہیں آئے گا اور **"معدن جبار"** کے معنی یہ کر دئے کہ معدن پر خمس نہیں ہے۔ یہ کوئی معقول بات نہیں، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ معنی لینا ان کی شان سے بعید ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آگے جو **"فی الرکاز الخمس"** لگا دیا اس کا ماقبل سے کیا تعلق ہوا؟ اگر **"المعدن جبار"** کے یہ معنی نہیں ہیں تو پھر **"فی الرکاز الخمس"** کے یہ معنی کیوں ہیں؟ یعنی سارا بیان تو ضمان کے وجوب سے متعلق آرہا ہے کہ، ضمان واجب نہیں اور آگے کہہ دیا کہ رکاز میں خمس ہے، اس کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟ تو اس بات کو سمجھ لینا چاہئے۔

تنقیح

میں اس تعلق کے بارے میں بہت فکر میں رہا اور اس باب کی ساری روایات چھانی ہیں کہ کسی طرح یہ پتا چل جائے کہ **"فی الرکاز الخمس"** کا ماقبل سے کیا جوڑ ہے، شرّاح حدیث کے کلام کو بھی دیکھا، لیکن کہیں سے بھی اطمینان بخش جواب نظر سے نہیں گذرا، بالآخر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الخراج میں ایک روایت نظر سے گذری جس سے یہ مسئلہ صاف ہوا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں ایک روایت ذکر کی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے **"فی الرکاز الخمس"** کیوں فرمایا؟

وہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی کے حیوان نے کسی کو نقصان پہنچا دیا تو وہ متضرر شخص اس کے جانور پر قبضہ کر لیتا تھا کہ تیرے جانور نے مجھے مارا ہے، اس لئے اب یہ جانور میرا ہو گیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کے کنویں میں گر کر ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہونے والے کے ورثاء یا جو زخمی ہوا ہے وہ خود اس کنویں پر قبضہ کر لیتے کہ یہ میرا ضمان ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے معدن میں جانے سے کسی کو ضرر پہنچ جاتا تو وہ اس کے معدن پر قبضہ کر لیتا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **"العجماء جبار والبئر جبار والمعدن جبار"** یعنی معدن پر قبضہ کرنا درست نہیں۔

اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ضمان کو بالکل رفع کر دیا اور معدن پر کچھ بھی نہیں تو اس شبہ کو رفع کیا کہ **"وفی الرکاز الخمس"** معدن پر قبضہ کرنا تو درست نہیں، لیکن اس میں خمس واجب ہوگا، یہ واجب شرعی ہے جو اس پر عائد ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ واجب شرعی سے زیادہ کوئی چیز ضمان میں وصول کرنا جائز نہیں اور واجب شرعی ہے **"وفی الرکاز الخمس"**.

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الخراج کی روایت کی اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ رکاز سے معدن مراد ہے، اس سے اس سوال کا جواب مل گیا کہ **"فی الرکاز الخمس"** کیوں فرمایا گیا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے **"المعدن جبار"** سے جو استدلال فرمایا ہے، اس کی تردید ہوگئی۔

وقال مالک وابن إدریس: الرّکاز دفن الجاهلیة، فی قلیله و کثیره: الخمس. ولیس المعدن برکاز. وقد قال النبی ﷺ: ((فی المعدن جبارٌ. وفی الرکاز الخمس)). وأخذ عمر بن عبدالعزیز من المعادن من کل مائتین خمسةً. وقال الحسن: ما کان من رکاز فی أرض الحرب ففیه الخمس وما کان من أرض السلم ففیه الزّکاة. وإن وجدت اللقطة فی أرض العدو فعرفها. وإن کانت من العدو ففیها الخمس. وقال بعض النّاس: المعدن رکاز مثل دفن الجاهلیة لأنّه یقال: أرکز المعدن إذا أخرج منه شیء، قیل له: قد یقال لمن وهب له شیءٌ أو ربح ربحاً کثیراً أو کثر ثمره: أرکزت. ثمّ ناقض. وقال: لابأس أن یکتمه فلا یؤدّی الخمس.

عبارت کی تشریح

"وقال مالک وابن ادریس" ابن ادریس یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ رکاز زمانۂ جاہلیت کے مدفون خزانوں کو کہتے ہیں، وہ خزانے چاہے تھوڑے ملیں یا زیادہ ان میں سے ہر ایک میں خمس واجب ہے۔

"ولیس المعدن برکاز" اور یہ بھی کہا کہ معدن رکاز میں شامل نہیں، **"وقد قال النبی ﷺ"** امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تائید کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے معدن کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جبار ہے، **"وفی الرکاز الخمس"**.

بعض حضرات نے امام بخاری رحمہ اللہ کے اس استدلال کو دوسرے طریقہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ **"المعدن جبار"** کے یہ معنی ہیں کہ اس پر زکوۃ نہیں بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ **"المعدن جبار"** کو الگ ذکر کیا اور پھر آگے **"وفی الرکاز الخمس"** فرمایا، اگر رکاز کے اندر معدن شامل ہوتی تو رکاز کا لفظ

ذکر نہ کرتے بلکہ ضمیر لوٹاتے "**المعدن جبار وفیه الخمس**" چونکہ رکاز کو الگ ذکر کیا اس سے پتا چلا کہ رکاز الگ چیز ہے اور معدن الگ چیز ہے۔

لیکن یہ استدلال بھی مضبوط نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ضمیر لوٹاتے تو صرف معدن کا حکم معلوم ہوتا، کنز مدفون کا حکم معلوم نہ ہوتا اور رکاز کا لفظ استعمال کرنے سے دونوں کا حکم معلوم ہو گیا، اس واسطے رکاز کا لفظ استعمال فرمایا۔

"**واخذ عمر بن عبدالعزيز من المعادن من كل مائتين خمسةً**"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے معدن میں ہر دوسو میں سے پانچ لئے، اگر خمس لیتے تو وہ دوسو میں سے چالیس لیتے لیکن پانچ لئے، معلوم ہوا چالیسواں حصہ جو عام زکوٰۃ کا قاعدہ ہے وہ جاری فرمایا، خمس نہیں واجب فرمایا۔

"**وقال الحسن : ما كان من ركاز في أرض الحرب ففيه الخمس وما كان من أرض السلم ففيه الزّكاة**".

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر ارض حرب میں خزانہ ملے تو اس میں خمس ہے اور اگر دارالاسلام کے اندر ملے تو اس کے اندر زکوٰۃ ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت حسن بصریؒ کے سوا کسی اور سے منقول ہے۔

"**وإن وجدت اللقطة في أرض العدو فعرفها. وإن كانت من العدو ففيها الخمس**"

اگر دشمن کی زمین میں لقطہ مل جائے تو اس کی تعریف کرنا واجب ہے اور اگر پتہ چلا کہ یہ دشمن کا خزانہ ہے تو اس میں خمس ہے۔

"**وقال بعض الناس**" بعض لوگوں نے کہا کہ "**المعدن ركاز**" امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر "**قال بعض الناس**" کہہ کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تردید کی ہے، دوسری جلد میں متعدد مقامات پر آیا ہے، اس کی تردید کے لئے علامہ غنیمی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے "**دفع الالتباس عن قول البخاري قال بعض الناس**" اور ایک رسالہ ہمارے نسخے کی جلد دوم میں "**دفع الوسواس**" کے نام سے لگا ہوا ہے، جس میں ان مقامات کا جواب دیا گیا ہے جہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تردید کی ہے۔

یہاں بھی امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا کہ معدن بھی رکاز ہے، مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رکاز کو معدن کہنے کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ کہا جاتا ہے "**اركز المعدن اذا أخرج منه شيء**" جب معدن سے کوئی چیز نکالی جائے تو "**اركز المعدن**" کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ "**اركز**" کا لفظ معدن کے لئے آتا ہے۔

"**قيل له**" کہتے ہیں ان سے یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ کہا جائے گا کہ "**قد يقال لمن وهب له شيء**" اگر کسی آدمی کو کوئی ہبہ مل جائے یا نفع مل جائے یا اس کے پاس بہت پھل آجائے تو اس کو بھی "**اركزت**" کہتے ہیں، اس لئے آپ کہیں کہ نفع اور پھل بھی رکاز ہے۔

اب اگر دیکھا جائے تو یہ الزام بھی خلاف انصاف ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے **"ارکز المعدن"** کے لفظ سے استدلال نہیں کیا، بلکہ اہل لغت کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ رکاز معدن کو شامل ہے۔

آگے فرماتے ہیں **"ثم ناقض . وقال : لابأس أن یکتمه فلا یؤدّی الخمس"** یعنی ایک طرف تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ کہا کہ رکاز معدن ہے اور معدن میں خمس واجب ہے اور پھر اپنے اس قول کو توڑ دیا، اور وہ اس طرح کہ **"قال: لا بأس أن یکتمه"** انہوں نے کہا جس شخص کی معدن ہو تو اس کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ معدن کو چھپالے اور حکومت کو خمس نہ ادا کرے۔ یہ قول بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو بات کہی ہے وہ یہی ہے کہ معدن پر خمس واجب ہوتا ہے، لیکن اگر صاحب معدن کو اندیشہ ہو کہ ظالم حکام خمس کو صحیح مصرف پر خرچ نہیں کریں گے تو وہ ان کو دینے کے بجائے خود فقراء میں تقسیم کردے یا اگر خود فقیر ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مصدق کو خمس دینے کی بجائے اپنے استعمال میں لے آئے، کیونکہ خمس بیت المال میں جائے گا تو وہ فقراء کا حق ہوگا اور اس کے لئے وہاں سے جا کر اپنا حق وصول کرنا مشکل ہے اس لئے اگر وہ خود فقیر ہے تو بجائے بیت المال میں جمع کرا کر وہاں سے وصول کرنے کے خود ہی اپنے استعمال میں لے آئے، امام صاحب کے قول کا یہ مطلب ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حیلہ کر کے اسے چھپالے اور خمس ادا نہ کرے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ نے جو الزام عائد کیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔

پھر اس مسئلہ میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مختلف روایتیں ہیں کہ اگر کسی کے گھر یا مملوک زمین میں معدن نکل آئے تو اس پر خمس واجب ہے یا نہیں؟ تفصیل "لامع الدراری" میں ہے۔

آج کل جو معدن ملتے ہیں ان کے بارے میں یہ بات تو ہے کہ خمس بیت المال کا ہے، لیکن اس لحاظ سے یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ اگر معدن اس کی ملکیت میں چھوڑ دی جائے تو تنہا آدمی اس سے اتنا نفع نہیں اٹھا سکتا ہے جتنا حکومت اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر حاصل کر سکتی ہے، مثلاً کسی کے گھر میں تیل کا کنواں نکل آیا، اب اگر اس سے کہا جائے کہ یہ تیری ملک ہے، تو اس کے بس میں یہ نہیں ہے کہ اس سے تیل نکال سکے، لہٰذا اس کا ایک راستہ یہ ہے کہ اس شخص سے وہ زمین بازار کی مناسب قیمت دے کر خرید لی جائے، پھر حکومت اپنے وسائل سے تیل نکالے، اس کی گنجائش ہے۔

۱۴۹۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عب ابنِ شهاب ، عن سعید بن المسیب وعن أبی سلمة بن عبدالرحمٰن ، عن أبی هریرة ﷺ : أن رسول اللہ ﷺ قال : ((العجماء جبارٌ، والبئرُ جبارٌ ، والمعدن جبارٌ وفی الرکاز الخمس)) . [أنظر : ۲۳۵۵،

۲۹۱۲، ۲۹۱۳]. ۱۱۳

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چوپائے کا روندنا معاف ہے اور کنوئیں میں گر کر مر جانا معاف ہے اور کان میں گر کر ہلاک ہونا معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔

(٦٧) باب قول الله تعالىٰ : (وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا) [التوبة : ٦٠] ومحاسبة المصدقين مع الامام

صدقہ وصول کرنے والے سے امام کے محاسبہ کا بیان

۱۵۰۰ ـ حدثنا يوسف بن موسى : حدثنا أبو اسامة : أخبرنا هشام بن عروة عن أبيه ، عن أبي حميد الساعدي ﷺ قال : استعمل رسول الله ﷺ رجلاً من الأسد على صدقات بني سليم يدعى ابن اللتبية . فلما جاء حاسبه . [راجع : ۹۲۵]

ترجمہ: حضور ﷺ نے قبیلہ اسد میں سے ایک شخص کو جسے ابن لتبیہ کہا جاتا تھا بنی سلیم کی زکوۃ پر مقرر کیا، جب وہ واپس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے حساب لیا۔

(٦٨) باب استعمال ابل الصدقة وألبانها لأبناء السبيل

صدقہ کے اونٹ اور اس کے دودھ سے مسافروں کے کام لینے کا بیان

۱۵۰۱ ـ حدثنا مسدد : حدثني يحيى ، عن شعبة : حدثنا قتادة ، عن أنس ﷺ : ان ناسا من عرينة اجتووا المدينة ، فرخص لهم رسول الله ﷺ أن يأتو ابل الصدقة فشربوا من البانها وأبوالها فقتلوا الرعي واستاقوا الذود . فارسل رسول الله ﷺ فاتى بهم فقطع

۱۱۳ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحدود ، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار ، رقم : ۳۲۲۶ ، وسنن الترمذي ، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب ماجاء أن العجماء جرحها جبار وفي الركاز الخمس ، رقم : ۵۸۱ ، وكتاب الأحكام عن رسول الله ، باب ماجاء في العجماء جرحها جبار ، رقم : ۱۲۹۸ ، وفي سنن النسائي ، كتاب الركاز ، باب المعدن ، رقم : ۲۴۴۹ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الخراج والامارة والفئ ، باب ماجاء في الركاز ومافيه ، رقم : ۲۶۸۱ ، وكتاب الديات ، باب العجماء والمعدن البئر جبار ، رقم : ۳۹۷۷ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الديات ، باب الجبار ، رقم : ۲۶۶۳ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند ابي هريرة ، رقم : ۶۸۲۳ ، ۶۹۵۶ ، ۷۱۲۵ ، ۷۳۷۹ ، ۷۴۹۴ ، ۷۹۰۴ ، ۸۶۱۳ ، ۸۶۴۴ ، ۸۸۹۸ ، ۸۹۵۹ ، ۹۰۰۲ ، ۹۴۸۱ ، ۹۵۰۲ ، ۹۶۵۳ ، ۹۷۶۳ ، ۹۸۶۰ ، ۹۹۹۳ ، ۱۰۰۱۳ ، ۱۰۰۷۹ ، ۱۰۱۱۱ ، ۱۰۱۸۲ ، وموطأ امام مالک ، كتاب العقول ، باب جامع العقل ، رقم : ۱۳۶۷ ، وسنن الدارمي ، كتاب الزكاة ، باب في الركاز ، رقم : ۱۶۰۸ ، وكتاب الديات ، باب العجماء جرحها جبار ، رقم : ۲۲۷۱ .

أيديهم وأرجلهم وسمر اعينهم وتركهم بالحرة يعضون الحجارة.

تابعه أبو قلابة وحميد وثابت عن أنس .[راجع : ۲۳۳]

ترجمہ: حضرت انس ﷛ روایت کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے، تو یہاں کی آب وہوا ان لوگوں کو راس نہیں آئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو اجازت دی کہ صدقہ کے اونٹوں میں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، ان لوگوں نے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹ لے بھاگے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے۔ چنانچہ وہ لوگ لائے گئے، آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروادیں، اور پتھریلی زمین میں انہیں ڈلوادیا، وہ لوگ پتھر چباتے تھے۔ [۱۱۴]

(۶۹) باب وسم الامام ابل الصدقة بيده

صدقہ کے اونٹوں کو امام کا اپنے ہاتھ سے نشان لگانے کا بیان

۱۵۰۲ــ حدثنا ابراهيم بن المنذر : حدثنا أبو عمرو الأوزاعي : حدثني اسحاق بن عبدالله أبي طلحة : حدثني أنس بن مالك ﷛ قال : غدوت الى رسول الله ﷺ بعبدالله بن أبي طلحة ليحكنه فواقيته وفي يده الميسم يسم ابل الصدقة . [أنظر : ۵۵۴۲، ۵۸۲۴]. [۱۱۵]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷛ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عبداللہ بن طلحہ کو لے کر گیا تا کہ اس کی تحنیک کر دیں (کھجور چبا کر منہ میں ڈالنا) تو میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں داغنے کا آلہ تھا جس سے آپ ﷺ زکوٰۃ کے اونٹوں کو داغ رہے تھے۔

(۷۰) باب فرض صدقة الفطر

صدقہ فطر کے فرض ہونے کا بیان

"ورأى أبو العالية وعطاءٌ وابن سيرين صدقة الفطر فريضةً".

---

[۱۱۴] تفصیل ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۲، ص:۳۶۶، رقم الحدیث:۲۳۳۔

[۱۱۵] وفي صحيح مسلم ، كتاب اللباس والزينة، باب جواز وسم الحيوان غير الادمي في غير الوجه ندبه ، رقم : ۳۹۵۸، وكتاب الأدب ، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته وحمله الى صالح ، رقم : ۳۹۹۶، وكتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل أبي طلحة الانصاري ، رقم : ۴۴۹۶، وسنن أبي داؤد ، كتاب الجهاد ، باب في وسم الدواب، رقم : ۲۲۰۰، وكتاب الأدب ، باب في تغيير الاسماء ، رقم : ۴۳۰۰، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۵۹۰، ۱۲۲۸۹، ۱۲۳۳۲، ۱۲۴۰۰، ۱۲۴۹، ۱۲۵۵۵، ۱۲۷۳۳ .

ابو العالیہ، عطاء اور ابن سیرین نے صدقہ فطر کو فرض سمجھا۔

۱۵۰۳۔ حدثنا يحيى بن محمد بن السّكن : حدثنا محمد بن جهضم : حدثنا إسماعيل بن جعفر، عن عمر بن نافع، عن أبيه، عن ابن عمر ﷺ قال : فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير على العبد والحر، و الذّكر والأنثى والصّغير والكبير من المسلمين . وأمر بها أن تؤدّى قبل خروج النّاس إلى الصّلاة. [أنظر: ۱۵۰۴، ۱۵۰۷، ۱۵۰۹، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲][۱۶]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو غلام اور آزاد، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے غرض یہ کہ ہر مسلمان پر فرض کیا اور حکم دیا ہے کہ نماز سے نکلنے سے پہلے اسے ادا کیا جائے۔

صدقہ فطر کا حکم

حنفیہ کے ہاں صدقۃ الفطر واجب ہے، ان حضرات نے "**فـريضة**" کا لفظ استعمال کیا ہے، اختلاف وہی اصولی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک واجب کا کوئی درجہ فرض سے الگ نہیں، لہٰذا وہ اس کو فرض کہتے ہیں۔ حنفیہ کے ہاں چونکہ واجب کا الگ درجہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔ اس واسطے حنفیہ واجب کہتے ہیں۔[۱۷]

---

[۱۶] وفي صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير، رقم : ۱۶۳۷، وسنن الترمذي، كتاب الزكاة عن رسول الله، باب ماجاء في صدقة الفطر، رقم : ۶۱۱، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب فرض زكاة رمضان على المسلمين دون المعاهدين، رقم : ۲۴۵۷، وسنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب كم يؤدى في صدقة الفطر، رقم : ۱۳۷۴، وسنن ابن ماجه، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، رقم : ۱۸۱۶، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب، رقم : ۴۲۵۶، ۴۹۲۷، ۵۰۵۱، ۵۰۸۷، ۵۰۹۳، ۵۵۲۰، ۵۶۷۲، ۵۹۳۷، ۶۱۰۰، ۶۱۴۱، ۶۱۷۸، وموطأ امام مالک، كتاب الزكاة، باب مكيلة زكاة الفطر، رقم: ۵۵۳، وسنن الدارمي، كتاب الزكاة، باب في زكاة الفطر، رقم : ۱۶۰۲.

[۱۷] ثم اعلم أن العلماء اختلفوا في صدقة الفطر : هل هي فرض أو واجبة أ سنة أو فعل خير مندوب اليه ؟ فقالت طائفة: هي فرض وهم الثلاثة المذكورون هنا : الشافعي ومالک وأحمد . وقال أصحابنا : هي واجبة، وقالت طائفة : هي سنة، وهو قل مالک في رواية ذكرها صاحب الذخيرة .... وقد نقل ابن المنذر الاجماع على فريضة صدقة الفطر ... وقال أصحابنا : بانها واجبة ..... بحسب اللغة. عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۵۷۴، ۵۷۵.

(۷۱) باب صدقة الفطر على العبد وغيره من المسلمين .

صدقۂ فطر کے آزاد اور غلام تمام مسلمانوں پر واجب ہونے کا بیان

غلاموں کی طرف سے ان کے آقا صدقہ فطر ادا کرینگے یعنی مولیٰ پر واجب ہے کہ وہ اپنے عبد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔

"من المسلم" کی قید ان لوگوں کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صرف عبد مسلم کی طرف سے ہوگا، عبد کافر کی طرف سے نہیں ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ "من المسلم" کا تعلق مفروض علیہ سے ہے نہ کہ مفروض عنہ سے، لہٰذا اگر کافر غلام کا مالک ہے تب بھی اس کی زکوٰۃ الفطر واجب ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ الفطر کا تعلق رأس کا ہونا ہے، چاہے وہ رأس مسلمان ہو یا کافر ہو، اب "من المسلم" کا تعلق مفروض علیہ پر ہے، اگر اس کا مولیٰ مسلمان ہے تو اس کو صدقۃ الفطر دینا ہے۔

۱۵۰۴ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما : أن رسول الله ﷺ فرض زكاة الفطر صاعاً من تمر ، أو صاعاً من شعير على كلّ حرّ أو عبد ، ذكر أو أنثى من المسلمين . [راجع : ۱۵۰۳]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ الفطر کا حکم دیا تھا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دو مد حطہ کو ایک صاع کے برابر قرار دیا، تفصیل اگلی روایت میں ہے۔

کافر مملوک کی طرف سے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم

"من المسلمین"۔۔۔ من المسلمین سے استدلال کر کے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ صدقۃ الفطر صرف مسلمان غلاموں کی طرف سے نکالنا واجب ہے، کافر غلاموں کی طرف سے واجب نہیں۔[118]

[118] وبهذا احتج مالك والشافعي وأحمد وأبو ثور على أنه لا تجب صدقة الفطر على أحد من عبده الكافر ، وهو قول سعيد بن المسيب والحسن ، وقال الثوري وأبو حنيفة وأصحابه : عليه أن يؤدي صدقة الفطر عن عبده الكافر ، وهو قول عطاء ومجاهد وسعيد بن جبير وعمر بن عبدالعزيز والنخعي ، وروى ذلك عن أبي هريرة وابن عمر ، ﷺ، واحتجوا في ذلك بما رواه الدارقطني من حديث عكرمة عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ : ((أدوا صدقة الفطر عن كل صغير وكبير وذكر وانثى يهودي أو نصراني ، حر أو مملوك نصف صاع من بر أو صاع من تمر أو شعير)). عمدة القاري ، ج:٦، ص: ٥٧٧.

امام ابو حنیفہ اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کے نزدیک غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کی طرف سے زکوۃ الفطر نکالنا مولیٰ پر واجب ہے۔

عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عمر بن عبد العزیز اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[۱۱۹]

احناف حدیث باب میں "من المسلمين" کے الفاظ کو غلاموں کے ساتھ متعلق قرار نہیں دیتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق "من تجب عليه الصدقة" سے ہے، صدقۃ الفطر مسلمانوں پر واجب ہے کافروں نہیں۔

اس کی دلیل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ابن المنذر کے حوالہ سے حضرت ابن عمر ﷺ (جو کہ حدیث باب کے راوی ہیں) سے نقل کیا کہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان اور کافر دونوں قسم کے غلاموں کی طرف سے صدقۃ الفطر نکالتے تھے۔[۱۲۰]

(۷۲) باب صدقة الفطر صاع من شعير

صدقہ فطر میں جو ایک صاع دے

۱۵۰۵ ـ حدثنا قبيصة : حدثنا سفيان عن زيد بن أسلم ، عن عياض بن عبدالله ، عن أبي سعيد ﷺ قال : كنا نطعم الصدقة صاعا من الشعير . [أنظر : ۱۵۰۶، ۱۵۰۸، ۱۵۱۰][۱۲۱]

ابو سعید خدری ﷺ نے بیان کیا کہ ہم صدقہ میں ایک صاع "جو" کھانے کے لئے دیا کرتے تھے۔

(۷۳) باب صدقة الفطر صاعٌ من طعام

صدقہ فطر میں ایک صاع کھانا دے

۱۵۰۶ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك عن زيد بن أسلم ، عن ابن

---

[۱۲۰] ونقل ابن المنذر أن بعضهم احتج بما أخرجه من حديث ابن اسحاق ((حدثني نافع أن ابن عمر كان يخرج عن أهل بيته حرهم وعبدهم صغيرهم وكبيرهم مسلمهم وكافرهم من الرقيق)) قال : وابن عمر راوي الحديث ، وقد كان يخرج عن عبده الكافر ، وهو أعرف بمراد الحديث .فتح الباری ، ج:۳،ص: ۳۷۱.

[۱۲۱] وفي صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير، رقم : ۱۶۴۱ ، ۱۶۴۲ ، وسنن الترمذي ، كتاب الزكاة عن رسول الله ، باب ماجاء في صدقة الفطر ، رقم : ۶۰۹ ، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة ، باب الاقط ، رقم : ۲۴۷۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الزكاة ، باب كم يؤدى في صدقة الفطر ، رقم : ۱۳۷۷ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر ، رقم : ۱۸۱۹ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي سعيد الخدري ، رقم : ۱۰۷۵۳ ، ۱۱۲۷۳ ، ۱۱۴۹۶ ، وموطأ مالك ، كتاب الزكاة ، باب مكيلة زكاة الفطر ، رقم : ۵۵۴ ، وسنن الدارمي ، كتاب الزكاة ، باب في زكاة الفطر ، رقم : ۱۶۰۵ .

عياض بن عبدالله بن سعد بن أبي سرح العامري : أنه سمع أبا سعيد الخدري ﷺ يقول : كنا نخرج زكاة الفطر صاعاً من طعام ، أو صاعاً من شعير ، أو صاعاً من تمر ، أو صاعاً من أقط ، أو صاعاً من زبيب . [راجع : ۱۵۰۵]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ کا بیان ہے کہ ہم صدقہ فطر یک صاع کھانا یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع خشک انگور سے نکالتے تھے۔[۱۲۲]

(۷۴) باب صدقة الفطر صاعاً من تمر

صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور دے

۱۵۰۷ ۔ حدثنا أحمد بن يونس : حدثنا الليث ؛ عن نافع ان عبدالله بن عمر رضى الله عنهما قال : أمر النبي ﷺ بزكاة الفطر صاعا من تمر ، او صاعا من شعير . قال عبدالله : فجعل الناس عدله مدين من حنطة . [راجع : ۱۵۰۳]

"قال عبدالله : فجعل الناس عدله مدين من حنطة ".

لوگوں نے دو مد گیہوں اس کی جگہ مقرر کرلیا۔

(۷۵) باب صاع من زبيب

منقی ایک صاع دینے کا بیان

۱۵۰۸ ۔ حدثنا عبدالله بن منير : سمع يزيد بن أبي حكيم العدنيّ قال: حدثنا سفيان ، عن زيد بن أسلم قال : حدثني عياض بن عبدالله بن أبي سرح ، عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال : كنّا نعطيها في زمان النبي ﷺ صاعاً من طعام ، أو صاعاً من تمر ، أو صاعاً من شعير ، أو صاعاً من زبيبٍ فلمّا جاء معاوية وجاء ت السّمراء قال : أرى مدّاً من هذا يعدل مدّين. [راجع:۱۵۰۵]

ترجمہ: حضرت ابوسعید ﷺ خدری نے بیان کیا کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں صدقہ فطر ایک صاع کھانا یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع منقی دیا کرتے تھے۔

جب حضرت امیر معاویہ ﷺ کا زمانہ آیا اور گیہوں آنے لگا تو انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ایک مد دوسری چیزوں کے دو مد کے برابر ہے۔

[۱۲۲] وقال النوويّ : هذا الحديث معتمد أبي حنيفةؒ ، ثم أجاب عنه بأنه فعل صحابي ، ومن الشافعية من جعل هذا الحديث حجة لنا من جهة أن معاوية جعل نصف صاع من الحنطة عدل صاع من التمر والزبيب .عمدة القاري ، ج: ۶،ص: ۵۸۰.

تشریح

حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں طعام کا ایک صاع یا کھجور کا ایک صاع یا شعیر کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع صدقۂ فطر نکالا جاتا تھا، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور گندم کا رواج ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا خیال ہے اس کا ایک مد دو مد کھجوروں یا دو مد جو کے برابر ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل حنفیہ کے قول کے مطابق ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ گندم کی مقدار نصف صاع ہے۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ گندم کا ایک صاع دینا ہوگا۔ ان کا استدلال حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو آگے آرہی ہے۔[۱۲۳]

ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل حجت نہیں ہے۔[۱۲۴]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے کی بات کر رہے ہیں اس لئے وہ حجت ہے، نیز اس میں یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک صاع نکالا جاتا تھا، اس لئے اس میں گندم بھی داخل ہے اور شروع میں جو **"صاعاً من طعام"** آیا ہے تو طعام کے معنی گندم کے ہیں، پتا چلا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی ایک صاع نکالا جاتا تھا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نصف صاع کر دیا۔[۱۲۵]

حقیت حال اور اصول یہ ہے کہ جس چیز کی جو مقدار نبی کریم ﷺ نے منصوص طریقہ سے بیان فرمادی تھی وہ تو تا قیامت منصوص رہے گی لیکن جس چیز کی مقدار آپ ﷺ نے منصوص کر کے بیان نہیں فرمائی اس میں قیمت کا اعتبار ہے۔

مثلاً آپ ﷺ نے شعیر کا حکم بیان فرمایا کہ شعیر ایک صاع، تمر کا ایک صاع، لیکن چاول کے بارے میں نہیں فرمایا، اب اگر چاول سے کوئی صدقۃ الفطر نکالنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک صاع تمر کی قیمت کے بقدر چاول صدقۃ الفطر میں ادا کئے جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گندم کی مقدار کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں سنا تھا، اس لئے جب ان کے زمانہ میں گندم کا رواج ہوا تو انہوں نے یہی اصول جاری کیا۔ چونکہ گندم کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اور اس کا ایک مد شعیر کا ایک صاع نکالا جاتا ہے تو اس کا نصف صاع نکالا جائے گا۔

---

۱۲۳ یقول : کنا نخرج زکاۃ الفطر صاعا من طعام ، صحیح البخاری ، کتاب الزکاۃ ، باب صدقۃ الفطر صاع من طعام، رقم : ۱۵۱۰ .

۱۲۴ تلک قیمۃ معاویۃ لا أقبلها ولا أعمل بها ، وصححہ الحاکم ، ورواہ الدار قطنی فی (سننہ) من حدیث یعقوب الدورقی عن ابن علیۃ سندا ومتنا کما ذکرناہ .عمدۃ القاری ، ج: ۶،ص: ۵۸۰ .

۱۲۵ کتاب الأم ، ج :۲،ص: ۶۸، دار المعرفۃ ، بیروت ، ۱۳۹۳ھ.

دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے جو ابن ماجہ میں بھی ہے کہ خود حضورِ اقدس ﷺ نے گندم کے بارے میں نصف صاع بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے مکہ کی تمام گلیوں میں اعلان کرنے کا حکم دیا کہ صدقۃ الفطر ادا کرو **"مدین من قمح"** تو **"مدین"** کے معنی ہیں نصف صاع۔ حضرت معاویہ ﷺ کو اس کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے قیمت کا حساب کیا جو نصف صاع ہی نکلا۔

بہر حال یہ منصوص ہے اور یہی حنفیہ کی دلیل ہے۔ حنفیہ کا کہنا ہے کہ یہاں گندم کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، **"صاعاً من طعام"** میں ائمہ ثلاثہ نے طعام سے حنطہ مراد لیا ہے حالانکہ حنطہ مراد نہیں بلکہ اور اجناس مراد ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ آگے روایت میں ہے **"قال أبو سعید: و کان طعامنا الشعیر والزبیب الخ"** گندم کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اس سے گندم کے ایک صاع ہونے پر استدلال کرنا کمزور ہے۔

(۷۶) باب الصدقة قبل العيد

عید کی نماز سے پہلے صدقہ دینے کا بیان

ائمہ اربعہؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صدقۃ الفطر کی ادائے گی نماز عید کے لئے جانے سے پہلے مستحب ہے۔

اور اگر صدقۃ الفطر کی ادائیگی نماز عید سے فارغ ہو کر کی گئی تو اس کو ادا سمجھا جائے گا قضا نہیں اور تاخیر سے جو گناہ ہوا ہوگا وہ بھی ادا سے ساقط ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عید کا دن گذرنے کے بعد اس کی ادائیگی ادا نہیں ہے، بلکہ قضاء ہے، حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[۲۶]

۱۵۱۰ ـ حدثنا معاذ بن فضالة : حدثنا أبو عمر ، عن زيد ، عن عياض بن عبدالله بن سعيد ، عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال : ((كنا نخرج في عهد رسول الله ﷺ يوم الفطر صاعاً من طعام . وقال أبو سعيد : و كان طعامنا الشعير والزبيب والاقط والتمر)).
[راجع : ۱۵۰۵]

"وقال أبو سعيد : و كان طعامنا الشعير والزبيب والاقط والتمر".

---

۲۶ فقد اتفقت الأئمة الأربعة في استحباب أدائها بعد فجر يوم الفطر ، قبل الذهاب الى صلاة العيد .

جواز تقديمها على يوم فطر ـ فعند أبي حنيفة : يجوز تقديمها لسنة وسنتين ، وعن خلف بن أيوب : يجوز لشهر ، وقيل : بيوم أو يومين .

وقت أدائها ـ فيوم الفطر من أوله الى آخره وبعده يجب القضاء عند بعض أصحابنا ، واصح ان يكون أداء .

عمدة القاري ، ج : ٦ ،ص: ٥٧٣ .

ابو سعید نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں ہمارا کھانا جو، منقی، پنیر اور کھجور تھا۔

(۷۷) باب صدقة الفطر على الحرّ والمملوك،

آزاد اور غلام پر صدقہ فطر واجب ہونے کا بیان

"وقال الزهري في المملوكين للتجارة: يزكّى في التجارة، ويزكّى في الفطر".

زہری نے کہا: تجارت کے غلاموں سے زکوٰۃ دی جائے اور ان کی طرف سے صدقہ فطر بھی دیا جائے۔

یعنی حر اور مملوک دونوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا ہوگا، یہ متفق علیہ بات ہے۔

"وقال الزهري في المملوكين للتجارة" امام زہری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس تجارت کا غلام ہے یعنی وہ ان غلاموں کی تجارت کرتا ہے تو **"يزكّى في التجارة، ويزكّى في الفطر"** تجارت کی زکوٰۃ بھی دے گا اور صدقۃ الفطر بھی دے گا۔

حنفیہ اور دوسرے حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ایک مال پر دو زکوٰۃ نہیں ہوتیں، جب اس کو مالِ تجارت قرار دے دیا گیا تو اب وہ تمام مال تجارت کے حکم میں ہوگیا، ایک زندہ نفس کے طور پر نہ رہا، اور مالِ تجارت پر صدقۃ الفطر نہیں ہوتا، لہٰذا اس پر صدقۃ الفطر نہیں ہوگا۔[۱۲۷]

۱۵۱۱ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حمّاد بن زيد: حدثنا أيوب، عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: فرض النبي ﷺ صدقة الفطر، أو قال: رمضان، على الذكر والأنثى، والحرّ والمملوك، صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير، فعدل الناس به نصف صاع من برّ. فكان ابن عمر يعطي التمر فأعوز أهل المدينة من التمر فأعطىٰ شعيراً. فكان ابن عمر يعطي عن الصّغير والكبير حتى إن كان يعطي عن بنيّ. وكان ابن عمر رضي الله عنهما يعطيها للّذين يقبلونها وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم أو يومين. [راجع: ۱۵۰۳]

قال أبوعبدالله بني نافع قال كانوا يعطون ليجمع لا للفقراء.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ فطر یا صدقہ رمضان مرد، عورت، آزاد، غلام ہر ایک پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض کیا۔

لوگوں نے نصف صاع گیہوں اس کے برابر سمجھ لیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کھجور دیتے تھے ایک بار

---

[۱۲۷] ومذهب الجماعة وجوبها على السيد حتى لو كان للتجارة، وهو مذهب مالك والليث والأوزاعي والشافعي واسحاق وابن المنذر وقال عطاء، والنخعي، والثوري والحنفيون: اذا كان للتجارة لا تلزمه فطرته، وأما المكاتب فالجمهور أنها لاتجب عليه، وعن مالك قولان: يخرجها عن نفسه، وقيل: سيده، ولا تجب على السيد عند أبي حنيفة والشافعي، وأحمد، وقال ميمون بن مهران وعطاء وأبو ثور: يؤدى عنه سيده، عمدة القاري، ج: ٦، ص: ٥٧٦.

اہل مدینہ پر کھجور کا قحط ہوا تو جو دیئے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چھوٹے اور بڑے کی طرف سے دیتے تھے، یہاں تک کہ میرے بیٹوں کی طرف سے دیتے تھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کو دیتے جو قبول کرتے اور عید الفطر ایک یا دو دن پہلے دیتے۔

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ بنی سے مراد بنی نافع ہے اور کہا کہ وہ لوگ جمع کرنے کے لئے دیتے تھے نہ فقراء کو دیتے تھے۔

مطلب

"حتى إن كان يعطي عن بنيّ" نافع کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ میرے بیٹوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر دیا، نافع ان کے غلام تھے۔

"وكان ابن عمر رضى الله عنهما يعطيها للذين يقبلونها" یعنی عبداللہ بن عمر ؓ صدقۃ الفطر ان لوگوں کو دیا کرتے تھے جو صدقۃ الفطر قبول کرتے تھے یعنی خود براہِ راست فقراء کو نہیں دیا کرتے تھے، بلکہ حکومت کی طرف سے جو لوگ صدقۃ الفطر وصول کرنے کے لئے مقرر تھے ان کو ادا کیا کرتے تھے۔

"فكانوا يعطون قبل الفطر" اور عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے دے دیا کرتے تھے۔

(۷۸) باب صدقة الفطر على الصغير والكبير

ہر چھوٹے بڑے پر صدقہ فطر واجب ہونے کا بیان

۱۵۱۲ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى عن عبيد الله قال: حدثني نافع، عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعاً من شعيرٍ أو صاعاً من تمر على الصغير والكبير، والحر والمملوك. [راجع: ۱۵۰۳]

"فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعاً من شعيرٍ أو صاعاً من تمر على الصغير والكبير، والحر والمملوك".

یہ ایک مشہور اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ مال پر ہوتی ہے، لہٰذا یتیم اور مجنوں کے مال پر بھی زکوۃ ہے اور ان کے مال سے صدقۃ الفطر بھی نکالا جائے گا۔[۱۲۸]

حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں ہے،[۱۲۹] چونکہ وہ" **رفع القلم عن ثلاث: عن النائم حتی یستیقظ وعن الصغیر حتی یکبر وعن المجنون حتی یعقل أو یفیق**" میں داخل ہیں۔

اس حدیث میں نابالغ کو صراحۃً غیر مکلّف قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس پر نماز وغیرہ دوسرے واجبات کی طرح زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔[۱۳۰]

اس کے علاوہ امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔[۱۳۱]

اس لئے ان کے مال میں زکوٰۃ نہیں، البتہ ان کے ولی پر واجب ہوگا کہ ان کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے اور علی الصغیر والکبیر میں درحقیقت "**من تجب عنه الصدقة**" کا بیان ہے۔

[۱۲۸، ۱۲۹] ((والصغیر))۔ جمهور العلماء علی وجوبها علی الصغیر وان کان یتیما ، قال ابن بزیزة : وقال محمد بن الحسن وزفر : لایجب علی الیتیم زکاة الفطر کان له مال أو لم یکن ، فان أخرجها عنه وصیه ضمن ، عمدة القاری ، ج: ۶،ص: ۵۷۶.

[۱۳۰] سنن الترمذی ، کتاب الحدود عن رسول الله ﷺ ، باب ماجاء فیمن لا یجب علیه الحد ، رقم : ۱۴۲۳ ، ج: ۴، ص: ۳۲، داراحیاء التراث العربی ، بیروت ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الحدود ، باب فی المجنون یسرق أو یصیب حداً، رقم : ۴۳۹۸، ج: ۴،ص: ۱۳۹ ، دارالفکر ، وسنن النسائی ، باب من لایقع طلاقه من الأزواج ، رقم : ۳۴۳۲، ج: ۶ ، ص: ۱۵۶ ، مکتب المطبوعات الاسلامیة ، حلب ، ۱۴۰۶ھ.

[۱۳۱] لیس فی مال الیتیم زکاة ، کتاب الحجة ، ج: ۱ ،ص: ۴۶۰، عالم الکتب ، بیروت ، ۱۴۰۳ھ. ومصنف ابن أبی شیبه ، من قال لیس فی مال الیتیم زکاة حتی یبلغ ، رقم : ۱۰۱۲۵ ، ج: ۲،ص: ۳۷۹.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ ۔ کتاب الحج

عام طور پر عبادتوں کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

ایک "**عبادات بدنیہ**" جو انسان کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں اور بدن کے ذریعہ ان کی ادائیگی ہوتی ہے، جیسے نماز بدنی عبادت ہے۔

دوسری "**عبادات مالیہ**" جس میں بدن کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، جیسے زکوۃ اور قربانی۔

تیسری عبادات وہ ہیں جو بدنی بھی ہیں اور مالی بھی ہیں، ان کے ادا کرنے میں انسان کے بدن کو بھی دخل ہوتا ہے اور مال کو بھی دخل ہوتا ہے، جیسے حج کی عبادت۔ حج کی عبادت میں انسان کا بدن بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کا مال بھی خرچ ہوتا ہے، اس لئے یہ عبادت بدن اور مال دونوں سے مرکب ہے۔ اور اس حج کی عبادت میں عاشقانہ شان پائی جاتی ہے، کیونکہ حج میں اللہ جل جلالہ نے ایسے ارکان رکھے ہیں جن کے ذریعہ اللہ جل جلالہ سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔[1]

(۱) باب وجوب الحج وفضله

حج کے واجب ہونے اور اس کی فضیلت کا بیان

وقول اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۷]

---

[1] والعبادات انواع: مالية محضة، كالزكاة، بدنية كالصلاة، ومركب منها، كالحج، والنيابة تجزئ في النوع الأول، ولاتجزئ في الثاني بحال، وتجزئ في النوع الثالث عند العجز، ولا تجزئ عند القدرة، عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۹.

ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص
قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ
پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔ [۲]

۱۵۱۳ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ،عن ابن شهاب ، عن سليمان ابن يسار ، عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنهما قال : كان الفضل رديف رسول اللہ ﷺ ، فجائت امرأة من خثعم ، فجعل الفضل ينظر اليها وتنظر اليه وجعل النبی ﷺ يصرف وجه الفضل الى الشق الآخر فقالت : يارسول اللہ ، أن فريضة اللہ على عباده فی الحج أدركت أبی شيخاً كبيراً لايثبت على الراحلة ، أفأحج عنه ؟ قال : ((نعم)) ، وذلک فی حجة الوداع . [أنظر : ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۴۳۹۹، ۶۲۲۸] [۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ فضل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے، قبیلہ خشعم کی ایک عورت آئی تو فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت فضل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور نبی کریم ﷺ فضل رضی اللہ عنہ کی نگاہ دوسری طرف پھیر رہے تھے، اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، لیکن میرا باپ بہت بوڑھا ہو گیا ہے وہ سواری پر ٹھہر نہیں سکتا۔ تو کیا میں اس کی

[۲] اس پاک گھر میں جمال خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لئے اسے مخصوص کیا گیا کیونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا اس جمیل مطلق اور محبوب برحق کے عشق و محبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے پس ضروری ہے کہ جسے اس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی و مالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیار محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے۔ اس مضمون کو حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ نے ''قبلہ نما'' میں بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے۔ جو مدعی محبت اتنی تکلیف اٹھانے سے بھی انکار کرے سمجھ لو کہ جھوٹا عاشق ہے۔ اختیار ہے جہاں چاہے دھکے کھاتا پھرے خود محروم و مہجور رہے گا، اس کا کیا بگڑتا ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۹۷۔

[۳] وفی صحيح مسلم، كتاب الحج ، باب الحج عن العاجز لزمانه و هرم ونحوهما أو للموت، رقم : ۲۳۷۵،وسنن الترمذی، كتاب الحج عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الحج عن الشيخ الكبير والميت، رقم : ۸۵۰، وسنن النسائی ، كتاب مناسک الحج ، باب حج المرأة عن رسول الرجل ، رقم : ۲۵۹۳ ، و كتاب آداب القضاة ، باب الحكم بالتشبيه والتمثيل وذكر الاختلاف على الوليد ، رقم : ۵۲۹۶، سنن أبی داؤد ، كتاب المناسک ، باب الرجل يحج عن غيره ، رقم : ۱۵۴۴ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسک ، باب الحج عن الحیّ اذا لم يستطع ، رقم : ۲۸۹۸، ومسند أحمد، ومسند بنی هاشم ، باب مسند الفضل بن عباس ، رقم : ۱۷۱۶، ۱۷۲۵، ۱۷۹۲، ۲۱۵۳، ۳۰۶۸، ۳۲۰۳، وموطا مالک ، كتاب الحج ، باب الحج عمن يحج عنه ، رقم : ۷۰۳، وسنن الدارمی ، كتاب المناسک ، باب فی الحج عن الحیّ ، رقم : ۱۷۶۱، ۱۷۶۳.

طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

اس حدیث سے علماء کرام نے یہ استنباط کیا ہے کہ حالتِ احرام میں عورت نقاب نہیں ڈال سکتی اور اگر چہرہ کھلا تو بھی جائز ہے، البتہ حتی الامکان فتنے سے بچنے کیلئے سر پر کوئی ایسی چیز لگا کر نقاب ڈالا جائے کہ نقاب چہرے کو نہ لگے۔[۴]

(۲) باب قول اللہ تعالیٰ:

﴿وَ أَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ. لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [الحج: ۲۷۔۲۸]

ترجمہ: اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے۔ تاکہ پہنچیں اپنے فائدوں کی جگہوں پر۔[۵،۶]

فجاجا [نوح: ۲۰] **الطرق الواسعة. فجاجا**۔ سے وسیع راہیں مراد ہیں۔

۱۵۱۴۔ حدثنا أحمد بن عيسى: حدثنا ابن وهب، عن يونس، عن ابن شهاب أن سالم بن عبدالله بن عمر أخبره أن ابن عمر رضي الله عنهما قال: رأيت رسول الله ﷺ يركب راحلته بذي الحليفة ثم يهل حين تستوي به قائمة. [راجع: ۱۶۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو ذی الحلیفہ میں دیکھا کہ اپنی سواری پر سوار ہوئے پھر جب وہ سیدھی کھڑی ہو جاتی تو لبیک کہتے۔

۱۵۱۵۔ حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا الوليد: حدثنا الأوزاعي: سمع عطاء يحدث عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما: أن اهلال رسول الله ﷺ من ذي الحليفة

---

۴ کذا فی عمدۃ القاری، ج: ۷، ص: ۹۔

۵ جب کعبہ تعمیر ہو گیا تو ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکارا کہ لوگو! تم پر اللہ جل جلالہ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ، حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچادی (بلاتشبیہ جیسے آج کل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سن لیتے ہیں) جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پیادہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اتنی دور سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے اونٹنیاں تھک جاتی اور دبلی ہو جاتی ہیں، بلکہ عموماً حاجیوں کو عمدہ سانڈنیاں کہاں ملتی ہیں ان ہی سوکھے دبلے اونٹوں پر منزلیں قطع کرتے ہیں۔ یہ گویا اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی "فاجعل افئدة من الناس تهوي اليهم"۔ تفسیر عثمانی، سورۃ الحج، آیت: ۲۷، ۲۸، فائدہ: ۶۔

۶ اصل مقصد تو دینی و اخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج و عمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا۔ لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ تفسیر عثمانی، سورۃ الحج، آیت: ۲۷، ۲۸، فائدہ: ۷۔

حين استوت به راحلته . رواه أنس و ابن عباس ﷺ . ۷، ۸

حضور ﷺ کا لبیک کہنا ذی الحلیفہ سے اس وقت ہوتا جب آپ ﷺ کی اونٹنی سیدھی کھڑی ہو جاتی۔

(۳) باب الحج على الرحل

پالان پر سوار ہو کر حج کرنے کا بیان

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اونٹ پر سوار ہونے کے دو طریقے ہوتے ہیں:

ایک طریقہ یہ ہے کہ با قاعدہ ہودج بنایا جائے اور آدمی اس کے اندر بیٹھے، ہودج میں سایہ وغیرہ ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رحل لگایا اور بیٹھ گیا اوپر سایہ نہیں ہوتا۔

حج میں بہتر یہ ہے کہ آدمی ہودج استعمال نہ کرے بلکہ بغیر سایہ کے صرف اونٹ پر بیٹھ جائے، کیونکہ اس میں زیادہ تواضع ہے اور حج تواضع چاہتا ہے۔

۱۵۱۶ ـ وقال أبان : حدثنا مالک بن دينار، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضى الله عنها : أن النبى ﷺ بعث معها أخاها عبدالرحمٰن فأعمرها من التنعيم، وحملها على قتب. وقال عمر ﷺ : شدّوا الرّحال فى الحج فإنّه أحد الجهادَين. [راجع: ۲۹۴]

یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کے ساتھ ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو بھیجا تھا، انہوں نے تنعیم سے عمرہ کروایا، "**وحملها على قتب**" انہوں نے ان کو پالان پر بٹھایا تھا، ہودج نہیں تھا۔

"**وقال عمر** ﷺ" حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ حج کے اندر کجاوہ کسا کرو، یعنی ہودج نہ بناؤ، کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے، جس طرح جہاد میں مشقت اختیار کرنی پڑتی ہے، اسی طرح حج میں بھی تھوڑی مشقت اٹھائے اور کجاوہ کسے تو بہتر ہے۔

۱۵۱۷ ـ حدثنا محمد بن أبى بكر ـ هو المقدمىّ : حدثنا يزيد بن زريع : حدثنا عزرة بن ثابت، عن ثمامة بن عبدالله بن أنس قال : حج أنس على رحل و لم يكن

---

۷ لايوجد للحديث مكررات.

۸ وفى صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبى، رقم : ۲۱۳۷، وسنن أبى داؤد، كتاب المناسک، باب صفة حجة النبى، رقم : ۱۶۲۸، ومسند أحمد، باقى مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبدالله، رقم : ۱۳۹۱۸، ۱۴۵۰۹، وسنن الدارمى، كتاب المناسک، باب فى سنة الحج، رقم : ۱۷۷۸.

شحيحاً، وحدث أن رسول الله ﷺ حج على رحل وكانت زاملته. [۹،۱۰]

حدیث کا مفہوم

حضرت انس ﷺ نے رحل پر حج کیا حالانکہ وہ بخیل نہیں تھے، اگر وہ چاہتے تو ہودج بنا سکتے تھے لیکن نہیں بنایا بلکہ رحل پر سفر کیا۔

"وحدث" اور آپ ﷺ نے بھی رحل پر حج کیا تھا اور یہی اونٹ تھا جو آپ ﷺ کا زاملہ تھا۔

زاملہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سامان وغیرہ لے کر جائے اسی پر سواری بھی فرما رہے تھے اور اسی پر آپ ﷺ کا سامان بھی تھا، ایسا نہیں تھا کہ سواری کے لئے الگ جانور اور سامان کے لئے الگ جانور ہو۔

مطلب یہ ہے کہ سادگی اور تواضع کے ساتھ آپ ﷺ نے حج کیا۔

۱۵۱۸ ـ حدثنا عمرو : حدثنا أبو عاصم : حدثنا أيمن بن نابل : حدثنا القاسم بن محمد ، عن عائشة رضي الله عنها انها قالت : يارسول الله ، اعتمرتم ولم أعتمر. فقال : ((ياعبدالرحمن اذهب بأختک فأعمرها من التنعيم)). فأحقبها على ناقة فأعتمرت . [راجع : ۲۹۴]

"فأحقبها على ناقة فأعتمرت" چنانچہ ان کو اونٹنی پر پیچھے بٹھالیا، تو انہوں نے عمرہ کیا۔

(۴) باب فضل الحج المبرور

حج مقبول کی فضیلت کا بیان

۱۵۱۹ ـ حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله : حدثنا ابراهيم بن سعد عن الزهري ، عن سعيد بن المسيب ، عن أبي هريرة ﷺ قال : سئل النبي ﷺ : أي الأعمال أفضل ؟ قال : ((أيمان بالله ورسوله)) . قيل : ثم ماذا ؟ قال : ((جهاد في سبيل الله)) . قيل : ثم ماذا ؟ قال :((حج مبرور)). [راجع: ۲۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جل جلالہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا حج مقبول۔

---

۹ لایوجد للحدیث مکررات.

۱۰ وفی سنن ابن ماجه ، کتاب المناسک ، باب الحج علی الرحل، رقم : ۲۸۸۱.

۱۵۲۰ ــ حدثنا عبدالرحمٰن بن المبارک : حدثنا خالد : أخبرنا حبیب بن أبی عمرة ، عن عائشة بنت طلحة ، عن عائشة أم المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أنها قالت : یارسول اللّٰه ، نری الجهاد أفضل العمل ، قال : ((لکن أفضل الجهاد حج مبرور)). [أنظر : ۱۸۶۱، ۲۷۸۴، ۲۸۷۵، ۲۸۸۶] ؎۱

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ہم جہاد کو سب سے بہتر عمل سمجھتی ہیں تو کیا ہم بھی جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے افضل جہاد حج مقبول ہے۔

۱۵۲۱ ــ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة : حدثنا سیار أبو الحکم قال : سمعت أبا حازم قال : وسمعت أبا هریرة ﷺ قال : سمعت النبی ﷺ یقول : ((من حج للّٰه فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته أمه)) . [أنظر : ۱۸۱۹، ۱۸۲۰] ؎۲

ترجمہ: حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے یہ سنا کہ جس نے اللہ ﷻ کے لئے حج کیا اور اس نے نہ فحش بات کی اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا تو اس دن کی طرح گناہ سے پاک وصاف ہوگا جس دن سے اس کی ماں نے جنا تھا۔

(۵) باب فرض مواقیت الحج والعمرة

حج وعمرہ کی میقاتوں کا بیان

۱۵۲۲ ــ حدثنا مالک بن اسماعیل : حدثنا زهیر قال : أخبرنی زید بن جبیر : أنه أتی عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما فی منزله وله فسطاطٌ وسرادق فسألته : من أین یجوز أن أعتمر؟ قال : فرضها رسو ل اللّٰه ﷺ لأهل نجد قرناً ، ولأهل المدینة ، ذا الحلیفة ، ولأهل الشام الجحفة . [راجع : ۱۳۳]

؎۱ وفی سنن النسائی ، کتاب مناسک الحج ، باب فضل الحج ، رقم : ۲۵۸۱ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب المناسک ، باب الحج جهاد النساء ، رقم : ۲۸۹۲ .

؎۲ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة ، رقم : ۲۴۰۴ ، وسنن الترمذی ، کتاب الحج عن رسول اللّٰه ، باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرة ، رقم : ۷۳۹ ، وسنن النسائی ، کتاب مناسک الحج ، باب فضل الحج ، رقم : ۲۵۸۰ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب المناسک ، باب فضل الحج والعمرة ، رقم : ۲۸۸۰ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی هریرة ، رقم : ۶۸۳۹ ، ۷۰۷۷ ، ۸۹۴۳ ، ۹۸۸۵ ، ۱۰۰۰۶ ، وسنن الدارمی ، کتاب المناسک ، باب فی فضل الحج والعمرة ، رقم : ۱۷۲۸ .

ترجمہ: حضرت زید بن جبیر نے بیان کیا کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی قیام گاہ پر آئے۔ ان کا خیمہ لگا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میرے لئے کہاں سے عمرہ کا احرام باندھنا جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے لئے **"قرن"** اہل مدینہ کے لئے **"ذوالحلیفة"** اور شام کے لئے **"جحفة"** کو مقرر کیا ہے۔

میقات

میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے مکہ کی طرف جانے والا بغیر احرام کے نہیں گزر سکتا بلکہ احرام کی حالت میں ہونا ضروری ہے۔

حضور ﷺ نے مکہ معظمہ کے چاروں جانب کی بعض جگہوں کے نام لے کر میقاتوں کی تعیین فرمادی، اب دوسرے علاقوں سے آنے والا جو جدھر سے مکہ میں آئے گا اس کے لئے وہی میقات ہوگا خواہ وہ ان متعینہ میقاتوں سے آئے یا ان کی محاذات سے گزرے۔

(٦) باب قول اللہ تعالی: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ [البقرة : ۱۹۷]

۱۵۲۳ ۔ حدثنا يحيیٰ بن بشر: حدثنا شبابة، عن ورقاء، عن عمرو بن دينار، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان أهل اليمن يحجّون ولا يتزوّدون ويقولون: نحن المتوكّلون. فإذا قدموا المدينة وسألوا الناس، فأنزل الله تعالیٰ: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ [البقرة : ۱۹۷].

رواه ابن عيينة، عن عمرو، عن عكرمة مرسلاً۔ [۱۳، ۱۴]

تشریح

اہل یمن جب حج کیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ سامان یعنی زادِ راہ نہیں لایا کرتے تھے، کہتے تھے کہ ہم تو متوکل ہیں، توکل پر عمل کرتے ہیں، لیکن جب مکہ مکرمہ آئے تو لوگوں سے مانگتے تھے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيرَ الزَّادِ التَّقْوىٰ﴾

''اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بے شک بہتر فائدہ زادِ راہ کا بچنا ہے سوال سے''

---

[۱۳] انفرد به البخاری.

[۱۴] وفی سنن أبی داؤد، كتاب المناسک، باب التزود فی الحج، رقم: ۱۴۷۰.

فائدہ: ایک غلط دستور کفر میں یہ بھی تھا کہ بغیر زادِراہ خالی ہاتھ حج کو جانا ثواب سمجھتے تھے اور اس کو توکل کہتے تھے وہاں جا کر ہر ایک سے مانگتے پھرتے اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ جن کو مقدور ہو وہ خرچ ہمراہ لے کر جائیں تاکہ خود تو سوال سے بچیں اور لوگوں کو حیران نہ کریں۔[۱۵]

یعنی اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ اپنے ساتھ زادِراہ لے کر جاؤ، اس لئے کہ بہترین زادِراہ تقویٰ ہے، یہاں تقویٰ سے مراد **"تقوی عن أسئلة الناس"** لوگوں سے مانگنے سے بچنا ہے، زیادہ تر مفسرین نے یہاں تقویٰ کے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مطلق تقویٰ مراد ہے اور یہ جملہ بطورِ مناسبت لایا گیا ہے کہ زادِراہ لے کر جاؤ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگرچہ بہترین زاد تقویٰ ہے وہ بھی ساتھ رکھو لیکن زادِ ظاہری بھی رکھو۔ تو ظاہری اور باطنی دونوں زاد ساتھ رکھو، یہ مراد ہے۔[۱۶]

(۷) باب مهلّ أهل مكّة للحج والعمرة

حج وعمرہ کے لئے اہل مکہ کے احرام باندھنے کی جگہ کا بیان

۱۵۲۴ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا وهيب: حدثنا ابن طاؤس، عن أبيه، عن ابن عباس قال: وقّت رسول الله ﷺ لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشّام الجحفة ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل اليمن يلملم هنّ لهم ولمن أتى عليهنّ من غيرهنّ ممّن أراد الحج والعمرة. ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ حتى أهل مكة من مكة. [أنظر: ۱۵۲۶، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۸۴۵].[۱۷]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے اہل مدینہ کیلئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے

---

[۱۵] تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۷۔

[۱۶] وفسره السيوطي بما يتقى به من السؤال، وهو المال، وليس بمراد عندي، بل التقوى على معناه المعروف، والمراد أنه الزاد الحسي، فقد علمتم أنه لابدّ لكم، فسوف تأخذونه، ولكن ههنا زاد آخر أقوم وأهم منه، وهو التقوى، فهو زاد معنوي فلا تنسوه، واجعلوه أيضاً من زادكم، فانه خير زاد لمن تزوده، ويؤيده ما عند أبي داؤد، أن رجلاً سأل النبي الزاد، فقال: زودك الله التقوىٰ، وانما أول به السيوطي. فيض الباري، ج: ۳، ص: ۶۳.

[۱۷] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مواقيت الحج والعمرة، رقم: ۲۰۲۳، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب ميقات أهل اليمن، رقم: ۲۶۲۶، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب مسند عبدالله بن العباس، رقم: ۲۰۲۱، ۲۱۲۸، ۲۱۵۹، ۲۹۰۶، ۲۹۸۱، وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب المواقيت في الحج، رقم: ۱۷۲۴.

جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن منازل اور اہل یمن کے لئے یلملم مقرر فرمایا۔ یہ ان کے لئے میقات ہے۔ اوران کے لئے جو دوسرے مقامات سے حج وعمرہ کے ارادہ سے آئیں اور جو ان میقاتوں کے اندر رہنے والا ہے وہ وہیں سے احرام باندھے جہاں سے چلا ہے یہاں تک کہ اہل مکہ، مکہ ہی سے احرام باندھ لیں۔

مواقیت کی تعریف اور مواضع میقات

مواقیت، میقات کی جمع ہے۔ یہاں مکان معین کے لئے استعمال کیا گیا ہے جب میقات وقت معین کے لئے آتا ہے۔ یہاں میقات سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

اہل مدینہ کا میقات

اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ ہے۔ یہاں پہلے ایک درخت تھا جہاں اب ایک مسجد بنی ہوئی ہے، یہ مقام مدینہ سے چھ میل کے قریب ہے۔

اہل شام کا میقات

اہل شام کی میقات جحفہ ہے۔

اہل نجد کا میقات

اہل نجد کی میقات قرن منازل ہے۔

اہل یمن کا میقات

اہل یمن کی میقات یلملم ہے۔ یہ مکہ سے جنوب میں تیس میل ہے۔

جدہ "یلملم" کے محاذی ہے، لہٰذا پانی کے جہاز میں جانے کی صورت میں جدہ پر اتر کر احرام باندھنا جائز ہے اور ہوائی جہاز پر جانے کی صورت میں قرن المنازل سے پہلے پہلے احرام باندھنا واجب ہے۔

اہل عراق کا میقات

اہل عراق کی میقات ذات عرق ہے۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ اور بصرہ کو فتح کرنے کے بعد اس جگہ کو میقات مقرر کیا تھا، ذات عرق کے علاوہ باقی چار میقات کے تعیین کا ثبوت صحیحین میں ہے اور ذات عرق کا ثبوت مسلم وابوداؤد میں ہے۔[۱۸]

اہل مکہ کے لئے حج وعمرہ کی میقات

یہ حج والوں کے لئے ہے کہ اہل مکہ، مکہ ہی سے احرام باندھیں گے، البتہ عمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ سے

۱۸ عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۳۱.

یا حرم سے باہر جائیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ مکّی جس طرح حج کا احرام مکہ ہی سے باندھتا ہے وہ عمرہ کا احرام بھی مکہ ہی سے باندھے گا۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ مسلک جمہور اُمت کے خلاف اور امام بخاریؒ کا تفرد ہے، اور جمہور امت کا یہی مسلک ہے کہ مکی حج کا احرام اگرچہ مکہ سے باندھے گا لیکن عمرہ کا احرام اس کے لئے حل سے باندھنا ضروری ہے۔

"ممّن أراد الحج و العمرة"

اس سے شافعیہ اور حنابلہ اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ احرام اس شخص کے لئے باندھنا ضروری ہے جو حج یا عمرہ کی نیت سے جارہا ہو، اگر کسی اور کام سے جارہا ہو تو احرام باندھنا واجب نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چاہے جس نیت سے بھی جائے اگر کاروبار کی نیت ہو تب بھی احرام باندھ کر جائے، پہلے عمرہ ادا کرے پھر کوئی اور کام کرے، وہ فرماتے ہیں کہ احرام اس جگہ کے تقدس کی بنا پر ہے اس لئے ضروری ہے۔ [19]

حنفیہ کی ایک دلیل مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے: **"لاتجاوزوا الميقات الّا باحرام"**۔ نیز امام محمدؒ نے مؤطا میں بلاغاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے واپسی پر جو عمرہ کیا، اس کے بارے میں فرمایا: **"هٰذه العمرة لدخولنا مكة بغير احرام"** یعنی فتح مکہ کے موقع پر چونکہ ہم احرام کے بغیر داخل ہوئے تھے اس لئے اب عمرہ کررہے ہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بغیر احرام کے میقات سے گذر جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ باہر آکر عمرے یا حج کا احرام باندھے۔

حدیث کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں **"مـن"** بیانیہ ہے تبعیض کے لئے نہیں، لہٰذا جو شخص بھی مکہ مکرمہ جائے اسے حج یا عمرہ کا ارادہ کرنا ہی پڑے گا۔

آج کے دور میں اس پر عمل بڑا مشکل ہوگیا ہے اس لئے کہ ایک شخص طائف میں رہتا ہے اور مکہ میں کام کرتا ہے، اسی طرح ڈرائیور دن میں مکہ اور طائف کے درمیان دس چکر لگاتے ہیں اگر ان پر یہ پابندی عائد کی جائے کہ ہر مرتبہ آکر پہلے عمرہ ادا کریں تو اس میں حرجِ عظیم ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے شافعیہ وغیرہ کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ [20]

---

[19] تمسک به الشافعية على أن الاحرام انما يجب على من دخل مكة معتمراً أوحاجاً ، أما من لم يرد هما ، بل أراد التجارة أو غيرها ، فليس عليه احرام ، ويجب عليه الاحرام عندنا مطلقاً ، لأنه لتعظيم البقعة المباركة ، فيستوى فيه الحاج وغيره ، فكان الاحرام عندنا لازم لمن دخلها ، وأما عند الشافعية فموقوف على ارادته احدى العبادتين . فيض البارى ، ج:۳، ص: ۶۴ .

[20] من أتى على ميقات من المواقيت لايتجاوزه غير محرم عند أبى حنيفة سواء قصد دخول مكة أو لم يقصد و قال القرطبى : أما من مرّ على الميقات قاصداً دخول مكة من غير نسك ، وكان ممن لايتكرر دخوله اليها ، فهل يلزمه دم أو لا ؟

اختلف فيه أصحابنا ، وظاهر الحديث انه انما يلزم الاحرام من اراد مكة لأحد النسكين خاصة ، وهو مذهب الزهرى وأبى مصعب فى آخرين ، وقال ابن قدامة :أما المجاوز للميقات ممن لايريد النسك فعلى قسمين :أحدهما : لايريد دخول مكة بل يريد حاجة فيما سواها ، فهذا لايلزمه الاحرام بلاخلاف ، ولا شيء عليه فى تركه الاحرام لأنه أتى بدراً مرتين ولم يحرم ، ولا أحد من أصحابه ، ثم بدأ لهذا الاحرام وتجدد له العزم عليه أن يحرم من موضعه ، ولا شيء عليه ، هذا ظاهر كلام الحرقى ، وبه يقول مالک والثورى والشافعى الى الخ.. . عمدة القارى ، ج: ۷، ص: ۳۰ .

"**حتی أهل مكة من مكة**" یہ حج کی بات ہے۔ عمرے میں احرام باندھنے کے لئے حرم سے باہر نکلنا ضروری ہے۔

(۸) باب ميقات أهل المدينة ولا يهلّون قبل ذى الحليفة

اہل مدینہ کے میقات کا بیان اور یہ لوگ ذوالحلیفہ پہنچنے سے پہلے احرام نہ باندھیں

۱۵۲۵ ۔ حدثنا عبدالله بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما : أن رسول الله ﷺ قال : ((یهل أهل المدینة من ذی الحلیفة ، وأهل الشام من الجحفة ، وأهل نجد من قرن)) .

قال عبدالله : وبلغنی أنّ رسول الله ﷺ قال : ((ویهل أهل الیمن من یلملم)) . [راجع : ۱۳۳]

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں۔

(۹) باب مهل أهل الشام

اہل شام کے احرام باندھنے کی جگہ

۱۵۲۶ ۔ حدثنا مسدد : حدثنا حماد بن عمرو بن دینار ، عن طاؤس ، عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال : وقت رسول الله لأهل المدینة ذا الحلیفة ، ولأهل الشام الجحفة ولأهل نجد قرن المنازل ، ولأهل الیمن یلملم ، فهن لهن ولمن أتی علیهن من غیر أهلهن لمن کان یرید الحج والعمرة . فمن کان دونهن فمهله من أهله . وکذاک حتی أهل مکة یهلّون منها . [راجع : ۱۵۲۴]

ترجمہ: حضور ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ، اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد لے لئے قرن منازل اور اہل یمن کیلئے یلملم کو احرام باندھنے کی جگہ مقرر فرمایا۔

"**فهن لهن ولمن أتی علیهن من غیر أهلهن لمن کان یرید الحج والعمرة**"

یہ جگہیں ان کے لئے میقات ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی جو ان کے علاوہ دوسری جگہوں سے حج اور عمرے کے ارادہ سے آئیں۔

جو ان میقات کے اندر رہنے والے ہیں ان کے احرام باندھنے کی جگہ ان کے گھر سے شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ اہل مکہ گھر ہی سے احرام باندھ لیں۔

(۱۱) باب مهل من كان دون المواقيت

جولوگ میقات کے ادھر رہتے ہوں

۱۵۲۹ ـ حدثنا قتيبة : حدثنا حماد ، عن عمرو ، عن طاؤس ، عن ابن عباس رضى الله عنهما : أن النبى ﷺ وقت لأهل المدينة ذا الحليفة ، ولأهل الشام الجحفة ، ولأهل اليمن يلملم ، ولأهل نجد قرنا . فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن ممن كان يريد الحج والعمرة . فمن كان دونهن فمن أهله حتى ان أهل مكة يهلون منها . [راجع : ۱۵۲۴]

"**مهل من كان دون المواقيت**" اس ترجمۃ الباب اور حدیث میں میقاتوں سے ادھر ادھر رہنے والوں کے احرام باندھنے کی جگہوں کا بیان ہے۔

(۱۳) باب : ذات عرق لأهل العراق

عراق والوں کے لئے میقات ذات عرق ہے

۱۵۳۱ ـ حدثنى على بن مسلم قال : حدثنا عبدالله بن نمير : حدثنا عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضى الله عنهما قال : لما فتح هذان المصران أتوا عمر . فقالوا: يا أمير المؤمنين ، ان رسول الله ﷺ حد لأهل نجد قرنا وهو جور عن طريقنا ، وانا ان أردنا قرنا شق علينا . قال : فانظروا حذوها من طريقكم ، فحدّ لهم ذات عرق . [۲۱، ۲۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ دونوں ملک فتح کئے گئے تو لوگ حضرت عمر ؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المؤمنین! رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے لئے قرن کو مقرر فرمایا اور وہ ہمارے راستہ سے ہٹا ہوا ہے، اگر ہم قرن کا رادہ کریں تو ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا اپنے راستہ میں اس کے سامنے کوئی جگہ دیکھو اور ان کے لئے ذات عرق کو مقرر فرمایا۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ دو شہر یعنی کوفہ اور بصرہ فتح ہوئے، فتح ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ زمین فتح ہوئی، بعد میں وہاں شہر آباد ہوئے، تو وہاں کے لوگ حضرت عمر ؓ کے پاس آئے

---

[۲۱] لایوجد للحدیث للمکررات .

[۲۲] وانفرد به البخاری .

اور آکر کہا کہ رسول کریم ﷺ نے اہلِ نجد کے لئے قرن کو میقات بنایا تھا اور وہ ہمارے راستے سے الگ اور دور ہے، اگر ہم قرن سے آئیں تو اس میں ہمارے لئے بڑی مشقت ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کی محاذات دیکھو کہ تمہارے راستے میں قرن کی محاذات میں کون سی بستی پڑتی ہے **"فحدّ لھم ذات عرق"** انہوں نے اہل عراق کے لئے ذات عرق کو حد مقرر فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق، حضرت فاروقِ اعظم ﷺ نے مقرر کی، لیکن نسائی، طحاوی اور مسلم شریف کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے اہلِ عراق کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا تھا اور وہ روایات زیادہ راجح اور صحیح ہیں۔ ۲۳

ایسا لگتا ہے کہ شاید یا تو حضرت عمر ﷺ کو علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے عراق والوں کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر کیا ہے، اس لئے انہوں نے اس کی محاذات نکالی جو اتفاق سے وہی بنی، یا یہ ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے حضورِ اقدس ﷺ کی توقیت کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو ذات عرق قرن کے محاذات میں ہے اور تمہارے راستے میں ہے، اس کا منشأ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو جگہ مقرر کی حضرت عمر ﷺ نے اس کی حکمت بیان کردی کہ ذات عرق کو کیوں مقرر کیا؟

(۱۴) باب

۱۵۳۲ - حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما : أن رسول اللہ ﷺ أناخ بالبطحاء بذی الحلیفة فصلی بها و کان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یفعل ذلک. [راجع: ۴۸۴]

"أن رسول اللہ ﷺ أناخ بالبطحاء بذی الحلیفة فصلی بها و کان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یفعل ذلک"

حضور اکرم ﷺ نے ذی الحلیفہ کی پتھریلی زمین میں اپنی اونٹنی بٹھائی اور وہاں نماز پڑھی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کرتے تھے۔ ۲۴

۲۳ مزید ملاحظہ فرمائیں: فثبت أن عمر ...... وأخرجه النسائی : أخبرنا عمرو بن منصور قال : حدثنا ہشام بن بہرام . . . الی آخرہ ، وبحدیث جابر أخرجه مسلم ، وفیه : مهل أهل العراق ذات عرق ، وأخرجه الطحاوی أیضاً ولفظه : ولأهل العراق ذات عرق ، ثم قال الطحاوی : فقد ثبت عن رسول اللہ ﷺ بهذا الآثار من وقت أهل العراق ، کما ثبت من وقت من سواهم . عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص : ۳۶ .

۲۴ یہ حدیث تبرک بآثار الانبیاء کی فضیلت پر گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۳، ص:۲۲۹۔

(۱۵) باب خروج النبی ﷺ على طريق الشجرة

نبی اکرم ﷺ کا شجرہ کے راستہ سے جانے کا بیان

۱۵۳۳ ـ حدثنا ابراهيم المنذر : حدثنا أنس بن عياض ، عن عبيدالله ، عن نافع، عن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما : أن رسول الله ﷺ كان يخرج من طريق الشجرة ويدخل من طريق المعرس. وأن رسول الله ﷺ كان اذا خرج الى مكة صلّى فى مسجد الشجرة ، واذا رجع صلّى بذى الحليفة ببطن الوادى وبات حتى يصبح .راجع: [۴۸۴]

یہ علاقے ساتھ ساتھ ہیں یعنی ذی الحلیفہ، معرس اور شجرۃ، یہ جو مختلف باتیں آرہی ہیں سب قریب قریب ہیں، ذوالحلیفہ کے آس پاس ہے۔

(۱۶) باب قول النبی ﷺ :((العقيق وادٍ مباركٌ))

حضور ﷺ کا فرمانا کہ عقیق مبارک وادی ہے

۱۵۳۴ ـ حدثنا الحميدى: حدثنا الوليد وبشر بن بكر التنيسى قالا: حدثنا الأوزاعى قال : حدثنى يحيى قال : حدثنى عكرمة أنه سمع ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما يقول : أنه سمع عمر ﷺ يقول : سمعت رسول الله ﷺ بوادى العقيق يقول : ((أتانى الليلة آتٍ من ربى فقال : صل فى هذا الوادى المبارك، و قل: عمرة فى حجة)). [أنظر : ۲۳۳۷، ۷۳۴۳] [۲۵]

مفہوم

آج رات میرے پاس ایک آنے والا یعنی ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور یہ کہو کہ "عمرة فى حجة" یعنی قِران کی نیت کرو، یعنی تلبیہ پڑھتے ہوئے عمرہ اور حج کی نیت کرو۔

یہ بالکل صریح حدیث ہے اور اس بارے میں حنفیہ کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے قران فرمایا تھا۔

(۱۷) باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثياب

کپڑے سے خلوق کو تین مرتبہ دھونے کا بیان

۱۵۳۶ ـ قال أبو عاصم : أخبرنا ابن جريج : أخبرنى عطاء : أن صفوان بن يعلى

---

[۲۵] وفى سنن أبى داؤد، كتاب المناسك ، باب فى القران، رقم: ۱۵۳۵ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب التمتع بالعمرة الى الحج ، رقم : ۲۹۶۷، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب أول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۱۵۶ .

أخبـره : أن يعلى قال لعمر ﷺ : أرنى النبى ﷺ حين يوحى إليه قال : فبينما النبى ﷺ بالجعرانة ومعه نفر من أصحابه جاءه رجل فقال : يا رسول الله ، كيف ترى فى رجل أحرم بعمرة و هو متضمخ بطيب؟ فسكت النبى ﷺ ساعةً وجاءه الوحى فأشار عمر ﷺ إلى يعلى ، فجاء يعلى وعلىٰ رسول الله ﷺ ثوب قد أظل به فأدخل رأسه فإذا رسول الله ﷺ محمر الوجه وهو يغط ثمّ سرى عنه . فقال : ((أين الذى سأل عن العمرة؟)) فأتى برجل فقال : ((اغسل الطيب الذى بک ثلاث مرّات . وانزع عنک الجبّة ، واصنع فى عمرتک ما تصنع فى حجتک)) .

قلت لعطاءٍ : أراد الإنقاءَ حين أمره أن يغسل ثلاث مرّات ؟ قال : نعم. [أنظر: ۱۷۸۹، ۱۸۴۷، ۴۳۲۹، ۴۹۸۵]

تشریح

حضرت صفوان بن یعلی ﷺ کہتے ہیں کہ ان کے والد یعلی ﷺ نے حضرت عمر ﷺ سے کہا کہ مجھے نبی کریم ﷺ کو اس وقت دکھایئے جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔

"فبينما النبى ﷺ بالجعرانة ومعه نفر من أصحابه جاءه رجل"

آپ ﷺ جعرانہ کے مقام میں قیام فرما تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور آکر عرض کیا کہ **"یارسول اللہ"** اس شخص کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے، جس نے اس حالت میں عمرہ کا احرام باندھا ہو کہ وہ خوشبو سے لتھڑا ہوا ہو، یعنی اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے، اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، حضرت عمر ﷺ نے یعلی ﷺ کی طرف اشارہ کیا کہ تم وحی نازل ہوتی ہوئی دیکھنا چاہتے تھے، اب دیکھو۔ آپ ﷺ پر ایک کپڑا تھا جس سے آپ ﷺ پر سایہ کیا ہوا تھا، **"فادخل رأسه"** انہوں نے اپنا سر اس کپڑے میں داخل کیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہوا ہے اور آپ ﷺ لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں، پھر آپ ﷺ سے یہ کیفیت زائل کر دی گئی۔

" فقال :((أين الذى سأل عن العمرة ؟)) فأتى برجل فقال :((اغسل الطيب الذى بک ثلاث مرّات . وانزع عنک الجبّة ، واصنع فى عمرتک ما تصنع فى حجتک))"

اس شخص کو بلا کر لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جس خوشبو میں تم لتھڑے ہوئے ہو اس کو تین مرتبہ دھو لو اور جو سلا ہوا جبہ پہنا ہوا ہے اس کو اتار دو، اور عمرہ میں وہی کام کرو جو حج میں کرتے ہو، یعنی حج کے اندر حالتِ احرام میں جن چیزوں سے پرہیز کرتے ہو، حالتِ عمرہ میں بھی انہی چیزوں سے پرہیز کرو۔

روایت میں جنایت کی جزاء سے سکوت ہے، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے جنایت پر جو بھی جزاء آتی ہوگی، اس کا بھی حکم دیا ہوگا جو راوی نے ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس کا مقصد پورا حکم بیان نہیں کرنا تھا، بلکہ نزول وحی کا مشاہدہ کا بیان مقصد تھا۔

"قلت لعطاء: أراد الإنقاءَ حين أمره أن يغسل ثلاث مرّات؟" میں نے عطاء رحمہ اللہ سے پوچھا کہ تین مرتبہ دھونے کا حکم مکمل صفائی کے پیشِ نظر تھا؟ **"قال: نعم"** انہوں نے کہا: ہاں۔

احرام سے پہلے خوشبو کا حکم

اس حدیث سے امام مالک رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز نہیں، یعنی اس طرح خوشبو لگانا کہ احرام کے بعد بھی اس کا جرم باقی رہے جائز نہیں۔[۲۶]

جمہور کے نزدیک احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز بلکہ سنت ہے، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خوشبو ذی جرم ہو اور اس کا جرم احرام کے بعد بھی باقی رہے تو ایسی خوشبو احرام سے پہلے لگانا بدن پر تو جائز ہے کپڑے پر جائز نہیں۔

آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آرہی ہے کہ وہ خود احرام سے پہلے حضور ﷺ کو خوشبو لگایا کرتی تھیں، جس کی چمک احرام کی حالت میں بھی حضورِ اقدس ﷺ کے سرِ اقدس پر نظر آتی تھی۔

اس لئے ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ احرام سے پہلے خوشبو لگا سکتے ہیں چاہے اس کے اثرات باقی رہیں، البتہ احرام کے بعد لگانا جائز نہیں۔

حدیث باب میں جو تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے اس کے بارے میں جمہور کہتے ہیں کہ یہاں یہ وجہ نہیں تھی کہ خوشبو لگانا جائز نہیں تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خلوق خوشبو لگائی ہوئی تھی، دوسری روایات میں اس کی صراحت آتی ہے، چنانچہ یہاں امام بخاریؒ نے جو باب قائم کیا ہے وہ ہے **"باب غسل الخلوق"** خلوق کے معنی ہیں زعفران کی خوشبو اور زعفران کی خوشبو مردوں کے لئے جائز نہیں نہ عام حالت میں اور نہ احرام کی حالت میں، چونکہ انہوں نے وہ خوشبو استعمال کی تھی اس لئے دھونے کا حکم فرمایا، ورنہ فی نفسہٖ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے۔[۲۶]

۲۶، ۲۷ اختلف العلماء فى استعمال الطيب عند الاحرام واستدامته بعده، فكرهه قوم ومنعوه، منهم مالك ومحمد بن الحسن، ومنعها عمر وعثمان وابن عمر وعثمان بن أبى العاص وعطاء والزهرى، وخلافهم فى ذلك آخرون، فاجابوه منهم أبوحنيفة والشافعى تمسكاً بحديث عائشة: ((طيبت رسول الله ﷺ بيدى لحرمه حين احرام، ولحله حين احل قبل ان يطوف بالبيت))، ولمسلم: بذريرة فى حجة الوداع، وفى رواية للبخارى كما سيأتى: ((وطيبته بمسّ يقبل ان يفيض)). وعنها: ((كانى أنظر الى وبيص المسك فى مفرق رسول الله ﷺ وهومحرم)) عمدة القارى، ج:۷، ص:۴۶، وتحفة المحتاج، ج: ۲، ص: ۱۵۰، دار حراء، مكة المكرمة، ۱۴۰۶هـ.

حدیث کی دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ خوشبو قمیص پر لگی ہوئی تھی اور ذی جرم تھی جیسا کہ آگے خود محرمات الاحرام کے باب میں حدیث میں صراحت ہے کہ خلوق کپڑے پر بھی تھی۔ اور کپڑے پر لگی ہوئی خوشبو کا جرم اگر احرام کے بعد بھی باقی ہے تو وہ ناجائز ہے۔

(۱۸) باب الطّیب عند الإحرام، وما یلبس إذا أراد أن یحرم، ویترجّل ویدّھن

احرام کے وقت خوشبو لگانے کا بیان اور جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو کیا پہنے اور کنگھی اور تیل ڈالے

"وقال ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما: یشمّ المحرم الرّیحان وینظر فی المرآۃ و یتداوی بما یأکل الزّیت والسّمن. وقال عطاءٌ: یتختّم ویلبس الھمیان. و طاف ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما وھو محرم وقد حزم علی بطنہ بثوب. ولم تر عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا بالتّبان بأساً للذین یرحلون ھودجھا".

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، محرم خوشبو سونگھ سکتا ہے اور آئینہ دیکھ سکتا ہے اور کھانے کی چیزیں اور روغن زیتون اور گھی کو دوا میں استعمال کرسکتا ہے۔ اور عطاء نے کہا کہ جائز ہے کہ انگوٹھی پہنے اور ہمیانی باندھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حالت احرام میں طواف کی اس طرح کہ اپنے پیٹ پر کپڑا باندھے ہوئے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جانگیا پہننے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا، ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا کہ عائشہؓ کی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اونٹ پر ہودج کستے ہیں۔

تشریح

یہ باب قائم کیا ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے اور جب احرام کا ارادہ کرے تو کیا پہنے؟ اور کنگھی بھی کرے اور تیل بھی لگائے، یہ سب جائز ہے اور حالتِ احرام میں ریحان کا پھول بھی سونگھ سکتا ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ سونگھنا جائز نہیں کیونکہ ریحان طیب میں داخل ہے۔

"وینظر فی المراۃ و یتداوی بما یأکل الزّیت والسّمن"

اور حالتِ احرام میں آئینہ میں دیکھ سکتا ہے اور زیت اور سمن کھا کر دوا کرسکتا ہے۔

"وقال عطاء: یتختّم ویلبس الھمیان"

انگوٹھی پہننا بھی جائز ہے اور پٹی جس میں پیسے رکھنے کی تھیلی ہوتی ہے وہ باندھنا بھی جائز ہے، یہ سب امور متفق علیہ ہیں کہ جائز ہیں۔

"وطاف ابن عمر ﷺ وهو محرم وقد حزم على بطنه بثوب"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حالتِ احرام میں طواف کیا جب کہ انہوں نے اپنے پیٹ پر ایک کپڑا باندھا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ کپڑا باندھنا جائز ہے۔

"ولم تر عائشة بالتّبان بأساً للذين يرحلون هودجها"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تبّان استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا، کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکا ہے کہ تبان کے معنی نیکر کے ہیں، یعنی ایسا کپڑا جو صرف عورت غلیظہ کے ڈھانپنے کے کام آئے اور رانوں تک رہے اس سے آگے نہ جائے۔

فقہاء کرام کہتے ہیں کہ تبّان کا استعمال حالتِ احرام میں جائز نہیں، کیونکہ وہ لباس مخیط ہے اور لباسِ مخیط حالتِ احرام میں جائز نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو جائز کہا ہے اس کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ یہ ان کا مذہب ہے اور شاذ مذہب ہے، جن احادیث میں لباسِ مخیط پہننے کی ممانعت آئی ہے وہ ان کے خلاف حجت ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام جمہور سے ہٹ کر تبّان کو جائز قرار دیں، یہ ذرا بعید معلوم ہوتا ہے، اس لئے ایسا لگتا ہے کہ یہاں تبّان سے مراد کوئی ایسی چیز ہے جو سلی ہوئی نہ ہو، جیسے لنگوٹ سلا ہوا نہیں ہوتا اور اس سے مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے، تو یہ ایسی ہی کوئی چیز مراد ہو سکتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تبّان باندھنے کا ان مردوں کو کہا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہودج اٹھا رہے تھے اور حالتِ احرام میں تھے، ہودج اٹھانے میں آدمی کو زحمت ہوتی ہے اور بعض دفعہ ازار اس طرح ہو جاتا ہے جس سے کشفِ عورۃ کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ تم تبّان باندھ لو تا کہ ہودج اٹھانے کی حالت میں کشفِ عورۃ کا احتمال باقی نہ رہے۔

اس سے بھی یہ لگتا ہے کہ وہ تبّان شاید لنگوٹ وغیرہ ہو، سلا ہوا نیکر نہ ہو۔

۱۵۳۷ ۔ حدثنا محمد بن یوسف : حدثنا سفیان ، عن منصور ، عن سعید بن جبیر قال : کان ابن عمر رضی اللہ عنہما یدّھن بالزّیت . فذکرته لإبراھیم فقال : ما تصنع بقوله :

۱۵۳۸ ۔ حدثنی الأسود عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت : کأنّی أنظر إلی وبیص

الطیب فی مفارق رسول اللہ ﷺ و ھو محرم . [۲۸]

حجۃ الوداع کے واقعات

یہاں سے حضور نبی کریم ﷺ کے حجۃ الوداع کے واقعات شروع ہو رہے ہیں، اس لئے کچھ باتیں اس مبارک حج کے بارے میں عرض کر دینا مناسب ہے۔

۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس کے بعد جلد ہی حج کا موسم آگیا، حضرت عتاب اسید ﷺ کو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کا حاکم بنایا تھا، اس سال انہوں نے مسلمانوں کو لے کر حج کیا، لیکن اس حج میں مشرکین بھی شریک تھے، ۹ھ میں جب حج قریب آیا تو آنحضرت ﷺ نے شروع میں بنفس نفیس حج کے لئے جانے کا ارادہ کیا، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے ساتھ جانے والے ہدی جانوروں کے قلادے بھی تیار کر لئے، جیسا کہ انشاء اللہ آپ آگے پڑھیں گے، لیکن پھر آپ ﷺ نے ارادہ ملتوی فرما دیا، اور خود تشریف لے جانے کے بجائے حضرت صدیق اکبر ﷺ کو بھیجا، اس سال حج نہ کرنے میں نہ جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی؟ لیکن بظاہر دو حکمتیں واضح ہیں:

ایک یہ کہ ۹ھ میں بھی حج کی عبادت میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین بھی شریک تھے، اور مشرکین کا معاملہ یہ تھا کہ ان کے احرام باندھنے اور تلبیہ پڑھنے سے لے کر اختتام حج تک ہر مرحلے میں شرک اور بت پرستی کے آثار نمایاں تھے، وہ لوگ کسی نہ کسی بت کے پاس جا کر احرام باندھتے تھے، اور تلبیہ میں بھی "**الا شریکا ھو لک**" کہکر عقائد شرکیہ کا اعلان کرتے تھے، حمس کے علاوہ لوگ ننگے طواف کرتے تھے، سعی میں "اساف" اور "نائلہ" بتوں کا استلام کرتے تھے، منیٰ میں بھی پانچ بت بنائے ہوئے تھے، قربانی بھی بتوں کی قربان گاہ پر

[۲۸] وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الطیب للمحرم عند الاحرام، رقم: ۲۰۴۸، وسنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الطیب عند الاحلال قبل الزیارۃ، رقم: ۸۴۰، وسنن النسائی، کتاب الغسل والتیمم، باب اذا تطیب واغتسل وبقی أثر الطیب، رقم: ۴۱۴، وکتاب المناسک الحج، باب اباحۃ الطیب عند الاحرام، رقم: ۲۶۴۵، وسنن أبی داؤد، کتاب المناسک، باب الطیب عند الاحرام، رقم: ۱۴۸۴، وسنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الطیب عند الاحرام، رقم: ۲۹۱۸، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث السیدۃ عائشۃ، رقم: ۲۲۹۷۶، ۲۲۹۸۲، ۲۳۰۰۴، ۲۳۵۳۱، ۲۳۶۰۷، ۲۳۶۱۷، ۲۳۷۸۷، ۲۳۸۱۸، ۲۳۸۳۵، ۲۴۱۲۶، ۲۴۲۳۳، ۲۴۲۵۱، ۲۴۳۰۲، ۲۴۳۴۷، ۲۴۴۰۹، ۲۴۴۲۴، ۲۴۴۶۱، ۲۴۵۴۱، ۲۴۵۷۰، ۲۴۵۹۳، ۲۴۶۰۷، ۲۴۶۳۳، ۲۴۶۸۸، ۲۴۷۴۳، ۲۴۷۹۸، ۲۴۸۸۶، ۲۵۰۷۰، ۲۵۰۹۹، ۲۵۱۹۲، وموطأ امام مالک، کتاب الحج، باب ماجاء فی الطیب فی الحج، رقم: ۶۳۵، وسنن الدارمی، کتاب المناسک، باب الطیب عند الاحرام، رقم: ۱۷۴۳.

کرتے تھے ، حج کی تکمیل کے بعد پھر انہی بتوں کے پاس جاتے تھے ، جہاں سے احرام باندھا تھا، حالت احرام کے قواعد بھی مختلف تھے، غرض ان کا حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حج سے کوسوں دور ہو چکا تھا، ایسی حالت میں آپ ﷺ کا حج کے لئے تشریف لے جانا مناسب نہ سمجھا گیا، لہٰذا اس سال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حج کے دوران یہ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، چنانچہ اس اعلان کے بعد جب مشاہد ومناسک حج شرک آثار سے پاک ہو گئے تو ۱۰ھ میں آپ ﷺ نے حج فرمایا۔

دوسری حکمت بظاہر یہ تھی کہ نسیئ کی وجہ سے مہینوں اور تاریخوں کا نظام جاہلیت میں مختل ہو چکا تھا، اور ۱۰ھ میں ایام حج لوٹ پھر کر اپنے اصلی وقت پر آنے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"الزمان قد استعار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموٰت والأرض"** چنانچہ ۱۰ھ میں آپ ﷺ کے حج کے لئے فضا ہموار ہوگئی تو آپ ﷺ نے حج فرمایا جسے "حجۃ الوداع" بھی کہتے ہیں "حجۃ التمام" بھی اور "حجۃ البلاغ" بھی۔ اس میں قدم قدم پر آپ ﷺ کی تعلیمات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محفوظ کی ہیں اور آپ ﷺ کی ہر ادا کو امت تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، **"فجزاهم الله تعالىٰ خيرا"**۔

۱۵۳۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک عن عبدالرحمٰن بن القاسم، عن أبيه ، عن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ قالت : كنت أُطيبُ رسول اللہ ﷺ لإحرامه حين يحرم و لحلّه قبل أن يطوف بالبيت . [أنظر: ۱۷۵۴، ۵۹۲۲، ۵۹۲۸، ۵۹۳۰]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام سے پہلے تیل لگاتے تھے، میں نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے اس کا ذکر کیا کہ وہ تیل لگاتے ہیں خوشبو نہیں لگاتے، تو انہوں نے کہا کہ اس حدیث کا کیا کرو گے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں خود خوشبو لگاتی تھی۔

معلوم ہوا کہ خوشبو سے پرہیز جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کرتے تھے، کوئی ضروری نہیں۔

امام مالک اور امام محمد رحمہما اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔[۲۹]

(۱۹) من أهل ملبّداً

تلبید کر کے احرام باندھنے کا بیان

۱۵۴۰ ۔ حدثنا أصبغ : أخبرنا ابن وهب ، عن يونس ، عن ابن شهاب ، عن سالم ،

[۲۹] وأما الطيب بعد رمی الجمرة .... ويبقى فيه ريحه ، عمدة القاری ، ج : ۷، ص: ۵۲، ۵۱.

عن أبيهض قال : سمعت رسول الله ﷺ يهل ملبداً . [أنظر: ۱۵۴۹، ۵۹۱۴، ۵۹۱۵]. ۳۰

ترجمہ: **يهل ملبداً** ـ تلبید کی حالت میں " **لبیک** " کہتے ہوئے سنا۔

تلبید کہتے ہیں خطمی وغیرہ سے بالوں کولتھیڑ لینا۔احرام کی حالت میں اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بال ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔دراصل خطمی ایک لیسدار قسم کی چیز ہے جس کا استعمال کر کے آپ ﷺ نے بالوں کو جمع کر لیا تھا، تا کہ حالت احرام میں وہ پراگندہ نہ ہونے پائیں۔

(۲۰) باب الإهلال عند مسجد ذى الحليفة

ذی الحلیفہ کے نزدیک لبیک کہنے کا بیان

۱۵۴۱ ـ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا سفيان : حدثنا موسى بن عقبة : سمعت سالم بن عبدالله قال : سمعت ابن عمر رضى الله عنهما. ح ؛

وحدثنا عبدالله بن مسلمة ، عن مالک، عن موسى بن عقبة ، عن سالم بن عبدالله أنّه سمع أباه يقول : ما أهلّ رسول الله ﷺ إلّا من عند المسجد ، يعني مسجد ذى الحليفة. ۳۱، ۳۲

ترجمہ: سالم بن عبداللہ نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد یعنی مسجد ذی الحلیفہ کے پاس سے ہی لبیک کہا۔

---

۳۰ وفي صحيح مسلم ،كتاب الحج ، باب التلبية وصفتها ووقتها ، رقم : ۲۰۲۹ ، وسنن النسائي ، كتاب مناسک الحج ، باب التلبية عند الاحرام، رقم : ۲۶۳۵ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسک ، باب التلبيد ، رقم : ۱۴۸۵ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسک ، باب من لبد رأسه ، رقم : ۳۰۳۸، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب باقي المسند السابق، رقم : ۵۷۴۹، ۵۸۷۱.

۳۱ لايوجد للحديث مكررات .

۳۲ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب أمر أهل المدينة بالاحرام ، من عند مسجد ذى الحليفة ، رقم ۲۰۳۳، وسنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء من أى موضع احرم النبي ، رقم : ۷۴۷، وسنن النسائي ، كتاب مناسک الحج ، باب العمل في الإهلال، رقم : ۲۷۰۷، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسک ، باب في وقت الاحرام ، رقم : ۱۵۰۸ ، وسنن ابن ماجه، كتاب المناسک ، باب الاحرام ، رقم : ۲۹۰۷، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۵۸۸، ۴۶۱۰، ۴۷۰۹، ۵۰۸۵، ۶۱۴۰، وموطأ مالک ، كتاب الحج ، باب العمل في الاهلال، رقم : ۶۴۵.

اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں تلبیہ کب پڑھا تھا؟

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کے فوراً بعد مسجد ہی میں تلبیہ پڑھ لیا تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے نکلتے ہی درخت کے پاس پڑھا تھا۔[۳۳]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ اونٹنی پر اچھی طرح سوار ہو گئے تب پڑھا۔[۳۴]

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیداء میں پہنچ کر پڑھا۔

درحقیقت تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص نے اپنے علم اور سماع کے مطابق روایت کی ہے۔ کسی نے کہا نماز پڑھنے کے فوراً بعد، کسی نے کہا مسجد کے اندر، کسی نے کہا اُونٹنی پر سوار ہو کر، کسی نے کہا اُونٹنی سے اُتر کر، جس نے جہاں سنا وہیں کے بارے میں روایت کر دیا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔[۳۵]

(۲۱) باب ما لا یلبس المحرم من الثیاب

محرم کون سا کپڑا نہیں پہن سکتے

۱۵۴۲۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک، عن نافع، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما أن رجلاً قال : یا رسول اللہ، ما یلبس المحرم من الثیاب؟ قال رسول اللہ ﷺ: ((لا یلبس القمص، ولا العمائم، ولا السراویلات، ولا البرانس، ولا الخفاف إلّا أحد لا یجد نعلین فلیلبس خفین ولیقطعهما أسفل من الکعبین. ولا تلبسوا من الثیاب شیئاً مسّه زعفران أو ورس)). [راجع : ۱۳۴]

۳۳، ۳۴، ۳۵ وعن هذا اختلف العلماء فی الموضع الذی أحرم منه رسول اللہ ﷺ، فقال قوم : انه أهل من مسجد ذی الحلیفة، وقال آخرون : لم یهل الا بعد أن استوت به راحلته بعد خروجه من المسجد، وروی ذلک ایضاً عن ابن عمر وأنس وابن عباس وجابر. وقال آخرون : بل أحرم حین أظل علی البیداء. قال الطحاوی : وأنکر قوم أن یکون رسول اللہ ﷺ احرم من البیداء، وروی ذلک عن موسی ابن عقبة عن سالم عن أبیه قال : ما أهل الا من ذی الحلیفة، قالوا : وانما کان ذلک بعد مارکب راحلته، واحتجوا بما رواه ابن أبی ذئب عن الزهری عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ، انه کان یهل اذا استوت به راحلته قائمة، وکان ابن عمر یفعله قالوا : وینبغی أن یکون ذلک بعد ما انبعث به راحلته، کذا ذکره العینی فی عمدة القاری، ج :۷، ص: ۵۶، وسنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول اللہ، باب ماجاء متی أحرم النبی ﷺ، رقم : ۸۱۹، و باب ماجاء من ای موضع أحرم النبی ﷺ، رقم: ۸۱۸، ومسند أبی یعلی، رقم : ۵۷۸۴.

قال أبو عبدالله يغسل المحرم رأسه ولا يترجل ولا يحك الخ.[36]

یہاں "كـعبيـن" سے ٹخنے مراد نہیں ہیں بلکہ وسطِ قدم کی ہڈی مراد ہے، اس سے نیچے نیچے جوتا پہنا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہڈی جوتے میں چھپی نہیں رہنی چاہیئے۔ اور کھجانا اس طرح منع ہے جس سے بال ٹوٹنے کا خطرہ ہو۔

"وَيُلقِي القمل من رأسه وجسده" امام بخاریؒ نے سر اور جسم دونوں کا حکم ایک ہی بتایا ہے کہ اس سے جُوئیں گرانا جائز نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک جوئیں گرانا یا انہیں مارنا جائز نہیں ہے اور اگر کرے گا تو صدقہ واجب ہوگا۔ خود گر جائیں تو مضائقہ نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک سر سے گرانا جائز نہیں، بدن سے گرا سکتے ہیں۔[37]

(۲۲) باب الركوب والارتداف في الحج

حج میں سوار ہونے اور کسی کو پیچھے بٹھانے کا بیان

۱۵۴۳، ۱۵۴۴ ـ حدثنا عبدالله بن محمد : حدثنا وهب بن جرير : حدثنا أبي عن يونس الأيلي ، عن الزهري ، عن عبيدالله بن عبدالله ، عن ابن عباس رضي الله عنهما : ان اسامة ﷺ كان ردف رسول الله ﷺ من عرفة الى المزدلفة ، ثم أردف الفضل من المزدلفة الى منى . قال : فكلاهما قال : لم يزل النبي ﷺ يلبي حتى رمى جمرة العقبة . [الحديث : ۱۵۴۳، أنظر : ۱۶۸۶؛ الحديث : ۱۵۴۴، أنظر : ۱۶۷۰، ۱۶۸۵، ۱۶۸۷]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اسامہ ﷺ عرفہ سے مزدلفہ تک نبی ﷺ کے پیچھے تھے، اور فضل کو مزدلفہ سے منی تک آپ ﷺ نے اپنے پیچھے بٹھایا۔ دونوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ برابر لبیک کہتے رہے، یہاں تک کہ جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں۔

(۲۳) باب ما يلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر،

محرم کپڑے، چادر اور تہبند میں سے کیا پہنے

"ولبست عائشة الثياب المعصفرة وهي محرمة . وقالت : لا تلثم .. ولا تتبرقع، ولا تلبس ثوباً بورس ولا زعفران . وقال جابر : لا أرى المعصفر طيباً . ولم

[36] وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب ماياح للمحرم بحج أو عمرة ومالاياح وبيان تحريم الطيب عليه ،رقم : ۲۰۱۲، وسنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء فيمالايجوز للمحرم لبسه ، رقم : ۷۶۳، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج ، باب النهي عن الثياب المصبوغة بالورس والزعفران في الاحرام ،رقم : ۲۶۱۸، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسک ، باب مايلبس المحرم ، رقم : ۱۵۵۴ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسک، باب مايلبس المحرم من الثياب ، رقم : ۲۹۲۰، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب رقم : ۴۲۲۲، ۴۲۵۲، ۴۳۱۰، ۴۵۱۰، ۲۶۰۳، ۴۶۳۶، ۴۶۶۴، ۴۶۶۴، ۴۷۶۱، وموطأ مالک ، كتاب الحج باب العمل في الاهلال ، رقم : ۶۲۵، وسنن الدارمي ، كتاب المناسک ، باب مايلبس المحرم من الثياب ، رقم : ۱۷۳۲ .

[37] لامع الدراری ص۱۸۵ و۱۸۶ .

تر عائشة بأساً بالحلّي و الثوب الأسود، و المورد الخف للمرأة. و قال إبراهيم : لا بأس أن يبدل ثيابه".

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسم میں رنگا ہوا کپڑا حالت احرام میں پہنا اور عائشہؓ نے فرمایا کہ عورتیں حالت احرام میں نقاب نہ ڈالیں، برقعہ نہ پہنیں اور نہ ایسا کپڑا پہنیں جو ورس سے رنگا ہوا ہو اور نہ زعفران سے رنگا ہوا اور جابرؓ نے فرمایا کہ میں کسم میں رنگے ہوئے کپڑے کو خوشبو نہیں سمجھتا، اور عائشہؓ نے زیور، سیاہ اور گلابی کپڑوں اور عورتوں کے لئے موزوں کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اور ابراہیم نے کہا، اس میں کوئی حرج نہیں، اگر کوئی محرم کپڑے بدلے۔

تشریح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے حالتِ احرام میں معصفر کپڑے پہنے۔ معصفر وہ کپڑا ہے جو عصفر سے رنگا گیا ہو۔

حضرات حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی رنگے ہوئے کپڑے میں خوشبو ہو تو اس کو پہننا جائز نہیں، مؤطا کے اندر حضرت عمرؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے حالتِ احرام میں معصفر کپڑے پہننے سے منع فرمایا اور اس کو مکروہ قرار دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو معصفر کپڑے پہنے تو شاید وہ ایسے ہوں کہ رفتہ رفتہ ان کا صرف رنگ باقی رہ گیا ہو، خوشبو چلی گئی ہو اور یہ جائز ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عصفر کو خوشبو نہ سمجھتی ہو۔

اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''معصفر'' کا استعمال جائز سمجھتی تھیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کو ''عصفر'' کی بو پسند نہیں تھی، اس لئے انہوں نے اسے خوشبو نہیں سمجھا، لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس میں آنحضرت ﷺ کا ''عصفر'' کی بو کا ناپسند کرنا منقول ہو، البتہ مردوں کو ''معصفر'' کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

مورّد سے مراد گلاب کا رنگ یا اس کی تصویر والا کپڑا ہے، نہ کہ گلاب کی خوشبو والا۔

۱۵۴۵ ۔ حدثنا محمد بن أبي بكر المقدمي : حدثنا فضيل بن سليمان قال : حدثني موسى بن عقبة قال : أخبرني كريب ، عن عبدالله بن عباس رضى الله عنهما قال : انطلق النبي ﷺ من المدينة بعد ماترجل و دهن و لبس ازاره و رداءه هو و أصحابه ، فلم ينه عن شيء من الأردية و الأزر تلبس الّا مزعفرة التي تردع على الجلد ، فاصبح بذى الحليفة ، ركب راحلته حتى استوى على البيداء أهل هو و أصحابه و قلد بدنة . و ذلك لخمس بقين من ذى العقدة ، فقدم مكة لأربع ليال خلون من ذى الحجة ،

فطاف بالبيت وسعى بين الصفاوالمروة ، ولم يحل من أجل بدنه لأنه قلدها . ثم نزل باعلىٰ مكة عند الحجون وهو مهل بالحج ، ولم يقرب الكعبة بعد طوافه بها حتى رجع من عرفة وأمر أصحابه أن يطّوفوا بالبيت ،وبين الصفا والمروة ،ثم يقصروا من رؤسهم ، ثم يحلوا ، وذلك لمن لم يكن معه بدنة قلدها . ومن كانت معه امرأته فهي له حلال . والطيب والثياب . [أنظر : ۱۶۲۵، ۱۷۳۱]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مدینہ سے کنگھی کرنے اور تیل لگانے ،تہبند اور چادر پہننے کے بعد روانہ ہوئے ۔آپ ﷺ نے چادر اور تہبند کے پہننے سے بالکل منع نہیں فرمایا مگر زعفران میں رنگا ہوا کپڑا جس سے بدن پر زعفران جھڑے۔

پھر صبح کے وقت ذی الحلیفہ میں اپنی سواری پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مقام بیداء میں پہنچے تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نے لبیک کہا اور اپنے جانوروں کی گردن میں قلادہ ڈالا یہ اس دن ہوا کہ ابھی ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے، مکہ آئے تو ذی الحجہ کے چار دن گزر چکے تھے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفاومروہ کے درمیان سعی کی اور قربانی کے جانوروں کی وجہ سے احرام نہیں کھولا اس لئے کہ اس کی گردن میں قلادہ ڈال دیا تھا۔

پھر حجون کے پاس مکہ کے بالائی حصے میں اترے، اس حال میں کہ حج کے احرام باندھے ہوئے تھے اور طواف کرنے کے بعد آپ ﷺ کعبہ کے قریب نہیں گئے ، یہاں تک کہ عرفہ سے واپس ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کا طواف کریں اور صفا ومرہ کے درمیان طواف کریں ، پھر اپنے سر کے بال کتروالیں ، پھر احرام کھول ڈالیں۔

اور یہ حکم اس شخص کے لئے تھا جس کے پاس قربانی کا جانور قلادہ ڈالا ہوا نہ ہو، اور جس کے ساتھ اس کی بیوی ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اور خوشبو لگانا اور کپڑا پہننا درست ہے ۔ان صحابہ کرام ﷺ کو آپ ﷺ نے احرام کھولنے کا حکم کیوں دیا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اِلّا مُزعفرة ۔ واضح رہے کہ حالتِ احرام میں زعفران سے رنگا ہوا کپڑا خوشبو کی وجہ سے مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے ناجائز ہے، البتہ غیر حالتِ احرام میں عورتوں کیلئے باتفاق جائز اور مردوں کیلئے حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔[۳۸]

(۲۴) باب من بات بذى الحليفة حتى أصبح

اس شخص کا بیان جو صبح تک ذی الحلیفہ میں ٹھہرے

"قاله ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى ﷺ".

۱۵۴۶ ۔ حدثنا عبدالله بن محمد : حدثنا هشام بن يوسف : أخبرنا ابن جريج : حدثني ابن المنكدر ، عن أنس بن مالک ﷺ ، قال : صلى النبى ﷺ بالمدينة أربعاً ، و بذى

[۳۸] لامع الدراری، ص:۱۸۸

الحليفة ركعتين . ثم بات حتى أصبح بذى الحليفة فلما ركب راحلته و استوت به أهل . [راجع : ۱۰۸۹]

"ثم بات حتى أصبح بذى الحليفة فلما ركب راحلته و استوت به أهل"

پھر رات گزاری یہاں تک کہ ذوالحلیفہ میں صبح ہوگئی، تو پھر جب آپ ﷺ اپنے سواری پر سوار ہوئے اور وہ سیدھی کھڑی ہوگئی تو آپ ﷺ نے لبیک کہا۔

۱۵۴۷ ۔ حدثنا قتيبة : حدثنا عبد الوهاب : حدثنا أيوب ، عن أبى قلابة ، عن أنس بن مالک ﷺ : أن النبى ﷺ صلى الظهر بالمدينة أربعاً ، وصلى العصر بذى الحليفة ركعتين . قال: وأحسبه بات بها حتى أصبح . [راجع: ۱۰۸۹]

"قال: وأحسبه بات بها حتى أصبح"

اورابوقلابہ کا بیان ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ ﷺ رات کوصبح تک ذوالحلیفہ میں ہی رہے۔

(۲۵) باب رفع الصوت بالاهلال

بلند آواز سے لبیک کہنے کا بیان

۱۵۴۸ ۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا حماد بن زيد عن أيوب ، عن أبى قلابة ، عن أنس ﷺ قال : صلى النبى ﷺ بالمدينة الظهر أربعاً ، والعصر بذى الحليفة ركعتين ، وسمعتهم يصرخون بهما جميعاً .

" وسمعتهم يصرخون بهما جميعاً " میں نے لوگوں کو دونوں چیزوں کا تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا۔

"رفع الصوت بالاهلال"

تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنا مسنون ہے اگر چہ دعا اور اذکار میں اخفاء مستحب ہے، وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت "ادعوا ربّكم تضرعا وخفية" کا تقاضا تو یہی ہے کہ دعا اور اذکار کے موقع پر اخفاء کو اختیار کیا جائے ، جہاں اعلان مقصود ہو اس جگہ آواز بلند کرنا مستحب ہے جیسے اذان اور خطبہ کے موقع پر اعلان مقصود ہے تو تلبیہ بھی اعلام دین کا اعلان کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے اس لئے تلبیہ کے ساتھ بھی آواز بلند کرنا مستحب اور مسنون ہے، البتہ عورتوں کے لئے رفع صوت مکروہ ہے۔

(۲۶) باب التلبية

تلبیہ کے الفاظ

۱۵۴۹ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عن عبدالله بن عمر

رضی اللہ عنہما : ان تلبیة رسول اللہ ﷺ : ((لبیک اللّٰھم لبیک ، لبیک لاشریک لک لبیک . انّ الحمد والنعمة لک والملک . لاشریک لک)).[راجع : ۱۵۴۰]

تلبیہ مسنونہ کے الفاظ:

((لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ، لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَکَ وَ الْمُلْکَ ، لاَ شَرِیْکَ لَکَ)) .

۱۵۵۰ ـ حدثنا محمد بن یوسف : حدثنا سفیان ، عن الأعمش ، عن عمارة ، عن أبی عطیة عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : انی لأعلم کیف کان النبی ﷺ یلبّی : ((لبیک اللّٰھم لبیک ، لبیک لاشریک لک لبیک ، انّ الحمد والنعمة لک)) .

تابعه أبو معاویة عن الأعمش . وقال شعبة : أخبرنا سلیمان : سمعت خیثمة عن أبی عطیة : سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا .

تلبیہ کے الفاظ میں کمی زیادتی کا حکم

"عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : انی لأعلم کیف کان النبی ﷺ یلبّی" : ((لبیک اللّٰھم لبیک ، لبیک لاشریک لک لبیک ، انّ الحمد والنعمة لک)) .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں زیادہ جانتی ہوں کہ آپ ﷺ کس طرح لبیک کہتے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے: ((لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ، لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَکَ)).

(۲۷) باب التحمید والتسبیح والتکبیر قبل الاھلال عند الرکوب علی الدابة

لبیک کہنے سے پہلے جانور پر سوار ہونے کے وقت تحمید، تسبیح اور تکبیر کہنے کا بیان

۱۵۵۱ ـ حدثنا موسی بن اسماعیل :حدثنا وھیب:حدثنا أیوب عن أبی قلابة ، عن أنس رضی اللہ عنہ قال:صلی رسول اللہ ﷺ ونحن معه بالمدینة الظھر أربعاً،والعصر بذی الحلیفة رکعتین .ثم بات بھا حتی أصبح ثم رکب حتی استوت به علی البیداء حمداللہ وسبّح وکبّر . ثم أھل بحج وعمرة ،وأھل الناس بھما.فلما قدمنا أمر الناس فحلوا حتی کان یوم الترویة أھلوا بالحج قال : ونحر النبی ﷺ بدنات بیدہ قیاماً وذبح رسول اللہ ﷺ بالمدینة کبشین أملحین .قال أبو عبداللہ : قال بعضھم : ھذا عن أیوب ، عن رجل ، عن أنس . [راجع : ۱۰۸۹]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آپ ﷺ کے ساتھ لوگوں نے بھی مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں اور عصر کی ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر وہاں رات بھر رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، پھر سوار ہوئے یہاں تک کہ سواری بیداء میں پہنچی۔ تو آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کی حمد بیان کی اور تسبیح پڑھی اور تکبیر کہی، پھر حج اور عمرہ کی لبیک کہی اور لوگوں نے بھی حج وعمرہ کی لبیک کہی، جب ہم مکہ پہنچے تو آپ ﷺ نے لوگوں حکم دیا کہ احرام کھول دیں یہاں تک کہ ترویہ کا دن آیا تو لوگوں نے حج کا حرام باندھا اور نبی ﷺ نے چند اونٹوں کو کھڑا کر کے ذبح کیا اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں دو سینگوں والے مینڈھے ذبح کئے۔

(۳۰) باب الاهلال مستقبل القبلة

قبلہ رو ہو کر احرام باندھنے کا بیان

۱۵۵۳ ـ وقال أبو معمر : حدثنا عبدالوارث : حدثنا أيوب عن نافع قال : كان ابن عمر رضى الله عنهما اذا صلى بالغداة بذى الحليفة أمر براحلته فرحلت . ثم ركب فاذاستوت به استقبل القبلة قائما ثم يلبى حتى يبلغ الحرم ، ثم يمسك حتى اذا جاء ذا طوى بات به حتى يصبح فاذا صلى الغداة اغتسل و زعم أنّ رسول الله ﷺ فعل ذلک . تابعه اسماعيل عن أيوب فى الغسل . [أنظر : ۱۵۵۴ ، ۱۵۷۳ ، ۱۵۷۴]

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب صبح کی نماز ذی الحلیفہ میں پڑھ لیتے تو اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیتے، جب سواری تیار ہو جاتی تو قبلہ کی طرف کھڑے ہی کھڑے منہ کر لیتے، جب مقام طویٰ میں پہنچتے تو وہاں رات گزارتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو غسل کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے۔

۱۵۵۴ ـ حدثنا سليمان بن داؤد أبو الربيع : حدثنا فليح ، عن نافع قال : كان ابن عمر رضى الله عنهما اذا اراد الخروج الى مكة ادهن بدهن ليس له رائحة طيبة ، ثم يأتى مسجد ذى الحليفة فيصلى ثم يركب ، واذا ستوت به راحلته قائمة أحرم ثم قال : هكذا رأيت رسول الله ﷺ يفعل . [راجع : ۱۵۵۳]

ترجمہ: نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ جانے کا ارادہ کرتے تو ایسا تیل لگاتے جس میں خوشبو نہ ہو، پھر ذی الحلیفہ کی مسجد میں آتے اور نماز پڑھتے، پھر سوار ہو جاتے، جب اونٹنی سیدھی کھڑی ہو جاتی تو احرام باندھتے، پھر کہتے کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا۔

(۳۰) باب التلبية إذا انحدر فى الوادى

وادی میں اترتے وقت لبیک کہنے کا بیان

۱۵۵۵ ــ حدثنا محمد بن المثنى قال : حدثنى ابن أبى عدى ، عن ابن عون ، عن مجاهد قال : كنّا عند ابن عباس رضى الله عنهما فذكروا الدّجال أنّه قال : ((مكتوب بين عينيه : كافر))، فقال ابن عباس : لم أسمعه ولكنّه قال : ((أمّا موسى كأنّى أنظر إليه إذ انحدر فى الوادى يلبّى)) . [أنظر : ۳۳۵۵، ۵۹۱۳] ۳۹

مفہوم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقصد یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کی صورت کا منکشف ہونا نہیں سنا، چنانچہ دجال کے بارے میں بھی یہ بات نہیں سنی، البتہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حالتِ خواب یا حالتِ کشف میں دیکھا کہ وہ وادی میں گذر رہے ہیں اور اترتے ہوئے تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔

(۳۱) باب كيف تُهلّ الحائض والنفساء؟

حیض ونفاس والی عورت کس طرح احرام باندھے

أهلّ : تكلّم به . و استهللنا و أهللنا الهلال ، كلّه من الظّهور . و استهل المطر خرج من السحاب . ﴿ و مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ﴾ [المائدة : ۳] و هو من استهلال الصّبى .

یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ **"أهلّ ، استهلّ"** ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ سب ظہور کے معنی میں ہیں، **"استهلّ الهلال"** چاند ظاہر ہوگیا، **"استهلّ المطر"** مطر ظاہر ہوگئی، **"وما أهل لغير الله"** میں کسی کا نام لینا مراد ہے، اور وہ استہلال صبی سے نکلا ہے اور استہلال میں بھی ظہور کے معنی پائے جاتے ہیں، کیونکہ وہ پہلی آواز ہے جو بچے کے منہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

۱۵۵۶ ــ حدثنا عبدالله بن مسلمة : حدثنا مالك ، عن ابن شهاب ، عن عروة بن الزّبير، عن عائشة رضى الله عنها زوج النبى ﷺ قالت : خرجنا مع النبى ﷺ فى حجة

۳۹ وفى صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب الاسراء برسول الله الى السماوات وفرض الصلاة ، رقم : ۲۴۳، ومسند أحمد ، ومن مسند بنى هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۲۳۷۱، ۲۳۷۲.

الوداع فأهللنا بعمرة ثمّ قال النبی ﷺ: ((من كان معه هدىً فليهل بالحج مع العمرة، ثمّ لا يحلّ حتى يحل منهما جميعاً)). فقدمت مكّة وأنا حائض ولم أطف بالبيت ولا بين الصّفا و المروة. فشكوت ذٰلک إلى النبی ﷺ فقال: ((انقضی رأسک وامتشطی وأهلی بالحج ودعی العمرة، ففعلت. فلمّا قضينا الحج أرسلنی النبی ﷺ مع عبدالرحمٰن بن أبی بكر إلى التنعيم فاعتمرت فقال: ((هذه مكان عمرتک)). قالت: فطاف الذين كانوا أهلّوا بالعمرة بالبيت، وبين الصفا والمروة ثمّ حلوا، ثمّ طافوا طوافاً آخر بعد أن رجعوا من منىً. وأما الذين جمعوا الحج والعمرة فإنما طافوا طوافاً واحداً. [راجع: ۲۹۴]

اہل جاہلیت کے عقیدت کی تردید

یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے کہ حضور اقدس ﷺ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو چونکہ آپ ﷺ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جاہلیت کے اس عقیدے کی تردید کرنی ہے کہ ایام حج میں عمرہ نہیں ہوسکتا، یعنی اشہر حج میں عمرہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور اسے افجر الفجور قرار دیتے تھے، آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ﷺ کو حکم دیا کہ وہ حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرلیں اور عمرہ کرکے حلال ہو جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہی واقعہ بیان فرما رہی ہیں کہ سب نے عمرہ کرلیا تھا میں نے نہیں کیا تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ میں محروم رہ گئی، بعد میں حضور ﷺ نے تنعیم سے میرا عمرہ کرایا۔

قارن کے ذمہ طوافوں کی تعداد

"قالت: فطاف الذين كانوا أهلّوا بالعمرة بالبيت، وبين الصفا والمروة ثمّ حلوا، ثمّ طافوا طوافاً آخر بعد أن رجعوا من منىً. وأما الذين جمعوا الحج والعمرة فإنما طافوا طوافاً واحداً".

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے حج کا تلبیہ پڑھا تھا انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کیا اور پھر حلال ہو گئے اور پھر منیٰ سے واپس آنے کے بعد حج کے لئے ایک اور طواف کیا یعنی طوفِ زیارت اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ کا طواف ایک ساتھ باندھا تھا یعنی قران کا، تو انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔

اختلاف فقہاء

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ

اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قران کرنے والوں پر صرف ایک طواف ہے، یعنی ایک

ہی طواف میں عمرہ اور حج کا طواف ادا ہو جائے گا، گویا ان کے نزدیک افراد کے افعال اور قران کے افعال میں کوئی فرق نہیں۔[۴۰]

مسئلہ: احناف

حنفیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا طواف الگ ہوگا اور حج کا الگ، وہ کہتے ہیں جن روایات میں **"طافوا طوافاً واحداً"** آیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عمرہ اور حج دونوں ایک ہی طواف سے ادا ہوں گے، بلکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا تین طواف کرنا ثابت ہے اور یہ روایات سے بالا جماع ثابت ہے۔[۴۱]

ایک طواف آپ ﷺ نے جاتے ہی کیا۔

دوسرا منیٰ سے واپسی پر طوافِ زیارت کیا۔

اور تیسرا طوافِ وداع فرمایا۔ لہٰذا **"طافوا طوافاً واحداً"** کے حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے، تو پھر اس کے کیا معنی ہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو قارن ہوتا ہے اس کے ذمہ حقیقت میں چار طواف ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ جاتے ہی پہلے عمرے کا طواف کرے جس کے بعد سعی بھی ہوتی ہے، پھر طوافِ قدوم حج کا جو سنت ہے، پھر طوافِ زیارت جو رکن حج ہے اور پھر طوافِ وداع جو واجب ہے البتہ حائضہ وغیرہ سے ساقط ہو سکتا ہے۔

[۴۰، ۴۱] **وفيه حجة لمن قال : الطواف الواحد والسعي الواحد يكفيان للقارن ، وهو مذهب عطاء والحسن وطاؤس ، وبه مالك وأحمد والشافعي واسحاق وأبو ثور وداؤد ، وقال مجاهد وجابر بن زيد وشريح القاضي والشعبي ومحمّد بن علي بن حسين والنخعي والأوزاعي والثوري والأسود بن يزيد والحسن بن حي وحماد بن سلمة وحماد بن سليمان والحكم بن عيينة وزياد بن مالك وابن شبرمة وابن أبي ليلىٰ وأبو حنيفة وأصحابه : لابد للقارن من طوافين وسعيين ، وحكى ذلك عن عمر وعلي وابنيه :الحسن والحسين ، وابن مسعود ، رضى الله تعالى عنهم ، وهو رواية عن أحمد . وروى مجاهد عن ابن عمر انه جمع بين الحج والعمرة وقال : سبيلهما واحد ، وطاف لهما طوافين وسعى لهما سعيين وقال : هكذا رأيت رسول الله ﷺ ، يصنع كما صنعت ، وعن علي أنه جمع بينهما وفعل ذلك ثم قال : هكذا رأيت رسول الله ﷺ ، وكذا عن علقمة عن ابن مسعود قال : طاف رسول الله ﷺ لعمرته وحجته طوافين وسعى سعيين ، وأبو بكر وعمر وعلي ، ورواه الدار قطني أيضاً من حديث عمران بن حصين وضعفه ، والله أعلم ، عمدة القاري ، ج : ۷، ص: ۸۹، والمجموع ، ج: ۸، ص: ۶۲ ، دارالفكر ، بيروت ، ۱۴۱۷ هـ ، وسنن الدار قطني ، ج: ۲،ص: ۲۵۸ ، دار المعرفة ، بيروت ، ۱۳۸۶ هـ .**

لیکن اس کے لئے جائز اور گنجائش ہے کہ وہ ایک ہی طواف میں طوافِ قدوم اور طوافِ عمرہ دونوں کی نیت کرلے، تو دونوں ادا ہو جائیں گے، الگ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے سنت مؤکدہ میں اگر تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرلیں تو تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی، اسی طرح طوافِ قدوم اور طواف عمرہ دونوں ضم ہو سکتے ہیں، تو حضور ﷺ نے دونوں کو ضم فرما دیا، یعنی جا کر طوافِ عمرہ کیا اسی میں طوافِ قدوم بھی ادا ہو گیا، **"طوافاً واحداً"** کا یہ معنی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عمرہ کا جو طواف کیا وہ طوافِ قدوم تھا، طوافِ عمرہ نہیں تھا اور جب طوافِ زیارت کیا تو اس میں عمرہ کی بھی نیت کرلی، تو طوافِ عمرہ طوافِ زیارت میں ضم ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، سیدھی سی بات یہ ہے کہ جا کر جو طواف کیا وہ طوافِ عمرہ تھا اس میں طوافِ قدوم بھی ضم ہو گیا اور اصل یہی ہے کہ دو عبادتیں ہیں، دونوں کے افعال الگ الگ انجام دئے جائیں، ورنہ افراد اور قران میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قارن کے ذمہ چار طواف ہوتے ہیں، جو کہ صحابۂ کرام ﷺ سے متعدد احادیث مروی ہیں جن میں دو طواف اور دو عمرے الگ کرنا ثابت ہے۔

احناف کے دلائل

نسائی میں صبی بن معبد رحمہ اللہ کی یہ حدیث آئی ہے کہ انہوں نے آکر حضرت عمر ﷺ سے کہا کہ میں نے حج کیا ہے، حضرت عمر ﷺ نے پوچھا کیسے کیا؟ انہوں نے کہا: قران کیا تھا، پوچھا کہ قران کیسے کیا؟ انہوں نے کہا پہلے جا کر عمرہ کا طواف کیا اور پھر طوافِ زیارت حج کا الگ کیا، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا **"هديت لسنّة نبيك محمد ﷺ"** معلوم ہوا کہ الگ الگ طواف ہوں گے۔

سنن دار قطنی میں محمد بن الحنفیہ کی روایت ہے جس میں فرمایا گیا ہے **"...... انه طاف لهما طوافين وسعى لهما سعيين وقال هكذا رأيت رسول الله ﷺ صنع"** اور ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ نے عمرہ کا الگ اور حج کا الگ طواف کیا اور کہا کہ میرے والد علی ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا اور حضرت علی ﷺ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

سنن دار قطنی میں حضرت ابن عمر کی روایت ہے، چنانچہ حضرت مجاہدؒ نقل کرتے ہیں **"انه جمع بين حجته وعمرته معاً، وقال: سبيلهما واحد، قال: فطاف لهما طوافين وسعىٰ لهما سعيين، وقال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ صنع كما صنعت"**۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت ذکر کی ہے: **"عن حمّاد بن عبدالرحمٰن الأنصاري عن**

ابراهيم بن محمد ابن الحنفية قال : طفت مع أبي وقد جمع بين الحجّ والعمرة ،فطاف لهما طوافين وسعىٰ لهما سعيين ، وحدثني أنّ علياً فعل ذلک ، وقد حدثه أن رسول الله ﷺ فعل ذلک ". [۴۲]

سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **" قال : طاف رسول الله ﷺ طاف لعمرته وحجته طوافين ، وسعىٰ سعين ، وأبوبكر وعمر وعلى وابن مسعود."** ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ اور حج کے افعال الگ الگ انجام دیئے گئے ،ان کوایک کرنا درست نہیں۔[۴۳]

(۳۲) باب من اهل في زمن النبي ﷺ كاهلال النبي ﷺ ،

اس شخص کا بیان جس نے نبی ﷺ کے زمانے میں آنحضرت ﷺ جیسا احرام باندھا

"قاله ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ ".

۱۵۵۷ ۔ حدثنا المكي بن ابراهيم ،عن ابن جريج : قال عطاء : قال جابر رضي الله عنه : أمر النبي ﷺ عليا رضي الله عنه أن يقيم على احرامه . وذكر قول سراقة .[أنظر :۱۵۶۸ ،۱۵۷۰ ، ۱۶۵۱ ،۱۷۸۵ ،۲۵۰۶ ،۴۳۵۲ ،۷۲۳۰ ،۷۳۶۷]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے احرام پر قائم رہیں اور سراقہ کا قول بیان کیا اور محمد بن بکر نے بواسطہ جریج اتنا اور زیادہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا اے علی تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جس چیز کا احرام نبی کریم ﷺ نے باندھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم قربانی دو اور احرام میں ٹھہرے رہو جیسا کہ تم اس وقت ہو۔

۱۵۵۸ ۔ حدثنا الحسن بن علي الخلّال الهذلي : حدثنا عبد الصّمد : حدثنا سليم ابن حيّان قال : سمعت مروان الأصفر، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال : قدم علي رضي الله عنه على النبي ﷺ من اليمن فقال : ((بما أهللت؟)) قال : بما أهلّ به النبي ﷺ . فقال : ((لولا أن معي الهدى لأحللت)) . [۴۴]

---

[۴۲] سنن النسائي ، ج: ۵، ص: ۱۴۶ ، مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب ، ۱۴۰۶ هـ.

[۴۳] سنن الدار قطني ، ج: ۲، ص: ۲۵۸ ، دارالمعرفة ، بيروت ، ۱۳۸۶ هـ.

[۴۴] و في صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب اهلال النبي وهديه، رقم : ۲۱۹۳،وسنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء في الرخصة للرعاء ان يرموا يوماً ويدعوا يوماً ، رقم : ۸۷۹، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب كيف يفعل من أهل بالحج والعمرة ولم يسق الهدى ، رقم : ۲۸۸۲ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك،رقم : ۱۲۲۴۶ ، ۱۳۱۸۶ ، وسنن الدارمي ، كتاب الأضاحي ، باب السنة الأضحية ، رقم : ۱۸۶۳ .

وزاد محمد بن بکر، عن ابن جریج : قال له النبی ﷺ : ((بما أهللت یا علی؟))
قال : بما أهلّ به النبی ﷺ . قال : ((فأهد وامکث حراماً کما أنت)) . ۴۵

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے پاس یمن سے آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کا نبی کریم ﷺ نے باندھا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں احرام کھول دیتا۔

اس ترجمۃ الباب کا منشأ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص احرام باندھتے وقت یہ نیت کرے کہ میں خود سے متعین نہیں کرتا ہوں کہ حج افراد کر رہا ہوں یا تمتع یا قران، بلکہ جو نیت فلاں نے کی ہے وہی میری بھی نیت ہے، البتہ حج کے افعال شروع کرنے سے پہلے متعین کرالے کہ افراد ہے، تمتع ہے یا قران، جیسا کہ حضرت علی ؓ نے یمن سے آتے ہوئے ایسا ہی کیا تھا کہ میں وہی نیت کرتا ہوں جو حضور ﷺ کی نیت ہے، لیکن حج شروع کرنے سے پہلے پہلے نیت متعین کرلی۔ آگے آرہا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے بھی ایسی ہی نیت کی تھی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نیتِ مبہمہ کے ساتھ احرام باندھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے علماء اور ائمہ کے نزدیک نیتِ مبہمہ سے احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔

حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کے عمل کو وہ ان کی خصوصیت قرار دیتے ہیں۔ علامہ عینیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ نیتِ مبہمہ سے احرام درست نہیں۔ لیکن حنفیہ کی کتبِ فقہ میں مسئلہ اس کے برعکس ہے، یعنی امام شافعیؒ کی طرح حنفیہ بھی اسی نیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے لُباب سے نقل کیا ہے کہ: **"وتعیین النسک لیس بشرطٍ فصح مبهما وبما أحرم به الغیر"** اور ایک دوسرے موقع پر مذکور ہے کہ: **"ولو أحرم بما أحرم به غیره، فهو مبهم، فیلزمه حجة أو عمرة"**۔ ۴۶

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی اس طرح کی نیتِ مبہمہ درست ہے۔ ۴۷

۱۵۵۹ ۔ حدثنا محمد بن یوسف : حدثنا سفیان عن قیس بن مسلم، عن طارق ابن شهاب، عن أبی موسی ؓ قال : بعثنی النبی ﷺ إلی قومی بالیمن فجئت وهو

---

۴۵ وفی سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب الحج بغیر نیة یقصده المحرم، رقم : ۲۶۹۴، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند جابر بن عبداللہ، رقم : ۱۳۸۸۹۔

۴۶ ردّ المحتار، کتاب الحج، فصل فی الاحرام فقره ۹۸۳۷ طبع فرفور ج۷ ص۱۵۔

۴۷ و لایجوز عند سائر العلماء و الائمة، رحمهم اللہ، الاحرام بالنیة المبهمة لقوله تعالیٰ : ﴿ وأتموا الحج والعمرة للہ﴾ [البقرة:۱۹۶]، ولقوله : ﴿ولا تبطلوا اعمالکم﴾ [محمد :۳۳] ولان هذا کان لعلی، رضی اللہ تعالیٰ عنه، خصوصاً، وکذا لأبی موسیٰ الاشعری، کذا ذکره العلامة بدر الدین العینیؒ فی العمدة : ج:۷، ص:۹۰۔

بالبطحاء فقال : ((بما أهللت؟)) قلت : أهللت كإهلال النبي ﷺ ، قال : ((هل معك من هدى؟)) قلت : لا ، فأمرني فطفت بالبيت وبالصّفا والمروة ، ثم أمرني فأحللت فأتيت امرأة من قومي فمشطتني أو غسلت رأسي . فقدم عمر رضی اللہ عنہ فقال : إن نأخذ بكتاب الله فإنّه يأمرنا بالتّمام . قال تعالىٰ : ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ [البقرة: ۱۹۶] وإن نأخذ بسنة النبي ﷺ فإنه لم يحل حتى نحر الهدى . [أنظر: ۱۵۶۵ ، ۱۷۲۴ ، ۱۷۹۵ ، ۴۳۴۶ ، ۴۳۹۷] [۴۸]

تشریح

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے یمن اپنی قوم کے پاس بھیجا، وہاں سے واپس آیا تو آپ ﷺ بطحاء کے پاس تھے۔

آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیسا احرام باندھا تھا؟ میں نے کہا: میں نے یہ نیت کی تھی کہ جو حضور ﷺ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے، آپ ﷺ نے پوچھا، **"هل معك من هدى؟"** کیا تم ہدی لے کر آئے ہو؟ **"قلت: لا، فأمرني فطفت بالبيت"** تو مجھے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تم اب بیت اللہ کا طواف کرو، یعنی ان کو تمتع کا حکم دیا، کیونکہ ہدی لے کر نہیں آئے تھے، سارے صحابہ جو ہدی لے کر نہیں آئے تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اب حلال ہو جاؤ، تا کہ عقیدۂ جاہلیت کا ابطال ہو جائے۔

میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اس کے بعد سعی کی، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور میں حلال ہو گیا، پھر اپنی قوم کی ایک عورت کے پاس آیا اس نے میری کنگھی کی اور میرا سر دھویا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کو دیکھیں تو وہ ہمیں اتمام کا حکم دیتی ہے **"واَتِمُّوا الحَجَّ والعُمْرَةَ لِلّٰهِ"** کہہ کر۔

اور اگر ہم نبی کریم ﷺ کی سنت کو لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک ہدی نہ قربان کر دیں۔

یہ بات مشہور ہے اور اس حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کہتے تھے کہ تمتع مت کرو، آگے حدیث آئے گی جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

> **"شهدت عثمان وعليا رضي الله عنهما ، وعثمان ينهى عن المتعة وأن يجمع بينهما . فلما رأى علي أهل بهما : لبيك بعمرة وحجة ، قال : ما كنت لأدعَ سنة النبي ﷺ لقول أحد".**

اس حدیث سے ثابت ہے کہ وہ تمتع سے منع فرماتے تھے، صراحۃً دونوں بزرگوں سے مروی ہے کہ تمتع سے منع فرماتے تھے۔

---

[۴۸] وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب في نسخ التحلل من الهرام والامر بالتمام ، رقم : ۲۱۴۳ ، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب الحج بغير نية يقصده المحرم ، رقم : ۲۶۹۲ ، ومسند احمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب أول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۲۶۲ ، وأوّل مسند الكوفيين ، باب حديث أبي موسى الأشعري ، رقم : ۱۸۶۸۴ ، ۱۸۷۱۳ ، ۱۸۲۷ ، ۱۸۸۴۰ ، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في التمتع ، رقم : ۱۷۴ .

یہاں اس حدیث میں ان کے کہنے کا منشأ یہ ہے کہ اگر قرآن کو دیکھیں تو وہاں ہے **"واَتِمُّوا الحَجَّ و العُمْرَةَ لله"** حج بھی اللہ کے لئے مکمل کرو اور عمرہ بھی، معلوم ہوا کہ حج الگ کرنا چاہئے اور عمرہ الگ کرنا چاہئے۔

اور اگر حضورِ اقدس ﷺ کی سنت کو دیکھیں تو آپ ﷺ عمرہ کر کے حلال نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے اپنا احرام جاری رکھا تھا یہاں تک کہ جب حج مکمل ہوا تب جا کر حلال ہوئے، جب کہ تمتع کے اندر عمرہ کر کے حلال ہونا پڑتا ہے، لہٰذا اس طرح انہوں نے عمرہ کی ممانعت فرمائی۔

اب یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ نے دوسرے صحابۂ کرام ؓ کو جو ہدی لے کر نہیں آئے تھے، کہا تھا کہ وہ حلال ہو جائیں، نیز تمتع کے جواز پر ساری امت کا اجماع ہے، پھر حضرت عمر ؓ نے کیسے منع فرمایا۔

اس کا ایک جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ حضرت عمر ؓ اس معنی میں منع نہیں کرتے تھے کہ تمتع نا جائز ہے بلکہ ان کا منشأ یہ تھا کہ اگر آدمی حج اور عمرہ دونوں کے لئے مستقلاً الگ الگ سفر کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کو جمع کرے، یعنی ایک سفر حج کے لئے اور دوسرا سفر عمرہ کے لئے **"واَتِمُّوا الحَجَّ والعُمْرَةَ لله"** اور اگر حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا گیا تو وہ ایک خاص عارض کی وجہ سے کیا گیا کہ جاہلیت کے عقیدۂ باطلہ کو زائل کرنا تھا، ورنہ عام حالت میں یہی افضل ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے تمتع بالمعنی الاصطلاحی سے منع نہیں فرمایا بلکہ **"فسخ الحج الی العمرة"** سے منع فرمایا ہے، یعنی اگر کوئی شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آیا، اب بعد میں اس احرام کو تبدیل کر کے عمرہ کا احرام بنانا چاہتا ہے تو اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا جو کہ ایک عارض کی وجہ سے ہوا تھا، اگر عام حالات میں کوئی شخص افراد کا احرام باندھ کر گیا تو اسے ضروری ہے کہ حج پورا کرے پھر حلال ہو، اس کو عمرہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، البتہ امام احمدؒ کے نزدیک فسخ الحج آج بھی جائز ہے۔

لیکن جمہور کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابوذر ؓ کی حدیث ہے: **"كانت المتعة في الحج لأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم خاصة.... الخ"**. نیز نسائی میں روایت ہے: **"عن حارث بن بلال عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله فسخ الحج لنا خاصة أم للناس عامة؟ فقال: بل لنا خاصة"**۔[۴۹]

بعض روایات سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے اور بعض روایات سے دوسری بات کی تائید ہوتی ہے۔

مجھے ایسا لگتا ہے واللہ اعلم کہ حضرت عمر ؓ کے منع کرنے کی دو الگ الگ حیثیتیں ہیں۔

بعض جگہ وہ تشدید کے ساتھ نا جائز کہہ کر منع کر دیتے تھے، اس وقت ان کی مراد **"فسخ الحج الی العمرة"** ہوتی تھی، یہ بالکل نا جائز ہے اور بعض جگہ تشدید نہیں ہوتی تھی اور حرام قرار دینا نہیں ہوتا تھا بلکہ محض خلافِ اولیٰ قرار دینا ہوتا تھا کہ اولیٰ یہ ہے کہ دونوں کے لئے الگ الگ سفر کرو، ایک سفر میں دونوں کو جمع نہ کیا جائے، اس صورت میں نہی تنزیہی ہوتی تھی۔

---

۴۹ لامع الدراری ج:۲، ص:۱۱۹۱

(۳۳) باب قول الله تعالىٰ: ﴿الحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾ إلى قوله ﴿فِى الْحَجِّ﴾ [البقرة: ۱۹۷] و قوله: ﴿يَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة: ۸۹]

"وقال ابن عمر رضى الله عنهما: أشهر الحج: شوّال، و ذوالقعدة، وعشرٌ من ذوالحجة. وقال ابن عباس رضى الله عنهما: من السنّة أن لا يحرم بالحج إلّا فى أشهر الحج. وكره عثمان ﷺ أن يحرم من خراسان أو كرمان".

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ حج کے مہینے ہی میں حج کے احرام باندھےاور عثمانؓ نے خراسان یا کرمان سے احرام باندھ کر چلنے کو مکروہ سمجھا۔ یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، اور تاریخ مرو میں اس کی تفصیل منقول ہے کہ جب حضرت عثمان ﷺ کے ماموں زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عامر ﷺ نے خراسان فتح کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس فتح کے شکر میں یہیں سے احرام باندھ کر جاؤں گا، چنانچہ انہوں نے نیشاپور سے احرام باندھا، جب حضرت عثمان ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے اس پر ملامت فرمائی۔[۵۰]

بہت پہلے احرام باندھ لینا اچھی بات نہیں ہے، کیونکہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی مخالف احرام کا نہ ہو جائے۔

احرام کی پابندیاں صرف چادر اوڑھنے سے نہیں ہوتی ہیں بلکہ تلبیہ سے شروع ہوتی ہیں، اور جب جہاز روانہ ہو جائے تب تلبیہ پڑھیں۔

۱۵۶۰ ـ حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنى أبوبكر الحنفى: حدثنا أفلح بن حميدقال: سمعت القاسم بن محمد، عن عائشة رضى الله عنها قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ فى اشهر الحج، وليالى الحج وحرم الحج، فنزلنا بسرف. قالت: فخرج الى أصحابه فقال: من لم يكن منكم معه هدى فأحب أن يجعلها عمرة فليفعل، ومن كان معه الهدى فلا، قالت: فالآخذ بها والتارك لها من الصحابه. قالت: فأمّا رسول الله ورجال من أصحابه فكانوا أهل قوة وكان معهم الهدى فلم يقدروا على العمرة. قالت: فدخل على رسول الله ﷺ وانا أبكى فقال: ((مايبكيك يا هنتاه؟)) قلت: سمعت قولك لأصحابك فمنعت العمرة. قال: ((وماشأنك؟)) قلت: لاأصلى، قال: ((فلا يضرك انما انت امرأة من بنات آدم كتب الله عليك ماكتب عليهنّ، فكونى فى حجتك فعسى الله أن يرزقكيها)). قالت: فخرجنا فى حجته حتى قدمنا منى فطهرت ثم خرجت من منى فافضت بالبيت. قالت: ثم خرجت معه فى النفر الآخر حتى نزل المحصب ونزلنامعه فدعا عبد الرحمٰن بن أبى أبكر فقال: اخرج باختك من الحرم فلتهل بعمرة ثم افرغا ثم ائتيا ههنا فانى انظر كما حتى تأتيانى. قالت: فخرجنا حتى اذا فرغت وفرغت من الطواف ثم جئته بسحر فقال: ((هل فرغتم؟)) قلت: نعم، فآذن بالرحيل فى

[۵۰] عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۱۰۰

أصحابه. فارتحل الناس فمر متوجها الى المدينة. ضَيْر من ضَارَ يَضِيْرُ ضَيْراً. و يقال : ضَارَ يَضُوْر ضَوْراً. و ضَرَّ يَضُرُّ ضَرّاً. [راجع : ۲۹۴]

حائضہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے

"انما أنت امرأة من بنات آدم كتب الله عليك ما كتب عليهنّ، فكوني في حجتك فعسىٰ الله أن يرزقكيها))"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اللہ جل جلالہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔ تو ادا کرتی رہو وہ تمام کام جو حاجی کرتا ہے صرف اتنا ہے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ آدم کی بیٹیوں سے چلا آرہا ہے اور یہ بعد کی پیداوار نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کو طواف زیارت سے حیض آجائے تب تو اس کے لئے جانا جائز نہیں ہے جب تک پاک نہ ہو جائے اور پاک ہو کر طواف زیارت نہ کرے، لیکن اگر طواف زیارت کر چکی ہے اور پھر حیض آگیا تو اب صرف طواف وداع باقی رہ گیا تو طواف وداع چھوڑ کر وہ جا سکتی ہے، ایسی صورت میں اس سے طواف وداع ساقط ہو جاتا ہے۔

"فقال ما يبكيک يا هنتاه؟

یہ ایک بے تکلفی کا جملہ ہے، جیسے اردو میں کہتے ہیں (پگلی) محبت کا لفظ ہے اگر چہ اس کے معنی بظاہر اچھے نظر نہیں آتے۔

(۳۴) باب التمتّع، والقِران، والإفراد بالحج، وفسخ الحج لمن لم يكن معه هديٌ

تمتع، قران اور افراد حج کا بیان، اور اس شخص کا حج کو فسخ کر دینا جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو

۱۵۶۱ـ حدثنا عثمان : حدثنا جرير، عن منصور، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة رضي الله عنها قالت : خرجنا مع النبي ﷺ ولا نرى إلا أنه الحج . فلما قدمنا تطوفنا بالبيت، فأمر النبي ﷺ من لم يكن ساق الهدى أن يحل فحل من لم يكن ساق الهدى، ونساؤه لم يسقن فأحللن . قالت عائشة رضي الله عنها : فحضت فلم أطف بالبيت، فلما كانت ليلة الحصبة، قالت : يا رسول الله، يرجع الناس بعمرة وحجة وأرجع أنا بحجة . قال : ((وما طفت ليالي قدمنا مكة؟)) قلت : لا. قال :((فاذهبي مع أخيك إلى التنعيم فأهلّي بعمرة . ثم موعدک كذا وكذا)) . قالت صفية : ما أراني إلا حابستهم . قال : ((عقرا، حلقا، أو ما طفت يوم النحر؟)) قالت : قلت : بلىٰ . قال :((لا بأس انفري)) . قالت عائشة رضي الله عنها : فلقيني النبي ﷺ وهو مصعد من مكة وأنا

منهبطة عليها ، أو أنا مصعدة وهو منهبط منها . [راجع: ۲۹۴].

"ولا نرى إلا أنه الحج".

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب نے افراد کا احرام باندھا تھا، بعض شراح نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس وقت لوگوں کو احرام کی مختلف قسموں کا علم نہیں تھا، اس لئے مطلق حج کے ارادے سے چل پڑے تھے، لیکن یہ توجیہ مناسب معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ مختلف قسمیں صحابہ کرام ﷺ کو معلوم ہونے کا ثبوت مختلف روایات میں موجود ہے، للہذا بہتر توجیہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج کے لئے جاتا ہے تو چاہے اس نے احرام تمتع کا باندھا ہو یا قران کا وہ یہی کہتا ہے کہ میں حج کو جارہا ہوں، آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہی واقعہ ہے جو پہلے گذرا ہے کہ ان کو عبدالرحمن بن ابی بکر ﷺ نے لے جا کر تنعیم سے عمرہ کرایا۔ تنعیم اس لئے لے جایا گیا کہ عمرہ کے لئے حرم سے باہر جانا ضروری ہے۔

"قالت صفية: ما أراني" حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں آپ لوگوں کو روک لوں گی۔ **"فقال: عقری حلقی"** تمہارے ہاتھ پاؤں کٹیں، تمہارا سر منڈے، اور بعض نے **"حلقی"** کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تمہارے حلق میں درد ہو جائے اور ابو عبید کا کہنا ہے کہ اگرچہ محدثین اسے **"عقری حلقی"** روایت کرتے ہیں مگر لغۃً **"عقراً حلقاً"** بالتنوین زیادہ صحیح ہے۔ کیا تم نے یوم النحر میں طواف زیارت نہیں کیا تھا؟

یہ جملہ بھی بظاہر بددعا کا ہے لیکن حقیقت میں یہ بددعا نہیں ہوتی بلکہ بے تکلفی میں یہ کہا جاتا ہے۔

"قالت: قلت بلى". اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، اب روانہ ہو جاؤ۔

حائضہ کے لئے طواف کا حکم

اس سے پتا چلا کہ اگر عورت کو حیض آجائے تو وہ طواف وداع کے بغیر بھی جا سکتی ہے لیکن اگر طواف زیارت نہ کیا ہو تو پھر واپس جانا درست نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے یوم النحر میں طواف زیارت کیا تھا یا نہیں؟ انہوں نے کہا کیا تھا، فرمایا اب جا سکتی ہو، کوئی مضائقہ نہیں۔

"قالت عائشة رضي الله عنها" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں طواف کر کے واپس آرہی تھی تو آپ ﷺ باہر نکل رہے تھے، اس طرح دونوں کی ملاقات ہوگئی اور پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۱۵۶۲ - حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالک، عن أبي الأسود محمد بن عبدالرحمن بن نوفل ، عن عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها انها قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ عام حجة الوداع . فمنا من أهل بعمرة ، ومنا من أهل بحج وعمرة ومنا من أهل بالحج ، وأهل رسول الله ﷺ بالحج . فأما من أهل بالحج ، أوجمع الحج والعمرة لم يحلوا

حتى كان يوم النحر . [راجع : ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے ساتھ نکلے، ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا اور بعض نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے حج کا احرام باندھا، پس جس نے حج کا احرام باندھا یا جس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا، وہ لوگ احرام سے باہر نہ ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا۔

یہ روایت بظاہر پچھلی روایت کے خلاف ہے اور یقیناً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں اضطراب کی وجہ سے کسی راوی سے وہم ہوا ہے، بعض صحابہ ﷺ کا صرف عمرہ کا احرام باندھنا اس روایت میں آیا ہے، جب کہ اس وقت عمرہ کر کے حلال ہونے کا تصور نہیں تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی کسی صحابی کو علم ہو گیا ہو کہ جاہلیت کی یہ رسم ٹوٹ چکی ہے اس لئے عمرہ کا احرام باندھ لیا ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

۱۵۶۳ ۔ حدثنا محمد بن بشار : حدثنا غندر : حدثنا شعبة ، عن الحكم ، عن علي بن حسين ، عن مروان بن الحكم قال : شهدت عثمان وعليا رضي الله عنهما ، وعثمان ينهى عن المتعة وأن يجمع بينهما . فلما رأى علي أهل بهما : لبيك بعمرة وحجة ، قال : ما كنت لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد . [أنظر: ۱۵۶۹] ۵۱

حضرت عثمان ﷺ کے بارے میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ بھی تمتع سے منع فرماتے تھے، جو توجیہات وہاں ہیں وہ یہاں بھی ہیں۔

۱۵۶۴ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا وهيب ، حدثنا ابن طاؤس : عن أبيه ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : كانوا يرون أن العمرة في أشهر الحج من أفجر الفجور في الأرض . ويجعلون المحرم صفر ، و يقولون : إذا برأ الدبر ، وعفا الأثر ، وانسلخ صفر ، حلت العمرة لمن اعتمر . قدم النبي ﷺ وأصحابه صبيحة رابعة مهلين بالحج فأمرهم أن يجعلوها عمرة فتعاظم ذلك عندهم فقالوا : يا رسول الله ، أي الحل؟ قال : ((حل كله)) . [راجع: ۱۰۸۵]

عقیدۂ جاہلیت کی تردید

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اشہر حج میں

---

۵۱ وفي سنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب القران ، رقم : ۲۶۷۳ ، ومسند أحمد مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب ومن مسند علي بن أبي طالب ، رقم : ۱۰۸۹ ، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في القران ، رقم : ۱۸۴۲ .

عمرہ کرنا بدترین گناہ ہے۔ **"ویجعلون محرم الصفر"** اور محرم کو صفر بنا دیتے تھے اور صفر کو محرم بنا دیتے تھے۔

"ویقولون :إذا برأ الدبر"

"دبر" اس زخم کو کہتے ہیں جو سفر کی وجہ سے اونٹ کی پشت پر ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے تھے جب اونٹوں کی پشت پر لگے زخم ٹھیک ہو جائیں، تندرست ہو جائیں اور نشانات مٹ جائیں یعنی سفر کی وجہ سے زمین پر جو اثرات قائم ہوئے تھے وہ مٹ جائیں اور صفر کا مہینہ گذر جائے اور صفر سے مراد محرم ہے، کیونکہ وہ **نسیئ** کی وجہ سے محرم کو صفر قرار دیتے تھے، جب وہ گذر جائے تو تب عمرہ حلال ہوگا اس شخص کے لئے جو عمرہ کرنا چاہ رہا ہو۔

یہ جاہلیت کا عقیدہ تھا، اسی عقیدے کو ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب ؓ کو حکم دیا جب وہ چار ذی الحجہ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ آرہے تھے کہ عمرہ کرلیں۔

یہ بات لوگوں کو بہت بڑی لگی کہ بڑا سخت معاملہ ہے کہ حج کو توڑ کر عمرہ بنا رہے ہیں، **"فقالوا"** صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جو آپ ﷺ نے اشہر حج میں عمرہ کو حلال قرار دیا ہے، یہ کیسا ہے؟

"قال :حلّ كلّه" آپ ﷺ نے فرمایا کہ پورا پورا حلال ہے، یعنی یہ صرف اس سال کی خصوصیت نہیں ہے اور نہ یہ وقتی حکم ہے بلکہ یہ مکمل طور پر آئندہ کے لئے حلال ہو گیا اور اشہر حج میں عمرہ کرنا جائز ہو گیا۔[۵۲]

۱۵۶۵ ۔ حدثنا محمد بن المثنى : حدثنا غندر : حدثنا شعبة ، عن قيس بن مسلم ، عن طارق بن شهاب ، عن أبي موسى ؓ قال : قدمت على النبي ﷺ فأمرني بالحل . [راجع : ۱۵۵۹]

"قال : قدمت على النبي ﷺ فأمرني بالحل" ابو موسیٰ ؓ نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا، تو آپ ﷺ نے احرام کھولنے کا حکم دیا۔

۱۵۶۶ ۔ حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالك وحدثنا عبدالله بن يوسف قال: أخبرنا مالك ، عن نافع عن ابن عمر عن حفصة . ح ؛

زوج النبي ﷺ انها قالت: يارسول الله ، ماشأن الناس حلوا بعمرة و لم تحلل أنت من عمرتك ؟ قال : ((انى لبدت رأسي ، و قلدت هديي ، فلا أحل حتى أنحر)). [أنظر: ۱۶۹۷، ۱۷۲۵، ۴۳۹۸، ۵۹۱۶]

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا بات ہے؟ کہ لوگوں نے تو عمرے کا احرام کھول ڈالا لیکن آپ ﷺ نے نہیں کھولا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر کی تلبید کی ہے اور ہدی

---

۵۲ ومعناه: أهل الجاهلية كانوا لايجيزون التمتع ، ولا يرون العمرة في أشهر الحج فجوزا، فبين النبي ﷺ ، أن الله قد شرع العمرة في أشهر الحج ، وجوز المتعة الى يوم القيامة ، رواه سعيد بن منصور من قول طاؤس، وزاد فيه : ((فلما كان الاسلام أمر الناس أن يعتموا في أشهر الحج ، فدخلت العمرة في أشهر الحج الى يوم القيامة)) عمدة القاری ، ج :۷، ص:۱۰۸ .

کے گلے میں قلادہ ڈالا ہے، اس لئے میں احرام نہیں کھول سکتا جب تک کہ قربانی نہ کروں۔

۱۵۶۷ - حدثنا آدم : حدثنا شعبة : أخبرنا أبو جمرة نصر بن عمران الضبعی قال: تمتعت فنهانی ناس فسألت ابن عباس رضی اللہ عنہما فأمرنی ، فرأیت فی المنام کأن رجلا یقول لی : حج مبرور ، وعمرة متقبلة . فأخبرت ابن عباس ، فقال : سنة أبی القاسم ﷺ، ثم قال لی : أقم عندی وأجعل لک سهما من مالی . قال شعبة : فقلت : ولم ؟ فقال : للرؤیا التی رأیت. [أنظر : ۱۶۸۸][۵۳]

تشریح

حضرت ابو جمرہ نصر بن عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تمتع کیا تو لوگوں نے مجھے تمتع سے منع کیا۔

یہ وہی مسئلہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع سے منع کیا کرتے تھے، اس وجہ سے لوگوں نے کہا کہ تمتع کرنا منع ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ لوگ تمتع کرنے سے منع کررہے ہیں **"فامرنی"** تو انہوں نے مجھے تمتع کرنے کا حکم دیا کہ تمتع کرو۔

رویأ صادقہ

"فرأیت فی المنام" رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے **"حج مبرور وعمرة متقبلة"** یعنی حج اور عمرہ دونوں پر مبارک باد دے رہا ہے۔

"فاخبرت ابن عباس" میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب کے متعلق بتایا تو انہوں نے فرمایا **"سنة أبی القاسم ﷺ"** یہ تمتع نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

یہاں سنت ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت ثابت ہے، یہ معنی مراد نہیں ہیں کہ آپ ﷺ نے تمتع کیا تھا، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ نے تمتع نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تمتع کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا **"أقم عندی"** میرے پاس ٹھہر جاؤ، میں تمہیں اپنے مال کا کچھ حصہ بھی دوں گا۔

"قال شعبة: فقلت: ولم؟" شعبہ جو حدیث کے راوی ہیں انہوں نے اپنے استاد ابو جمرہ سے

---

[۵۳] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب جواز العمرة فی أشهر الحج ، رقم : ۲۱۸۳ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بدایة مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۲۰۵۱ .

پوچھا "ولم؟" وہ آپ کو پیسے کیوں دے رہے تھے۔

فقال: "للرؤیا التی رأیت" فرمایا میرے خواب کی وجہ سے، کیونکہ میں نے جو خواب دیکھا تھا اس سے ان کے فتویٰ کی تصدیق ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ مجھے انعام دے رہے تھے کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔[۵۴]

۱۵۶۸ - حدثنا أبو نعیم : حدثنا أبو شهاب قال : قدمت متمتعا مكة بعمرة فدخلنا قبل التروية بثلاثة أيام فقال لي أناس من أهل مكة : يصير الآن حجك مكيا . فدخلت على عطاء أستفتيه فقال : حدثني جابر بن عبدالله رضي الله عنهما : أنه حج مع رسول الله ﷺ يوم ساق البدن معه وقد أهلوا بالحج مفردا . فقال لهم : ((أحلوا من إحرامكم بطواف البيت ، وبين الصفا والمروة ، وقصروا ثم أقيموا حلالا حتى إذا كان يوم التروية فأهلوا بالحج واجعلوا التي قدمتم بها متعة)) . فقالوا : كيف نجعلها متعة وقد سمينا الحج؟ فقال : ((افعلوا ما أمرتكم فلولا أني سقت الهدي لفعلت مثل الذي أمرتكم . ولكن لا يحل مني حرام حتى يبلغ الهدي محله ففعلوا)) . قال أبوعبدالله : أبو شهاب ليس له حديث مسند إلا هذا . [راجع : ۱۵۵۶]

یہ ابو شہاب ایک بزرگ ہیں، یہ تبع تابعی ہیں۔[۵۵]

یہ اپنا واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ میں عمرہ کے ارادے سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آیا اور یوم الترویہ سے تین دن پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ یوم الترویہ آٹھویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے گویا کہ یہ پانچ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

---

[۵۴] وسببه أن الرؤيا الصالحة جزء من ستة وأربعين جزءاً من النبوة . وفيه: ماكانوا عليهُ من التعاون على البر والتقوىٰ وحمدهم لمن يفعل الخير، فخشي أبوجمرة من تمتعه هبوط الأجر ونقص الثواب للجمع بينهما في سفر واحد، واحرام واحد، وكان الذين أمروا بالافراد انما امروه بفعل رسول الله في خاصة نفسه لينفرد الحج وحده ويخلص عمله من اشتراك فيه ، فأراه الله الرؤيا ليعرفه أن حجه مبرور وعمرته متقبلة، ولذلک قال ابن عباس : أقم عندي لبقص على الناس هذه الرؤيا المبينة لحال التمتع .وفيه: دليل أن الرؤياالصادقة شاهدة على أمور اليقظة، وكيف لاوهوجزء من ستة وأربعين جزءاً من النبوة ؟ وفيه : أن العالم يجوز له أخذ الأجرة على العلم.عمدة القاري ، ج:۷،ص:۱۱۳، ۱۱۴ .

[۵۵] أبو شهاب،اسمه موسىٰ بن نافع ، كذا ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني في الفتح ،الاسم: موسىٰ بن نافع ، الطبقة:لم تلق الصحابة ،النسب :الحناط الأسدي،الكنية :أبو شهاب،بلد الاقامة :الكوفة. موسوعة الحديث، Global Islamic Software Company. [1991-1997]

"فقال لی أناس من أهل مكة" اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں نے مجھے کہا کہ اب تمہارا حج مکی ہو جائے گا۔

مکی ہو جانے کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ اب تم عمرہ کر کے حلال ہو جاؤ گے اور جب حج کا دن آئے گا تو اہل مکہ کی طرح مکہ سے ہی احرام باندھو گے۔

ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ نے یوں کہا کہ جب تم عمرہ کر چکے تو عمرہ کرنے کے بعد تمہارے ذمہ حلال ہو جانا ضروری ہے اور جب ایام حج آئیں گے تو اہل مکہ کی طرح احرام باندھ کر پھر حج کرنا، لیکن اس وقت حلال ہونا ضروری ہے، ان کا ارادہ یہ تھا کہ عمرہ تو کرلوں گا لیکن حلال ہونے کی کیا ضرورت ہے، یہی احرام باندھے رکھوں گا اور پھر اسی احرام سے جا کر حج بھی کرلوں گا۔

مسئلہ

مسئلہ بھی یہی ہے کہ جس نے تمتع کا احرام باندھا ہو اس کے لئے عمرہ کرنا ضروری ہے اور عمرہ کے بعد اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے، واجب نہیں، اگر وہ اسی احرام سے حج کرنا چاہے اور درمیان میں حلال نہ ہو تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، لیکن اہل مکہ نے کہا اب تمہارا حج مکی ہو گیا جو حکم اہل مکہ کے لئے ہے وہی اب تمہارے لئے بھی ہے، یعنی اس احرام کو کھولنا ہوگا اور دوبارہ مکہ سے احرام باندھنا ہوگا۔

ان کے قول **"یصیر الآن حجک مکیاً"** کی ایک اور تشریح یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ کہنے والے تمتع کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے انہوں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ جب تم عمرہ کر کے حلال ہو جاؤ گے تو میقات سے مکہ تک کا تمہارا سفر تو عمرہ کے لئے ہوا، اور تمہیں میقات سے یا اپنے گھر سے حج کرنے کا ثواب نہ ملا، بلکہ اب چونکہ تم مکہ سے حج کا احرام باندھو گے تو تمہارا حج اہل مکہ کے حج کی طرح ہو جائے گا، آفاقی کے حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

اس پر انہوں نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے رجوع کیا تو انہوں نے اعتراض کا جواب آنحضرت ﷺ کے حج کا واقعہ بیان کر کے دیا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا، اگر اس میں کوئی قابل اعتراض بات ہوتی یا اس کا ثواب کم ہوتا تو آپ ﷺ یہ حکم نہ دیتے۔

"فدخلت علی عطاء" میں مسئلہ پوچھنے کے لئے عطاء بن ابی رباحؒ کے پاس گیا کہ حلال ہونا واجب ہے یا نہیں؟ اگر میں اسی احرام کو باقی رکھوں اور پھر حج کروں تو کیا حکم ہے؟

عطاء بن ابی رباح ؒ کا مقام

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں اور ان کے عہد میں مناسکِ حج میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں

تھا، یہ ہاتھ پاؤں سے معذور تھے اور سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کی پیشانی کو مٹی کھا گئی تھی، تو یہ معمولی آدمی نہیں تھے، یہ ان کے پاس مسئلہ پوچھنے گئے۔

"فقال:" انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو حلال ہونے کا حکم دیا، اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ ﷺ نے اوروں کو تو حلال ہونے کا حکم دیا لیکن خود حلال نہیں ہوئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہدی نہ لایا ہوتا تو میں بھی حلال ہو جاتا، چونکہ میں ہدی لے کر چلا ہوں اس لئے میں حلال نہیں ہو رہا ہوں۔

منشأ حدیث

اس حدیث کا منشأ تھا عمرہ کو حج کے ساتھ شامل کرنا جائز ہے، لیکن حلال ہونا اس کا لازمی حصہ نہیں، اگر کوئی چاہے کہ احرام کو برقرار رکھے یہاں تک کہ اسی احرام سے حج کرے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، گویا عطاء بن ابی رباحؒ نے خود ان کے خیال کی تصدیق اور تائید فرمائی اور اہل مکہ جو یہ کہہ رہے تھے کہ حلال ہونا واجب ہے، ان کے اس خیال کی تردید فرمائی۔

"لیس لہ حدیث مسند الا ھذا" یعنی انہوں نے اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث مرفوع روایت نہیں کی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قول صرف حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت کے بارے میں ہے، ورنہ انہوں نے دوسرے تابعین مثلاً سعید بن جبیر اور مجاہد رحمہا اللہ وغیرہ سے بھی روایات نقل کی ہیں۔

۱۵۶۹ ــ حدثنا قتیبة بن سعید : حدثنا حجاج بن محمد الأعور ، عن شعبة ، عن عمرو بن مرة ، عن سعید بن المسیب قال : اختلف علی وعثمان رضی اللہ عنہما بعسفان فی المتعة ، فقال : علی : ماترید الی ان تنھی عن أمر فعله النبی ﷺ ، فلما رأی ذلک علی أھل بھما جمیعاً [راجع : ۱۵۶۳]

ترجمہ: سعید بن میسّب سے روایت ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان متعہ کے متعلق اختلاف ہوا، جب کہ وہ دونوں عسفان میں تھے۔

حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کیا مقصد ہے کہ اس کام سے روکتے ہو جس کو نبی کریم ﷺ نے کیا ہے؟ حضرت عثمان ﷺ نے کہا مجھے چھوڑ دو جب حضرت علی ﷺ نے یہ دیکھا تو انہوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا۔

(۳۵) باب من لبّى بالحج و سمّاه

اس شخص کا بیان جو حج کا تلبیہ پڑھے کہے اور حج کا نام لے

۱۵۷۰ - حدثنا مسدد : حدثنا حماد بن زيد : عن أيوب قال : سمعت مجاهداً يقول : حدثنا جابر بن عبدالله ﷺ : قدمنا مع رسول الله ﷺ و نحن نقول : لبيك اللهم لبيك بالحج ، فأمرنا رسول الله ﷺ فجعلناها عمرة . [راجع : ۱۵۵۹]

ترجمہ: جابر بن عبداللہ ﷺ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے اور ہم لوگ کہہ رہے تھے، لبیک بالحج، آپ ﷺ نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ عمرہ بنالیں تو ہم لوگوں نے اس کو عمرہ کردیا۔

(۳۶) باب التمتع على عهد رسول الله ﷺ

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تمتع کرنے کا بیان

۱۵۷۱ - حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا همام : عن قتادة قال : حدثني مطرف ، عن عمران قال : تمتعنا على عهد رسول الله ﷺ و نزل القرآن ، قال رجل برأيه ما شاء . [أنظر : ۴۵۱۸] ۵۲

یعنی ہم نے حضور ﷺ کے زمانے میں تمتع کیا، قرآن بھی نازل ہوا "فمن تمتع بالعمرة الآية".

اس سے حضرت عمر ﷺ، حضرت عثمان ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے قول کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو تمتع سے منع کرتے تھے۔

یہ سمجھے کہ یہ حضرات تمتع سے منع جو کرتے ہیں تو اس کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ ان کے منع کرنے کی توجیہات پیچھے گذر چکی ہیں کہ منع کرنے سے ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تمتع معروف منع ہے یا حرام ہے۔

(۳۷) باب قول الله تعالىٰ:

﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ [البقرة: ۱۹۶]

---

۵۲ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب جواز التمتع ، رقم : ۲۱۵۵ ، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب القران ، رقم : ۲۶۷۲ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب التمتع بالعمرة الى الحج ، رقم : ۲۹۶۹ ، ومسند أحمد ، أول مسند البصريين ، باب حديث عمران بن حصين ، رقم : ۱۸۹۹۹ ، ۱۹۰۸۶ ، ۱۹۰۹۳ ، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في القران ، رقم : ۱۷۴۴ .

ترجمہ: "یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس"۔ ۵۷

۱۵۷۲ ۔ وقال أبو كامل فضيل بن حسين البصری : حدثنا أبومعشر البراء ، حدثنا عثمان بن غياث ، عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما : أنه سئل عن متعة الحج فقال : أهل المهاجرون و الأنصار و أزواج النبی ﷺ فی حجة الوداع وأهللنا. فلما قدمنا مكة قال رسول الله ﷺ : ((اجعلوا أهلالكم بالحج عمرة الا من قلد الهدی)) . طفنا بالبيت وبالصفا والمروة وأتينا النساء ولبسنا الثياب ، وقال : ((من قلد الهدی فانه لايحل له حتی يبلغ الهدی محله)) .ثم أمرنا عشية التروية أن نهل بالحج ، فاذا فرغنا من المناسک جئنا فطفنا بالبيت وبالصفا والمروة ، قد تم حجنا وعلينا الهدی . كما قال تعالىٰ (فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ)[البقرة: ۱۹۶] الی أمصاركم الشاة تجزی ، فجمعوا نسكين فی عام بين الحج والعمرة ، فان الله تعالىٰ أنزله فی كتابه وسنه نبيه ﷺ ، وأباحه للناس غير أهل مكة . قال الله : (ذلک لمن لم يكن أهله حاضری المسجد الحرام) [البقرة : ۱۹۶] و أشهر الحج التی ذكر الله تعالىٰ : شوال ، ذوالقعدة ، و ذوالحجة . فمن تمتع فی هذه الأشهر فعليه دم أو صوم .

والرفث : الجماع . والفسوق : المعاصی ، والجدال : المراء .

یعنی "تمتع إلی العمرة بالحج" عمرہ اور حج کو ایک احرام میں جمع کرنا یہ حکم صرف ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام میں مقیم نہ ہوں یعنی آفاقی ہوں اور جو مکی ہو گئے ان کے لئے تمتع اور قران نہیں بلکہ ان کے لئے افراد متعین ہے۔

(۳۸) باب الإغتسال عند دخول مكة

مکہ میں داخل ہونے کے وقت غسل کرنے کا بیان

۵۷ یعنی قران وتمتع اسی کے لئے ہے جو مسجد حرام یعنی حرم کے اندر یا اس کے قریب نہ رہتا ہو بلکہ حل یعنی خارج از میقات کا رہنے والا ہو اور جو حرم مکہ کے رہنے والے ہیں وہ صرف افراد کریں۔

شوال کے غرہ سے لے کر بقرعید کی صبح یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک ان کا نام اشہر الحج ہے، اس لئے کہ احرام حج ان کے اندر ہوتا ہے اگر اس سے پہلے کوئی احرام حج کا باندھے گا تو ناجائز یا مکروہ ہوگا یعنی حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں اور سب کو معلوم ہیں۔ مشرکین عرب جو اپنی ضرورت میں ان میں تغیر وتبدل کرتے تھے جس کو دوسری آیت میں "انما النسی زیادة فی الکفر" فرمایا گیا ہے یہ بالکل بے اصل اور باطل ہے۔ تفسیر عثمانی، ص: ۳۸، فائدہ: ۴، ۵۔

ابن المنذر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مستحب ہے، لیکن اگر کوئی نہ کرے تو اس پر فدیہ وغیرہ بھی نہیں ہے۔[58]

۱۵۷۳ ـ حدثني يعقوب بن إبراهيم : حدثنا ابن علية : أخبرنا أيوب ، عن نافع قال : كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا دخل أدنى الحرم أمسك عن التلبية ، ثم يبيت بذي طوى ثم يصلي به الصبح ويغتسل ، ويحدث أن نبي الله ﷺ كان يفعل ذلك.

[راجع : ۱۵۵۳].

تلبیہ کا حکم

حج میں تلبیہ وقت احرام سے جمرہ عقبہ کی رمی تک رہتا ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

جمہور کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر صحابہ ﷺ وتابعین رحمہم اللہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی تک حج میں تلبیہ جاری رہتا ہے۔[59]

امام مالک، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ جب عرفات سے روانہ ہو تو تلبیہ ختم کردے۔

بعض سے منقول ہے کہ جب وقوف عرفہ کرے تو تلبیہ بند کردے۔[60]

(۳۹) باب دخول مكة نهاراً أو ليلاً

مکہ میں دن یا رات کو داخل ہونے کا بیان

[58] وقال ابن المنذر: الأغتسال لدخول مكة مستحب عند جميع العلماء، الا أنه ليس في تركه عامداً عندهم فدية. وقال أكثرهم: الوضوء يجزئ فيه. وكان ابن عمر، رضي الله عنهما، يتوضأ أحياناً ويغتسل أحياناً. وروى ابن نافع عن مالك. أنه استحب الأخذ بقول ابن عمر: يتوضأ أحياناً ويغتسل أحياناً للاهلال بذي الحليفة وبذي طوى لدخول مكة وعند الرواح الى عرفة. قال: ولو تركه تارك من عذر لم أرشيئاً. وأوجبه أهل الظاهر فرضاً على من يريد الاحرام، والأمة على خلافهم، وروى عن الحسن أنه اذا نسي الغسل للاحرام يغتسل اذا ذكر، واختلف فيه عن عطاء، فقال مرة: يكفي منه الوضوء، وقال مرة غير ذاك، والغسل لدخول مكة ليس لكونها محرماً، وانما هو لحرمة مكة حتى يستحب لمن كان حلالاً أيضاً، وقد اغتسل لها عام الفتح وكان حلالاً. عمدة القاري، ج:۷، ص: ۱۲۱.

[59]، [60] ملاحظہ فرمائیں: باب الركوب والارتداف في الحج، ص: ۲۲، و باب صلاة الفجر بمزدلفة، ص: ۲۸۲، وباب التلبية والتكبير غداة النحر حين يرمي الجمرة والارتداف في السير، عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۲۸۶.

یہاں جو آیا ہے "أمسک عن التلبية" اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ پہلے ذکر کے طور پر مسلسل پڑھتے جا رہے تھے، اب اس انداز سے پڑھنا چھوڑ دیا۔

"بات النبی ﷺ بذی طوی حتی أصبح ثم دخل مكة . وكان ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما يفعله" .

۱۵۷۴ ۔ حدثنا مسدد :حدثنا يحيى ، عن عبيدالله قال : حدثني نافع ، عن ابن عمر رضی الله عنهما قال : بات النبی ﷺ بذی طوی حتی أصبح ثم دخل مكة . وكان ابن عمر رضی الله عنهما يفعله . [راجع : ۱۵۵۳]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے طوی میں رات گذاری، جب صبح ہوگئی تو مکہ میں داخل ہوئے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(۴۰) باب : من أين يدخل مكة ؟

مکہ میں کس جانب سے داخل ہو؟

۱۵۷۵ ۔ حدثنا ابراهيم بن المنذر قال : حدثني معن قال : حدثني مالك ، عن نافع، عن ابن عمر رضی الله عنهما قال : كان رسول الله ﷺ يدخل مكة من الثنية العليا ، ويخرج من الثنية السفلى . [أنظر : ۱۵۷۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں ثنیۃ العلیا سے داخل ہوتے اور ثنیۃ السفلیٰ سے خارج ہوتے تھے۔

(۴۱) باب : من أين يخرج من مكة ؟

مکہ سے کس طرف سے نکلے؟

۱۵۷۶ ۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا يحيى ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی الله عنهما : أن رسول الله دخل مكة من كداء من الثنية العليا التی بالبطحاء ، وخرج من الثنية السفلى . [راجع : ۱۵۷۵]

قال أبوعبدالله : كان يقال : هو مسدد كاسمه ، قال أبوعبدالله : سمعت يحيى ابن معين يقول : سمعت يحيى بن سعيد يقول : لو أن مسددا أتيته فی بيته فحدثته لاستحق ذلك ، وما أبالی كتبی كانت عندی أو عند مسدد .

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ "الثنية العليا" کے مقام کداء سے جو بطحاء میں ہے داخل ہوئے تھے اور

"الثنية السفلى" کی طرف سے باہر نکلے تھے۔

۱۵۷۷ ــ حدثنا الحميدى و محمد بن المثنى قالا : حدثنا سفيان بن عيينة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها : أن النبى ﷺ لما جاء الى مكة دخل من أعلاها و خرج من أسفلها . [أنظر:۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۴۲۹۰، ۴۲۹۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ آتے تو وہاں اس کے بلند حصے کی طرف سے داخل ہوتے اور اس کے نیچے کے حصے کی طرف سے باہر نکلتے۔

۱۵۷۸ ــ حدثنى محمود : حدثنا أبو أسامة : حدثنا هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضى الله عنها : أن النبى ﷺ دخل عام الفتح من كداء، وخرج من كُدا من أعلى مكة. [راجع : ۱۵۷۷]

دو الگ الگ جگہ ہیں ایک "كَدىٰ" بالفتح اور ایک "كُدىٰ" بالضم (ای بضم الکاف) آپ ﷺ "كَداء" سے داخل ہوئے اور "كُدىٰ" سے نکلے۔

۱۵۷۹ ــ حدثنا أحمد : حدثنا ابن وهب : أخبرنا عمرو، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضى الله عنها : أن النبى ﷺ دخل عام الفتح من كداء أعلى مكة، قال هشام : وكان عروة يدخل على كلتيهما من كداء وكُدا، وأكثر ما يدخل من كُدا وكانت أقربهما إلى منزله. [راجع : ۱۵۷۷]

عروہ اگرچہ یہ روایت کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ "كَداء" سے داخل ہوئے اور "كُدىٰ" سے نکلے تھے لیکن عروہ جب خود حج کرنے جاتے تھے تو اس صورت میں وہ "كُدىٰ" سے داخل ہوتے تھے، اس کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ "كُدىٰ" عروہ کے گھر سے قریب پڑتا تھا۔

۱۵۸۰ ــ حدثنا عبدالله بن عبد الوهاب : حدثنا حاتم، عن هشام، عن عروة : دخل النبى ﷺ عام الفتح من كداءٍ من أعلى مكة . وكان عروة أكثر مايدخل من كداءٍ وكان أقربهما الى منزله . [راجع : ۱۵۷۷]

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ کے بلند جانب یعنی کداء کی طرف سے داخل ہوتے اور عروہ اکثر کدیٰ کی طرف سے داخل ہوتے کہ یہ ان کے گھر سے قریب تھا۔

۱۵۸۱ ــ حدثنا موسى : حدثنا وهيب : حدثنا هشام، عن أبيه : دخل النبى ﷺ عام الفتح من كداءٍ، وكان عروة يدخل منهما كليهما . وكان أكثر مايدخل من كداءٍ

أقربهما الی منزله . قال أبوعبدالله : كداء و كُدا : موضعان . [راجع : ۱۵۷۷]

ترجمہ: ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال کداء کی جانب سے داخل ہوئے اور عروہ دونوں طرف سے داخل ہوتے تھے، لیکن اکثر کدیٰ کی جانب سے داخل ہوتے جوان کے گھر سے قریب تھا۔

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ کداء اور کدیٰ دونوں جگہوں کے نام ہیں۔

(۴۲) باب فضل مكة وبنيانها

مکہ کی فضیلت اور اس کی عمارتوں کا بیان

و قوله تعالى : وَ إِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ أَمْناً ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَاهِيْمَ وَ إِسْمَاعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَ الْعَاكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ . وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَداً امِناً وَّ ارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ امَنَ مِنْهُمْ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهٗ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ . وَ إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ إِسْمَاعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ . رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ أَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ [البقرة : ۱۲۵ ـ ۱۲۸]

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔ اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن

کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں
سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر فرمایا اور جو کفر
کریں اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً
بلاؤں گا دوزخ کی عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی اور
یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل
اور دعاء کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بے
شک تو ہی سننے والا جاننے والا۔ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم
کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت
فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو
معاف کر بے شک تو ہی ہے توبہ کرنے والا مہربان۔

۱۵۸۲ ـ حدثني عبدالله بن محمد : حدثنا أبو عاصم قال : أخبرني ابن جريج قال: أخبرني عمرو بن دينار قال : سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنهما يقول : لما بنيت الكعبة ذهب النبي ﷺ وعباس ينقلان الحجارة ، فقال العباس للنبي ﷺ :اجعل إزارك على رقبتك. فخر إلى الأرض فطمحت عيناه إلى السماء فقال: «أرني إزاري»، فشده عليه. [راجع : ۳۶۴]

"قبل البعثت" کی معصومیت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے جب آپ ﷺ بچے تھے، قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو نبی کریم ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے چچا ہیں اور تقریباً ہم عمر ہیں، دو سال بڑے تھے، یہ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا **"اجعل ازارک"** پتھر بڑے بڑے تھے اور کندھے پر رکھتے تھے جس کی وجہ سے کندھے پر خراشیں لگ جاتی ہوں گی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اپنی ازار نکال کر کندھے پر رکھ لیجئے تا کہ یہ خراشیں نہ لگیں۔

"فخرّ الی الارض" تھوڑی دیر کے لئے یہ عمل کرنا چاہا تو آپ ﷺ فوراً زمین پر گر گئے اور آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور فرمایا کہ **"ارنی ازاری"** مجھے میرا ازار دکھاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ اس عمر کے بچے کے لئے ازار کا نکال دینا کوئی معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا اس واسطے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا مشورہ دیا تھا لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ بعثت سے پہلے ہی معصوم تھے، اس واسطے اللہ

ﷺ نے یہ نہیں ہونے دیا۔ جب ازار نکالا تو فوراً زمین پر گر گئے جیسے غشی طاری ہو جاتی ہے، اور فوراً حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے میرا ازار دکھاؤ، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو دوبارہ باندھ دیا۔

ترجمۃ الباب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے پتھر اپنے شانۂ مبارک پر اٹھائے جس سے کعبہ کی اور اس کی مناسبت سے مکہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

۱۵۸۳ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة ، عن مالک ، عن ابن شهاب ، عن سالم بن عبدالله أن عبدالله بن محمد بن أبی بکر أخبر عبدالله بن عمر ، عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی ﷺ أن رسول الله ﷺ قال لها : ((ألم تری أن قومک حین بنوا الکعبة اقتصروا عن قواعد إبراهیم ؟ فقلت : یارسول الله ، ألا تردها علی قواعد إبراهیم؟ قال : ((لولا حدثان قومک بالکفر لفعلت)). فقال عبدالله رضی الله عنه : لئن کانت عائشة رضی الله عنها سمعت هذا من النبی ﷺ ما أری رسول الله ﷺ ترک استلام الرکنین اللذین یلیان الحجر إلا أن البیت لم یتمم علی قواعد إبراهیم . [راجع : ۱۲۶]

یعنی آپ ﷺ طواف کے دوران حجر اسود یا رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے، رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رکن عراقی اور رکن شامی اصل میں کعبہ کے رکن ہی نہیں ہیں، کیونکہ کعبہ تو اور آگے تھا جو حطیم کی طرف چلا گیا ہے، قریش نے بیچ میں سے کاٹ کر یہاں تک بنا دیا تھا، اب جو رکن ہے وہ حقیقت میں رکن نہیں ہے بلکہ وسطِ کعبہ ہے، رکن اس وقت ہوتا جب آگے بڑھایا جاتا، جب رکن نہیں تو اس کا استلام بھی نہیں۔

۱۵۸۴ ـ حدثنا مسدد : حدثنا أبو الأحوص : حدثنا أشعث ، عن الأسود بن یزید ، عن عائشة رضی الله عنها قالت : سألت النبی ﷺ عن الجدر ، أمن البیت هو ؟ قال : ((نعم)) . قلت : فما لهم لم یدخلوه فی البیت ؟ قال : ((ألم تری قومک قصرت بهم النفقة)) قلت : فما شأن بابه مرتفعا ؟ قال : ((فعل ذلک قومک لیدخلوا من شاؤا ویمنعوا من شاؤا ، ولولا أن قومک حدیث عهدهم بجاهلیة فأخاف أن تنکر قلوبهم أن أدخل الجدر فی البیت وأن ألصق بابه بالأرض)) . [راجع : ۱۲۶]

قریش نے قواعد ابراہیم علیہ السلام سے جو مخالفت کی تھی وہ تین طرح کی تھی:

(۱) ایک حصہ کعبہ سے خارج کر دیا گیا تھا جو حطیم میں آ گیا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کعبہ کا دروازہ عام دروازوں کی طرح زمین کے ساتھ متصل تھا، قریش نے دروازے کو اونچا کر دیا، اب قدِ آدم سے بھی اونچا دروازہ ہے اگر کوئی جائے تو سیڑھی لگا کر جائے۔

اس اونچا کرنے کا منشأ یہ تھا کہ ہر ایک شخص داخل نہ ہو سکے جس کو ہم چاہیں اور اجازت دیں وہی داخل ہو۔

(۳) بناء ابراہیمی میں دو دروازے تھے، ایک جو اس وقت موجود ہے، ملتزم کی طرف جو مشرقی دروازہ ہے، ایک اس کے بالمقابل مغرب میں دروازہ تھا جو قریش نے بند کر دیا، یہ تین بڑے بڑے تصرفات قریش نے کئے تھے جن کا بار بار روایات میں ذکر آئے گا۔

"جَدر" سے یہاں حطیم مراد ہے اور باب سے مغربی دروازہ مراد ہے۔

۱۵۸۵ ۔ حدثنا عبید بن اسماعیل : حدثنا أبو أسامة ، عن هشام ، عن أبیه ، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت :قال لی رسول اللہ ﷺ: ((لولا حداثة قومک بالکفر لنقضت البیت ثم لبنیته علی أساس ابراهیم علیہ السلام ، فان قریشا استقصرت بنائه وجعلت له خلفاء)). قال أبو معاویة :حدثنا هشام خلفا یعنی باباً . [راجع : ۱۲۶]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کو توڑ ڈالتا، اور میں اسے بنیاد ابراہیمی پر بناتا، اسلئے کہ قریش نے اس کی عمارت کو چھوٹا کر دیا اس کے لئے خلف بناتا۔

خلف سے مراد پیچھے کا دروازہ ہے، جو رکنِ یمانی کے قریب تھا۔

۱۵۸۶ ۔ حدثنا بیان بن عمرو : حدثنا یزید : حدثنا جریر بن حازم : حدثنا یزید ابن رومان ، عن عروة ، عن عائشة رضی اللہ عنها : أن النبی ﷺ قال لها : ((یا عائشة، لولا أن قومک حدیث عهد بجاهلیة لأمرت بالبیت فهدم فأدخلت فیه ما أخرج منه ، وألزقته بالأرض، وجعلت له بابین ، بابا شرقیاً وبابا غربیاً ، فبلغت به أساس أبراهیم)) . فذلک الذی حمل ابن الزبیر علی هدمه . قال یزید : وشهدت ابن الزبیر حین هدمه وبناه، وأدخل فیه من الحجر . وقد رأیت أساس إبراهیم حجارة کأسنمة الإبل . قال جریر : فقلت له : أین موضعه ؟ قال: أریکه الآن ، فدخلت معه الحجر فأشار إلی مکان فقال : هاهنا . قال جریر : فحزرت من الحجر ستة أذرع أو نحوها. [راجع : ۱۲۶]

چھ ذراع ہونا تو قوی روایات سے ثابت ہے، چھ ذراع کے مابعد حطیم کا حصہ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

اب تقریباً انتالیس ذراع ہے تو چھ ذراع کا حصہ جو شامل تھا وہ کہاں تک ختم ہو گیا ہے اس کا پتہ لگانا بڑا مشکل کام ہے۔[۱۱]

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جب حطیم کعبہ کا حصہ ہے تو اب اگر کوئی شخص تنہا حطیم کی طرف استقبال کر

[۱۱] وقالوا:ستة أذرع منه محسوب من البیت بلا خلاف، وفی الزائد خلاف. عمدة القاری ج:۷،ص:۱۳۴.

کے نماز پڑھے تو آیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یہ نہیں؟

تو سمجھ لیں کہ استقبال قبلہ کی فرضیت قطعی ہے اور قرآن کریم سے ثابت ہے اور حطیم کا کعبہ کا جزء ہونا اخبار آحاد میں آیا ہے جو کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ حجر کے بیت اللہ کا حصہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے، اسلئے یہ وہی حصہ ہے جیسے قریش نے بناء کعبہ کے وقت چھوڑ دیا تھا، البتہ حطیم کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ بیت اللہ کا جزء ہے یا نہیں۔

ہمارے زمانے کے ایک مجتہد مطلق کو دیکھا گیا کہ وہ حطیم کی طرف رخ کرنے کا باقاعدہ اہتمام کرتے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا شائبہ بھی باقی نہ رہے، بعض لوگوں کو اپنا تفرد ظاہر کرنے کا شوق ہوتا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ کہنے لگے اس لئے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ بھی کعبہ کا حصہ ہے اور اس کا استقبال بھی جائز ہے۔ تو ایسے مجتہد بھی آج کل پیدا ہو گئے ہیں۔

(۴۳) باب فضل الحرم

حرم کی فضیلت کا بیان

وقوله تعالى: ﴿ اِنَّمَا أُمِرْتُ اَنْ أَعْبُدَ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَه‘ كُلُّ شَىْءٍ ز وَأُمِرْتُ اَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [النمل: ۹۱]

وقوله جل ذكره: ﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَماً اٰمِنًا يُّجْبٰىٓ اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقاً مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ ﴾ [القصص: ۵۷]

''کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو حرمت والے پناہ کے مقام میں کھنچے چلے آتے ہیں اس کی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہمارے طرف سے پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے''۔ ٦٢

٦٢ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں مکہ کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں، اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کہ باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نہیں نکال دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے۔

کیا شرک وکفر کے باوجود تو پناہ دی، ایمان وتقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان وتقویٰ کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہئے۔ فان العاقبة للمتقين۔

۱۵۸۷ ـ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا جرير بن عبدالحميد ، عن منصور : عن مجاهد ، عن طاوس ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : قال رسول الله ﷺ يوم فتح مكة : ((ان هذا البلد حرمه الله ، لايعضد شوكه ، ولا ينفر صيده ولايلتقط لقطته الا من عرفها)). [راجع : ۱۳۴۹]

"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : قال رسول الله ﷺ يوم فتح مكة : ((ان هذا البلد حرمه الله".

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ ﷻ نے حرم بنایا ہے۔

"لايعضد شوكه" اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں گے۔

"ولا ينفر صيده" اس کے شکار نہ بھگائے جائیں گے۔

"ولا ينفر صيده ولايلتقط لقطته الا من عرفها"

اور نہ کوئی پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائیں مگر وہ شخص جو اس کا اعلان کریں۔

(۴۴) باب توريث دور مكة وبيعها وشرائها

مکہ کے گھروں میں میراث جاری ہونے اور اس کے بیچنے و خریدنے کا بیان

"وأن الناس في المسجد الحرام سواءً خاصةً" لقوله تعالىٰ ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ط وَ مَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴾ [الحج : ۲۵]

اور یہ کہ لوگ خاص مسجد حرام میں برابر ہیں، اللہ تعالیٰ کے قول کی بناء پر کہ: "جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے اور اس خانہ کعبہ سے روکتے ہیں، جس کو ہم نے لوگوں کے لئے یکساں بنایا ہے، وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے رہنے والے اور جس نے الحاد کے ساتھ ظلم کا ارادہ کیا تو ہم اس

کو دردناک عذاب چکھائیں گے"۔ ۵۷

البادی : الطاری. معکوفاً: محبوساً.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ بادی سے مراد باہر سے آنے والا، محبوس کے معنی ہے روکے ہوئے۔

اس آیت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استدلال کی طرف اشارہ کردیا کہ مکہ مکرمہ کے اراضی مملوک نہیں ہوسکتیں کما سیأتی، اور اگلی حدیث سے شوافع کی مسلک پر استدلال کیا ہے، اسی لئے ترجمۃ الباب میں کسی ایک مسلک پر جزم نہیں کیا۔

۱۵۸۸ - حدثنا أصبغ قال : أخبرني ابن وهب ، عن يونس ، عن ابن شهاب ، عن علي بن الحسين ، عن عمرو بن عثمان ، عن أسامة بن زيد ﷺ أنه قال : يارسول الله ، أين تنزل في دارك بمكة ؟ فقال : ((وهل ترك عقيل من رباع أو دور؟)) وكان عقيل ورث أبا طالب هو وطالب ، ولم يرثه جعفر ولا علي رضي الله عنهما شيئاً لأنهما كانا مسلمين ، وكان عقيل وطالب كافرين . فكان عمر بن الخطاب ﷺ يقول : لايرث المؤمن الكافر. قال ابن شهاب : وكانوا يتأولون قول الله تعالىٰ :﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ الآية [الأنفال : ۷۲] [أنظر : ۳۰۵۸، ۴۲۸۲، ۶۷۶۴]. ۵۸

ترجمہ: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یارسول اللہ! آپ مکہ میں اپنے گھر میں کہاں اتریں

---

۵۷ ایک وہ لوگ ہیں جو خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں سے مزاحم ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے راستے پر نہ چلنے حتیٰ کہ جو مسلمان اپنے پیغمبر کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جارہے تھے ان کا راستہ روک دیا، حالانکہ مسجد حرام (یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادت ومناسک کا تعلق ہے) سب کے لئے یکساں ہیں۔ جہاں مقیم ومسافر اور شہری و پردیسی کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ ہاں وہاں سے نکالے جانے کے قابل اگر ہیں تو وہ لوگ جو شرک اور شرارتیں کرکے اس کے بقعۂ مبارکہ کی بے تعظیمی کرتے ہیں۔

۵۸ وفي صحيح مسلم ، كتاب الفرائض ، رقم : ۳۰۲۷، وسنن الترمذي ، كتاب الفرائض عن رسول الله ، باب ماجاء في ابطال الميراث بين المسلم والكافر ، رقم : ۲۰۳۳، وسنن ابي داؤد ، كتاب الفرائض ، باب هل يرث المسلم الكافر، رقم : ۲۵۲۱، وسنن ابن ماجة ، كتاب الفرائض ، باب ميراث أهل الأسلام من أهل الشرك، رقم : ۲۷۱۹، ومسند أحمد ، مسند الأنصار ، باب حديث أسامة بن زيد حب رسول الله ، رقم : ۲۰۷۵۲، ۲۰۷۵۷، ۲۰۷۷۱، ۲۰۸۰۷، ۲۰۸۱۹ . وموطا مالك ، كتاب الفرائض ، باب ميراث أهل الملل ، رقم : ۹۵۹، وسنن الدارمي، كتاب الفرائض ، باب في ميراث أهل الشرك وأهل الاسلام ، رقم : ۲۸۷۱.

گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عقیل نے جائیداد یا گھر کہاں چھوڑا ہے؟ اور عقیل اور طالب ابوطالب کے وارث ہوئے اور حضرت جعفر ﷺ اور حضرت علی ﷺ کسی چیز کے بھی وارث نہ ہوئے، اس لئے کہ وہ دونوں مسلمان تھے اور عقیل اور طالب کافر تھے۔

حضرت عمر بن خطاب ﷺ اسی لئے کہتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہ ہوگا۔

ابن شہاب نے کہا لوگ اللہ ﷻ کے اس قول کی تعبیر کرتے تھے، بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ ﷻ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَنَصَرُوا
أُولٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ".

"جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے
مال و جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ
دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں"۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک بڑا اہم مسئلہ چھیڑا ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمینیں اور گھروں کی بیع وشراء اور ان کا اجارہ اور وراثت میں منتقل ہونا جائز ہے یا نہیں۔

مسلک امام شافعی رحمہ اللہ

امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی زمینوں میں اور دوسری جگہ کی زمینوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسے دوسری جگہوں کی زمینیں ملکیت میں آسکتی ہیں اسی طرح مکہ کی زمینیں بھی ملکیت میں آسکتی ہیں اور جس طرح دوسری زمینوں کو بیچنا اور کرایہ پر دینا جائز ہے ایسے ہی مکہ کی زمینوں کو بھی کرایہ پر دینا اور بیچنا جائز ہے [۵۹]۔

اور علامہ شامی رحمہ اللہ وغیرہ نے خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی اس کے مطابق نقل کی ہے جو ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔

---

۵۹ ويجوز بيع دور مكة ، واجارتها عند الشافعية كمايجوز ذلك في غيرها .وقد ابتاع عمر رضي الله عنه داراً بها فجعلها سجنا،ولم ينقل عن أحد من الصحابة رضي الله عنهم انه أنكر عليه .هداية السالك الى المذاهب الأربعة في المناسك ، ج:٢،ص:٩٥٧، مطبعة: دار البشائر الاسلامية ، بيروت. طبع ١٤١٤هـ.

مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمینیں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں، لہذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زمینیں بیچے، اور ان میں میراث بھی جاری نہیں ہوسکتی، البتہ اگر کسی نے اپنے خرچ سے کوئی عمارت بنائی ہے تو وہ اس کا مالک ہے، اس عمارت کو بیچ بھی سکتا ہے، اجارہ پر بھی دے سکتا ہے لیکن جہاں تک زمین کی بات ہے اس میں نہ بیع ہوسکتی ہے، نہ اجارہ ہوسکتا ہے، نہ توریث ہوسکتی ہے اور نہ ہبہ ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ کسی کی ملکیت نہیں۔[٦٠]

امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے اور بہت سے فقہاء اور تابعین رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

مدارِ اختلاف

اصل مدار اختلاف یہ ہے کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا تھا یا صلح کے ذریعے، اس میں کلام ہوا ہے۔[٦١]

---

٦٠ ویکره بیع أرض مكة عند أبی حنیفة، فقیل : لایجوز البیع . وقال قاضیخان: ((انه ظاهر الروایة)).وقیل : یجوز مع الکراهة .وروی الحسن عن ابی حنیفة : أنه لا بأس ببیع أرضها.وهو قول محمد وأبی یوسف.وقال الصدر الشهید فی کتاب الشفعة من الواقعات وغیره : ((ان الفتوی علیه)) وبه جزم حافظ الدین فی الکنز۔

وأما اجارة الارض فروی عن أبی حنیفة ومحمد : أنها لاتجوز.وروی عنهما الجواز مع الکراهة.ومقتضی ما رواه الحسن عن ابی حنیفة فی بیع الارض أن یجیئ مثله فی الاجارة ، والله أعلم.

وفی اختلاف العلماء للطحاوی : ((قال محمد : وكان أبو حنیفة یکره أجر بیوتها فی أیام الموسم،وللرجل یعتمر ثم یرجع .فأما المقیم والمجاور فلا یری بأخذ ذلک منهم بأساً. قال محمد : وبه نأخذ)).هدایة السالک الی المذاهب الاربعة فی المناسک ، ج:٢،ص:٩٥٨-٩٥٧، مطبعة:دارالبشائر الاسلامیة ، بیروت.طبع ١٤١٤هـ.

٦١ وذكر ابن رشد- فی البیان والتحصیل - : عن مالک ثلاث روایات: منع بیع دورها وکرائها، والاباحة، وکراهة کرائها فی أیام الموسم خاصة.

ونقل سند - فی الطراز - : أن مذهب مالک المنع . وفیه :((ان قصد بالکراء الآلات والأخشاب جاز، وان قصد البقعة فلا خیر فیه ...ونقل ابن الحاج - فی مناسکه - عن مذهب مالک : الاباحة. ولایجوز بیع رباع مكة ولا اجارتها فی احدی الروایتین عن أحمد .وقال ابن المنجا: ((انها المذهب)) وعلیٰ هذه الروایة من كان ساكناً فی مكان فهو احق به ؛ یَسْكُنُهُ، وَیُسْكِنُهُ، ولیس له بیعه ولا اخذ اجرته.

ومن احتاج الی مسكن فله بذل الأجرة فیه، وان احتاج الی الشراء فله ذلک .وكان أحمد رحمه الله اذا سکن أعطاهم الأجرة . ... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا تھا، آپ ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر گئے تھے، باقاعدہ حملہ کیا، یہ علیحدہ بات ہے کہ جس طرف سے آپ ﷺ داخل ہوئے اس طرف سے کوئی خونریزی نہیں ہوئی۔

لیکن جس طرف سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تھے وہاں تھوڑی بہت خونریزی بھی ہوئی تھی اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کی زمینیں سب کچھ مجاہدین میں تقسیم کیا جائے، لیکن مکہ مکرمہ کی زمینوں کی تقسیم عمل میں نہیں آئی، حضور ﷺ نے یہ زمینیں صحابہ رضی اللہ عنہم اور مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمائیں۔

جب اس زمین میں سارے مسلمانوں کا حق ہونے کے باوجود تقسیم نہیں فرمائی تو اب اس کا راستہ یہ ہے کہ اس کو وقف قرار دیا جائے تاکہ سارے مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں، تو مکہ مکرمہ کی ساری زمینیں وقف ہیں اور وقف ہونے کی وجہ سے اس کی بیع، شراء، میراث وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوسکتی، البتہ جو عمارتیں لوگوں نے خود اپنے پیسوں سے بنائی ہیں ان کو وہ بیچ بھی سکتے ہیں اور کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ زمین اور بناء میں فرق کرتے ہیں کہ بناء مملوک ہوسکتی ہے، زمین مملوک نہیں ہوسکتی۔

حنفیہ کا دوسرا استدلال

امام ابوحنیفہ کا دوسرا استدلال اس آیت سے بھی ہے **"جعلناه للناس سواء العاكف فيه و الباد"** مسجد حرام کو ہم نے سب کے لئے برابر بنایا ہے، چاہے وہ **"عاکف"** یعنی مکہ کا مقیم ہو یا **"باد"** یعنی باہر سے آیا ہوا ہو، معنی یہ ہے کہ یہ زمینیں سب استعمال کر سکتے ہیں، ملکیت کسی کی نہیں ہے۔

حنفیہ کا تیسرا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تیسرا استدلال طحاوی کی ایک روایت سے ہے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ

﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾ فان سكن بأجرة جاز أن لايدفع اليهم الأجرة ان أمكنه.

وروى أن سفيان سكن في بعض رباع مكة، وهرب ولم يعطهم اجرا، فادركوه واخذوها منه. وذكر لأحمد فعل سفيان فتبسم، وظاهره أنه أعجبه.

والرواية الثانية عن أحمد: أنه يجوز البيع والاجارة. وقال صاحب المغنی: ((انها أظهر في الحجة)) وعن ابن قال: ((من أكل من أجر بيوت مكة شيئاً فانما يأكل ناراً)) اخرجه الدارقطني باسناد ضعيف، وقال: الصحيح أنه موقوف. هداية السالك الى المذاهب الأربعة في المناسك، ج: ۲، ص: ۹۵۹ - ۹۵۸، مطبعة: دار البشائر الاسلامية، بيروت. طبع ۱۴۱۴ھ.

ﷺ نے فرمایا پورے مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے سوائب سمجھا جاتا تھا، سوائب، سائبہ کی جمع ہے۔ سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو مشرکین غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا تھا، کوئی مسلمان سائبہ بنائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ جل جلالہ کے لئے وقف کر دیا ایسے ہی مکہ مکرمہ کی زمینیں سوائب جیسی وقف ہیں۔

طحاوی کی اس روایت کی سند اگرچہ کمزور ہے لیکن آیت کریمہ **"جعلناه للناس سواء العاكف فيه والباد"** سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

طحاوی اور بیہقی میں ایک اور حدیث مرفوع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے **"مكة مناخ لاتباع رباعها ولا يؤاجر بيوتها"** لیکن اس کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ اس میں اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہیں۔[۶۲]

امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور امام بخاری رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ ان میں اور دوسری زمینوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ان کی بھی بیع وشراء، اجارہ، ہبہ اور تملیک وغیرہ سب جائز ہے۔

استدلال امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تائید میں یہاں بہت ساری احادیث لائے ہیں اور وہ ایسی احادیث ہیں جن میں مکہ مکرمہ کی زمینوں یا مکان کو کسی فردِ واحد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد جب عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کل آپ ﷺ کہاں اتریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا **"هل ترك لنا عقيل من منزل؟"** کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟

عقیل بن ابو طالب نے بنو ہاشم کے سارے گھر بیچ دیئے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ گھر کو عقیل کی طرف منسوب کیا اور بیع کو نافذ قرار دیا، معلوم ہوا کہ اس کی بیع جائز ہے۔

اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف یہ حجت نہیں کیونکہ گھر کی عمارت بیچنے کو وہ بھی ناجائز نہیں کہتے، ان کا اختلاف زمین کے بارے میں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب دیا جا سکتا ہے کہ

---

[۶۲] رواه الطحاوي والبيهقي ايضاً، ولفظه: ((مكة مناخ لاتباع رباعها ولا يؤاجر بيوتها)) قلت: الأصل في باب المعارضة التساوي، وحديث عبد الله بن عمرو لايقاوم حديث اسامه، لأن في سند حديث عبد الله بن عمرو اسماعيل بن ابراهيم بن المهاجر، ضعفه يحيىٰ والنسائي. عمدة القاري، ج:۷، ص:۱۴۸، سنن البيهقي الكبرىٰ، ج: ۲، ص: ۳۵، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة، ۱۴۱۴ھ، وشرح معاني الآثار للطحاوي، ج: ۴، ص: ۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۳۹۹ھ.

اضافت ہمیشہ تملیک کے لئے نہیں ہوتی، اختصاص کے لئے بھی ہوسکتی ہے اور ادنیٰ ملابست بھی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے الصدر الشہید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

(۴۵) باب نزول النبي ﷺ مكة

نبی کریم ﷺ کا مکہ میں اترنے کا بیان

١٥٨٩ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: حدثني أبو سلمة أن أبا هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ حين أراد قدوم مكة: ((منزلنا غداً إن شاء الله تعالىٰ بخيف بني كنانة حيث تقاسموا على الكفر)). [أنظر: ١٥٩٠، ٣٨٨٢، ٤٢٨٤، ٤٢٨٥، ٧٤٧٩] ٦٣

ترجمہ: ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ آنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: کل انشاء اللہ خیف بنی کنانہ میں ہمارا قیام ہوگا، جہاں قریش نے کفر پر جمے رہنے کی قسم کھائی تھی۔

یہاں جگہ کے بارے میں فرمایا کہ ہم خیف بنی کنانہ میں اتریں گے، معلوم ہوا کہ خیف بنی کنانہ کی ملکیت ہے، اضافت ملکیت پر دلالت کرتی ہے، پتہ چلا کہ مکہ کی زمینوں پر ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے۔

١٥٩٠ ـ حدثنا الحميدي: حدثنا الوليد: حدثنا الأوزاعي قال: حدثني الزهري، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة ﷺ قال: قال النبي ﷺ من الغد يوم النحر وهو بمنى: ((نحن نازلون غداً بخيف بني كنانة حيث تقاسموا على الكفر))، يعني بذلك المحصب. وذلك ان قريشا وكنانة تحالفت على بني هاشم وبني عبدالمطلب أو بني المطلب ان لا يناكحوهم ولا يبايعوهم حتى يسلموا اليهم النبي ﷺ. وقال سلامة عن عقيل، ويحيى بن الضحاك عن الأوزاعي، اخبرني ابن شهاب، وقالا: بني هاشم وبني المطلب. قال أبو عبدالله: بني المطلب أشبه. [راجع: ١٥٨٩]

حنفیہ کا کہنا ہے کہ درحقیقت مکہ مکرمہ کی حرمت کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ یہاں کی زمینوں کا شخصی مالک کوئی بھی نہ ہو، اگرچہ متاخرین حنفیہ نے اس معاملہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا ہے جو جمہور کے ساتھ ہیں اور کہتے ہیں کہ بیع وشراء بھی جائز ہے اور تملک وتصرف بھی جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ سے دونوں

---

٦٣ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب النزول بالمحصب يوم النفر والصلاة به. رقم: ٢٣١٥، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند ابي هريرة، رقم: ٦٩٤٢، ٧٢٦٣، ٧٩٢٩، ٨٢٨١، ١٠٥٥٦.

روائتیں ہیں۔۷۰

(۴۶) باب قول اللہ عز وجل :

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ . رَبِّ اِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْراً مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ . رَبَّنَا اِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ ﴾ الآية [ابراهيم: ۳۵-۳۷]

ترجمہ: اور جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب کردے اس شہر کو امن والا اور دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم پوجیں مورتوں کو۔اے اے رب انہوں نے گمراہ کیا بہت

---

۷۰ وراجع كلام الطحاوي واجارتها ، وجعلوها في ذلک كسائر البلدان ، وممن ذهب الى هذا القول أبويوسف، واحتجوا في ذلک بما روى عن أسامة بن زيد أنه قال: يارسول الله أتنزل في دارمكة؟ فقال: وهل ترک لنا عقيل من رباع أو دور؟ الخ ؛قال أبو جعفر :ففي هذا الحديث ما يدل أن أرض مكة تملک وتورث، لأنه قد ذكر فيها ميراث عقيل ، وطالب لما تركه أبوطالب فيها من رباع ودور،فهذا خلاف الحديث الأول ، ثم اختار الطحاوي مذهب أبي يوسف ، وترک مذهب الامام أبي حنيفة ؛وقال في "باب مكة" : فأما أرض مكة فان الناس قد اختلفوا في ترک النبي صلى الله عليه وسلم التعرض لها ، فمن يذهب الى أنه افتتحها عنوة، فقال: تركها منة عليهم، كمنته عليهم في دمائهم ، وفي سائر أموالهم ، وممن ذهب الى ذلک أبويوسف، لأنه كانه يذهب أن ارض مكة تجرى عليها الأملاک، كما تجرى على سائر الأرضين. فيض الباري على صحيح البخاري، ج:۳، ص: ۹۳ .

اے یعنی مکہ کو "حرم آمن" بنادے (چنانچہ خدا نے بنادیا) مجھ کو اور میری اولاد کو ہمیشہ بت پرستی سے دور رکھ۔ غالباً یہاں "اولاد" سے خاص صلبی اولاد مراد ہے۔ سو آپ کی صلبی اولاد میں یہ مرض نہیں آیا اگر عام ذریّت مراد ہو تو کہا جائیگا کہ دعاء بعض کے حق میں قبول نہیں ہوئی، باوجود یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم پیغمبر تھے، مگر یہ دعاء کا ادب ہے کہ دوسروں سے پہلے آدمی اپنے لئے دعاء کرے۔ اس قسم کی دعائیں جو انبیاء سے منقول ہیں ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی عصمت بھی خود ان کی پیدا کی ہوئی نہیں بلکہ اللہ جل جلالہ کی حفاظت اور صیانت سے ہے۔ اس لئے ہمیشہ اسی کی طرف التجاء کرتے ہیں جو ان کی عصمت کا ضامن اور کفیل ہوا ہے۔

تنبیہ: حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعائیں مکہ کی آبادی اور تعمیر کعبہ کے بعد کی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اول پارہ کے ختم پر جس دعا کا ذکر ہے وہ البتہ بنائے کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی معیت میں ہوئی۔ یہ دعائیں اس کے بہت زمانہ بعد پیرانہ سالی میں کی گئیں۔

لوگوں کو سو جس نے پیروی کی میری سو وہ تو میرا ہے اور جس نے
میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ ۲؎ اے رب میں
نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں جہاں کھیتی نہیں تیرے
محرم گھر کے پاس، اے رب ہمارے تا کہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ
بعضے لوگوں کے دل کہ مائل ہوں ان کی طرف۔ ۳؎

(۴۷) باب قول اللّٰہ تعالیٰ:

﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَائِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ [المائدة : ۹۷].

ترجمہ: اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر لیجاوے کعبہ کو، یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ ۴؎

۲؎ یعنی یہ پتھر کی مورتیاں بہت آدمیوں کی گمراہی کا سبب ہوئیں۔

۳؎ یعنی جس نے توحید خالص کا راستہ اختیار کیا اور میری بات مانی وہ میری جماعت میں شامل ہے۔ جس نے کہنا مانا اور ہمارے راستے سے علیحدہ ہو گیا تو آپ اپنی بخشش اور مہربانی سے اس کو توبہ کی توفیق دے سکتے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہو تو وہ ایمان لا کر اپنے کو رحمت خصوصی اور نجات ابدی کا مستحق بنا سکتا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ آپ کو قدرت ہے اسے بھی بحالت موجودہ بخشش دیں گو آپ کی حکمت سے اس کا وقوع نہ ہو۔ تفسیر عثمانی، ص: ۳۴۴، ف: ۶ تا ۹۔

۴؎ جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادا سے ہوتا آیا ہے اس کے خلاف کیسے کریں۔ ان کو بتلایا گیا کہ تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم انہی کے راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کے راہ پکڑیں نہیں تو عبث ہے'' یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آباء و اجداد کی آندھی تقلید کے باوجود اس قدر نصیحت و فہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ غم میں مت پڑو، کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے، پھر بھی اگر لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کر لے تو ''امر بالمعروف'' چھوڑ دینے سے اسے کوئی مضرت نہیں ہوتی، سخت غلطی ہے لفظ ''اہتداء'' امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گو روئے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے لیکن ان کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر آڑے ہوئے تھے یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو ان کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی عاقبت کی فکر کرو اور نفع و نقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد ان کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباء و اجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر نہ رکھے، رکھے گا تو ناک کٹ جائیگی۔ عقل مند کو چاہئے کہ انجام کا خیال کرے، سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکٹھے پیش ہوں گے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آئیگا۔ تفسیر عثمانی، ص: ۱۶۵، ف: ۲، ۳۔

۱۵۹۱ ــ حدثنا علی بن عبداللہ : حدثنا سفیان : حدثنا زیاد بن سعد ، عن الزهری ، عن سعید بن المسیب ، عن أبی هریرة ﷺ عن النبی ﷺ قال: ((یخرب الکعبة ذو السویقتین من الحبشة)) .[أنظر : ۱۵۹۶] ۵ے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی تباہ کرے گا۔

یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ **"جعل اللّٰہ الکعبة البیت الحرام"** اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے مسجد حرام کو ایسا بنایا ہے کہ یہ لوگوں کے لئے قیام کا ذریعہ ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا اس کعبہ کی بدولت قائم ہے، جس دن العیاذ باللہ کعبہ منہدم ہو گیا اس دن دنیا بھی ختم ہو جائے گی۔

ہدم کعبہ کی پیشنگوئی

اس میں یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ کو حبشہ کا ذو السویقتین یعنی چھوٹی پنڈلیوں والا ویران کرے گا، کوئی بد بخت ہوگا جو دنیا کے ختم ہونے کے قریب زمانے میں آئے گا جو اس کام کو انجام دے گا، اس کے مقدر میں یہ لکھا ہے کہ وہ کعبہ کو منہدم کرے گا، اور ادھر کعبہ منہدم ہوا اور ادھر قیامت آئی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے صرف ایک سو بیس دنوں کے اندر اندر دنیا ختم ہو جائے گی، یہی مطلب ہے کہ لوگوں کو اس کعبہ نے کھڑا کر رکھا ہے۔ ؎

اپنے قد سے جو کھڑا ہوں تو کرم ہے تیرا
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

۱۵۹۲ ــ حدثنا یحیی بن بکیر، حدثنا اللیث ، عن عقیل، عن ابن شهاب ، عن عروة ، عن عائشة رضی اللّٰہ عنها . ح ؛

وحدثنی محمد بن مقاتل ، قال: أخبرنی عبداللّٰہ هو ابن المبارک قال : أخبرنا محمد بن أبی حفصة ، عن الزهری ، عن عروة ، عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت : کانوا یصومون عاشوراء قبل أن یفرض رمضان و کان یوما تستر فیه الکعبة . فلما فرض اللّٰہ رمضان قال رسول اللّٰہ ﷺ : ((من شاء أن یصومه فلیصمه ، ومن شاء أن یترکه فلیترکه)) .

۵ے وفی صحیح مسلم ، کتاب الفتن واشراط الساعة ، باب لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل فیتمنی ، رقم: ۵۱۷۹ ، وسنن النسائی ، کتاب مناسک الحج ، باب بناء الکعبة ، رقم : ۲۸۵۵، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص ، رقم : ۶۷۵۶، وباقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی هریرة ، رقم : ۷۷۴۷، ۸۰۰۱ ، ۹۰۳۶ .

[أنظر : ۱۸۹۳، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۳۸۳۱، ۴۵۰۲، ۴۵۰۴] ۷۶

"وكان يوم التستر فيه الكعبة" یعنی عاشورہ کے دن کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے۔

۱۵۹۳ ۔ حدثنا أحمد : حدثنا أبي : حدثنا إبراهيم عن الحجاج بن حجاج ، عن قتادة ، عن عبدالله بن أبي عتبة ، عن أبي سعيد الخدري ﷺ عن النبي ﷺ قال : ((ليحجن البيت وليعتمرن بعد خروج يأجوج ومأجوج)) . تابعه أبان وعمران عن قتادة. فقال عبدالرحمٰن عن شعبة قال : ((لا تقوم الساعة حتى لا يحج البيت)) ، والأول أكثر. سمع قتادة عبدالله بن أبي عتبة . وعبدالله سمع أبا سعيد الخدري . ۷۷،۷۸

علامات قیامت

یاجوج و ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی کعبہ باقی رہے گا اور لوگ حج و عمرہ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ذو السویقتین آجائے، اس وقت حج اور عمرہ بند ہو جائے گا۔

اب ایک طرف تو یہ روایت ہے کہ یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد بھی حج اور عمرہ جاری رہے گا ابان اور عمران نے بھی قتادہ ﷺ سے یہی روایت کیا ہے لیکن عبدالرحمٰن بن مہدی نے شعبہ سے یہ روایت کی ہے **"لاتقوم الساعة حتى لا يحج البيت"** قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ بیت اللہ کا حج ترک ہو جائے گا۔

اب بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہو رہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"والأول أكثر"** یعنی پہلی روایت کو ترجیح دی کہ یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد بھی حج و عمرہ جاری رہے گا، کیونکہ اس روایت کو زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے، لیکن یہاں ترجیح کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ توجیہ ممکن ہے کہ یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد بھی حج اور عمرہ جاری رہے گا اور قیامت سے ذرا پہلے ہدم ہو جائے گا، پھر حج و عمرہ بھی بند ہو جائے گا۔

---

۷۶ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب صوم يوم عاشوراء ، رقم : ۱۸۹۷ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في الرخصة في ترك صوم يوم عاشوراء ، رقم : ۶۸۴ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب في صوم يوم عاشوراء ، رقم : ۲۰۸۶ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۸۸۴، ۲۳۰۹۷، ۲۴۱۳۱، ۲۴۸۷۴، ۲۴۹۱۲ ، وموطأ مالك ، كتاب الصيام ، باب صيام يوم عاشوراء ، رقم : ۵۸۷، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب في صيام يوم عاشوراء ، رقم : ۱۶۹۵ .

۷۷ لايوجد للحديث مكررات .

۷۸ وفي مسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي سعيد الخدري ، رقم : ۱۰۷۸۵، ۱۱۰۲۹، ۱۱۱۹۱ .

(۴۸) باب كسوة الكعبة

کعبہ پر غلاف چڑھانے کا بیان

۱۵۹۴ ـ حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب : حدثنا خالد بن الحارث : حدثنا سفيان: حدثنا واصل الأحدب ، عن أبي وائل قال : جئت إلى شيبة ،ح ؛

وحدثنا قبيصة : حدثنا سفيان عن واصل ، عن أبي وائل قال : جلست مع شيبة على الكرسي في الكعبة فقال : لقد جلس هذا المجلس عمر ﷺ فقال : لقد هممت أن لا أدع فيها صفراء ولا بيضاء إلا قسمته . قلت : إن صاحبيك لم يفعلا. قال : هما المرآن أقتدي بهما. [أنظر : ۷۲۷۵] ۷۹

حضرت ابو وائل ﷺ فرماتے ہیں کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ شریف کے اندر کرسی پر بیٹھا تھا، یہ وہی شیبہ ہیں جن کو کعبہ کی چابی دی گئی اور آخر تک ان کے پاس رہی۔

انہوں نے کہا "**لقد جلس هذا المجلس عمر**" ایک مرتبہ حضرت عمر ﷺ بھی اس جگہ بیٹھے تھے اور انہوں نے کہا تھا "**لقد همت أن لا أدع فيها صفراء ولا بيضاء إلا قسمته**" میرا ارادہ یہ ہوا تھا کہ میں کعبہ کے اندر کوئی سونا اور چاندی نہ چھوڑوں مگر اس کو نکال کر لوگوں میں تقسیم کردوں۔

بیت اللہ کی خدمت اور ضروریات کے لئے لوگ بہت سا سونا اور چاندی جمع کیا کرتے تھے، حضرت عمر ﷺ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سونے کا استعمال ویسے بھی پسندیدہ نہیں اور یہ یہاں کسی کام میں بھی نہیں آرہا، لہٰذا اسے لوگوں میں تقسیم کردوں۔

قلت: "ان صاحبيك لم يفعلا" کہا، حضور ﷺ اور صدیق اکبر ﷺ نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر ﷺ کو تنبہ ہوا اور فرمایا "**هما المرآن اقتدى بهما**" یہی دو حضرات ہیں جن کی میں اقتداء کرتا ہوں یعنی حضور اقدس ﷺ اور حضرت صدیق اکبر ﷺ، چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا، لہٰذا میں بھی نہیں کروں گا۔

باب کسوۃ الکعبہ سے اس حدیث کی مناسبت غالباً یہ ہے کہ کعبے کے سونے چاندی میں غلاف کعبہ پر لگا ہوا سونا بھی داخل تھا اور اس حدیث میں حضرت عمر ﷺ نے اسے تقسیم کرنے کا جو ارادہ ظاہر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کعبہ کی ضرورت سے فاضل ہو تو یہ سونا چاندی اور غلاف کعبہ تقسیم کرنا جائز ہے، (بشرطیکہ وہ کعبے پر

---

۷۹ وفي سنن أبي داؤد، كتاب المناسك ، باب كراهية الحرص على الدنيا، رقم :۱۷۳۶ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب مال الكعبة ، رقم : ۳۱۰۷، ومسند أحمد ، مسند المكيين ، باب أحاديث شيبة بن عثمان الحجي ، رقم :۱۴۸۳۸، ۱۴۸۳۹.

وقف نہ ہو) اور بعد میں وہ تقسیم کرنے سے اس لئے نہیں رکے کہ وہ ناجائز تھا، بلکہ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ کام نہیں کیا تھا، اس لئے تردد ہوگیا نیز علامہ عینیؒ نے ازرقی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال غلاف کعبہ اتار کر اسے حجاج میں تقسیم فرماتے تھے۔

(۴۹) باب هدم الكعبة

کعبہ کے منہدم کرنے کا بیان

وقالت عائشة رضی الله عنها : قال النبی ﷺ ((يغزو جيشٌ الكعبةَ فيُخسَفُ بهم)) .

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کریگا اور وہ زمین میں دھنسا دیا جائیگا۔

یہ واقعہ قیامت سے بہت پہلے کا ہے کہ کوئی لشکر العیاذ باللہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے چلے گا جس کو زمین میں دفن کردیا جائے گا، اس کے بعد آخر میں ذوالسویقتین آئے گا۔

۱۵۹۵ ۔ حدثنا عمرو بن علی : حدثنا یحیی بن سعید : حدثنا عبیدالله بن الأخنس : حدثنی ابن أبی ملیکة ، عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال : ((كأنی به أسود أفحج يقلعها حجراً حجراً)). [۸۰، ۸۱]

ایسا لگتا ہے کہ میں اس شخص کو دیکھ رہا ہوں جو کالا بھجنگ ہوگا **افحج** کے معنی ہیں ٹیڑھے پاؤں والا یعنی جس کے صدور قدمین میں فاصلہ زیادہ ہو اور ایڑیوں میں کم ہو، تو وہ ذوالسویقتین، کالا بھجنگ اور ٹیڑھے پاؤں والا "**يقلعها حجراً حجراً**" وہ ایک ایک پتھر کرکے اس کو اکھاڑ رہا ہوگا۔

۱۵۹۶ ۔ حدثنا یحیی بن بکیر : حدثنا اللیث ، عن یونس : عن ابن شهاب ، عن سعید بن المسیب : ان أبا هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : ((يخرب الكعبة ذوالسويقتين من الحبشة)). [راجع : ۱۵۹۱]

ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی شخص ویران کرے گا۔

(۵۰) باب ما ذكر فی الحجر الأسود

ان روایتوں کا ذکر جو حجر اسود کے بارے میں منقول ہیں

۱۵۹۷ ۔ حدثنا محمد بن كثير : أخبرنا سفيان ، عن الأعمش ، عن ابراهيم ،

---

[۸۰] لایوجد للحدیث مکررات.

[۸۱] وفی مسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۱۹۰۶ .

عن عابس بن ربيعة ، عن عمر ﷺ : انه جاء الى الحجر الأسود فقبله فقال : انى أعلم انک حجر لا تضر و لا تنفع ، و لولا انى رايت رسول الله ﷺ يقبلک ما قبلتک . [أنظر : ١٦٠٥ ، ١٦١٠]

ترجمہ: حضرت عمر ﷺ سے روایت ہے کہ وہ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا اور پھر فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے، اور نہ نفع پہنچانا تیرے اختیار میں ہے، اگر میں نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(۵۱) باب اغلاق البيت ويصلى فى اىّ نواحى البيت شاء

خانہ کعبہ کا دروازہ بند کرنے کا بیان اور خانہ کعبہ میں جس طرف چاہے نماز پڑھے

۱۵۹۸ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد : حدثنا الليث ، عن ابن شهاب ، عن سالم ، عن أبيه انه قال : دخل رسول الله ﷺ البيت هو واسامة بن زيد وبلال وعثمان بن طلحة ، فاغلقوا عليهم ، فلما فتحوا كنت اول من ولج فلقيت بلالاً فسألته : هل صلى فيه رسول الله ﷺ ؟ قال : نعم ، بين العمودين اليمانيين . [راجع : ۳۹۷]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اور اسامہ بن زید اور بلال اور عثمان بن طلحہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو ان لوگوں نے خانہ کعبہ کا دروازہ بند کر دیا، جب دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں اندر داخل ہوا، تو بلال ﷺ سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے یہاں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! دونوں یمنی ستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے۔

(۵۲) باب الصلاة فى الكعبة

کعبہ میں نماز پڑھنے کا بیان

۱۵۹۹ ۔ حدثنا أحمد بن محمد : أخبرنا عبدالله قال : اخبرنا موسى بن عقبة ، عن نافع ، عن ابن عمر رضى الله عنهما : انه اذا كان دخل الكعبة مشى قبل الوجه حين يدخل ويجعل الباب قبل الظهر ، يمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذى قبل وجهه قريباً من ثلاث اذرع فيصلى ، يتوخى المكان الذى اخبره بلال ان رسول الله ﷺ صلى فيه. وليس على احد بأس أن يصلى فى أى نواحى البيت شاء . [راجع : ۳۹۷]

ترجمہ: ابن عمر ﷺ جب کعبہ میں ہوتے تو سامنے چلتے اور دروازہ کی طرف ان کی پیٹھ ہوتی اور وہ چلتے

رہتے یہاں تک کے ان کے اوران کے سامنے والی دیوار کے درمیان تقریباً تین گز کا فاصلہ رہتا، پھر نماز پڑھتے اوراس جگہ کا قصد کرتے جس کے متعلق بلالؓ نے بیان کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ پر نماز پڑھی تھی اور کسی شخص پر کچھ حرج نہیں کہ خانہ کعبہ میں جس سمت میں چاہے نماز پڑھے۔[۸۲]

(۵۳) باب من لم يدخل الكعبة

اس شخص کا بیان جو کعبہ میں داخل نہ ہو

وكان ابن عمر رضى الله عنهما يحجُّ كثيراً ولا يدخلُ

اورابن عمرؓ اکثر حج کرتے لیکن خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوتے۔

۱۶۰۰ ـ حدثنا مسدد ، حدثنا خالد بن عبدالله ، حدثنا اسماعيل بن أبى خالد ، عن عبدالله بن أبى أوفى قال : اعتمر رسول الله ﷺ فطاف بالبيت وصلى خلف المقام ركعتين ومعه من يستره من الناس . فقال له رجل : ادخل رسول الله ﷺ الكعبة ؟ قال : لا . [أنظر : ۱۷۹۱، ۴۱۸۸، ۴۲۵۵]

ترجمہ: عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا تو خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک آدمی تھا جو آپ ﷺ کو لوگوں سے چھپائے ہوئے تھا، (بظاہر یہ عمرۃ القضاء کا واقعہ ہے) ایک شخص نے عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے پوچھا، کیا رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ یہ عمرۃ القضاء کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں، اس وقت آپ ﷺ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(۵۴) باب من كبر فى نواحى الكعبة

اس شخص کا بیان جو اطراف کعبہ میں تکبیر کہے

۱۶۰۱ ـ حدثنا أبو معمر : حدثنا عبدالوارث : حدثنا ايوب : حدثنا عكرمة ، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : ان رسول الله ﷺ لما قدم أبى أن يدخل البيت وفيه الآلهة . فأمر بها فأخرجت فأخرجوا صورة ابراهيم واسماعيل فى أيديهما الأزلام ، فقال رسول الله ﷺ : ((قاتلهم الله ، أم والله لقد علموا انهما لم يستقسما بها قط)) . فدخل البيت فكبر فى نواحيه ولم يصل فيه . [راجع : ۳۹۸]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کعبہ کے پاس آئے تو اندر جانے سے انکار کیا اور اس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ ان کے نکالنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا، چنانچہ نکال دیئے

گئے ۔لوگوں نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بت بھی نکال دیئے کہ ان دونوں کے ہاتھوں میں پانسے تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ ان مشرکوں کو برباد کریں ، بخدا وہ لوگ جانتے ہیں کہ ان دونوں نے کبھی پانسے نہیں پھینکے۔ پھر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کے اطراف میں تکبیر کہی اور نماز نہیں پڑھی۔

تنبیہ: اس حدیث میں ہے کہ نماز نہیں پڑھی اور پیچھے حدیث میں ہے کہ بیت اللہ میں نماز پڑھی لہٰذا اس روایت سے تعارض واقع ہورہا ہے، تفصیل کے لئے کتاب الصلوٰۃ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۸۳

(۵۵) باب : كيف كان بدء الرّمل؟

رمل کی ابتداء کیونکر ہوئی ؟

۱۶۰۲ ۔ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا حماد هو ابن زيد ، عن أيوب ، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : قدم رسول الله ﷺ وأصحابه فقال المشركون : إنه يقدم عليكم وفد وهنهم حمى يثرب. فأمرهم النبي ﷺ أن يرملوا الأشواط الثلاثة وأن يمشوا ما بين الركنين. ولم يمنعه أن يأمرهم أن يرملوا الأشواط كلها إلا الإبقاء عليهم. [أنظر : ۴۲۵۶] ۸۴

ترجمہ: ابن عباس ؓ سے روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ مکہ میں آئے تو مشرکین کہنے لگے کہ تم لوگوں کے پاس ایسی قوم آرہی ہے جسے یثرب کے بخار نے کمزور بنادیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا کہ تین پھیروں میں اکڑ کر چلیں اور دونوں رکنوں کے درمیان معمولی چال سے چلیں اور تمام پھیروں میں رمل کا حکم دینے سے آپ ﷺ کو کسی چیز نے نہیں روکا بجز اس کے کہ سہولت آپ ﷺ کے پیش نظر تھی۔

۸۲، ۸۳ حدیث نمبر ۱۵۹۸ اور ۱۵۹۹ دونوں روایتوں میں تعارض، تطبیق اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری ، ج:۳، ص:۱۱۸، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۳۹۷، ۳۹۸۔

۸۴ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب استحباب الرمل في الطواف والعمرة وفي الطواف الأوّل ، رقم : ۲۲۲۰، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ،باب العلة التي أجلها سعى بالبيت ، رقم : ۲۸۹۶، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك الحج ، باب في الرمل، رقم : ۱۶۱۰ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۱۸۲۱، ۱۹۲۵، ۱۹۷۳، ۲۱۱۰، ۲۱۹۱، ۲۵۰۷، ۲۵۵۴، ۲۵۷۲، ۲۶۴۶، ۲۷۲۲، ۳۱۷۶، ۳۳۱۲، ۳۳۵۴، ۳۳۵۵.

تشریح

یعنی تمام چکروں میں رمل کا حکم دینے سے آپ کو نہیں روکا مگران پر شفقت نے، اگر سارے چکروں میں رمل کی مشروعیت ہوتی تو مشکل ہو جاتا، اس لئے تین چکروں میں رمل کو مشروع کیا اور باقی میں رمل مسنون نہیں، اور یہ رمل بھی حجر اسود سے رکنِ یمانی تک مسنون ہے پھر رکنِ یمانی سے حجرِ اسود کی طرف آتے ہوئے اس حدیث میں عام طریقے سے چلنے کا ذکر ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مشرکین مکہ دار الندوہ میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کا دار الندوہ اس طرف تھا جہاں آج کل میزاب رحمت یا حطیم ہے، عمرۂ قضاء کے موقع پر آپ ﷺ ان کو اپنی قوت اور شوکت دکھانا چاہتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا رمل کرو، کیونکہ حجر اسود سے رکنِ یمانی تک کے مقام کو وہ دیکھ رہے تھے اس لئے اس مقام پر رمل کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد اوٹ میں آجاتے اس لئے رکن یمانی کے بعد رمل نہیں۔ اگرچہ بہت سے فقہاء جن میں حنفیہ بھی شامل ہیں، حضرت ابن عمر ﷺ کے اثر سے استدلال کرتے ہوئے رکن یمانی و حجر اسود کے درمیان بھی رمل کے قائل ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر آگے آئیگا "أكان عبد الله يمشي اذا بلغ الركن اليماني ؟قال : لا ، الا أن يزاحم على الركنين "[باب ماجاء في السعي بين الصفا والمروة] مگر حدیثِ باب بالکل صریح ہے کہ آپ ﷺ نے رکنین کے درمیان عام طریقے سے چلنے کا حکم دیا، لہٰذا راجح یہی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ہر اس طواف میں رمل ہے جس کے بعد سعی ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک وقتی چیز تھی اس لئے ختم ہوگئی، لیکن بیشتر فقہاء نے کہا ہے کہ یہ ہر اس طواف کی سنت ہے جس کے بعد سعی ہو، چاہے عمرہ کا طواف ہو یا حج کا طواف ہو۔[۸۵]

(۵۶) باب استلام الحجر الأسود حين يقدم مكة أول مايطوف ويرمل ثلاثا

جب مکہ آئے تو پہلے طواف میں حجر اسود کو بوسہ دینے اور تین بار رمل کرنیکا بیان

۱۶۰۳ - حدثنا أصبغ بن الفرج قال : أخبرني ابن وهب ، عن يونس ، عن ابن شهاب ، عن سالم ، عن أبيه ﷺ قال : رأيت رسول الله ﷺ حين يقدم مكة اذا استلم الركن الأسود أول مايطوف يخب ثلاثة أطواف من السبع . [أنظر : ۱۶۰۴ ، ۱۶۱۶ ، ۱۶۱۷ ، ۱۶۴۴]

---

۸۵ عمدة القاري ، ج :۷، ص: ۱۷۷.

ترجمہ: سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ آتے تو پہلے طواف میں حجر اسود کا بوسہ دیتے اور سات پھیروں میں سے تین پھیروں میں رمل کرتے۔

(۵۷) باب الرمل فی الحج و العمرة

حج اور عمرہ میں رمل کرنے کا بیان

۱۶۰۴ ۔ حدثني محمد ۔ هو ابن سلام ۔ قال : حدثنا سريج بن النعمان قال حدثنا فُلَيْحٌ ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : سعى النبي ﷺ ثلاثة أشواط ومشى أربعة في الحج والعمرة . تابعه الليث قال : حدثني كثير بن فرقد ، عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ . [راجع : ۱۶۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ تین پھیروں میں دوڑ کر چلے اور چار پھیروں میں حج وعمرہ میں معمولی چال سے چلے۔

۱۶۰۵ ۔ حدثنا سعيد بن أبي مريم قال : أخبرنا محمد بن جعفر بن أبي كثير قال : أخبرني زيد بن أسلم ، عن أبيه عن عمر بن الخطاب ﷺ قال للركن : أما والله إني لأعلم أنك حجرٌ لا تضر ولا تنفع ، ولولا أني رأيت رسول الله ﷺ استلمك مااستلمتك ، فاستلمه ثم قال : ما لنا وللرمل؟ إنما كنا راء ينا المشركين وقد أهلكهم الله ، ثم قال : شيء صنعه النبي ﷺ فلا نحب أن نتركه. [راجع:۱۵۹۷]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب ﷺ نے حجر اسود کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بخدا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نفع پہنچانا تیرے اختیار میں ہے، اگر میں رسول مقبول ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا، پھر اسے بوسہ دیا اور فرمایا کہ رمل کی ہمیں ضرورت تھی ہم نے اس کے ذریعے مشرکوں کو دکھایا اور ان کو اللہ جل جلالہ نے ہلاک کر دیا، پھر فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کی ہے اس لئے ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔

رمل میں حکمت اور حکم

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا **"ما لنا وللرمل؟"** اب ہمارا رمل سے کیا تعلق؟ **"انما كنا راء ينا المشركين"** ہم نے اس کے ذریعے مشرکین کو اپنی قوت کا مظاہرہ دکھایا تھا، اب اللہ جل جلالہ نے مشرکین کو ہلاک کر دیا، لہٰذا بظاہر کوئی حکمت باقی نہیں رہی، لیکن فرمایا **"شئی صنعه النبي ﷺ لانحب أن نتركه"**.

چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ رمل اب بھی سنت ہے، البتہ بعض تابعین مثلاً طاؤس، عطاء، حسن

بصری، قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم معلول بالعلۃ تھا، یہ علت اب باقی نہ رہی، لہٰذا اب رمل سنت نہیں۔

جمہور کہتے ہیں کہ وہ حکمت تھی، علت نہ تھی، لہٰذا حکم اب بھی باقی ہے، البتہ عورت کے لئے رمل باجماع غیر مسنون ہے۔[۸۶]

۱۶۰۶ ـ حدثنا مسدد : قال حدثنا يحيى ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : ماتركت استلام هذين الركنين في شدة ولا رخاء منذ رأيت النبي ﷺ يستلمهما . فقلت لنافع : أكان ابن عمر يمشي بين الركنين ؟قال : انما كان يمشي ليكون أيسر لاستلامه . [أنظر : ۱۶۱۱]

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سختی اور آسانی کسی حال میں بھی میں نے ان دونوں رکنوں کو چھونا نہیں چھوڑا، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوتے ہوئے دیکھا ہے۔

میں نے نافع سے پوچھا، کیا ابن عمر دونوں رکنوں کے درمیان معمولی چال سے چلتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ وہ معمولی چال سے صرف اس لئے چلتے تھے کہ آسانی کے ساتھ بوسہ دے سکیں۔

(۵۸) باب استلام الركن بالمحجن

لاٹھی کے ذریعہ حجر اسود کو بوسہ دینے کا بیان

۱۶۰۷ ـ حدثنا أحمد بن صالح ، ويحيى بن سليمان قالا : حدثنا ابن وهب قال : أخبرني يونس ، عن ابن شهاب ، عن عبيدالله بن عبدالله ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : طاف النبي ﷺ في حجة الوداع على بعير يستلم الركن بمحجن . تابعه الدراوردي، عن ابن أخي الزهري ، عن عمه. [أنظر : ۱۶۱۲ ، ۱۶۱۳ ، ۱۶۳۲ ، ۵۲۹۳]

ترجمہ: حضور اکرمؐ نے حجۃ الوداع میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا اور لاٹھی کے ذریعہ حجر اسود کا استلام کیا۔

حضور اقدس ﷺ نے سواری پر جو طواف کیا، اس کی ایک وجہ تو ابوداؤد میں ابو مالک اشجعی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بیمار تھے، مگر اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعف ہے۔ اور دوسری وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیماً ایسا کیا، تاکہ سب لوگ آپ ﷺ کو طواف کرتے ہوئے دیکھ سکیں، لیکن عام حالات میں بغیر عذر سوار ہو کر طواف کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[۸۶] كل شئ صنعه النبي ﷺ، انما صنعه لاظهار الجلد والقوة للمشركين ، فلما أهلكهم الله لاحاجة به، ثم استدرك فقال: لما فعله رسول الله ﷺ ، فلا نحب أن نتركه اتباعاً له . قال الخطابي : كان عمر، ص ، طلوباً للآثار ، بحوثاً عنها وعن معانيها لما رأى الحجر يستلم ولا يعلم فيه سببا يظهر للحس أو يتبين في العقل ، ترك فيه الرأي وصار الى الاتباع، ولما رأى الرمل قد ارتفع سببه الذي كان قد أحدث من أجله في الزمان الأول همّ بتركه، ثم لاذ باتباع السنة متبركاًبه ، وقد يحدث شئ من أمر الدين بسبب من الأسباب فيزول ذلك السبب ولا يزول حكمه، كالعرايا والاغتسال للجمعة. عمدة القاري ، ج:۷،ص: ۱۸۱.

دوسری بات یہ ہے کہ جس چھڑی سے آپ ﷺ نے استلام کیا، اس کو بوسہ دینے کا ثبوت بھی مسلم اور ابن ماجہ کی روایات میں آیا ہے، اس کی بنا پر یہ تقبیل بھی مسنون ہے، البتہ ہاتھ سے اشارہ کرکے بوسہ دینا بھی اکثر علماء کے نزدیک مشروع ہے، البتہ امام مالک اسے مشروع نہیں مانتے، کیونکہ اس کا ذکر روایات میں نہیں ہے، اور جمہور اسے چھڑی پر قیاس کرتے ہیں۔

دراوردی نے زہری کے بھتیجے سے، انہوں نے اپنے چچا سے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے۔

(۵۹) باب من لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین

اس شخص کا بیان جو صرف دونوں رکن یمانی کو بوسہ دے

۱۶۰۸ ۔ وقال محمد بن بکر: أخبرنا ابن جریج قال: أخبرنی عمرو بن دینار، عن أبی الشعثاء أنه قال: ومن یتقی شیئاً من البیت؟ وکان معاویة یستلم الأرکان فقال له ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما: إنه لا یستلم هذان الرکنان، فقال: لیس شیء من البیت مهجوراً. وکان ابن الزبیر یستلمهن کلهن.

حدیث کا مطلب

ومن یتقی شیئاً من البیت؟

یعنی ابوالشعثاء نے چونکہ حضرت معاویہ ؓ کو چاروں ارکان کا استلام کرتے ہوئے دیکھا تھا، اس لئے انہوں نے کہا کہ کون ہے جو بیت اللہ کے کسی بھی حصے سے بچے؟ یعنی کسی رکن کا استلام نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ استلام تو صرف ان دو رکنوں کا کیا جاتا ہے یعنی حجر اسود اور رکنِ یمانی۔

حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا کوئی حصہ مہجور نہیں یعنی اگرچہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کہ رکنِ عراقی اور رکنِ شامی کا بھی استلام کریں، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چاروں کا استلام کیا کرتے تھے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ استلام نہ کرنے سے مہجور ہونا لازم نہیں آتا صرف یہ ہے کہ استلام نہیں کیا اور ظاہر ہے وسطِ کعبہ کے استلام کا کوئی قائل نہیں، اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وسطِ کعبہ مہجور ہو گیا، معلوم ہوا عدمِ استلام مہجور ہونے کا باعث نہیں۔

اور حضرت ابن زبیر ؓ نے چونکہ حطیم والا حصہ بھی شامل کرلیا تھا اس لئے وہ رکن عراقی اور شامی کا بھی استلام کرتے ہوں گے۔

۱۶۰۹ ۔ حدثنا أبو الولید: حدثنا لیث، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبداللّٰہ، عن أبیه رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: لم أر النبی ﷺ یستلم من البیت الا الرکنین الیمانیین [راجع: ۱۶۲۶]

ترجمہ: سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دونوں رکن یمانی کے سوا کسی چیز

کو چھوتے نہیں دیکھا۔ ۸۷

حجر اسود بھی چونکہ یمن کی سمت میں ہے اس لئے اسے بھی رکن یمانی قرار دیکر رکن کو تثنیہ سے ذکر کیا۔

(۶۰) باب تقبیل الحجر

حجر اسود کو بوسہ دینے کا بیان

۱۶۱۰ ـ حدثنا أحمد بن سنان : حدثنا يزيد بن هارون قال : أخبرنا ورقاء قال : أخبرنا زيد بن أسلم عن أبيه قال : رأيت عمر بن الخطاب ﷺ قبل الحجر وقال : لولا أني رأيت رسول الله ﷺ قبلک ما قبلتک . [راجع : ۱۵۹۷]

۱۶۱۱ ـ حدثنا مسدد قال : حدثنا حماد ، عن الزبير بن عربی قال : سأل رجل ابن عمر رضی الله عنهما عن استلام الحجر؟ فقال : رأيت رسول الله ﷺ يستلمه و يقبله قال : قلت : أرأيت ان زحمت؟ أرأيت ان غلبت؟ قال :اجعل ((أرأيت)) باليمن . رأيت رسول الله ﷺ يستلمه ويقبله .[راجع : ۱۶۰۶] ۸۸

ابن عمرؓ کے شدائد اور ابن عباسؓ کی رخصتیں

حضرت زبیر بن عربی رحمہ اللہ تبع تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے استلام حجر کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ دوسری روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے خود پوچھا۔

"فقال" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا استلام سنت ہے، **"ويقبّله"** اور آپ ﷺ نے تقبیل بھی فرمائی۔

انہوں نے کہا **"أرأيت أن زُحمت"** مجھے یہ بتلایئے کہ اگر ہجوم ہو جائے تو پھر بھی تقبیل و استلام ضروری ہوگا؟ **"أرأيت"** ـ **"أخبرني"** کے معنی میں آتا ہے۔

"أرأيت أن غلبت؟" اگر میں مغلوب ہو جاؤں تو پھر بھی تقبیل و استلام کروں؟

"قال: اجعل ((أرأيت)) باليمن" یہ جو **"أرأيت ، أرأيت"** کر رہے ہو اسے یمن میں چھوڑ آؤ،

۸۷ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۲، ص: ۲۷۶، رقم الحديث ۱۲۶ .

۸۸ وفی صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب استحباب دخول مكة من الثنية العليا والخروج منها ، رقم : ۲۲۰۳، وسنن النسائی ، كتاب مناسک الحج ، باب من این يدخل مكة ، رقم : ۲۸۱۶، وسنن أبی داؤد ، كتاب المناسک ، باب فی وقت الاحرام ، رقم : ۱۵۰۹ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۲۳۰، ۴۳۸۹، ۴۶۵۵، ۴۹۵۴، ۴۹۸۷، وسنن الدارمی ، كتاب المناسک ، باب فی استلام الحجر ، رقم : ۱۷۶۷، ۱۸۴۷ .

یہ چونکہ یمن کے تھے اس واسطے یہ فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ میں بتا رہا ہوں کہ حضور ﷺ نے تقبیل و استلام فرمایا تو تقبیل و استلام کرو۔

ان کا مسلک یہ تھا کہ ہجوم ہو یا کچھ بھی ہو تقبیل و استلام کرنا ہے، کہتے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے، لہٰذا میں تو کروں گا۔ روایات میں آتا ہے کہ بعض اوقات وہاں تک پہنچنے کے لئے خوب مزاحمت کرتے تھے، بعض دفعہ پہنچتے تک ناک زخمی ہو جاتی تھی مگر پھر بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

اصل میں اللہ ﷻ نے ان کو یہ جذبہ دیا تھا کہ حضور ﷺ کی جو بات دیکھ لیتے تو کوشش ہوتی تھی کہ میں وہ کروں، چنانچہ جہاں سے حضور ﷺ گذرے وہاں سے یہ گذرتے تھے، بقول شاعر ؎

جہاں جہاں تیرے نقش قدم نظر آئے
جبین شوق لئے ہم وہیں وہیں پہنچے

تو یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذاق تھا کہ ہر بات میں حضور ﷺ کے نقوش و آثار کا اتباع کریں، چنانچہ تقبیل و استلام میں بھی یہی بات تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے حجرِ اسود کی تقبیل اس وقت کرو جب ہجوم نہ ہو اور دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

جمہور کا قول بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ہے۔

صحابۂ کرام ﷺ کے زمانے سے یہ مشہور ہے کہ **"شدائد ابن عمر ﷺ ورخص ابن عباس ﷺ"** یعنی عبداللہ بن عمر کے شدائد اور ابن عباس ﷺ کی رخصتیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سختی فرماتے تھے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تسہیل فرماتے تھے۔[۸۹]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہجوم ہو تو تقبیل مت کرو، دور ہی سے اشارہ کر لو۔

جمہور ائمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ استلامِ حجر سنت ہے، فرض یا واجب نہیں اور دوسروں کو تکلیف سے بچانا فرض ہے۔

آج کل لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پھر بھی اپنی ناک زخمی کر گئے لیکن دوسروں کو زخمی نہیں کیا، آج کل لوگ اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسروں کو بھی زخمی کر دیتے ہیں، یہ درست بات نہیں۔

---

۸۹ عمدة القاري، ج [illegible]

(۶۱) باب من أشار الى الركن اذا أتى عليه

حجراسود کے پاس آکر اشارہ کرنے کا بیان

۱۶۱۲ ۔ حدثنا محمد بن المثنى قال : حدثنا عبدالوهاب قال : حدثنا خالد ، عن عكرمة ، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : طاف النبی ﷺ بالبيت على بعير ، كلما أتى على الركن اشار اليه . [راجع : ۱۶۰۷]

ترجمہ: حضور ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا، جب بھی حجراسود کے پاس آتے تو کسی چیز سے اشارہ کرتے۔

(۶۲) باب التكبير عند الركن

حجراسود کے نزدیک تکبیر کہنے کا بیان

۱۶۱۳ ۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا خالدبن عبدالله : حدثنا خالد الحذاء ، عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : طاف النبی ﷺ بالبيت على بعير كلما أتى الركن أشار اليه بشىء كان عنده وكبر . [راجع : ۱۶۰۷]

"كلما أتى الركن أشار اليه بشىء كان عنده وكبر".

جب بھی حجراسود کے پاس آتے تو کسی چیز سے اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے۔

(۶۳) باب من طاف بالبيت اذا قدم مكة قبل أن يرجع الى بيته ، ثم صلى ركعتين ، ثم خرج الى الصفا

اس شخص کا بیان جو مکہ میں آئے اور گھر لوٹنے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرے
پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر صفا کی طرف نکلے

۱۶۱۴، ۱۶۱۵ ۔ حدثنا أصبغ عن ابن وهب قال : أخبرنى عمرو ، عن محمد بن عبدالرحمن قال : ذكرت لعروة قال : فأخبرتنى عائشة رضى الله عنها : ان أول شىء بدأ به حين قدم النبی ﷺ ، أنه توضأ ثم طاف ثم لم تكن عمرة . ثم حج أبو بكر وعمر رضى الله عنهما مثله . ثم حججت مع أبى الزبير رضی اللہ عنہ ، فأول شىء بدأ به الطواف . ثم رأيت المهاجرين والأنصار يفعلونه . وقد أخبرتنى أمى أنها أهلت هى وأختها والزبير وفلان و فلان بعمرة . فلما مسحوا الركن حلوا . [الحديث : ۱۶۱۴ ، أنظر : ۱۶۴۱]، [الحديث :

۱۶۱۵، أنظر : ۱۶۴۲، ۱۷۹۶]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ آئے تو سب سے پہلے وضو کیا بعد ازاں طواف کیا پھر عمرہ نہیں ہوا پھر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح حج کیا۔ پھر میں نے ابن زبیر کے ساتھ حج کیا، تو انہوں نے سب سے پہلے طواف کیا، پھر میں نے مہاجرین وانصار کو اسی طرح کرتے دیکھا اور مجھ سے میری ماں نے بیان کیا کہ انہوں نے اور ان کی بہن اور زبیر نے اور فلاں فلاں نے عمرہ کا احرام باندھا تو ان کو اسی طرح کرتے دیکھا کہ جب حجر اسود کا استلام کر چکتے تو احرام سے باہر ہو جاتے۔

مفہوم

اس روایت کو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے مختصر کر کے روایت کیا ہے، مفصل روایت صحیح مسلم میں آئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عراقی شخص نے محمد بن عبدالرحمٰن سے کہا تھا کہ کہ حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے یہ پوچھیں کہ جو آدمی حج کا احرام باندھ کر آیا ہو، کیا وہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنا سکتا ہے؟

سوال کی وجہ یہ تھی کہ اسے یہ پتہ چلا تھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے اسی طرح فسخ کر کے عمرہ بنالیا تھا، اس کے جواب میں حضرت عروہ ؓ نے اس کی تردید کی اور کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے تو حج کو فسخ کر کے عمرہ نہیں بنایا تھا، پھر شیخین نے بھی حج کیا تو ایسا نہیں کیا، میں نے اپنے والد حضرت زبیر ؓ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا، اور مہاجرین وانصار کو بھی میں نے حج کرتے دیکھا تو طواف وسعی کے بعد وہ حلال نہیں ہوتے تھے۔ البتہ میری والدہ حضرت اسماء نے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ جب حج کے لئے آئے تو آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق عمرہ کر کے حلال ہو گئے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ صرف حجۃ الوداع کی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو **"فسخ الحج الی العمرة"** کی اجازت دی تھی، اب ایسا کرنا جائز نہیں۔

"فلما مسحوا الرکن" یہ کنایہ ہے عمرہ کرنے سے۔

۱۶۱۶۔ حدثنا ابراهيم بن المنذر قال : حدثنا أبو ضمرة أنس قال : حدثنا موسى بن عقبة ، عن نافع ،عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما : ان رسول الله ﷺ كان اذا طاف في الحج أو العمرة أول مايقدم سعى ثلاثة أطواف ، ومشى أربعة ثم سجد سجدتين . ثم يطوف بين الصفا والمروة . [راجع : ۱۶۰۳]

رسول اللہ ﷺ جب حج اور عمرہ میں طواف کرتے تو پہلے تین پھیروں میں سعی کرتے یعنی رمل فرماتے اور چار میں معمولی چال سے چلتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے پھر صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرتے۔

۱۶۱۷ - حدثنا ابراهيم بن المنذر قال : حدثنا أنس بن عياض ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضى الله عنهما : ان النبى ﷺ كان اذا طاف بالبيت الطواف الأول يخب ثلاثة أطواف ويمشى أربعة ، وانه كان يسعى بطن المسيل اذا طاف بين الصفا والمروة . [راجع : ۱۶۰۳]

حضور ﷺ جب خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو پہلے تین پھیروں میں دوڑ کر چلتے اس سے مراد بھی رمل ہے اور چار میں معمولی چال سے چلتے اور صفا و مروہ کے درمیان جب طواف کرتے تو نالے کے وسط میں سعی کرتے۔

(۶۴) باب طواف النساء مع الرجال

مردوں کا عورتوں کے ساتھ طواف کرنے کا بیان

۱۶۱۸ - وقال لی عمرو بن علی : حدثنا أبوعاصم قال : ابن جريج :[أخبرنا قال] :أخبرنا عطاء إذ منع ابن هشام النساء الطواف مع الرجال قال : كيف تمنعهن وقد طاف نساء النبى ﷺ مع الرجال ؟ قلت : بعد الحجاب أو قبل؟ قال : إى لعمرى ، لقد أدركته بعد الحجاب ، قلت : كيف يخالطن الرجال ؟ قال : لم يكن يخالطن . كانت عائشة رضى الله عنها تطوف حجرة من الرجال لا تخالطهم ، فقالت امرأة : انطلقى نستلم يا أم المؤمنين . قالت : إنطلقى عنك ، وأبت فكن يخرجن متنكرات بالليل فيطفن مع الرجال ولكنهن إذا دخلن البيت قمن حتى يدخلن وأخرج الرجال . وكنت آتى عائشة أنا وعبيد بن عمير وهى مجاورة فى جوف ثبير . قلت : وماحجابها؟ قال : هى فى قبة تركية لها غشاء وما بيننا وبينها غير ذلك ، ورأيت عليها درعا موردا. [۹۰، ۹۱]

ابن جریر کہتے ہیں کہ مجھے عطاء نے خبر دی کہ جب ابن ہشام نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کر دیا تھا تو فرمایا "كيف تمنعهن وقد طاف نساء النبى مع الرجال؟" آپ کیسے روک سکتے ہیں؟

ابراہیم بن ہشام کسی وقت امیرِ حج بنے تو انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ کوئی عورت مردوں کے ساتھ طواف نہ کرے تو پوچھا "كيف تمنعهن؟"

"قلت : بعد الحجاب أو قبل؟" میں نے پوچھا عورتوں نے پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد

---

[۹۰] لايوجد للحديث مكررات.

[۹۱] وانفرد به البخارى.

طواف کیا یا پہلے کیا؟ **"قال : أی لعمری، لقد ادرکته بعد الحجاب"** انہوں نے کہا: ہاں میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میں نے یہ نزولِ حجاب کے بعد دیکھا ہے۔

"قلت: کیف یخالطن الرجال؟" میں نے کہا کہ رجال عورتوں سے کیسے مخالطت کرتے تھے؟

"قال: لم یکن یخالطن، کانت عائشة رضی اللّٰہ عنها تطوف حجرةً من الرجال" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں سے الگ ہوکر منعزل ہوکر، اندر گھسے بغیر طواف کیا کرتی تھیں، **"حجرةً أی منعزلة، لا تخالطهم"** وہ مردوں کے ساتھ مل کر نہیں کرتی تھیں۔

"فقالت امرأة" ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا اے ام المؤمنین! آئیں ذرا حجرِ اسود کا بوسہ لے لیں، **"قالت: انطلقی عنک"** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم اپنی ذمہ داری پر چلی جاؤ، یعنی یہ سوچ کر نہ جانا کہ میں نے حکم دیا ہے، **"وأبت"** اور انکار کیا۔

عورتوں کو حجرِ اسود کا بوسہ لینے کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے، الّا یہ کہ بغیر کسی دھکم پیل کے آرام سے بوسہ لینے کا موقع ہو۔

آج کل عورتوں نے یہ حرکت کر رکھی ہے کہ حجر اسود پر انہی کا تسلّط رہتا ہے، اور وہ اس کے لئے دھکا پیل کرتی رہتی ہیں جو ہرگز جائز نہیں ہے۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا **"انطلقی عنک وأبت"** اس لئے کہ وہاں دھکم پیل میں عورتوں کا شریک ہونا کوئی معقول بات نہیں۔

"یخرجن متنکرات باللیل" رات کو متنکّرات بن کر، اجنبی بن کر نکلتی تھیں تاکہ کوئی پہچان نہ سکے **"فیطفن مع الرجال ولکنهن إذا دخلن البیت قمن"** لیکن جب خواتین بیت اللہ میں داخل ہوتی تھیں تو وہاں کھڑی ہوتی تھیں **"وأخرج الرجال"** مردوں کو نکال دیا جاتا تھا، یعنی بیت اللہ میں کبھی اختلاط نہیں ہوا، جب کبھی بیت اللہ میں خواتین کا داخلہ ہوا تو اس طرح ہوا کہ مرد باہر آگئے اور اندر صرف عورتیں ہی عورتیں رہ گئیں۔

"وکنت آتی عائشة أنا وعبید بن عمیر" حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور عبید بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتے تھے **"وهی مجاورة فی جوف ثبیر"** مزدلفہ کی رات میں وہ وہاں معتکفہ ہوتی تھیں۔

"قلت: وما حجابها؟" ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ان کا حجاب کیا ہوتا تھا؟

"قال: هی فی قبّة ترکیّة لها غشاء وما بیننا وبینها غیر ذلک" وہ ایک ترکی خیمہ میں ہوتی تھیں جس پر ایک پردہ بھی ہوتا تھا، ہمارے اور ان کے درمیان وہ پردہ ہی حائل ہوتا تھا، **"ورأیت علیها**

درعا مورّداً" اور میں نے آپ کے اوپر ایک گلاب کا پھول بنی ہوئی قمیص دیکھی۔ ہوسکتا ہے اتفاقاً پردہ ہٹ گیا ہو اور نظر پڑ گئی ہو تب دیکھا ہو۔

۱۶۱۹ ـ حدثنا اسماعيل قال : حدثنا مالك ، عن محمد بن عبدالرحمن بن نوفل، عن عروة بن الزبير ، عن زينب بنت أبى سلمة رضى الله عنها ، عن أم سلمة زوج النبى ﷺ قالت : شكوت الى رسول الله ﷺ انى اشتكى فقال : ((طوفى من ورائه الناس وأنت راكبة))، فطفت رسول الله حينئذٍ يصلى الصبح الى جنب البيت وهو يقرأ (والطور وكتاب مسطور).[راجع : ۴۶۴]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیماری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لینا۔ چنانچہ میں نے لوگوں کے پیچھے طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے اور سورت "**والطور وكتاب مسطور**" پڑھ رہے تھے۔[۹۲]

چونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار تھیں، اس لئے اونٹ پر طواف کی اجازت دی اور نماز میں لوگوں کے پیچھے سے طواف کرنے کو اس لئے فرمایا تا کہ ایک تو ان کا پردہ رہے، دوسرے ان کی اونٹنی سے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

(۶۵) باب الكلام فى الطواف

طواف میں گفتگو کرنے کا بیان

۱۶۲۰ ـ حدثنا إبراهيم بن موسى قال : حدثنا هشام أن ابن جريج أخبرهم قال: أخبرنى سليمان الأحول أن طاؤساً أخبره عن ابن عباس رضى الله عنهما: أن النبى ﷺ مرّ وهو يطوف بالكعبة بإنسان ربط يده إلى إنسان بسير أو بخيط أو بشئ غير ذلك ، فقطعه النبى ﷺ بيده ثم قال:((قد بيده)).[أنظر : ۱۶۲۱ ، ۶۷۰۲، ۶۷۰۳]. [۹۳]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے

---

[۹۲] تفصیل ملاحظہ فرمائیے: انعام البارى ، ج:۳، ص:۲۰۳ ، كتاب الصلوٰة ، رقم الحديث :۴۶۴.

[۹۳] وفى سنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب الكلام فى الطواف ، رقم : ۲۸۷۱، وكتاب الأيمان والنذور ، باب النذور فيما لايراد به وجه الله ، رقم : ۳۷۵۰، وسنن أبي داؤد ، كتاب الأيمان والنذور ، باب من رأى عليه كفارة اذا كان فى معصية ، رقم : ۲۸۷۲، ومسند أحمد ، ومن مسند بنى هاشم ، باب باقى المسند السابق ، رقم : ۳۲۲۴.

ایک انسان کے پاس سے گذرے جس نے اپنا ہاتھ تسمہ کے ذریعے کسی دوسرے انسان کے ہاتھ سے باندھا ہوا تھا" **بسیر** " کے معنی تسمہ یا دھاگہ کے آتے ہیں، یعنی ہجوم ہوگا اور وہ بوڑھا شخص ہوگا اپنا ہاتھ دوسرے کے ساتھ باندھ لیا ہوگا تاکہ دونوں ساتھ ساتھ چلیں۔

"فقطعه النبی ﷺ بیده" آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے وہ تسمہ کاٹ لیا، **"ثم قال: قُد بیده"** پھر فرمایا ان کو اپنے ہاتھ سے لے کر چلو، اس طرح باندھ کر چلنا ادب کے خلاف ہے، ایسا معلوم ہوگا جیسے کسی جانور کو لے کر جارہے ہوں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کے طواف کے دوران ضرورت کے مطابق بات کرنا جائز ہے، چنانچہ سب فقہاء کا یہی مسلک ہے کہ بات کرنا جائز ہے، البتہ بلاضرورت نہ کرنی چاہئے تاکہ آدمی کے ذکر میں خلل نہ آئے، ذکر وغیرہ میں مصروف رہنا چاہئے۔[۹۴]

(٦٦) باب : اذا رأى سيراً أو شيئاً يكره فى الطواف قطعه

جب طواف میں تسمہ یا کوئی مکروہ چیز دیکھے تو اس کا کاٹ دے

۱۶۲۱ ۔ حدثنا أبوعاصم ، عن ابن جريج ، عن سليمان الأحول ، عن طاؤس ، عن ابن عباس رضى الله عنهما : ان النبى ﷺ رأى رجلا يطوف بالكعبة بزمام أو غيره فقطعه . [راجع : ۱۶۲۰]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا کہ زمام یا کسی دوسرے چیز سے باندھا ہوا تھا آپ ﷺ نے اس کو کاٹ ڈالا۔

(٦٧) باب : لايطوف بالبيت عريان ولا يحج مشرك

کوئی شخص ننگا ہوکر طواف نہ کرے اور نہ مشرک حج کرے

۱۶۲۲ ۔ حدثنا يحيى بن بكير قال : حدثنا الليث : قال يونس : قال ابن شهاب : حدثنى حميد بن عبدالرحمن ان أبا هريرة أخبره : ان أبا بكر الصديق ﷺ بعثه فى الحجة التى امّره عليها رسول الله ﷺ قبل حجة الوداع يوم النحر فى رهط يؤذن فى الناس : ان

[۹۴] الطواف بالبيت صلوٰة ، فاقلوا به الكلام . و قال الشافعى : أقلوا الكلام فى الطواف ، فانما أنتم فى الترمذى : والعمل على هذا عند اكثر أهل العلم أنهم يستحبون أن لايتكلم الرجل فى الطواف الا بحاجة أو بذكر الله أو من العلم. وقال ابو عمر عن عطاء: انه كان يكره الكلام فى الطواف الشئ اليسير، وكان مجاهد يقرأ عليه القرآن فى الطواف. وقال مالك: لاادرى ذلك، وليقبل على طوافه. عمدة القارى ، ج:٧، ص:١٩٧.

لايحج بعد العام مشرك ولايطوف بالبيت عريان .[راجع : ۳۶۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے جس حج میں انہیں حجۃ الوداع سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنایا تھا، قربانی کے دن چند لوگوں کے ساتھ یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر طواف کرے گا۔ (یہ ۹ھ کے حج کا واقعہ ہے)

(۶۸) باب: إذا وقف في الطواف

دوران طواف میں ٹھہر جانے کا بیان

وقال عطاء فيمن يطوف فتقام الصلاة أو يدفع عن مكانه : إذا سلم يرجع إلى حيث قطع عليه فيبني . ويذكر نحوه عن ابن عمر ، وعبد الرحمن بن أبي بكر ﷺ .

طواف میں مشی اور تتابع مسنون ہے، رکنا نہیں چاہئے لیکن اگر کسی وجہ سے رک جائے تو اس سے طواف ختم نہیں ہوتا، طواف صحیح ہے اگرچہ ایسا کرنا خلافِ سنّت ہے۔

عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک شخص طواف کر رہا تھا، طواف کے دوران جماعت کھڑی ہوگئی، "**أو يدفع عن مكانه**" یا کسی وجہ سے اس کو دھکا دے کر اپنی جگہ سے دور کر دیا گیا "**اذا سلم يرجع إلى حيث قطع عليه فيبني**" تو جب سلام پھیرلے تو واپس وہاں جائے جہاں سے طواف قطع کیا تھا اور وہاں سے بنا کرے، یعنی اگر طواف کے دوران جماعت کھڑی ہوگئی تو نماز پڑھ لے اور نماز کے بعد اسی جگہ سے طواف شروع کرے جہاں سے چھوڑا تھا۔ "**ويذكر نحوه عن ابن عمر**".

(۶۹) باب : صلى النبيّ ﷺ لسبوعه ركعتين ،

حضور ﷺ نے طواف کیا اور سات پھیرے دینے کے بعد دو رکعت نماز پڑھی

وقال نافع : كان ابن عمر رضي الله عنهما يصلي لكل سبوع ركعتين . وقال إسماعيل بن أمية : قلت للزهري : إن عطاء يقول : تجزئه المكتوبة من ركعتي الطواف . فقال : السنة أفضل . لم يطف النبي ﷺ سبوعا قط إلا صلى ركعتين.

یہ باب قائم کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طواف فرمایا اور ہر سات چکروں میں دو رکعتیں پڑھیں۔

یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر آدمی ایک سے زیادہ طواف کر رہا ہے تو ہر طواف کے سات چکر پورے کرنے کے بعد دو رکعتیں جو مقامِ ابراہیم پر پڑھی جاتی ہیں وہ پڑھے اور پھر دوسرا طواف شروع کرے، تمام طواف ایک ساتھ کرنا اور سب کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنا عام حالات میں سنت نہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام محمد اور جمہور رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر فجر یا عصر کے بعد طواف کر رہا ہے جس وقت نوافل پڑھنا مکروہ ہیں تو پھر غروب یا طلوع کے بعد اکٹھی رکعتیں پڑھ لینا جائز ہے، لیکن دوسرے اوقات میں جمع کرنا خلاف سنت ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے اس صورت میں جائز کہتے ہیں، جب طاق عدد میں طواف کئے ہوں، مثلاً تین طواف یا پانچ یا سات تو سب کی رکعتیں آخر میں اکٹھی پڑھ سکتے ہیں۔

زیادہ تر صحابہ کرام ﷺ سے یہی منقول ہے کہ وہ ہر طواف کے لئے الگ سے رکعتیں پڑھتے تھے، البتہ دو صحابہؓ سے یہ منقول ہے کہ وہ تمام طوافوں کے بعد اکٹھی رکعتیں پڑھ لیتے تھے، ایک حضرت مسور بن مخرمہ ﷺ اور ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازرقی نے اخبار مکہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کئی کئی طوافوں کے بعد اکٹھی رکعتیں پڑھ لیا کرتی تھیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔

تو عام حالات میں اکٹھی پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے۔

فرماتے ہیں **"وقال نافع: "کان ابن عمر یصلّی لکل سبوع رکعتین"** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا ہر سات چکروں کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

"قال إسماعیل بن امیة: قلت للزھری : أن عطاء یقول: تجزئه المکتوبة من رکعتی الطواف"

اسماعیل بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے زہری رحمہ اللہ سے کہا کہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ مکتوبہ نماز یعنی فرض نماز، طواف کی نمازوں سے کافی ہو جاتی ہے، یعنی ایک شخص نے طواف کیا، اس کے بعد فرض نماز کا وقت آگیا اور اس نے فرض نماز پڑھی تو کہتے تھے کہ فرض نماز کے اندر طواف کی دو رکعتیں بھی ادا ہو گئیں۔

فقال: "السنّة افضل" زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سنت پر عمل کرنا زیادہ صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ **"لم یطف النبی ﷺ سبوعاقط الاصلّی رکعتین"** آپ ﷺ نے کبھی بھی طواف کے سات چکر نہیں کئے مگر ہر بار دو رکعتیں پڑھیں، تو یہ دو رکعت فرض میں ادا نہیں ہوں گی بلکہ ان کو الگ سے پڑھنا چاہئے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ **"مضت السنة ان مع کل اسبوع رکعتین لایجزی منھا تطوع ولافریضة"**.[۹۵]

۱۶۲۳ ۔ حدثنا قتیبة بن سعید : حدثنا سفیان ، عن عمرو : سألنا ابن عمر رضی

---

[۹۵] عمدة القاری ، ج:۷، ص: ۲۰۳ ، ومصنف ابن أبی شیبه ج:۳، ص: ۳۴۷، رقم ۱۴۸۰۳ فی الاقران بین الاسباع من رخص فیه ، مکتبة الرشد ، الریاض ، ۱۴۰۹ھ .

اللّٰہ عنہما : أیقع الرجل علی امرأتہ فی العمرة قبل أن یطوف بین الصفا والمروة؟ قال : قدم رسول اللّٰہ ﷺ فطاف بالبیت سبعا ، ثم صلی خلف المقام رکعتین . وطاف بین الصفا والمروة . وقال ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب : ۲۱].[راجع: ۳۹۵]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آدمی اپنی بیوی سے صفا ومروہ کے درمیان طواف کرنے سے پہلے عمرہ میں جماع کرسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے تو سات بار خانہ کعبہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور صفا ومروہ کے درمیان طواف کیا پھر فرمایا کہ رسول اللہ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

۱۶۲۴ ـ قال : وسألت جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما فقال : لایقرب امراتہ حتی یطوف بین الصفا والمروة . [راجع : ۳۹۶]

عمرو نے بیان کیا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا تو فرمایا کوئی شخص اپنے بیوی کے پاس نہ جائے جب تک صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرلے۔

(۷۰) باب من لم یقرب الکعبة ولم یطف حتی یخرج إلی عرفة ویرجع بعد الطواف الأول

اس شخص کا بیان جو کعبہ کے پاس نہ گیا اور نہ طواف کیا یہاں تک کہ عرفات کو چلا جائے اور طواف اول کے بعد واپس ہو

۱۶۲۵ ـ حدثنا محمد بن أبی بکر قال : حدثنا فضیل قال : حدثنا موسی بن عقبة قال : أخبرنی کریب عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال : قدم النبی ﷺ مکة فطاف وسعی بین الصفا والمروة ، ولم یقرب الکعبة بعد طوافہ بہا حتی رجع من عرفة . [راجع : ۱۵۴۵]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حج کیلئے مکہ مکرمہ آئے، "**فطاف**" آپ ﷺ نے سات چکر طواف کیا، طواف قدوم یا طواف عمرہ تھا، "**وسعی الصفا والمروة**" اور پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ پہلے گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ چوتھی تاریخ کو آ گئے تھے۔

اس طواف کے بعد آپ ﷺ کعبہ کے قریب نہیں گئے یہاں تک کہ عرفات سے واپس آکر آپ ﷺ نے

طوافِ زیارت کیا۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ ﷺ نے چھ دن میں کوئی نفلی طواف نہیں کیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس دوران طواف کرنا جائز نہیں، جائز ہے بلکہ جتنا بھی آدمی نفلی طواف کرے بہتر ہے۔

حضور ﷺ نے اس دوران دن کے وقت اس لئے طواف نہیں کیا تا کہ ایسا نہ ہو کہ دیکھنے والوں پر اشتباہ ہو جائے اور وہ یہ سمجھنے لگ جائیں کہ ہر روز ایک طواف کرنا واجب ہے اور اس کو حج کا لازمی حصہ سمجھنے لگیں۔

البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کے وقت طواف کر لیتے تھے جب لوگوں کا ہجوم نہ ہوتا تا کہ لوگ تشویش میں نہ مبتلا ہوں، ورنہ حنفیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جتنے بھی نفلی طواف کریں بہتر ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ غیر مکی کے لئے طواف اور مکی کے لئے نماز کو افضل کہتے ہیں۔ حنفیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مکی کیلئے موسمِ حج میں نماز زیادہ افضل ہے اور غیر موسم میں طواف، لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ مکی کیلئے علی الاطلاق نماز افضل ہے۔[۹۶]

(۷۱) باب من صلى ركعتي الطواف خارجا من المسجد،

اس شخص کا بیان جس نے مسجد کے باہر طواف کی دو رکعتیں پڑھیں

"وصلى عمر ﷺ خارجا من الحرم".

۱۶۲۶ ـــ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن محمد بن عبدالرحمن ، عن عروة ، عن زينب ، عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : شكوت إلى رسول الله ﷺ ح ؛

وحدثني محمد بن حرب : حدثنا أبو مروان يحيى بن أبي زكريا الغساني ، عن هشام ، عن عروة ، عن أم سلمة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ أن رسول الله ﷺ قال وهو بمكة وأراد الخروج ولم تكن أم سلمة طافت بالبيت وأرادت الخروج فقال لها رسول الله ﷺ: ((إذا أقيمت صلاة الصبح فطوفي على بعيرك والناس يصلون)) . ففعلت ذلك فلم تصل حتى خرجت. [راجع : ۴۶۴]

یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ طواف کی دو رکعتوں کا اصل مقام مقامِ ابراہیم ہے۔ مسنون یہ ہے کہ ان کو مقام ابراہیم پر ادا کیا جائے اور اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ اس طرح پڑھے کہ مقامِ ابراہیم مصلی اور کعبہ کے درمیان آجائے لیکن وہاں پڑھنا شرطِ لازم نہیں ہے، اگر اس کی بجائے کہیں اور مسجد حرام کے اندر پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مقامِ ابراہیم پر نہ پڑھے تو حطیم میں پڑھ لے، حطیم میں بھی نہ پڑھے تو مسجدِ حرام میں جس جگہ بھی موقع ہو پڑھ سکتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے مسجد حرام میں بھی موقع نہ ملے تو مسجد حرام سے باہر

۹۶ رد المحتار، فصل في الاحرام.

حدودِ حرم کے اندر اندر بھی پڑھ سکتا ہے، حدودِ حرم سے باہر پڑھنا مکروہ ہے لیکن ادا ہو جائیں گی۔ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے باہر بھی طواف کی رکعتیں پڑھ سکتے ہیں۔

"وصلی عمر ﷺ خارجا من الحرم" حضرت عمرؓ نے حرم سے باہر نماز پڑھی۔ یہاں بظاہر حرم سے مراد مسجد حرام ہے، نہ کہ حدود حرم، کیونکہ آگے آرہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز فجر کے بعد طواف کیا، چونکہ فجر کے بعد نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے طواف کے بعد نکل گئے اور ذی طویٰ کے مقام پر یہ رکعتیں ادا کیں۔ اور ذوطویٰ حدود حرم میں واقع ہے، اسی میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی کہ میں نے حضور ﷺ سے شکایت کی۔

حضرت امّ سلمہؓ کچھ بیمار تھیں طوافِ وداع نہیں کر پائی تھیں اور حضور ﷺ کے جانے کا وقت آ گیا۔

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ **"ان رسول اللہ ﷺ قال وھو بمکۃ وأراد الخروج"** آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر فوراً روانہ ہونا چاہتے تھے، **"ولم تکن أم سلمۃ طافت بالبیت"** اور حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیت اللہ کا طوافِ وداع نہیں کر پائی تھیں، **"وأرادت الخروج"** اور وہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ جانا چاہتی تھیں۔

"فقال لھا" ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب صبح کی نماز کھڑی ہو، **"فطوفی علیٰ بعیرک"** توتم اپنے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لینا **"والنّاس یصلّون"** جبکہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں **"ففعلت ذالک"** انہوں نے ایسا ہی کیا **"فلم تصل حتی خرجت"** اور پھر رکعتِ طواف نہیں پڑھیں مگر مسجد سے نکلنے کے بعد۔

معلوم ہوا کہ مسجد سے نکلنے کے بعد رکعتِ طواف پڑھنا جائز ہے۔

اس سے کچھ اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ فجر کے بعد رکعاتِ طواف نہیں پڑھنی چاہئیں، کیونکہ اگر فجر کے بعد پڑھنا ہوتیں تو وہاں سے پڑھ کر نکلتیں، لیکن باہر جا کر پڑھیں، اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ فجر اور عصر کے بعد رکعاتِ طواف پڑھنا درست نہیں۔

(۷۲) باب من صلی رکعتی الطواف خلف المقام

اس شخص کا بیان جس نے مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں پڑھیں

۱۶۲۷ ـ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبۃ قال : حدثنا عمرو بن دینار قال : سمعت ابن عمر رضی اللہ عنھما یقول : قدم النبی ﷺ فطاف بالبیت سبعاً ، وصلی خلف المقام رکعتین ، ثم خرج علیہ السلام الی الصفاء . وقد قال اللہ تعالیٰ : ﴿لقد کان لکم فی رسول

الله اسوة حسنة) [الأحزاب : ۲۱] [راجع : ۳۹۵]

ترجمہ: حضور ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو خانہ کعبہ کا سات بار طواف کیا، اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پھر صفا کی طرف چل پڑے، اور اللہ بزرگ و برتر نے فرمایا کہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے۔

(۷۳) باب الطواف بعد الصبح والعصر،

فجر اور عصر کے بعد طواف کرنے کا بیان

"وكان ابن عمر رضى الله عنهما يصلى ركعتى الطواف مالم تطلع الشمس".

"و طاف عمر بعد صلاة الصبح فركب حتى صلى الركعتين بذى طوى".

یہاں یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی فجر یا عصر کے بعد طواف کرے تو آیا اس میں طواف کی رکعات فوراً پڑھ لے یا غروب وطلوع کا انتظار کرے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فجر اور عصر کے بعد بھی طواف کی رکعتیں پڑھنا جائز ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

مسئلہ کی تفصیل کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے، امام بخاریؒ کا رجحان ترجمۃ الباب سے حنفیہ اور مالکیہ کے قول کی طرف معلوم ہو رہا ہے، یعنی اس وقت رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں بلکہ طلوع اور غروب کا انتظار کرنا چاہئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں **"وكان ابن عمر"** ایک تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نقل کیا کہ وہ رکعتیں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لیتے تھے، اس سے شوافع اور حنابلہ کی تائید ہوتی ہے۔

آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل نقل کیا کہ **"وطاف عمر بعد صلوة الصبح"** انہوں نے فجر کے بعد طواف کیا پھر وہاں سے نکل کر ذی طویٰ کے مقام پر جا کر دو رکعتیں پڑھیں، کیونکہ فجر کے بعد رکعتیں نہیں پڑھ سکتے تھے، اس سے حنفیہ اور مالکیہ کی تائید ہوتی ہے۔

۱۶۲۸ ـ حدثنا الحسن بن عمر البصرى قال : حدثنا يزيد بن زريع ، عن حبيب ، عن عطاء ، عن عروة ، عن عائشة رضى الله عنها : أن ناسا طافوا بالبيت بعد صلاة الصبح ثم قعدوا إلى المذكر حتى إذا طلعت الشمس قاموا يصلون . فقالت عائشة رضى الله عنها : قعدوا حتى إذا كانت الساعة التى تكره فيها الصلاة قاموا يصلون. [۹۷، ۹۸]

---

[۹۷] لايوجد للحديث مكررات.

[۹۸] وانفرد به البخارى.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے صبح کی نماز کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا **"ثم قعد وا إلى المذكر"** پھر کسی واعظ کے درس میں بیٹھ گئے، **"حتى اذا طلعت الشمس"** یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہوا تو عین طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنی شروع کردی۔

"فقالت عائشة" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا **"قعدوا حتی"** یہ بھی عجیب لوگ ہیں کہ بیٹھے رہے یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہونے کا وقت ہوگیا جو مکروہ وقت ہے تو انہوں نے نماز شروع کر دی، گویا ان پر نکیر کی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ انتظار کرنا چاہئے تھا، جب مکروہ وقت گذر جاتا پھر نماز پڑھتے، اس سے فی الجملہ حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ نماز طلوعِ شمس کے بعد پڑھنی چاہئے۔

شافعیہ ان کے اس قول کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے جب نماز پڑھنی چاہئے تھی یعنی فجر کے فوراً بعد اس وقت تو نماز پڑھی نہیں اور سورج نکلنے لگا تب کھڑے ہوئے، لیکن حنفیہ کی تشریح کی تائید مصنف ابن شیبہ کی ایک روایت سے ہوتی ہے **"عن عطاء عن عائشة قالت اذا اردت الطواف بالبيت بعد صلاة الفجر أو العصر فطف وأخر الصّلاة حتى تغيب الشمس أوحتى تطلع فصل لكل اسبوع ركعتينَ، ذكره الحافظ في فتح الباري وقال: اسناده حسن"** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اثر حنفیہ کے مسلک پر صریح ہے۔

۱۶۲۹ - حدثنا ابراهيم بن المنذر: حدثنا أبو ضمرة: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع: ان عبدالله ﷺ قال: سمعت النبي ﷺ ينهى عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو آفتاب طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے ہوئے سنا۔

۱۶۳۰ - حدثني الحسن بن محمد والزعفراني قال: حدثنا عبيدة بن حميد قال: حدثني عبد العزيز بن رفيع قال: رأيت عبد الله بن الزبير رضي الله عنهما يطوف بعد الفجر ويصلي ركعتين. [۹۹]

[۹۹] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، رقم: ۱۳۶۹، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب المحافظة على الركعتين قبل الفجر، رقم: ۱۷۳۶، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۸۷۸، ۲۴۴۵۸، ۲۴۴۹۷، ۲۴۹۵۶، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في الركعتين بعد العصر، رقم: ۱۳۹۸.

مفہوم

عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ فجر کے بعد طواف کررہے تھے اور انہوں نے فجر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔

۱۶۳۱ ۔ قال عبد العزیز : ورأیت عبد اللہ بن الزبیر یصلی رکعتین بعد العصر ویخبر أن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدثتہ أن النبی ﷺ لم یدخل بیتھا إلا صلاھما. [راجع : ۵۹۰]

عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، اور وہ یہ خبر دیتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہ سنایا کہ نبی کریم ﷺ جب بھی ان کے گھر میں داخل ہوتے تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس کی تحقیق پیچھے گذر چکی ہے کہ ایک عارض کی وجہ سے حضور ﷺ نے یہ شروع کی تھیں، اس سے **"رکعتی الطواف"** پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کا معاملہ بالکل الگ تھا، وہ قضا ہوگئی تھیں اس واسطے عصر کے بعد پڑھیں۔

سوال: حنفیہ کے نزدیک عصر اور فجر کے بعد نفل نماز کی ممانعت ہے جبکہ رکعتی الطّواف واجب ہیں، لہٰذا رکعتی الطّواف جائز ہونی چاہئیں؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک عصر اور فجر کے بعد نوافل بھی ناجائز ہیں اور واجب لغیرہ بھی، اور جائز وہ ہیں جو واجب لعینہ ہیں، رکعتی الطّواف واجب لعینہ نہیں ہیں بلکہ واجب لغیرہ ہیں۔

(۷۴) باب المریض یطوف راکباً

مریض کا سوار ہوکر طواف کرنے کا بیان

۱۶۳۲ ۔ حدثنی اسحاق الواسطی قال : حدثنا خالدعن خالد ، عن عکرمۃ ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما : ان رسول اللہ ﷺ طاف بالبیت وھو علی بعیر ، کلما أتی علی الرکن أشار الیہ بشیء فی یدہ وکبر . [راجع : ۱۶۰۷]

"ان رسول اللہ ﷺ طاف بالبیت وھو علی بعیر"

نبی اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف اونٹ پر سوار ہوکر کیا۔

شافعیہ کے نزدیک سوار ہوکر طواف کرنا بلا عذر بھی جائز ہے، اگرچہ خلاف اولیٰ ہے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ بلا عذر جائز نہیں، بیماری میں جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلے میں حنفیہ کی تائید کر رہے ہیں، حدیث باب میں اگرچہ آنحضرت ﷺ کا مطلقاً طواف کرنا مذکور ہے، اور اس میں مرض کا ذکر نہیں ہے، اور اسی سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں، لیکن ابوداؤد میں حدیث ہے: **"قدم النبی ﷺ مکة و هو یشتکی فطاف علی راحلته"** علامہ عینی رحمہ اللہ نے **"باب استلام الرکن بمحجن"** کے تحت کہا ہے اگرچہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد متکلم فیہ ہے۔ دوسرے آنحضرت ﷺ کا سوار ہونا اس لئے بھی ہوسکتا ہے تاکہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر طواف کا طریقہ سیکھیں۔

۱۶۳۳ - حدثنا عبداللہ بن مسلمة : حدثنا مالک ، عن محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل ، عن عروة ، عن زینب بنت أم سلمة رضی اللہ عنها قالت : شکوت الی رسول اللہ ﷺ انی اشتکی فقال : ((طوفی من وراء الناس وأنت راکبة)). فطفت ورسول اللہ ﷺ یصلی الی جنب البیت وهو یقرأ ب- : (الطور وکتاب مسطور) .[راجع : ۴۶۴]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیماری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کرو۔ چنانچہ میں نے طواف کیا اور حضور اکرم ﷺ خانہ کعبہ کے بازو میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ اس میں **سورۃ والطور وکتاب مسطور** پڑھ رہے تھے۔

یہاں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بعیر (اونٹ) پر سوار ہو کر طواف کرنے کی اجازت دی، اس سے معلوم ہوا کہ بعیر (اونٹ) کو مسجد میں داخل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ مسجد کے تلوث کا اندیشہ نہ ہو۔[۱۰۰]

(۷۵) باب سقایة الحاج

حاجیوں کو پانی پلانے کا بیان

۱۶۳۴ - حدثنا عبد اللہ بن أبی الأسود : حدثنا أبو ضمرة : حدثنا عبیداللہ ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال : استأذن العباس بن عبدالمطلب ﷺ رسول اللہ ﷺ أن یبیت بمکة لیالی منی من أجل سقایته فأذن له.[أنظر : ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵][۱۰۱]

---

[۱۰۰] مسئلہ کی توجیہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے: انعام الباری ج:۳،ص:۲۰۴،رقم الحدیث:۴۶۴۔

[۱۰۱] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب وجوب المبیت بمنی لیالی أیام التشریق والترخیص فی ترکه لأهل السقایة، رقم : ۲۳۱۸، وسنن أبی داؤد ، کتاب المناسک ، باب یبیت بمکة لیالی منی ، رقم : ۱۶۷۴، وسنن ابن ماجه ، کتاب المناسک ، باب البیتوتة بمکة لیالی منی ، رقم : ۳۰۵۶، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۴۶۲، ۴۵۰۱، ۴۵۹۵، ۵۳۵۶، وسنن الدارمی ، کتاب المناسک، باب فیمن یبیت بمکة لیالی منی من علة ، رقم : ۱۸۶۲ .

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عباس ؓ بن عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ سقایہ کی وجہ سے منیٰ کے راتیں مکہ میں گذاریں، تو آپ ﷺ نے لیالی منیٰ کی اجازت دی، یعنی دس، گیارہ اور بارہ کی راتیں۔

حنفیہ کے نزدیک یہ راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے، واجب یا فرض نہیں، لہٰذا اگر کوئی منیٰ میں رات نہ گذارے تو خلافِ سنت ہوگا، لیکن اس سے کوئی دم واجب نہیں ہوتا اور اگر کوئی عذر ہو تو وہاں رات گذارنے کو چھوڑنے کی بھی گنجائش ہے۔

چنانچہ حضرت عباس ؓ نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ سقایہ کی نگرانی کرتے ہیں اور حجاج کو زم زم کا پانی پلانے کا کام ان کے سپرد ہے، رات کو لوگ وہاں ہوتے ہیں اس لئے انہیں پانی پلانے کے لئے مجھے وہاں جانا ضروری ہے، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔

سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا شروع سے اسی خاندان کے پاس چلا آرہا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسی کو باقی رکھا اور بنو عبدالمطلب کو عطا فرمایا، حضرت عباس ؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی ؓ یہ کام کرتے تھے۔

سقایہ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ زم زم کے پاس کھڑے ہوتے اور پانی نکال کر برتنوں کو بھرتے تھے تاکہ لوگ آکر پی جائیں، جب بنوامیہ کا دور آیا تو اس وقت بھی سقایہ بنو عباس کے پاس تھا، انہوں نے اس کو چھیننا تو مناسب نہیں سمجھا کیونکہ ان کو یہ منصب خود حضور ﷺ نے عطا فرمایا تھا لیکن یہ کیا کہ ایک اور حوض بنا دیا تاکہ لوگ وہاں بھی آئیں، لیکن لوگ وہاں نہیں جاتے تھے اس واسطے کہ بنو عباس کو سقایہ حضور ﷺ نے عطا فرمایا تھا، لوگ اسی کو ترجیح دیتے تھے۔

انہوں نے یہاں تک کیا کہ حوض میں دودھ اور شہد ملانا شروع کر دیا تاکہ لوگ یہاں آئیں لیکن لوگ پھر بھی نہیں آئے تھے، کہتے تھے ایک تو خالص زم زم اور وہ بھی ان ہاتھوں سے جن کو یہ منصب خود حضور ﷺ نے عطا فرمایا ہے، لہٰذا وہ اس کے لئے دودھ اور شہد کو چھوڑ دیتے تھے۔

اب تو حکومت نے یہ انتظام کر دیا ہے کہ نل لگا دیئے ہیں اور سارے حرم میں کولر بھر کر رکھ دئے ہیں، ہر شخص کے سامنے زم زم موجود ہے، کنویں کے پاس کوئی نہیں جا سکتا، شروع میں جب ہم جاتے تو خود اپنے ہاتھ سے ڈول کے ذریعے نکالتے تھے، لیکن اب کنواں بند ہے اور نل لگا دیا ہے، بلکہ مدینہ منورہ تک آبِ زم زم پہنچانے کا انتظام ہے، حرم نبوی میں سارے کولر زم زم کے ہیں۔

۱۶۳۵ ۔ حدثنا إسحاق : حدثنا خالد ، عن خالد الحذاء ، عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما : أن رسول الله ﷺ جاء إلى السقاية فاستسقى فقال العباس : يافضل اذهب إلى أمك فأت رسول الله ﷺ بشراب من عندها. فقال : ((اسقني)) . قال : يا رسول الله انهم يجعلون أيديهم فيه . قال : ((اسقني)) ، فشرب منه ثم أتى زمزم وهم يسقون ويعملون فيها فقال : ((اعملوا فإنكم على عمل صالح)) ، ثم قال : ((لو لا أن تغلبوا لنزلت حتى أضع الحبل على هذه)) ، يعني عاتقه ، وأشار إلى عاتقه.[۱۰۲]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سقایہ کے پاس تشریف لائے یعنی کنویں کے پاس جہاں زم زم کا پانی پلایا جارہا تھا، **"فاستسقی"** آپ ﷺ نے پانی مانگا، **"فقال العباس : یا فضل اذهب إلى امک فأت رسول الله بشراب من عندها"** حضرت عباس ؓ نے اپنے بیٹے فضل سے کہا کہ تم اپنی ماں کے پاس جاؤ اور وہاں سے حضور ﷺ کے لئے پانی لے کر آؤ، مقصد یہ تھا کہ کنویں میں سب لوگ ہاتھ ڈال رہے ہیں یہ اتنا صاف نہیں ہے اور گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے، اس لئے حضرت فضل ؓ سے کہا کہ جاؤ گھر سے پانی لاؤ تاکہ حضور ﷺ کو صاف پانی پلایا جاسکے۔

فقال: "اسقنی" آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے یہاں سے پلاؤ، **"قال: یا رسول الله أنهم یجعلون أیدیهم فیه"** لوگ اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے ہیں اس لئے میں باہر سے منگوارہا ہوں۔

قال : "اسقنی" آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں! مجھے یہاں سے پلاؤ **"فشرب منه"** آپ ﷺ نے اسی سے پانی پیا **"ثم آتی زم زم وهو یسقون ویعملون فیها"** پھر آپ ﷺ زم زم پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ پانی پلا رہے ہیں اور عمل کرتے ہیں، ڈول ڈالتے، نکالتے ہیں محنت کرتے ہیں۔

فقال : "اعملو فإنکم علیٰ عمل صالح" یہ کام کرتے رہو، کیونکہ یہ عملِ صالح ہے، اور فرمایا **"لولا أن تغلبوا لنزلت حتی اضع الحبل علیٰ هذه"** اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ پالیں گے تو میں خود اترتا یہاں تک کہ رسی اپنے اس کندھے پر رکھتا، اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔

مطلب یہ ہے کہ میں نیچے اتر کر ڈول سے پانی نکالتا، لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں یہ کام کروں تو ساری قوم ٹوٹ پڑے گی اور ہر ایک پانی نکالنے کی کوشش کرے گا، اس سے بدنظمی پیدا ہوگی اور تمہارے لئے دشواری ہوگی، اس لئے میں نہیں نکال رہا، ورنہ میں خود اپنے ہاتھ سے نکالتا، گویا یہ فضیلت بیان کردی کہ اگر خود اپنے ہاتھ سے نکالا جائے تو اس میں فضیلت ہے۔

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ مقتداء کو عام لوگوں میں گھلا ملا رہنا چاہیئے، اپنے لئے کوئی امتیازی

[۱۰۲] وفي مسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۱۷۴۱ .

شان پیدا کرنا بالخصوص حج وعمرہ میں، پسندیدہ نہیں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے وہی پانی پینے پر اصرار فرمایا جو عام لوگ پی رہے تھے۔

دوسرا یہ سبق ملا کہ لوگوں کو بدنظمی اور انتشار پیدا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے خواہ اس کے لئے کسی مستحب کو ترک کرنا پڑے، کیونکہ زمزم سے خود پانی نکالنا آپ ﷺ کو پسند تھا، لیکن انتشار کے اندیشے سے چھوڑ دیا۔

(۷٦) باب ما جاء فی زم زم

ان روایتوں کا بیان جو زمزم سے متعلق منقول ہیں

۱٦۳٦ ۔ وقال عبدان : أخبرنا عبد الله ، أخبرنا یونس عن الزهری ، قال أنس بن مالک ﷺ : کان أبو ذر یحدث أن رسول الله ﷺ قال : ((فرج سقفی وأنا بمکة فنزل جبریل علیه السلام ففرج صدری ثم غسله بماء زمزم ، ثم جاء بطست من ذهب ممتلیء حکمةً و إیماناً فأفرغها فی صدری ثم أطبقه . ثم أخذ بیدی فعرج بی إلی السماء الدنیا ، فقال جبریل لخازن السماء : افتح . قال : من هذا ؟ قال : جبریل)) . [راجع : ۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری چھت کھول دی گئی، اس حال میں کہ میں مکہ میں تھا پس جبرئیل علیہ السلام اترے اور میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا پھر ایک سونے کا طشت لیکر آئے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا تو اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر اس کو جوڑ دیا اور میرے ہاتھ پکڑ کر آسمانِ دنیا پر چڑھا لے گیا، تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان دنیا کے خازن سے کہا کہ کھولو۔ پوچھا، کون؟ کہا: جبرئیل۔

زمزم کی فضیلت

زم زم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ معراج کی رات آپ ﷺ کے صدر مبارک کو ماءِ زمزم سے دھویا گیا۔

اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ زم زم کا پانی حوضِ کوثر سے بھی افضل ہے، کیونکہ اگر حوضِ کوثر افضل ہوتی تو حضور ﷺ کے سینۂ مبارک کو حوضِ کوثر سے دھویا جاتا، لیکن زم زم سے دھویا گیا، معلوم ہوا کہ زمزم افضل ہے۔

۱٦۳۷ ۔ حدثنا محمد : أخبرنا الفزاری ، عن عاصم ، عن الشعبی أن ابن عباس رضی الله عنهما حدثه قال : سقیت رسول الله ﷺ من زمزم فشرب وهو قائم . قال عاصم :

فحلف عکرمة ما کان یومئذ الا علی بعیر. [راجع : ۵۶۱۷] [۱۰۳]

زم زم کھڑے ہوکر پینا:

فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے زم زم کا پانی کھڑے ہوکر پیا۔

عاصم کہتے ہیں کہ بعد میں عکرمہ نے قسم کھائی کہ حضور ﷺ تو اس وقت بعیر پر سوار تھے، لہٰذا کھڑے ہوکر پینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے طواف کے بعد اُونٹ کو بٹھایا پھر دو رکعتیں پڑھیں، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد زمزم پر تشریف لے گئے تھے، اس لئے جنہوں نے زمزم کو کھڑے ہوکر پینا روایت کیا ہے، بعیر پر طواف کرنا اس کے منافی نہیں، اور کھڑے ہوکر پینا متعدد روایات میں آیا ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زم زم کا پانی کھڑے ہوکر پینا افضل ہے۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پینا افضل نہیں ہے، یہاں بھی وہی حکم ہے جو عام پانی کا ہے کہ بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے اور کھڑے ہوکر پینے میں کراہت تنزیہی ہے، اگرچہ جائز ہے۔

وہاں کھڑے ہوکر اس لئے پیا کہ ایک تو بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، دوسرا یہ کہ ہجوم تھا اور لوگوں کو یہ دکھانا بھی منظور تھا کہ رسول کریم ﷺ زم زم کا پانی پی رہے ہیں۔[۱۰۴]

(۷۷) باب طواف القارن

قران کرنے والوں کے طواف کا بیان

۱۶۳۸ - حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن ابن شهاب ، عن عروة ، عن عائشة رضی اللہ عنها : خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی حجة الوداع فأهللنا بعمرة ثم قال : من کان معه هدی فلیهل بالحج والعمرة . ثم لایحل حتی یحل منهما . فقدمت مکة وأنا حائض فلما قضینا حجنا أرسلنی مع عبدالرحمن الی التنعیم فاعتمرت فقال ﷺ : ((هذه مکان عمرتک)) . فطاف الذین اهلوا بالعمرة ثم حلوا ثم طافوا طوافاً آخر بعد أن رجعوا من منیً . وأما الذین جمعوا بین الحج والعمرة طافوا طوافاً واحداً .[راجع : ۲۹۴]

---

[۱۰۳] وفی صحیح مسلم ، کتاب الاشربة ، باب فی الشرب من زمزم قائماً ، رقم : ۳۷۷۶، وسنن الترمذی ، کتاب الأشربة عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الرخصة فی الشرب قائماً ، رقم : ۱۸۰۳ ، وسنن النسائی ، کتاب مناسک الحج ، باب الشرب من زمزم ، رقم : ۲۹۱۵ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الأشربة ، باب الشرب قائماً ، رقم : ۳۴۱۳، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بدایة مسند عبداللہ بن العباس ، رقم : ۱۷۴۱ ، ۱۸۰۴ ، ۲۰۷۴ ، ۲۱۳۲ ، ۲۴۷۷ ، ۳۰۱۸ ، ۳۳۱۷ ، ۳۳۴۷ .

[۱۰۴] عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص : ۲۱۸ .

۱۶۳۹ - حدثنا يعقوب بن إبراهيم : حدثنا ابن علية ، عن أيوب ، عن نافع : أن ابن عمر رضي الله عنهما دخل ابنه عبد الله بن عبد الله وظهره في الدار ، فقال : إني لا آمن أن يكون العام بين الناس قتال فيصدوك عن البيت، فلو أقمت . فقال : قد خرج رسول ﷺ فحال كفار قريش بينه وبين البيت ، فإن حيل بيني وبينه أفعل كما فعل رسول الله ﷺ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱] ثم قال : أشهدكم أني قد أوجبت ما عمرة حجا . قال : ثم قدم فطاف لهما طوافا واحدا . [أنظر : ۱۶۴۰، ۱۶۹۳، ۱۷۰۸، ۱۷۲۹، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۱۰، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۴۱۸۳، ۴۱۸۴، ۴۱۸۵] ۱۰۵

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ کے پاس آئے **"وظهره في الدار"** جبکہ ان کی سواری گھر میں تھی، یعنی وہ حج میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے اور سواری ابھی گھر میں ہی تھی، تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان کے بیٹے نے کہا **"انی لا آمن ان یکون العام بین الناس قتال"** مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس سال لوگوں کے درمیان لڑائی ہوگی، یہ حجاج بن یوسف کے زمانے کی بات ہے، اس وقت مکہ میں لڑائی ہونے کا اندیشہ تھا۔

"فیصدوک عن البیت" تو آپ کو لوگ جانے سے روک دیں گے، **"فلو اقمت"** اگر اس سال رُک جائیں تو بہتر ہے۔

فقال: "قد خرج رسول الله وحال كفار قريش بينه وبين البيت" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ حدیبیہ کے سال تشریف لے گئے تھے تو کفارِ قریش بیچ میں حائل ہو گئے تھے، **"فإن حيل بيني وبينه افعل كما فعل رسول الله ﷺ"** اگر میرے اور بیت اللہ کے درمیان بھی کوئی حائل ہو گیا تو میں ویسا ہی کروں گا جیسا حضور ﷺ نے کیا یعنی جو محصر کا حکم ہوتا ہے، لہٰذا کچھ حرج نہیں، **"لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة، ثم قال"** پھر عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا **"أشهدكم إني قد أوجبت مع عمرتي حَجّاً"** میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ حج کو واجب کیا یعنی قران کیا ہے۔

قال: "ثم قدم فطاف لهما طوافا واحداً" وہ آئے اور آکر ایک ہی طواف کیا۔

---

۱۰۵ وفي سنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب فيمن احصر بعدو ، رقم : ۲۸۱۰، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۲۵۰، ۴۳۶۸، ۴۹۱۸، ۵۰۷۰، ۶۱۰۲، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في المحصر بعدو ، رقم : ۱۸۱۵ .

ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کا طواف کیا، اسی میں طوافِ قدوم بھی شامل ہوگیا اور شافعیہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ حج کا طواف کیا اور اس میں عمرے کا بھی شامل ہوگیا۔[۱۰۶]

۱۶۴۰ ۔ حدثنا قتيبة: حدثنا الليث: عن نافع: أن ابن عمر رضي الله عنهما أراد الحج عام نزل الحجاج بابن الزبير، فقيل له: ان الناس كائن بينهم قتالٌ وانّا نخاف أن يصدّوك. فقال: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱] اذن أصنع كما صنع رسول الله ﷺ، انى أشهدكم انى قد أوجبت عمرة، ثم خرج حتى اذا كان بظاهر البيداء قال: ما شأن الحج والعمرة الا واحد، أشهدكم انى قد أوجبت حجا مع عمرتى. و أهدى هديا اشتراه بقديد ولم يزد على ذلك، فلم ينحر و لم يحل من شيء حرم منه و لم يحلق و لم يقصر حتى كان يوم النحر فنحر وحلق، ورأى ان قد قضى طواف الحج والعمرة بطوافه الأول. وقال ابن عمر: كذلك فعل رسول الله ﷺ. [راجع: ۱۶۳۹]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حج کا ارادہ کیا، جس سال حجاج، ابن زبیر کے ساتھ جنگ کا ارادہ سے آیا تھا، تو ان سے کہا گیا کہ اس سال لوگوں کے درمیان جنگ کا خطرہ ہے اور ہم لوگ ڈر رہے ہیں کہ کہیں آپ کو کعبہ جانے سے روک نہ دیں، انہوں نے فرمایا کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے اس وقت میں وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ واجب کرلیا پھر نکلے، یہاں تک کہ مقام بیداء میں پہنچے، پھر فرمایا کہ حج اور عمرہ کی ایک ہی حالت ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے عمرہ کے ساتھ حج کو واجب کرلیا ہے اور وہ قدید سے قربانی کا جانور بھی خرید کر لے گئے، اور اس سے زیادہ کوئی کام نہیں کیا، نہ تو قربانی کی اور نہ وہ کام کئے جو احرام میں حرام ہیں، اور نہ بال منڈوائے اور نہ بال کتروائے یہاں تک کہ قربانی کا دن آیا تو قربانی کی اور سر منڈایا اور خیال کیا کہ حج اور عمرہ کا پہلا طواف کافی ہے، اور ابن عمر نے کہا کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا۔

(۷۸) باب الطواف على وضوءٍ

باوضو طواف کرنے کا بیان

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے طواف سے پہلے وضو فرمایا، معلوم ہوا کہ طواف کے لئے وضو کرنا ضروری ہے۔

۱۶۴۱ ۔ حدثنا أحمد بن عيسى: حدثنا ابن وهب قال: أخبرني عمرو بن الحارث،

---

[۱۰۶] عمدة القارى، ج: ۳، ص: ۲۲۴.

عن محمد بن عبدالرحمن بن نوفل القرشي : انه سأل عروة بن الزبير فقال : قد حج رسول الله ﷺ فأخبرتني عائشة رضي الله عنها ان أول شيء بدأ به حين قدم أنه توضأ ثم طاف بالبيت ثم لم تكن عمرة ثم حج أبو بكر رضی اللہ عنہ فكان أول شيء بدأ به الطواف بالبيت ثم لم تكن عمرة . ثم عمر رضی اللہ عنہ مثل ذلك . ثم حج عثمان رضی اللہ عنہ فرأيته أول شيء بدأ به الطواف بالبيت ثم لم تكن عمرة . ثم معاوية وعبدالله بن عمر . ثم حججت مع ابن الزبير فكان أول شيء بدأبه الطواف بالبيت ثم لم تكن عمرة . ثم رأيت المهاجرين والأنصار يفعلون ذلك ثم لم تكن عمرة . ثم آخر من رأيت فعل ذلك ابن عمر ثم لم ينقضها عمرة.

وهذا ابن عمر عندهم فلايسألونه ولا أحد ممن مضى ماكانوا يبدؤن بشيء حين يضعون أقدامهم من الطواف بالبيت ثم لايحلون . وقد رأيت أمي وخالتي حين تقدمان لاتبتدئان بشيء أول من البيت ، تطوفان به ثم لاتحلان . [راجع : ۱۶۱۴]

حدیث میں جو بار بار یہ لفظ ہے "ثم طاف بالبيت ثم لم تكن عمرة" یعنی آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف فرمایا پھر عمرہ نہیں تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنا دینا، آپ ﷺ نے یہ عمل نہیں فرمایا، "فسخ الحج الى العمرة" دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو کروایا لیکن خود "فسخ الحج الى العمرة" نہیں فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں فرمایا۔

تو یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ "فسخ الحج إلى العمرة" صرف اس سال کے ساتھ خاص تھا جس سال حضور اقدس ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عمل کروایا تھا، خود نہیں کیا، اس کے بعد وہ عمل باقی نہیں رہا، لہٰذا "فسخ الحج إلى العمرة" منسوخ ہو گیا۔

۱۶۴۲ ـ وقد أخبرتني أمي أنها أهلت هي وأختها والزبير وفلا ن وفلان بعمرة، فلما مسحور الركن حلوا. [راجع : ۱۶۱۵]

"فلما مسحوا الركن حلّوا" جب حجر اسود کو ہاتھ لگایا تو حلال ہو گئے۔

یہاں حجر اسود کو ہاتھ لگانا عمرہ سے کنایہ ہے اور صرف ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے سے حلال نہیں ہوتا بلکہ پورا طواف کرنا، اس کے بعد سعی کرنا، حلق کرنا، اس کے بعد آدمی حلال ہوتا ہے، تو یہ عمرہ سے کنایہ ہے۔

(۷۹) باب وجوب الصفا والمروة، وجعل من شعائر الله

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا واجب ہونا اور یہ اللہ جل جلالہ کی نشانیاں بنائی گئی ہیں

۱۶۴۳ ـ حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب ،عن الزهري : قال عروة : سألت

عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها فقلت لها : أرأيت قول اللّٰہ تعالیٰ :

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ [البقرة : ۱۵۸]

فو اللّٰہ ماعلی أحد جناح أن لايطوف بالصفا والمروة . قالت : بئس ما قلت يا ابن أختی . ان هذه لو كانت كم أولتها عليه كانت لاجناح عليه أن لايتطوف بهما ، ولكنها أنزلت فی الأنصار. كانوا قبل ان يسلموا يهلون لمناة الطاغية التی كانوا يعبدونها بالمشلل .فكان من أهل يتحرج أن يطوف بين الصفا والمروة . فلما أسلموا سألوا رسول اللّٰہ ﷺ عن ذلک ، قالوا : يارسول اللّٰہ ، انا كنا نتحرج أن نطوف بين الصفا والمروة ، فأنزل اللّٰہ تعالیٰ ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ﴾ الآية .

قالت عائشة رضی اللّٰہ عنها : وقد سن رسول اللّٰہ ﷺ الطواف بينهما فليس لاحد أن يترک الطواف بينهما. ثم أخبرت أبابكر بن عبدالرحمن فقال : ان هذا العلم لعلم ما كنت سمعته ، ولقد سمعت رجالاً من أهل العلم يذكرون ان الناس الا من ذكرت عائشة ممن كان يهل بمناة ، كانوا يطوفون كلّهم بالصفا والمروة.فلما ذكر اللّٰہ تعالیٰ الطواف بالبيت ولم يذكر الصفا والمروة فی القرآن، قالوا : يا رسول اللّٰہ ﷺ كنا نطوف بالصفا والمروة ، وان اللّٰہ أنزل الطواف بالبيت فلم يذكر الصفا فهل علينا من حرج أن نطوف بالصفا والمروة ؟ فأنزل اللّٰہ تعالی: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ﴾ الآية.

قال أبو بكر : فأسمع هذه الآية نزلت فی الفريقين كليهما ، فی الذين كانوا يتحرجون أن يطوفوا بالجاهلية بالصفا والمروة والذين يطوفون، ثم تحرّجوا أن يطوفوا بهما فی الاسلام من أجل أن اللّٰہ تعالیٰ أمر بالطواف بالبيت ولم يذكر الصفا حتی ذكر ذلک بعد ما ذكر الطواف بالبيت . [أنظر: ۱۷۹۰، ۴۴۹۵، ۴۸۶۱] ۱۰۷

قرآنِ کریم میں اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا ہے،﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ

۱۰۷ وفی صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب بيان ان السعی بين الصفاوالمروة ركن لايصح الحج ، رقم : ۲۲۳۹، وسنن الترمذی ، كتاب تفسير القرآن عن رسول اللّٰہ ، باب ومن سورة البقرة ، رقم : ۲۸۹۱، وسنن النسائی ، كتاب مناسک الحج ، باب ذكر الصفا والمروة ، رقم : ۲۹۱۹، وسنن أبی داؤد ، كتاب المناسک ، باب أمر الصفا والمروة، رقم : ۱۶۲۵ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۲۳۹۶۰، ۲۴۱۳۵، ۲۴۲۱۷، وموطأمالک ، كتاب الحج ، باب جامع السعی ، رقم : ۷۳۳.

الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ جو حج کرے یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے یعنی سعی کرے۔

''گناہ نہیں ہے'' کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل واجب نہیں ہے، محض جائز ہے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ عمرہ اور حج میں سعی ضروری حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، جس کے ترک سے دم واجب ہے اور یہی مذہب قتادہ، حسن اور ثوری رحمہم اللہ کا ہے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ اسے سنت کہتے ہیں جس کے ترک سے دم نہیں آتا۔

امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی، امام محمد، اور امام اسحاق رحمہم اللہ اس کو فرض کہتے ہیں اور اس کے ترک کی صورت میں دم کافی نہیں، حج اس وقت تک نہ ہوگا جب تک سعی نہ کرے چاہے اس کے لئے وطن واپس آنا پڑے۔

بہر حال! سعی جمہور کے نزدیک واجب ہے یا فرض، اور **''لا جناح علیه''** کی تعبیر ایسی۔ ہے جیسے منطق میں امکان عام ہوتا ہے کہ واجب بھی اس کا ایک فرد ہوتا ہے، یعنی گناہ نہ ہونے میں مباح بھی شامل ہے اور واجب بھی۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں **''لا جناح علیه''** کی تعبیر کیوں اختیار کی گئی؟

اس روایت میں اس کے دو سبب بیان کئے گئے ہیں:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو اس کا سبب بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ انصارِ مدینہ جب اسلام سے پہلے حج کرنے آئے تو وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بجائے مشلّل کے مقام پر منات کے نام سے ایک بت تھا اس کے پاس جا کر سعی اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے اور صفا اور مروہ پر جو بت تھے اساف اور نائلہ، ان کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے معبود نہیں ہیں، بلکہ ہمارا معبود العیاذ باللہ منات ہے، اس لئے وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں تنگی محسوس کرتے تھے اور منات کے پاس جا کر عبادت کرتے تھے۔

اس پر قرآنِ کریم کی آیت **''لاجناح علیه''** نازل ہوئی، چونکہ وہ یہاں عبادت کرنے پر جناح کا لفظ استعمال کرتے تھے اس لئے قرآن نے **''لاجناح علیه''** والی تعبیر اختیار کی۔

علامہ واحدی رحمہ اللہ نے اسباب النزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ یہ کہ صفا پر ایک بت اساف کے نام سے رکھا ہوا تھا اور مروہ پر نائلہ کے نام سے دراصل یہ دونوں مرد وعورت تھے جنہوں نے کبھی کعبے کے اندر زنا کا ارتکاب کیا تھا جس کے عذاب میں اللہ جل جلالہ نے انہیں

مسخ کر کے پتھر بنا دیا تھا، ان کو عبرت کے لئے صفا اور مروہ پر رکھا گیا تھا، مگر بعد میں لوگ ان کی عبادت کرنے لگے اور سعی کے دوران ان کو چھونے لگے، جب اسلام آیا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے ان بتوں کی وجہ سے سعی کرنے کو برا سمجھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[۱۰۸]

ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب حج کا حکم نازل ہوا تو قرآن کریم نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر تو کیا تھا کہ **"ولیطوّفوا بالبیت العتیق"** لیکن اس وقت صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا ذکر نہیں کیا تھا اس سے بعض صحابۂ کرام ﷺ یہ سمجھے کہ سعی کرنے کا عمل جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آرہا ہے شاید وہ پسندیدہ نہیں ہے اور اس کو منسوخ کر دیا گیا ہے اور سعی کرنے میں کوئی حرج ہے، اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قرآن میں بیت اللہ کے طواف کا ذکر تو آیا ہے لیکن طواف فی الصفا والمروہ کا ذکر نہیں ہے، تو کیا صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا کوئی گناہ ہے؟

اس پر یہ آیت نازل ہوئی **"فلا جناح علیه أن یطوّف بهما"**.

بعد میں ابو بکر بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سب بیک وقت سبب بنے ہوں، انصار کے شبہ اور صحابۂ کرام ﷺ کے شبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے **"لا جناح علیه"** فرمایا، لیکن اس میں اب کوئی شبہ نہیں ہے کہ سعی بین الصفا والمروۃ محض مندوب اور مباح نہیں، بلکہ واجب ہے۔

عروہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا **"أرأیت قول اللّٰه تعالیٰ : (اِنّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِاعْتَمَرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا) [البقرة : ۱۵۸] فواللّٰه ماعلی أحد جناح أن لایطوف بالصفا والمروة"**. ایسا لگتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اسی طرح نہ کرنے میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، یعنی یہ عمل مباح ہے۔

قالت : "بئس ما قلت یاا بن أخی" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بھتیجے تو نے بڑی غلط بات کہی **"ان هٰذه لو کانت کما أولتها علیه کانت لا جناح علیه أن لا یتطوف بهما"** اگر واقعۃً یہ ایسے ہی ہوتا جیسے آپ نے اس کی تعبیر کی ہے تو بے شک سعی نہ کرنے میں گناہ نہ ہوتا **"ولکنها انزلت فی الأنصار"** لیکن یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، **"کانوا قبل أن یسلموا یهلّون لمناۃ الطاغیة"** وہ مناتِ طاغیہ کی عبادت کرتے تھے **"الّتی کانوا یعبدونها بالمشلل"** مشلل ایک جگہ ہے جہاں وہ عبادت کیا کرتے تھے۔

"فکان من أهل یتحرج أن یطوف بین الصفا والمروة" جب وہ منات کے نام پر تلبیہ پڑھتے تھے تو پھر وہ صفا اور مروۃ کے درمیان سعی کرنے سے تنگی محسوس کرتے تھے۔

---

[۱۰۸] عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۴۱۱، ۴۱۲.

"فلما أسلموا سألوا رسول اللہ ﷺ عن ذالک، قالوا: یا رسول اللہ أنا کنا نتعرج أن نطوف بین الصفا و المروة، فانزل اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ. الآية. قالت عائشة رضی اللہ عنها : وقد سنّ رسول اللہ ﷺ الطواف بینهما فلیس لأحد أن یترک الطواف بینهما".

اب عروۃ کہتے ہیں **"ثم أخبرت أبا بکر بن عبدالرحمن"** میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات ابوبکر بن عبدالرحمن کو سنائی، **فقال: "ان هذا العلم ما کنت سمعته"** یہ جو علم تم مجھے عائشہؓ کے حوالے سے سنا رہے ہو میں نے نہیں سنا ہے **"ولقد سمعت رجالا من أهل العلم یذکرون"** البتہ میں نے دوسرے اہلِ علم سے سنا ہے وہ کہتے ہیں **"أن الناس إلّا من ذکرت عائشة ممّن کان یهلّ لمناة کانوا یطوفون کلهم بالصفا و المروة"** سارے لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کیا کرتے تھے سوائے ان لوگوں کے جن کا حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا کہ وہ منات کے لئے تلبیہ پڑھتے تھے یعنی انصار۔

"فلما ذکر اللہ تعالیٰ الطواف بالبیت ولم یذکر الصفا والمروة فی القرآن" جب اللہ ﷻ نے قرآن میں طواف بالبیت کا ذکر کیا اور صفا اور مروۃ کا ذکر نہیں کیا تو انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ کنا نطوف بالصفا و المروة و إن اللہ أنزل الطواف بالبیت فلم یذکر الصفا فهل علینا من حرج أن نطوف بالصفا و المروة ؟ فأنزل اللہ تعالیٰ : ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾. الآية".

قال أبو بکر: "فاسمع هذه الآية نزلت فی الفریقین کلیهما" میرا خیال ہے کہ یہ آیت دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، **"فی الذین کانوا یتحرجون أن یطوّفوا بالجاهلیة بالصفا والمروة"** ان لوگوں کے بارے میں بھی جو زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروۃ کے درمیان سعی کرنے میں تحرج محسوس کرتے تھے **"والذین یطوّفون"** اور ان لوگوں کے بارے میں بھی جو طواف کیا کرتے تھے بعد میں انہوں نے تحرج شروع کر دیا۔

(۸۰) باب ما جاء فی السعی بین الصفا والمروة،

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا بیان

"وقال ابن عمر رضی اللہ عنهما: السعی من داربنی عباد إلی زقاق بنی أبی حسین".

۱۶۴۴ ۔ حدثنا محمد بن عبید : حدثنا عیسی بن یونس ، عن عبیداللہ ابن عمر، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال : کان رسول اللہ ﷺ اذا طاف الطواف الأول

خب ثلاثاً و مشی أربعاً . و کان یسعی بطن المسیل اذا طاف بین الصفا والمروة . فقلت لنافع : أکان عبداللّٰه یمشی اذا بلغ الرکن الیمانی؟ قال : لا ، الا أن یزاحم علی الرکن فانه کان لایدعه حتی یستلمه .[راجع : ۱۶۰۳]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب پہلا طواف کرتے تو "خب ثلاثاً و مشی أربعاء" تین چکروں میں آپ ﷺ رمل فرماتے اور چار میں عام طریقے سے چلتے، اور بطن میں یعنی میلین اخضرین میں سعی فرماتے یعنی دوڑتے "اذا طاف بین الصفا والمروة".

آگے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے کہا: کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رکنِ یمانی کے پاس پہنچتے تو چلتے تھے؟ یعنی حجر اسود سے لے کر رکنِ یمانی تک رمل ہے اس کے بعد عام لوگوں کے لئے تو رمل نہیں، کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رکنِ یمانی پر رمل ترک فرما دیتے تھے؟ "قال: لا، إلّا أن یزاحم علی الرکن" نافع نے کہا کہ وہ ترک نہیں فرماتے تھے الّا یہ کہ رکن کے پاس ہجوم ہو جائے اور ان کو استلام کا موقع نہ ملے، پھر وہ آہستہ چلتے تھے تا کہ استلام کر کے جائیں۔ "فإنه کان لا یدعه حتی یستلمه" بغیر استلام کے وہ نہیں چھوڑتے تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک رمل رکنِ یمانی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ رکنِ یمانی کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور بہت سے فقہاء حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بہت سے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ رمل رکنِ یمانی پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جو پہلے گذر چکی ہے "وأن یمشوا ما بین الرکنین".

۱۶۴۵ ۔ حدثنا علی بن عبداللّٰه : حدثنا سفیان ، عن عمرو بن دینار قال : سألنا ابن عمر رضی اللّٰه عنهما عن رجل طاف بالبیت فی عمرة ولم یطف بین الصفا والمروة ، أیأتی امرأته ؟ قال : قدم النبی ﷺ فطاف بالبیت سبعا ، وصلی خلف المقام رکعتین ، وطاف بین الصفا والمروة سبعا ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب : ۲۱] .[راجع : ۳۹۵]

۱۶۴۶ ۔ وسألنا جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما .فقال: لایقربنها حتی یطوف بین الصفا والمروة . [راجع : ۳۹۶]

۱۶۴۷ ۔ حدثنا المکی بن ابراهیم ، عن ابن جریج قال : أخبرنی عمرو بن دینار قال : سمعت ابن عمر ﷺ قال : قدم النبی ﷺ مکة فطاف بالبیت ثم صلی رکعتین ، ثم سعی بین الصفا و المروة . ثم تلا ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ۲۱].[راجع : ۳۹۵]

عمرہ کی ادائیگی میں سعی سے پہلے مجامعت کا حکم

کیا اس حالت میں جبکہ کوئی آدمی طواف کر چکا ہے ابھی سعی نہیں کی اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے یعنی اگر کوئی آدمی اتنا جلد باز ہو کہ اس کو سعی کرنے کا بھی انتظار نہ ہو اور طواف کر کے ہی مجامعت کرنا چاہتا ہے آیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ عمرو بن دینار نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا انہوں نے کہا کہ اس کے قریب بھی نہ جائے جب تک کہ صفا و مروہ کی سعی نہ کر لے چنانچہ اس بات پر تمام فقہاء متفق ہے کہ عمرہ کی تکمیل سے مجامعت جائز نہیں۔[۱۰۹]

۱۶۴۸ ۔ حدثنا أحمد بن محمّد : أخبرنا عبدالله :أخبرنا عاصم قال : قلت لأنس بن مالک ﷺ : أکنتم تکرهون السعي بین الصفا والمروة ؟ قال : نعم . لأنها کانت من شعائر الجاهلية حتى أنزل الله ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [البقرة : ۱۵۸] .[أنظر : ۴۴۹۶]

حضرت انس ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو ناپسند کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں، اسلئے کہ جاہلیت کے شعائر میں سے تھا، کیونکہ وہاں اساف اور نائلہ کے بت رکھے تھے، یہاں تک اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''صفا اور مروہ اللہ ﷻ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جس نے خانہ کعبہ کا حج کیا یا عمرہ کیا تو اس پر ان دونوں کے طواف میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

۱۶۴۹ ــ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا سفيان ، عن عمرو بن دينار ، عن عطاء ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : انما سعی رسول الله ﷺ بالبيت وبين الصفا والمروة ليری المشرکين قوته . زاد الحميدي : حدثنا سفيان : حدثنا عمرو قال : سمعت عطاء ، عن ابن عباس مثله . [أنظر : ۴۲۵۷]

ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے طواف اور صفا و مروہ کے درمیان اس لئے دوڑے کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں۔ طواف کے بارے میں تو یہ بات متفق علیہ ہے کہ رمل کی ابتدا اسی لئے ہوئی تھی۔ البتہ سعی کے دوران بطنِ وادی میں دوڑنے کی یہ وجہ صرف حضرت ابن عباس ﷺ سے منقول ہے۔ اس کے برخلاف خود انہی کی متصل حدیث کتاب الانبیاء میں آئے گی جس میں آنحضرت ﷺ سے اس کی یہ وجہ حضرت ابن عباس ﷺ نے ہی روایت کی ہے کہ حضرت ہاجرہ ﷺ یہاں دوڑی تھیں، لہٰذا حدیثِ باب میں خود وجہ بیان کی گئی ہے اس کی یہ توجیہ ممکن ہے دوڑنے کی ایک اضافی وجہ تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم

---

[۱۰۹] مسئلہ: ''طواف کے بعد نماز کا حکم'' کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: انعام الباری، ج:۳، ص:۱۱۶، کتاب الصلوٰۃ، رقم الحدیث:۳۹۵۔

(۸۱) باب : تقضي الحائض المناسک کلها إلا الطواف بالبیت. وإذا سعی علی غیر وضؤ بین الصفا و المروة

حائضہ خانہ کعبہ کے طواف کے سوا تمام ارکان بجالائے اور جب صفا مروہ کے درمیان بغیر وضو کے سعی کرے

۱۶۵۰ - حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن عبدالرحمن بن القاسم، عن أبیہ ، عن عائشة رضی اللہ عنہا انہا قالت : قدمت مکة وأنا حائض ولم أطف بالبیت ولا بین الصفا والمروة . قالت: فشکوت ذلک الی رسول اللہ ﷺ ، قال : ((افعلی کما یفعل الحاج غیر أن لاتطوفی بالبیت حتی تطهری . [راجع : ۲۹۴]

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف طواف سے منع فرمایا باقی سارے کام کرنے کا حکم دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال فرمایا کہ بغیر طہارت کے اور بغیر وضو کے سعی کرنا جائز ہے اور حائضہ کے لئے بھی جائز ہے۔

آج کل اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر مسعیٰ مسجد حرام کا حصہ بن چکا ہے اس لئے اس میں حائضہ کا داخلہ جائز نہ ہونا چاہئے۔ اس کی تحقیق کے لئے بندے نے امامِ حرم شیخ عبداللہ بن سبیّل کو خط لکھ کر معلوم کیا کہ مسعیٰ کو مسجد حرام کا جزء بنا دیا گیا ہے یا نہیں؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ وہ چونکہ مستقل منسک ہے اس لئے اسے مسجد کا حصہ قرار نہیں دیا گیا۔ ان کے اس ارشاد کی بنا پر حائضہ وہاں داخل ہوسکتی ہے اور معتکف داخل نہیں ہوسکتا۔

"قالت یا رسول اللہ تنطلقون بحجة وعمرة وأنطلق بحج" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بار بار گذر چکا ہے اور آگے بھی آئے گا کہ ان کو مکہ مکرمہ پہنچ کر حیض آ گیا تھا جس کی بنا پر وہ طواف نہ کرسکی تھیں، باقی مناسک ادا کئے بعد میں عمرہ کیا۔

اب یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان زیر بحث آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا احرام کس نوعیت کا تھا؟ انہوں نے حیض آنے کے بعد احرام کھول دیا تھا یا باقی رکھا تھا؟ بعد میں جو عمرہ کیا تھا اس کی نوعیت کیا تھی؟ وہ نفلی عمرہ تھا یا قضاء کا تھا؟

اس بارے میں حنفیہ کا مؤقف یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمتع کا احرام باندھا تھا، مگر جب مکہ مکرمہ پہنچنے پر وہ عمرہ ادا کرنے سے معذور ہوگئیں تو آنحضرت ﷺ کی ہدایت پر انہوں نے اپنا احرام کھول دیا اور عمرہ کو نقض کر دیا جس کے نتیجے میں ان پر عمرہ کی قضاء بھی واجب ہوئی اور دم بھی آیا اور حج افراد کے طور پر مکہ مکرمہ سے ادا کیا۔

دوسری طرف شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ انہوں نے شروع میں افراد کا یا تمتع کا احرام باندھا تھا، جب حیض آیا تو انہوں نے اسے قران میں تبدیل کرلیا اور ان حضرات کے نزدیک چونکہ قران میں عمرہ کے لئے الگ طواف اور سعی کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ حج کا طواف اور سعی عمرہ کے لئے کافی ہوجاتا ہے اس لئے انہوں نے عمرہ نہیں کیا بلکہ جب پاک ہوکر طواف زیارت اور سعی کی تو اس میں عمرہ بھی ادا ہوگیا، لہٰذا بعد میں انہوں نے تنعیم سے جو عمرہ کیا وہ نفلی عمرہ تھا۔

جو حضرات ان کے احرام کو افراد کا کہتے ہیں ان کا مستدل وہ روایات ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ سے نکلتے وقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ **"لانری الا الحج"** جیسا کہ **"باب التمتع والقران والافراد بالحج"** میں بھی ہے اور آگے بھی آئیگا۔

لیکن اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ سے نکلتے وقت ذہن میں یہی خیال تھا کہ حج کرنے جارہی ہیں جیسے آج بھی خواہ کوئی تمتع کرے یا قران کرے، کہا یہی جاتا ہے کہ حج کرنے جارہا ہے، لیکن جب میقات پر پہنچ کر احرام کی نوعیت معین کرنے کا وقت آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ یعنی تمتع کا احرام باندھا۔

چنانچہ **"أبواب العمرة"** میں **"باب العمرة ليلة الحصبة"** کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آئیگی جس کے الفاظ یہ ہیں **"فمنا من أهل بعمرة ومنا من أهل بحج ، وكنت ممن أهل بعمرة"** اسی طرح پیچھے **"باب كيف يهل الحائض"** کے تحت ان کے الفاظ مروی ہیں کہ **"فأهللنا بعمرة"** لہٰذا صحیح یہ ہے کہ انہوں نے تمتع کا احرام باندھا تھا۔

اب ائمہ ثلاثہ میں سے جو حضرات تمتع تسلیم کرنے کے باوجود یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عمرہ کو فسخ نہیں کیا بلکہ قران کی نیت کرلی، ان کے خلاف حنفیہ کے پاس متعدد دلائل ہیں:

(۱) **"باب كيف تهل الحائض"** میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: **"انقضي رأسك وامتشطي وأهلي بالحج ودعي العمرة"** اور ابواب العمرۃ والی روایت میں **"ارفضي عمرتك"** آیا ہے، یہ الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ انہوں نے عمرہ فسخ کردیا تھا، نیز سر کھولنا اور کنگھی کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ احرام ختم کردیا گیا تھا، کیونکہ احرام میں اس عمل سے بال ٹوٹنے کے اندیشے کی بناپر پرہیز کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر عمرہ کا احرام فسخ کرنے کے بجائے اس کو قران میں تبدیل کرلیا گیا تھا تو حدیث باب میں حضرت عائشہ کے اس قول کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ **"تنطلقون بحجة وعمرة وانطلق بحج"** کیونکہ شافعیہ وغیرہ کے بقول حج کے افعال میں ان کا عمرہ بھی ادا ہوچکا تھا۔

(۳) ابواب العمرۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث آئی ہے اس میں تنعیم والے عمرے کے بارے میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ: **"فأهللت بعمرة مكان عمرتي"** جس سے صاف واضح ہے کہ

تنعیم والا عمرہ اس عمرے کے بدلے میں اور اس کی قضاء کے طور پر تھا جو انہوں نے فسخ کر دیا تھا، نیز "**باب طواف القارن**" کے تحت آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: "**هذه مكان عمرتک**" اس سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے۔

(۴) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دوسری ازواج کی طرف سے ایک گائے قربان کی تھی جس کے بارے میں ابوداؤد میں صراحت ہے کہ یہ ان ازواج کی طرف سے تھی جنہوں نے عمرہ کیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے الگ گائے قربان کی تھی اور یہ بظاہر فسخ عمرہ کی جزاء تھی۔

چنانچہ مسند ابوحنیفہ میں دو طریقوں سے مروی ہے "**عن عائشة ان النبی ﷺ أمر لرفضها العمرة دماً**" اور حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اعلاء السنن میں اس روایت کو قابل استدلال قرار دیا ہے۔[۱۰،۱۱]

۱۶۵۱ ۔ حدثنا محمد بن المثنى : حدثنا عبدالوهاب . ح ؛

وقال لي خليفة : حدثنا عبدالوهاب : حدثنا حبيب المعلم ، عن عطاء عن جابر ابن عبدالله رضي الله عنهما قال : أهل النبي ﷺ هو و أصحابه بالحج . وليس مع أحد منهم هدى غير النبي ﷺ وطلحة . وقدم علي من اليمن ومعه هدى فقال: أهللت بما أهل به النبي ﷺ . فأمر النبي ﷺ أصحابه أن يجعلوها عمرة ويطوفوا . ثم يقصروا ويحلوا، الا من كان معه الهدى . فقالوا : ننطلق الي منىً وذكر أحدنا يقطر منياً؟ فبلغ ذلک النبي ﷺ فقال : ((لو استقبلت من أمري ماستدبرت ما اهديت ولولا ان معي الهدى لأحللت)).

وحاضت عائشة رضي الله عنها فنسكت المناسک كلها غير أنها لم تطف بالبيت ، فلما طهرت طافت بالبيت . قالت : يارسول الله ، تنطلقون بحجة وعمرة وانطلق بحج . فأمر عبدالرحمن بن أبي بكر أن يخرج معها الى التنعيم فاعتمرت بعد الحج . [راجع : ۱۵۵۷]

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے حج کا احرام باندھا اور ان میں سے کسی کے پاس سوائے نبی ﷺ اور طلحہ کے ہدی کا جانور نہ تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، یمن سے آئے، ان کے پاس ہدی کا جانور تھا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس چیز کا احرام باندھا ہے، جس کا نبی ﷺ نے باندھا

[۱۰] جامع المسانيد، ج: ۱، ص: ۵۴۹. و إعلاء السنن ، ج: ۱۰، ص: ۳۲۶۔

[۱۱] شرح فتح القدير ، ج :۳، ص: ۱۱۵ ، دار الفكر، بيروت ، وعمدة القارى ، ج :۷، ص: ۲۳۷، وباب اذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت ، ص: ۳۸۴، ۳۸۵.

ہے، اور نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس کو عمرہ بنالیں اور طواف کریں، پھر بال کتروائیں اور احرام سے باہر ہوجائیں گے، مگر وہ شخص جس کے پاس قربانی کا جانور ہو۔ لوگوں نے کہا کیا منیٰ کی طرف ہم لوگ اس حال میں جائیں کہ ہم میں سے کسی کے منی ٹپک رہی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا میری رائے پہلے سے وہ ہوجاتی، جواَب ہوئی ہے تو میں قربانی کا جانور نہ لاتا اور اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں احرام سے باہر ہوجاتا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آ گیا تو انہوں نے خانہ کعبہ کے طواف کے سوا تمام ارکان حج ادا کیے، جب وہ پاک ہوگئیں تو خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو حج اور عمرہ کر کے واپس ہورہے ہیں اور میں صرف حج کر کے واپس ہورہی ہوں، تو آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ مقام تنعیم کی طرف جانے کا حکم دیا تو انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا۔

۱۶۵۲ ۔ حدثنا مؤمل بن هشام ، حدثنا اسماعيل ، عن أيوب ، عن حفصة قالت : كنا نمنع عواتقنا أن يخرجن فقدمت امرأة فنزلت قصر بني خلف فحدثت ان اختها كانت تحت رجل من أصحاب رسول الله ﷺ ، قد غزا مع رسول الله ﷺ ثنتي عشرة غزوة ، وكانت أختي معه في ست غزوات ، قالت : كنا نداوي الكلمى ، ونقوم على المرضى . فسألت أختي رسول الله ﷺ فقالت : هل على احدانا بأس ان لم يكن لها جلباب أن لاتخرج ؟ فقال : ((لتلبسها صاحبتها من جلبابها ، ولتشهد الخير ودعوة المؤمنين . فلما قدمت أم عطية رضي الله عنها سألنها أو قال : سألناها فقالت وكانت لاتذكر رسول الله ﷺ أبداً الا قالت : بابي . قلنا : أسمعت رسول الله ﷺ يقول كذا وكذا؟ قالت : نعم ، بأبي . فقال:((لتخرج العواتق وذوات الخدور والحيض فشهدن الخير ودعوة المسلمين ، ويعتزل الحيض المصلى)). فقالت : الحائض؟ فقالت : أو ليس تشهد عرفة ؟ وتشهد كذا ؟ وتشهد كذا ؟ .[راجع : ۳۲۴]

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ ہم لوگ اپنی کنواری لڑکیوں کو باہر نکلنے سے منع کرتے تھے، ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اتری، اس نے بیان کیا کہ اس کی بہن رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کی بیوی تھی اور اس کے شوہر نے نبی ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات کئے تھے اور میری بہن چھ غزوات میں ساتھ تھی۔

اس نے بیان کیا کہ ہم لوگ زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی خبر گیری کرتے تھے، تو میری بہن نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا ہم میں سے کسی کیلئے کوئی حرج ہے کہ وہ باہر نہ نکلے، جب کہ اس کے پاس چادر نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی سہیلی اسے چادر اڑھادے اور نیک کام میں اور مسلمانوں کی دعوت میں شریک ہو۔

جب ام عطیہ آئیں تو میں نے ان سے پوچھا (یا یہ کہا کہ ہم نے ان سے پوچھا) اور وہ جب بھی نبی ﷺ کا نام لیتیں تو بابی کہتیں، میں نے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح اور ایسا ایسا کہتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اور بیان کیا کہ کنواری لڑکیاں اور پردے والیاں نکلیں یا یہ فرمایا کہ کنواری لڑکیاں اور پردے والیاں اور حائضہ عورتیں نکلیں اور نیک کام میں اور مسلمانوں کی دعوت میں شریک ہوں، لیکن حیض والی عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے علیحدہ رہیں، میں نے پوچھا کیا حیض والی عورتیں بھی شریک ہوں؟ انہوں نے فرمایا کیا یہ عرفہ اور فلاں فلاں مقامات میں حاضر نہیں ہوتیں؟

(۸۲) باب الإهلال من البطحاء وغيرها للمكي والحاج إذا خرج من منى،

اہل مکہ کے لئے بطحاء اور دوسرے مقامات سے احرام باندھنے کا بیان اور حج کرنے والا جب وہ منی کی طرف نکلے

تلبیہ پڑھنا یعنی احرام باندھنا مکہ کی سرزمین بطحاء سے یا کسی اور جگہ سے، "**للمكي**" مکہ کے رہنے والے کے لئے، یعنی مکی جب حج کرے گا تو وہیں مکہ سے احرام باندھے گا "**والحاج إذا خرج من منى**" اور وہ حاجی جو متمتع ہو کر آیا ہے وہ بھی جب مکہ مکرمہ سے منی کی طرف روانہ ہوگا تو حج کا احرام باندھے گا۔

یا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو حاجی مفرد یا قارن ہے وہ اگر چہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہے لیکن جب وہ مناسک حج کے لئے نکلے گا تو تلبیہ پڑھے گا اگر چہ اس کا احرام باقی ہے۔

"وسئل عطاء عن المجاور يلبي بالحج فقال: كان ابن عمر رضي الله عنهما يلبي يوم التروية اذا صلّى الظهر واستوى على راحلته. وقال عبدالملك، عن عطاء، عن جابر ﷺ: قدمنا مع النبي ﷺ فأحللنا حتى يوم التروية وجعلنا مكة بظهر لبينا بالحج. وقال أبو الزبير، عن جابر: أهللنا من البطحاء. وقال عبيد بن جريج لابن عمر رضي الله عنهما: رأتك اذا كنت بمكة أهل الناس اذا رأوا الهلال ولم تهل أنت حتى يوم التروية. فقال: لم أر النبي ﷺ يهل حتى تنبعث به راحلته".

مکی تلبیہ کب پڑھے

"**وسئل عطاء عن المجاور يلبي بالحج**" عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا، مجاور سے مراد ایسا شخص ہے جو مکہ میں مقیم ہو، کیا وہ حج کا تلبیہ پڑھے گا یعنی کیا اس کو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے تلبیہ پڑھنا چاہئے؟

حضرت عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا "**كان ابن عمر ﷺ يلبّي يوم التروية إذا صلى الظهر و**

استوی علی راحلته " عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں مقیم ہوتے تھے تو وہ یوم الترویہ میں تلبیہ پڑھتے تھے جب وہ ظہر کی نماز پڑھتے اور سواری پر سوار ہوتے۔

معلوم ہوا کہ مکی کو بھی منیٰ روانگی کے وقت تلبیہ پڑھنا چاہئے۔

"**وقال عبدالملک، عن عطاء، عن جابر** رضی اللہ عنہ **: قدمنا مع النبی** ﷺ **فاحللنا حتی یوم التروية وجعلنا مكة بظهر لبّينا بالحج**". جب ہم نے مکہ مکرمہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا تو حج کا تلبیہ پڑھا، معلوم ہوا کہ جاتے وقت تلبیہ پڑھنا چاہئے۔

"**وقال أبو الزبير، عن جابر: أهللنا من البطحاء**" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دوسری روایت میں یہ فرمایا کہ ہم نے بطحاء کے مقام پر تلبیہ پڑھا۔

"**وقال عبيد بن جريج لابن عمر** رضی اللہ عنہ" عبید بن جریج رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا "**رأيتک إذا كنت بمكة أهل الناس إذا رأوا الهلال ولم تهلّ أنت حتى يوم التروية**" میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں جب آپ مکہ میں ہوتے ہیں اور لوگ تو ہلال ذی الحجہ کو دیکھتے ہی تلبیہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور آپ جب تک یوم الترویہ نہیں آجاتا تلبیہ نہیں پڑھتے اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی سواری آپ ﷺ کو لے کر کھڑی نہ ہو جاتی۔

یہ نبی کریم ﷺ کے اس واقعہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں جب آپ ﷺ نے ذو الحلیفہ سے احرام باندھا تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ سے کبھی احرام نہیں باندھا، لیکن فرماتے ہیں کہ ذو الحلیفہ سے آپ ﷺ کے احرام باندھنے کے بعد جب آپ ﷺ کی سواری کھڑی ہوگئی تو پھر آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا، ذو الحلیفہ سے پہلے تلبیہ پڑھنا شروع نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ جب تک آدمی یوم الترویہ میں سفر حج کا ارادہ نہ کرلے اس سے پہلے تلبیہ پڑھنا سنت نہیں ہے، جو لوگ پہلے پڑھتے ہیں وہ کوئی سنت کا کام نہیں کرتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جب یوم الترویہ آجائے اور احرام باندھکر منیٰ جانے کا قصد کرلیا جائے تب تلبیہ پڑھے۔

مقصد

مکی اور وہ آفاقی جو عمرہ کر کے حلال ہو گیا ہے وہ اب احرام کہاں سے باندھے گا؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ سے باندھنا ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک حدود حرم سے کہیں سے باندھ لینا کافی ہے، باہر سے باندھنے پر دم واجب ہوگا، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر باہر سے بھی باندھے تو کوئی حرج نہیں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ شافعیہ پر رد فرماتے ہیں اور استدلال "**وجعلنا مكة بظهر**" سے

کرتے ہیں اس لئے کہ مکہ جب پشت پر ہوگا تو آدمی مکہ سے باہر ہی ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اہل مکہ کے لئے یوم الترویہ میں حدود حرم کے اندر تلبیہ پڑھنا مشروع ہے اور مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔[۱۲]

(۸۳) باب: أين يصلي الظهر يوم التروية ؟

آٹھویں ذی الحجہ کو آدمی ظہر کی نماز کہاں پڑھے؟

۱۶۵۳ ـ حدثني عبدالله بن محمد : حدثنا الاسحاق الأزرق : حدثنا سفيان ، عن عبدالعزيز بن رفيع ، قال : سألت أنس بن مالك ﷺ ، قلت : أخبرني بشيء عقلته عن رسول الله ﷺ ، أين صلى الظهر والعصر يوم التروية ؟ قال : بمنى . قلت : فأين صلى العصر يوم النفر ؟ قال : بالأبطح . ثم قال : افعل كما يفعل أمراؤك . [أنظر : ۱۶۵۴، ۱۷۶۳][۱۳]

۱۶۵۴ ـ حدثنا علي : سمع أبا بكر بن عياش : حدثنا عبدالعزيز : لقيت أنسا؛ ح. وحدثني اسماعيل بن أبان : حدثنا أبوبكر ، عن عبدالعزيز قال : خرجت الى منىً يوم التروية فلقيت أنسا ﷺ ذاهبا على حمار . فقلت أين صلى النبي ﷺ هذا اليوم الظهر ؟ فقال : أنظر حيث يصلي أمراؤك فصل . [راجع : ۱۶۵۳]

یعنی اگرچہ حضور ﷺ نے یوم الترویہ میں ظہر کی نماز منیٰ جا کر پڑھی تھی اور واپسی کے دن عصر کی نماز ابطح میں پڑھی تھی، اگر کوئی ایسا کر سکے تو بے شک افضل یہی ہے لیکن ایسا کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، اس لئے وہ کام کرو جو تمہارے امراء یعنی جو امیر حج کرے۔[۱۴]

---

[۱۲] ومذهب أبي حنيفة أن ميقات أهل مكة في الحج الحرم ، ومن المسجد أفضل، عمدة القاري ، ج : ۷،ص: ۲۴۱ .

[۱۳] وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب استحباب طواف الاقامة يوم النحر، رقم : ۲۳۰۸، وسنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء في الحجر الأسود ، رقم : ۸۸۷، وسنن النسائي ،كتاب مناسك الحج ، باب أين يصلي الامام الظهر يوم التروية ، رقم : ۲۹۴۷، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك ، باب الخروج الى منى ، رقم : ۱۶۲۳، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۵۳۷، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب كم صلاة يصلي بمنى حتى يغدى الى عرفات رقم : ۱۷۹۷ .

[۱۴] ومن سنة الحج أن يصلي الامام الظهر وما بعدها والفجر بمنىً ، ثم يغدون الى عرفة ، وقال المهلب : الناس في سعة من هذا يخرجون متى احبوا ويصلون حيث أمكنهم ، ولذلك قال أنس : صلى حيث يصلي أمراؤك ، والمستحب في ذلك ما فعله الشارع ، صلى الظهر والعصر بمنى، وهو قول مالك والثوري وأبي حنيفة والشافعي وأحمد واسحاق وأبي ثور .عمدة القاري ، ج : ۷ ، ص: ۲۴۴.

(۸۴) باب الصلاة بمنى

منیٰ میں نماز پڑھنے کا بیان

۱۶۵۵ ـ حدثنا ابراهيم بن المنذر : حدثنا ابن وهب : أخبرني يونس ، عن ابن شهاب قال : أخبرني عبيدالله بن عبدالله بن عمر ، عن أبيه قال : صلّى رسول الله ﷺ بمنى ركعتين ، وأبو بكر وعمر وعثمان صدراً من خلافته.[راجع : ۱۰۸۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے منی میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے شروع خلافت میں ایسا ہی کرتے تھے۔

۱۶۵۶ ـ حدثنا آدم: حدثنا شعبة عن أبي اسحاق الهمداني، عن حارثة بن وهب الخزاعي رضی اللہ عنہ قال :صلّى بنا النبي ﷺ ونحن أكثر ما كنا قط وآمنه بمنى ركعتين .[راجع : ۱۰۸۳]

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو منی میں دو رکعتیں پڑھائیں اور اس وقت ہمارا شمار سب وقتوں سے زیادہ تھا اور ہم اتنے بے ڈر یعنی مامون اور مطمئن کسی وقت میں نہ تھے۔

۱۶۵۷ ـ حدثنا قبيصة بن عقبة : حدثنا سفيان ، عن الأعمش ، عن ابراهيم ، عن عبدالرحمٰن بن يزيد ، عن عبدالله رضی اللہ عنہ قال : صليت مع النبي ﷺ ركعتين . ومع أبي بكر رضی اللہ عنہ ركعتين . ومع عمر رضی اللہ عنہ ركعتين . ثم تفرقت بكم الطرق ، فيا ليت حظي من أربع ركعتان متقبلتان . [راجع : ۱۰۸۴]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے منیٰ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی دو رکعتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی دو رکعتیں اور پھر ان کے بعد تم میں اختلاف ہو گیا کچھ لوگ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھتے اور کچھ چار رکعتیں پڑھنے لگے تو کاش ان چار رکعتوں کے بدلے مقبول دو رکعتیں نصیب ہوتیں۔

منیٰ میں قصر صلوٰۃ کا حکم

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں ہمیں چار رکعتیں نماز پڑھائی "**فقيل ذلك لعبد اللّٰه بن مسعود** رضی اللہ عنہ" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا "**فاسترجع**" تو انہوں نے "انا للہ" کہا اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں تھیں اور میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں تھیں اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں تھیں "**فليت حظي من أربع ركعات ركعتان متقبلتان**" تو کاش میرا حصہ بجائے چار رکعتوں کے دو قبول شدہ رکعتیں ہو جائیں، یعنی چار رکعتیں پڑھنا کوئی فضیلت کی بات نہیں، لیکن دو رکعتیں پڑھے

اور وہ قبول ہوں یہ ہے قابل فضیلت، ورنہ چار رکعتیں پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں، گویا انہوں نے حضرت عثمان ﷺ کی تردید فرمائی کہ انہوں نے چار رکعتیں کیوں پڑھیں۔

دراصل بات یہ تھی کہ حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنا گھر بنالیا تھا۔ تو ان کا مذہب یہ تھا کہ آدمی اگر کسی شہر میں اپنا گھر بنالے تو وہ بھی اس کے وطن کے حکم میں ہوجاتا ہے چاہے وہ وہاں پر نہ رہتا ہو۔ تو اگرچہ مستقل قیام مدینہ منورہ میں تھا، لیکن اپنا گھر چونکہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں بنالیا تھا، لہٰذا یہ جب مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو اتمام فرماتے اور اسی واسطے منیٰ میں بھی اتمام فرمایا۔ تو یہ ان کا اپنا مذہب بھی تھا اور اس کا اپنا عذر بھی تھا کہ انہوں نے وہاں جاکر گھر بنالیا تھا اور گھر بنانے کو وہ توطن کے قائم مقام سمجھتے تھے۔ ۱۵؎

ابن مسعودؓ کو یا تو یہ بات معلوم نہیں تھی یا وہ اس بات کے قائل تھے کہ صرف گھر بنالینے سے کوئی شہر وطن نہیں بن جاتا۔

چنانچہ حنفیہ کا بھی مذہب یہی ہے کہ محض گھر کہیں بنالیا تو اس سے وہ جگہ آدمی کا وطن نہیں بنتا جب تک کہ وہ توطن اختیار نہ کرے، یا توطن کی نیت نہ کرے، محض گھر بنالینا یہ کسی شہر کے وطن بننے کے لئے کافی نہیں ہے۔

اس حدیث سے امام مالکؒ وغیرہ نے اس بات پر استدلال بھی فرمایا ہے کہ حج کے دوران منیٰ وغیرہ میں جو قصر کیا جاتا ہے وہ سفر کی بنا پر نہیں، بلکہ مناسک حج کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا مقیم بھی قصر کرے گا۔

حنفیہ کے نزدیک یہ قصر سفر کی بنا پر ہے، لہٰذا مقیم قصر نہیں کرے گا۔ ۱۶؎

۱۵؎ وقال الزهری : انما صلی بمنی أربعا لأن الأعراب كانوا كثيرين فی ذلك العام ، فأحب أن يخبرهم بأن الصلاة أربع ، وروی معمر عن الزهری أن عثمان صلی بمنی أربعا لأنه جمع الاقامة بعد الحج ، وروی يونس عنه : لما اتخذ عثمان الأموال بالطائف ، وأراد أن يقيم بها صلی أربعا ، وروی مغيرة عن ابراهيم ، قال : صلی أربعا لأنه كان اتخذها وطنا . وقال البيهقی : وذلك مدخول لأنه لو كان اتمامه لهذا المعنی لما خفی ذلك علی سائر الصحابة ولما أنكروا عليه ترك السنة ، عمدة القاری ، ج : ۵، ص : ۳۷۷ .

۱۶؎ قال ابن بطال : اتفق العلماء علی أن الحاج القادم مكة يقصر الصلاة بها وبمنی وبسائر المشاهد لأنه عندهم فی سفر ، لأن مكة ليست دار أربعة الا لأهلها أو لمن أراد الاقامة بها ، وكان المهاجرون قد فرض عليهم ترك المقام بها ، فلذلك لم ينو رسول الله ﷺ الاقامة بها ولا بمنی ، قال : واختلف العلماء فی صلاة المكی بمنی ، فقال مالك : يتم بمكة ويقصر بمنی ، وكذلك أهل منی ، يتمون بمنی ويقصرون بمكة وعرفات . قال : وهذه المواضع مخصوصة بذلك لأن النبی ﷺ لما قصر بعرفة لم يميز من وراءه ، ولا قال لأهل مكة : أتموا ، وهذا موضع بيان . وممن روی عنه أن المكی يقصر بمنی ابن عمرو وسالم والقاسم ، وطاؤس ، وبه قال الأوزاعی واسحاق ، وقالوا : ان القصر سنة الموضع ، وانما يتم بمنی وعرفات من كان مقيما فيها . وقال أكثر أهل العلم ، منهم عطاء والزهری والثوری والكوفيون وأبو حنيفة وأصحابه والشافعی وأحمد وأبو ثور : لايقصر الصلاة أهل مكة بمنی وعرفات لانتفاء مسافة القصر . وقال الطحاوی : وليس الحج موجبا للقصر لأن أهل منی و عرفات اذا كانوا حجاجا أتموا ، وليس هو متعلقا بالموضع ، وانما هو متعلق بالسفر ، وأهل مكة مقيمون هناك لا يقصرون ، ولما كان المقيم لايقصر لو خرج الی منی كذلك الحاج . عمدة القاری ، ج : ۵، ص : ۳۷۵، ۳۷۶ .

(۸۵) باب صوم یوم عرفة

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا بیان

۱۶۵۸ ـ حدثنا علی بن عبداللہ : حدثنا سفیان ، عن الزهری : حدثنا سالم قال : سمعت عميراً مولى أم الفضل ، عن أم الفضل : شک الناس یوم عرفة فی صوم النبی ﷺ فبعث الی النبی ﷺ بشراب فشربه. [أنظر: ۱۶۶۱ ، ۱۹۸۸ ، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶] ۱۷

یوم عرفہ میں لوگوں کو یہ شک ہوگیا کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہے یا نہیں؟ میں نے آپ ﷺ کے پاس پانی بھیجا تو آپ ﷺ نے پی لیا، یعنی یہ ظاہر کردیا کہ روزہ نہیں ہے۔ لیکن مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں ارشاد نبوی ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ کو مٹا دیتا ہے، تو اس کو حالت اقامت پر محمول کرنے میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا ہے۔

لیکن حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہی ہے کہ حج کے موقع پر عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا افضل و بہتر ہے تاکہ اعمال حج اور ذکر واذکار میں ضعف نہ پیدا ہو، احناف کے نزدیک افطار افضل ہے، البتہ کسی کو قوت حاصل ہو اور ضعف نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے، کوئی کراہت نہیں۔ ۱۸

---

۱۷ وفی صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب استحباب الفطر للحاج بعرفات يوم عرفة ، رقم : ۱۸۹۴ ، وسنن أبی داؤد، كتاب الصوم ، باب فی صوم يوم عرفة بعرفة ، رقم : ۲۰۸۵ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حديث أم الفضل بن عباس وهی أخت ميمونة ، رقم : ۲۵۶۳۵، ۲۵۶۴۷ ، موطأ مالک ، كتاب الحج ، باب صيام يوم عرفة ، رقم : ۷۳۶.

۱۸ أن النبی ﷺ ، لم يصم يوم عرفة ؟ فان قلت : فی (صحيح مسلم) أن صومه يكفر سنتين ؟ قلت : هذا فی غير الحجيج، أما فی الحجيج فينبغی لهم أن لا يصوموا لئلا يضعفوا عن الدعاء ، وأعمال الحج اقتداء بالشارع ، وأطلق كثير من الشافعية كراهته ، وان كان الشخص بحيث لا يضعف بسبب الصوم فقط ، فقال المتولی : الأولى أن يصوم حيازة للفضيلة . قال صاحب (التوضيح) : ونسب غيره هذا الى المذهب وقال : الأولى عندنا لا يصوم بحال . وقال الرويانی فی (الحلية) : ان كان قويا ، وفی لاشتاء ، ولا يضعف بالضعف عن الدعاء ، فالصوم أفضل .وقال البيهقی فی (المعرفة) : قال الشافعی فی القديم : لو علم الرجل أن الصوم بعرفة لا يضعفه فصامه كان حسنا ، واختار الخطابی هذا. قال صاحب (التوضيح): ولمذهب عندنا استحباب الفطر مطلقا ، وبه قال الجمهور أصحابنا ، وصرحوا بأنه لا فرق . ولم يذكر الجمهور الكراهة ، بل قالوا: يستحب فطره ، كما قاله الشافعی ، ونقل الماوردی وغيره استحباب الفطر عن أكثر العلماء ، وحكى ابن المنذر عن جماعة منهم استحباب صومه ، وحكى صاحب البيان عن يحيى بن سعيد الأنصاری انه يجب عليه الفطر بعرفة . ... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

(۸۶) باب التلبية والتكبير اذا غدا من منى الى عرفة

جب صبح کو منیٰ سے عرفات کو روانہ ہو تو لبیک اور تکبیر کہنا

۱۶۵۹ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن محمد بن أبي بكر الثقفي أنه سأل أنس بن مالك ﷺ وهما غاديان من منى الى عرفة : كيف كنتم تصنعون في هذا اليوم مع رسول الله ﷺ ؟ فقال : كان يهل منا المهل فلا ينكر عليه ، ويكبر منّا المكبر فلا ينكر عليه .[راجع : ۹۷۰]

ترجمہ: محمد بن ابوبکر ثقفی نے حضرت انس ﷺ سے پوچھا وہ دونوں صبح کو منیٰ سے عرفات کی طرف جارہے تھے آپ لوگ آج کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہم میں سے کچھ لوگ ''لبیک'' کہتے تھے اس پر کوئی نکیر نہیں کرتا اور کچھ لوگ تکبیر کہنے والے ''تکبیر'' کہتے اس پر بھی کوئی نکیر نہیں کرتا تھا۔

مقصد امام بخاریؒ

چونکہ بعض روایات میں ''**لم يزل يلبي حتى رمى جمرة العقبة**'' ہے، تو اس سے ایہام ہوتا ہے کہ صرف تلبیہ پڑھنا چاہیئے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں ''**والتكبير**'' بڑھا کر اس وہم کو دور کر دیا اور حدیث ذکر کرکے بتلا دیا کہ عرفات جاتے وقت حاجی کو اختیار ہے کہ لبیک پکارے یا تکبیر کہے۔

(۸۷) باب التهجير بالرواح يوم عرفة

عرفہ کے دن دوپہر کے وقت عین گرمی میں روانہ ہونا

''**التهجير بالرواح**'' سے مراد وقوف عرفہ کے لئے نمرہ سے نکلنا۔ نمرہ وہ مقام ہے جہاں حجاج نویں

﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾ وقال ابن بطال : اختلف العلماء في صومه ، فقال ابن عمر لم يصمه رسول الله ﷺ ولا عمر ولا عثمان و أنا لا أصومه . وقال ابن عباس : يوم عرفة لا يصحبنا أحد يريد الصيام فانه يوم تكبير وأكل وشرب ، واختار مالك وأبوحنيفة والثوري الفطر ، وقال عطاء : من أفطر يوم عرفة ليتقوى به على الذكر كان له مثل أجر الصائم ، وكان ابن الزبير وعائشة ، ﷺ ، يصومان يوم عرفة ، وروى أيضاً عن عمر ، ﷺ ، وكان اسحاق يميل اليه ، وكان الحسن يعجبه صومه ويأمر به الحاج ، وقال : رأيت عثمان بعرفة في يوم شديد الحر صائما و هم يروحون عنه ، وكان أسامة بن زيد وعروة بن الزبير والقاسم ، ومحمد وسعيد بن جبير يصومون بعرفات. وقال قتادة : لابأس بذلك اذا لم يضعف عن الدعاء ، وبه قال الداودي . وقال الشافعي : أحب صيامه لغير الحاج ، أما من حج فأحب أن يفطر ليقويه على الدعاء ، وقال عطاء : أصومه في الشتاء ولا أصومه في الصيف. وفيه : أن الأكل والشرب في المحافل مباح ليبين معنى أودعت الصورة فيه . عمدة القاري ، ج : ۷ ، ص : ۲۴۸ .

تاریخ پہنچ کر ٹھہرتے ہیں، وہ حرم کی حد سے خارج عرفات سے متصل ہے۔

۱۶۶۰ - حدثنا عبداللّٰه بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن ابن شهاب ، عن سالم قال: كتب عبدالملك الى الحجاج أن لا تخالف ابن عمر في الحج . فجاء ابن عمر رضي اللّٰه عنهما وأنا معه يوم عرفة حين زالت الشمس . فصاح عند سرادق الحجاج ، فخرج وعليه ملحفة معصفرة فقال : مالك يا أبا عبدالرحمٰن ؟ فقال : الرواح ان كنت تريد السنة . قال: هذه الساعة ؟. قال : نعم . قال : فأنظرني حتى أفيض على رأسي ثم أخرج . فنزل حتى خرج الحجاج فسار بيني وبين أبي فقلت : أن كنت تريد السنة فاقصر الخطبة وعجل الوقوف . فجعل ينظر الى عبداللّٰه ، فلما رأى ذلك عبداللّٰه قال : صدق. [أنظر : ۱۶۶۲، ۱۶۶۳] ۹ال

حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو خط لکھا تھا کہ حج کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مخالفت نہ کرنا، **"فجاء ابن عمر وأنا معه يوم عرفة حين زالت الشمس"** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یوم عرفہ میں جب سورج زائل ہوا اس وقت آئے اور میں ان کے ساتھ تھا، **"فصاح عند سرادق الحجّاج"** انہوں نے حجاج کے خیمے کے پاس آواز لگائی، سرادق خیمے کو کہتے ہیں۔

"فخرج وعليه ملحفة معصفرة" وہ باہر نکل آیا، اس کے اوپر ایک چادر تھی جو عصفر سے رنگی ہوئی تھی۔ **"فقال :مالك يا أبا عبدالرحمن؟"** حجاج نے پوچھا اے عبدالرحمٰن کیا قصہ ہے؟

فقال: "الرواح إن كنت تريد السنة" فرمایا اگر تم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہو تو جانے کا وقت آگیا ہے، یعنی وقوف عرفہ کے لئے جانے کا وقت آگیا ہے۔

"قال :هذه الساعة ؟" کہا: کیا اس وقت دوپہر میں؟ **قال: "نعم"** کہا جی ہاں، سنت کا وقت یہی ہے۔

قال: "فانظرني حتى أفيض على رأسي ثم اخرج" اس نے کہا مجھے تھوڑی سی مہلت دو میں جا کر اپنے سر پر پانی ڈال کر آؤں یعنی غسل کر لوں پھر جاتا ہوں **"فنزل حتى خرج الحجاج"** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری سے اُتر گئے یہاں تک کہ حجاج بن یوسف نکل آیا، **"فسار بيني وبين أبي"** وہ میرے اور میرے والد کے درمیان چلنے لگا، **"قلت"** حضرت سالم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجاج سے کہا

۹ال وفي سنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب الرواح يوم عرفة ، رقم : ۲۹۵۵ ، موطأ مالك ، كتاب الحج ، باب الصلاة في البيت وقصر الصلاة وتعجيل الخطبة بعرفة ، رقم : ۷۹۴.

"**ان كنت تريد السنة فاقصر الحطبه وعجّل الوقوف**" اگر سنت پر عمل کرنے کا ارادہ ہے تو خطبہ مختصر کرنا اور وقوف میں جلدی کرنا۔

حجاج خطیب آدمی تھا، خطبہ بہت لمبا کیا کرتا تھا اس لئے حضرت سالمؒ نے کہا کہ خطبہ مختصر کرنا، "**فجعل ينظر إلى عبدالله**" حجاج حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا کہ میں یہ بات ٹھیک کہہ رہا ہوں یا غلط؟ "**فلما رأى ذالك عبدالله قال: صدق**" عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا تو فرمایا سالمؒ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

(۸۸) باب الوقوف على الدابة بعرفة

عرفہ میں سواری پر وقوف کرنے کا بیان

۱۶۶۱ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالک، عن أبي النضر، عن عمير مولى عبدالله بن العباس، عن أم الفضل بنت الحارث: ان أناسا اختلفوا عندها يوم عرفة في صوم النبي ﷺ فقال بعضهم: هو صائم. وقال بعضهم: ليس بصائم. فأرسلت اليه بقدح لبن وهو واقف على بعيره فشربه. [راجع: ۱۶۵۸]

ترجمہ: ام فضل بنت حارث سے روایت ہے کہ کچھ لوگ جو ام فضل کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، عرفہ کے دن نبی ﷺ کے روزے کے متعلق اختلاف کیا، بعض نے بیان کیا کہ آپ ﷺ روزہ رکھے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا آپ ﷺ روزے سے نہیں ہیں، تو میں نے آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ دودھ کا بھیجا اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، تو آپ ﷺ نے اس کو پی لیا۔

مقصدِ امام بخاریؒ

سنن ابی داؤد کی ایک حدیث میں دواب یعنی سواریوں کو "منابر" بنانے سے منع کیا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی لمبی بات کرنے کی ضرورت ہو تو اتر کرو۔[۱۲۰]

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وقوف بعرفہ اس نہی سے مستثنیٰ ہے۔[۱۲۱]

---

[۱۲۰] سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الوقوف على الدابة، رقم: ۲۵۶۷، ج: ۳، ص: ۲۷، دار الفكر.

[۱۲۱،۱۲۲] واختلف أهل العلم أن الركوب أفضل أو تركه بعرفة؟ فذهب الجمهور الى أن الركوب أفضل لكونه ؑ وقف راكباً، ولأن في الركوب عونا على الاجتهاد في الدعاء و التضرع المطلوب هناک وفيه قوة، وهو مااختاره مالک والشافعي، وعنه قول: انهما سواء. وفيه: أن الوقوف على ظهر الدابة مباح اذا كان بالمعروف ولم يجحف بالدابة، والنهي الوارد: ((لا تتخذوا ظهورها منابر))، محمول على الأغلب الأكثر بدليل هذا الحديث، عمدة القارى، ج: ۷، ص: ۲۵۲، ۲۵۳، وفتح البارى، ج: ۳، ص: ۵۱۳.

مسئلہ

اس میں اختلاف ہے کہ افضل وقوف علی الاقدام ہے یا علی الدابہ؟

جمہور ائمہ کے نزدیک وقوف علی الدابہ افضل ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی اتباع ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور ائمہ کی تائید وموافقت کی ہے۔[۱۲۲]

(۸۹) باب الجمع بين الصلاتين بعرفة

عرفات میں جمع بین الصلاتین کا بیان

"فكان ابن عمر رضى الله عنهما إذا فاتته الصلاة مع الإمام جمع بينهما".

۱۶۶۲ ۔ وقال الليث : حدثني عقيل ، عن ابن شهاب قال : أخبرني سالم ان الحجاج بن يوسف عام نزل بابن الزبير رضى الله عنهما سأل عبدالله : كيف تصنع في الموقف يوم عرفة ؟ فقال سالم : ان كنت تريد السنة فهجر بالصلاة يوم عرفة . فقال عبدالله بن عمر: صدق ، انهم كانوا يجمعون بين الظهر و العصر في السنة . فقلت لسالم : أفعل ذلك رسول الله ﷺ ؟ فقال سالم: و هل تتبعون في ذلك الاسنته. [راجع : ۱۶۶۰]

ترجمہ: سالم نے بیان کیا کہ حجاج بن یوسف جس سال حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے لڑنے کے لئے مکہ اترا تو حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے پوچھا عرفہ کے دن موقف ٹھہرنے کی جگہ میں کیا کروں؟

سالم نے کہا اگر تو سنت پر عمل کرنا چاہتے ہو تو عرفہ کے دن سورج ڈھلتے ہی نماز پڑھ لے۔ عبداللہ بن عمر ؓ نے کہا کہ سالم نے سچ کہا ہے، صحابہ کرام ؓ سنت کے مطابق ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھتے تھے۔

زہری کہتے ہیں کہ میں نے سالم سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے؟ تو سالم نے کہا تم لوگ اس مسئلے میں حضور ﷺ اقدس ہی کی سنت کی پیروی کرتے ہو۔

تشریح

حج کے موقع پر دو مرتبہ جمع بین الصلاتین مشروع ہے:

ایک عرفات میں جمع بین الظہر والعصر جمع تقدیم ہے۔

دوسرے جمع بین المغرب والعشاء جمع تاخیر ہے۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ جمع بین الصلاۃ نسکی ہے یا سفری ہے؟ یعنی جمع بسبب "سفر" اور جمع بسبب "نسک"۔ امام مالک، امام اوزاعی اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک جمع نسک ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ یہ جمع سفر ہے، لہٰذا مکی جمع نہیں کرے گا۔

اختلاف ائمہ

عرفہ میں جو دو نمازیں ظہر اور عصر، ظہر کے وقت میں جمع کی جاتی ہیں تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے، یعنی اگر امام کے ساتھ پڑھیں تو جمع بین الصلاتین کریں گے اور اگر امام کے ساتھ نہیں پڑھ رہے ہیں، اپنے اپنے خیمے میں پڑھ رہے ہیں تو پھر جمع بین الصلاتین درست نہیں، ظہر اور عصر کی نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں پڑھیں گے، یہی مسلک ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کا ہے۔[۱۲۳]

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کر رہے ہیں اور یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کر رہے ہیں کہ اگر ان کی جماعت چھوٹ جاتی تو وہ اپنے خیمے کے اندر بھی جمع بین الصلاتین کرتے تھے اور یہی مسلک امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور صاحبین رحمہم اللہ کا ہے۔[۱۲۴]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ چونکہ یہ جمع تقدیم ہے یعنی عصر کی نماز مقدم کر کے پڑھی جاتی ہے، لہٰذا یہ پوری طرح خلافِ قیاس ہے، جب خلافِ قیاس ہے تو اپنے مورد پر منحصر رہے گی اور مورد اس کا امام کے ساتھ ہے، لہٰذا اگر امام کے ساتھ نہیں ہے تو جائز نہیں ہے۔

لیکن اس کی تائید میں کوئی اثر یا کوئی قول مجھے نہیں ملا، زیادہ تر صحابۂ کرام ﷺ اور تابعین کا اثر یہ ہے کہ وہ خیمہ میں بھی اور امام کے ساتھ بھی جمع بین الصلوٰتین کرتے تھے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے موطأ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عطاء بن ابی رباح اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول بھی بلاغاً جمہور کے مطابق نقل کیا ہے۔[۱۲۵]

---

[۱۲۳] فتح الباری، ج :۳، ص: ۵۱۳، و عمدة القاری، ج : ۷، ص : ۲۵۳.

[۱۲۴] وبهذا الجمهور، وخالفهم في ذلك النخعي والثوري، وأبو حنيفة فقالوا: يختص الجمع بمن صلى مع الامام، وخالف أباحنيفة في ذلك صاحباه والطحاوي، ومن أقوى الأدلة لهم صنيع ابن عمر هذا، وقد روى حديث جمع النبي ﷺ بين [illegible] ين وكان مع ذلك يجمع وحده فدل على أنه عرف أن الجمع لايختص بالامام، ومن قواعدهم أن الصحابي اذا [illegible] ماروى على أن عنده بأن مخالفه أرجح تحسينا للظن به فينبغي أن يقال هذا هنا، وهوذا في الصلاة بعرفة، واللفظ في : فتح الباري، ج :۳، ص: ۵۱۴، وحكى العيني في : عمدة القاري، ج : ۷، ص :۲۵۳.

[۱۲۵] فان فيه الجمع بين الصلاتين و هذا تعليق و صله ابراهيم الحربي في (المناسك) له قال : حدثنا الحوضي عن همام أن نافعاً حدثه أن ابن عمر كان اذا لم يدرك الامام يوم عرفة جمع بين الظهر و العصر في منزله، عمدة القاري، ج : ۷، ص: ۲۵۳.

(۹۰) باب قصر الخطبة بعرفة

عرفہ میں خطبہ مختصر پڑھنے کا بیان

۱۶۶۳ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة : أخبرنا مالک ، عن ابن شهاب ، عن سالم بن عبدالله : ان عبدالملک بن مروان كتب الى الحجاج ان يأتم بعبدالله بن عمر فى الحج، فلما كان يوم عرفة ، جاء ابن عمر رضى الله عنهما و أنا معه حين زاغت الشمس أو زالت ، فصاح عند فسطاطه : أين هذا ؟ فخرج اليه فقال ابن عمر: الرواح ، فقال : الآن ؟ قال : نعم. قال : أنظرني أفيض على ماء . فنزل ابن عمر رضى الله عنهما حتى خرج الحجاج فسار بيني وبين أبى . فقلت : ان كنت تريد أن تصيب السنة اليوم فاقصر الخطبة وعجل الوقوف. فقال ابن عمر : صدق . [راجع : ۱۶۶۰]

ترجمہ: عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا کہ حج میں عبداللہ بن عمرؓ کی اقتداء کرے۔ جب عرفہ کا دن آیا تو حضرت ابن عمرؓ اس وقت آئے جب آفتاب ڈھل چکا تھا اور میں بھی اس کے ساتھ تھا، حضرت ابن عمرؓ حجاج کے خیمے کے پاس آئے اور بلند آواز سے کہا حجاج کہاں ہے؟ حجاج باہر آیا تو ابن عمرؓ نے فرمایا روانہ ہونا ہے، اس نے کہا ابھی؟ آپؓ نے فرمایا ہاں! اس نے کہا مجھے اتنا موقع دیجئے کہ سر پر پانی بہالوں، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سواری سے اتر پڑے، یہاں تک کہ حجاج باہر آیا اور میرے اور میرے والد کے درمیان چلا، میں نے کہا اگر تو آج سنت کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو خطبہ مختصر کر اور وقوف میں جلدی کر، ابن عمرؓ نے کہا اس نے ٹھیک کہا۔

"ان كنت تريد أن تصيب السنة اليوم فاقصر الخطبة وعجل الوقوف".

امام بخاری رحمہ اللہ نے تقصیر خطبہ کا باب باندھ کر تنبیہ فرمارہے ہیں کہ طویل خطبہ اور لمبی تقریروں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

باب التعجيل إلى الموقف

موقف کی طرف (یعنی عرفات میں) جلدی جانے کا بیان

"قال أبو عبدالله يزاد فى هذا الباب هم هذا الحديث حديث مالک عن ابن شهاب ولكني اريد أن أدخل فيه غير معاد".

''ابو عبداللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا اس باب میں یہ حدیث مالک عن ابن شہاب والی حدیث زیادہ کی جاسکتی ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس میں غیر مکرر حدیث ذکر کروں''۔

یہ باب قائم کیا ہے کہ وقوف عرفہ کے لئے موقف میں جلدی جانا چاہئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"یزاد فی هذا الباب"** اس باب میں بھی وہی حدیث یعنی حجاج والی زیادہ کی جاسکتی ہے کیونکہ اس میں سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ جلدی وقوف کرنا۔

یہاں **"هم"** فارسی کا لفظ امام بخاری رحمہ اللہ کے قلم سے نکل گیا ہے، عربی میں اس کا کوئی جواز نہیں بنتا، فارسی میں "بھی" کا معنی دیتا ہے۔

بعض نسخوں میں **"هم"** نہیں ہے بلکہ یہ ہے **"ولكنى أريد أن أدخل فيه غير معاد"** لیکن میرا ارادہ یہ ہے کہ میں اس میں کوئی حدیث مکرر نہ لاؤں، جو حدیث ایک بار آجائے اس کو دوبارہ نہ لاؤں۔

بظاہر جو احادیث مکرر نظر آتی ہیں حقیقت میں وہ مکرر نہیں ہیں، سند یا متن میں کوئی نہ کوئی تغیر ہوتا ہے، بعینہ اسی سند اور متن کے ساتھ کوئی حدیث میری کتاب صحیح بخاری میں نہیں آئی، اگر میں اس کو لاؤں تو اسی سند اور متن کے ساتھ لانا پڑے گا اور یہ میری عادت کے خلاف ہوگا، لہٰذا وہ حدیث اگرچہ اس کتاب میں آسکتی ہے لیکن میں اپنی عادت کے خلاف نہیں کروں گا، اس لئے نہیں لاؤں گا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بائیس احادیث واقعی مکرر ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں جو مکرر ہیں، شاذ ہیں، بعض نے اس کی توجیہ بھی بیان کی ہے۔

(۹۱) باب الوقوف بعرفة

عرفات میں ٹھہرنے کا بیان

۱۶۶۴ ــ حدثنا علی بن عبداللہ : حدثنا سفيان : حدثنا عمرو : حدثنا محمد بن جبير بن معطم عن أبيه قال : كنت أطلب بعيرا لى ح ؛

وحدثنا مسدد : حدثنا سفيان ، عن عمرو : سمع محمد بن جير بن معطم عن أبيه جبير بن معطم قال : أضللت بعيراً فذهبت أطلبه يوم عرفة فرأيت النبى ﷺ واقفاً بعرفة فقلت . هذا والله من الحمس ، فما شأنه هٰهنا ؟ .[۱۲۶]

جبیر بن مطعم ؓ کہتے ہیں کہ میرا اونٹ گم ہوگیا تھا، میں عرفہ کے دن اس کو تلاش کرنے کے لئے نکلا تو دیکھا کہ آپ ﷺ عرفہ میں وقوف فرمارہے ہیں، میں نے کہا **"هذا والله من الحمس"**، حضور ﷺ تو حمس

[۱۲۶] وفى صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب فى الوقوف ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس ، رقم : ۲۱۴۲، وسنن النسائى ، كتاب مناسک الحج ، باب رفع اليدين فى الدعاء بعرفة ، رقم : ۲۹۶۳، ومسند أحمد ، اول مسند المدنيين أجمعين ، باب حديث جبير ابن معطم ، رقم : ۱۶۱۳۷، ۱۶۱۷۵، وسنن الدارمى ، كتاب المناسک ، باب الوقوف بعرفة ، رقم : ۱۸۰۳.

میں سے ہیں **"فما شانہ ھٰھنا؟"** یہاں کیوں کھڑے ہیں۔

"حُمس، احمس" کی جمع ہے۔ قریش کے چند قبائل اپنے آپ کو حُمس کہتے تھے، یہ اپنے آپ کو کعبہ کا مجاور کہتے تھے اور اپنے اوپر کچھ احکام خاص کر رکھے تھے۔ ایک حکم یہ بھی خاص کر رکھا تھا کہ کیونکہ ہم بیت اللہ کے مجاور ہیں، لہٰذا جب ہم حج کے لئے جائیں گے تو حدودِ حرم سے نہیں نکلیں گے۔

عرفات چونکہ حدودِ حرم سے باہر ہے اس لئے اور لوگ تو عرفات میں وقوف کرتے تھے لیکن یہ لوگ یعنی حُمس، مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس حکم کو ختم کر دیا ہے، اب اللہ جل جلالہ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے، **"ثم أفیضوا من حیث أفاض الناس"**.

۱۶۶۵ ـ حدثنا فروة بن أبی المغراء : حدثنا علی بن مسهر، عن هشام بن عروة، قال عروة : كان الناس يطوفون فی الجاهلية عراة الا الحمس . والحمس قريش وما ولدت. وكانت الحمس يحتسبون على الناس، يعطی الرجلِ الرجل الثياب يطوف فيها، وتعطی المرأة المرأة الثياب تطوف فيها. فمن لم تعطه الحمس طاف بالبيت عريانا. وكان يفيض جماعة الناس من عرفات، وتفيض الحمس من جمع. قال : فأخبرنی أبی، عن عائشة رضی الله عنها ان هذه الآية نزلت فی الحمس ﴿ ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ﴾ [البقرة : ۱۹۹] قال : كانوا يفيضون من جمع فدفعوا الى عرفات. [أنظر : ۴۵۲۰]. ۱۲۷

وقوف عرفہ رکن عظیم ہے

عروۃ کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے سوائے حُمس کے، یہ کہتے تھے کہ حمس کے لئے تو کپڑوں میں طواف کرنا جائز ہے اور جو حمس نہیں ہیں وہ اپنے کپڑوں میں طواف نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اگر طواف کرنے آئے تو حمس میں سے کسی سے کپڑے مستعار لے کر ان میں طواف کرتے تھے لیکن اگر نہیں ملتے تو ننگے ہی طواف کر لیا کرتے تھے۔

---

۱۲۷ وفی صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فی الوقوف ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس، رقم : ۲۱۴۱، وسنن الترمذی، كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء فی الوقوف بعرفات والدعاء بها، رقم : ۸۱۰، وسنن النسائی، كتاب مناسك الحج، باب رفع اليدين فی الدعاء بعرفة، رقم ۲۹۶۳، وسنن أبی داؤد، كتاب المناسك، باب الوقوف بعرفة، رقم : ۱۶۳۱.

"والحمس قريش وما ولدت" حُمس قریش اوران کی اولاد کو کہتے ہیں، **"وكانت الحمس يحتبسون على الناس"** اورحمس لوگوں کے اوپر ثواب حاصل کیا کرتے تھے یعنی ایک شخص دوسرے کو کپڑے دے دیا کرتا تھا تا کہ اس میں طواف کرے **"وتعطى المرأة المرأة الثياب تطوف فيها"** اور عورت، عورت کو طواف کے لئے کپڑے دیا کرتی تھی، **"فمن لم تعطه الحمس طاف بالبيت عريانا"** جس کو حمس کپڑے نہ دیں تو وہ مجرد ہو کر طواف کیا کرتا تھا، **"وكان يفيض جماعة الناس من عرفات"** اور لوگ عرفات سے افاضہ کرتے تھے، **"ويفيض الحمس من الجمع"** اور یہ جمع سے کرتے تھے، جمع کے معنی مزدلفہ کے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہین کہ آیت **"ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس"** حمس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مطلب یہ ہے کہ تم بھی وہیں سے افاضہ کرو، جہاں سے عام لوگ افاضہ کررہے ہیں یعنی عرفہ سے۔

مسئلہ: امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وقوف عرفہ ارکان حج میں سے عظیم ترین رکن ہے، وقوف عرفہ کے بغیر حج نہیں ہوگا۔

(۹۲) باب السير اذا دفع من عرفة

عرفات سے لوٹتے وقت چلنے کا بیان

۱۶۶۶ - حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه أنه قال : سئل أسامة وأنا جالس : كيف كان رسول الله ﷺ يسير في حجة الوداع حين دفع ؟ قال : كان يسير العنق ، فاذا وجد فجوة نص .

قال هشام : و النص فوق العنق . فجوة : متسع ، و الجميع فجوات و فجاء . و كذلك ركوة وركاء . ﴿مَنَاص﴾ [ص:٣] : ليس حين فرار . [أنظر: ٢٩٩٩، ٤٤١٣]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضرت اسامہ ؓ سے پوچھا گیا اور میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جب حجۃ الوداع میں عرفات سے چلے تو کس رفتار سے چل رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ متوسط چال سے اور جب کشادگی پاتے یعنی ہجوم نہ ہوتا تو تیز دوڑتے۔

ہشام نے کہا نص عنق سے اوپر ہے یعنی ''نص'' تیز چلنے کو کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ''فجوۃ'' کے معنی کشادہ جگہ، اس کی جمع ''فجوات'' اور ''فجاء'' ہے اور اسی طرح ''رکوۃ'' مفرد اور ''رکاء'' جمع ہے، اور سورہ ص میں جو ''مناص'' کا لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں فرار، بھاگنا۔

(۹۳) باب النزول بين عرفة وجمع

عرفات اور مزدلفہ کے درمیان نزول کا بیان

۱۶۶۷ - حدثنا مسدد : حدثنا حماد بن زيد ، عن يحيى بن سعيد ، عن موسى بن عقبة ، عن كريب مولى ابن عباس ، عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما : أن النبي ﷺ حيث أفاض من عرفة مال الى الشعب فقضى حاجته فتوضأ. فقلت : يارسول الله ، أتصلي؟ فقال : ((الصلاة أمامک)) .[راجع : ۱۳۹]

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب عرفات سے لوٹے یعنی مزدلفہ جاتے ہوئے راستے میں تو ایک گھاٹی کی طرف مڑے اور اپنی حاجت پوری کی اور وضو کیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ نماز مغرب پڑھیں گے؟ فرمایا نماز تمہارے آگے یعنی مزدلفہ میں ہے۔

۱۶۶۸ - حدثنا موسى بن اسماعيل : حدثنا جويرية ، عن نافع قال : كان عبدالله بن عمر يجمع بين المغرب والعشاء بجمع . غير أنه يمر بالشعب الذي أخذه رسول الله ﷺ فيدخل فينتفض ويتوضأ ، ولا يصلي حتى يصلي بجمع. [راجع : ۱۰۹۱]

ترجمہ: حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ مزدلفہ میں آکر مغرب اور عشاء ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور وہ راستے میں اس گھاٹی میں بھی جاتے جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تھے، اور وہاں جاتے اور قضاء حاجت کرتے اور وضوء کرتے اور نماز نہیں پڑھتے نماز جمع یعنی مزدلفہ میں آکر پڑھتے۔

۱۶۶۹ - حدثنا قتيبة : حدثنا اسماعيل بن جعفر ، عن محمد بن أبي حرملة ، عن كريب مولى ابن عباس ، عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما ، أنه قال : ردفت رسول الله ﷺ من عرفات . فلما بلغ رسول الله ﷺ الشعب الأيسر الذي دون المزدلفة أناخ فبال ، ثم جاء فصببت عليه الوضوء ، فتوضأ وضوءاً خفيفاً. فقلت الصلاة يارسول الله .قال : ((الصلاة أمامک)) . فركب رسول الله ﷺ حتى أتى المزدلفة فصلى ثم ردف الفضل رسول الله ﷺ غداة جمع . [راجع : ۱۳۹]

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید ﷺ نے فرمایا کہ میں عرفات کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھا، جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ کے قریب پہاڑ کی بائیں گھاٹی پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور پیشاب کیا پھر آئے ، میں نے وضو کا پانی آپ ﷺ پر بہایا آپ ﷺ نے ہلکا وضو فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نماز؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز آگے چل کر ، پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو گئے یہاں تک کہ مزدلفہ میں آئے تو

مغرب وعشاء کی نماز پڑھی پھر جمع کی یعنی مزدلفہ کی۔ صبح کو حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار ہوئے۔

۱۶۷۰ ـ قال: كريب : فأخبرني عبدالله بن عباس رضي الله عنهما ، عن الفضل أن رسول الله ﷺ لم يزل يلبي حتى بلغ الجمرة . [راجع : ۱۵۴۴]

ترجمہ: کریب نے کہا کہ مجھ کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فضل سے سن کر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ جمرہ عقبہ پر پہنچے یعنی کنکریاں مارنے کے لئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عرفات سے واپسی میں مزدلفہ کے قریب جو گھاٹی میں نزول ہوا تھا یہ کوئی حج کے افعال میں سے نہیں، بلکہ یہ نزول صرف استنجا، کی ضرورت کی وجہ سے تھا، البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ چونکہ شدید الاتباع تھے اس لئے وہ یہاں پیشاب کرنے کے لئے اترے تھے گو ان کو پیشاب کی حاجت نہ ہو۔[128]

(۹۴) باب أمر النبي ﷺ بالسكينة عند الافاضة واشارته اليهم بالسوط

عرفات سے لوٹتے وقت حضور ﷺ کا اطمینان سے چلنے کے لئے حکم دینا اور کوڑے سے اشارہ فرمانا

۱۶۷۱ ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم : حدثنا ابراهيم بن سويد قال : حدثني عمرو بن أبي عمرو مولى المطلب قال : أخبرني سعيد بن جبير مولى والبة الكوفي : حدثني ابن عباس رضي الله عنهما : أنه دفع مع النبي ﷺ يوم عرفة فسمع النبي ﷺ وراءه زجراً شديداً وضربا للابل ، فأشار بسوطه اليهم وقال : ((أيها الناس ، عليكم بالسكينة فان البر ليس بالايضاع)).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عرفہ کے دن عرفات سے لوٹے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ ڈپٹ اور اونٹوں پر مار کی آواز سنی تو اپنے کوڑے سے ان لوگوں کو اشارہ کیا اور فرمایا اے لوگو! سکون آہستگی کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ دوڑنا دوڑانا کچھ نیکی نہیں۔

"أيها الناس ، عليكم بالسكينة فان البر ليس بالايضاع".

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ افاضہ یعنی عرفات سے مزدلفہ جاتے وقت سکون سے چلنا چاہیئے کیونکہ مجمع بہت ہوتا ہے، نیز سواریوں کی کثرت ہوتی ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ تنبیہ کررہے ہیں کہ امیر کو

---

[128] ذكره العيني في الترجمة : هذا باب في بيان نزول الحاج بين عرفة وجمع ـ وهو المزدلفة ـ لقضاء حاجته ، أي حاجة كانت وليس هذا من المناسك ، عمدة القاري ، ج : ۷، ص: ۲۶۳ .

چاہیئے کہ لوگوں کو سکون سے چلنے کے لئے اشارہ بھی کردے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔[۱۲۹]

(۹۵) باب الجمع بين الصلاتين المزدلفة.

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا بیان یعنی مغرب وعشاء ایک وقت میں پڑھنا

۱۶۷۲ ــ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك: عن موسى بن عقبة، عن كريب، عن أسامة بن زيد رضى الله عنهما: أنه سمعه يقول: دفع رسول الله ﷺ من عرفة فنزل الشعب فبال ثم توضأ ولم يسبغ الوضوء فقلت له: الصلاة. فقال: ((الصلاة أمامك)). فجاء المزدلفة فتوضأ فاسبغ ثم أقيمت الصلاة فصلى المغرب، ثم أناخ كل انسان بعيره في منزله، ثم أقيمت الصلاة فصلى ولم يصل بينهما.[راجع: ۱۳۹]

ترجمہ: حضرت اسامہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عرفات سے لوٹے تو گھاٹی میں جو مزدلفہ کے قریب ہے اترے وہاں پیشاب کیا پھر وضو کیا اور پورا وضو نہیں کیا یعنی خوب پانی نہیں بہایا بلکہ ہلکا وضو کیا۔ میں نے عرض کیا: نماز؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز آگے چل کر، پھر مزدلفہ آئے اور پورا وضو کیا پھر نماز کی تکبیر ہوئی اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی اس کے بعد ہر آدمی نے اپنا اونٹ اپنی منزل پر بٹھایا پھر تکبیر ہوئی اور عشاء کی نماز پڑھی ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھا۔

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مزدلفہ کے اندر مغرب وعشاء کو جمع کرنے کے لئے جماعت شرط نہیں ہے اور عرفات میں جمع بین الظہر والعصر کے لئے جماعت شرط ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ مغرب کی نماز مزدلفہ میں اپنے وقت سے مؤخر پڑھی جاتی ہے اور نماز کا وقت نکلنے کے بعد پڑھا جانا قیاس کے موافق ہے، کیونکہ قضاً نماز تمام نمازوں میں مشروع ہے، پس قیاس کے موافق ہونے کی وجہ سے مورد نص کی رعایت واجب نہیں ہے۔

اور عصر کی نماز عرفات میں چونکہ وقت سے مقدم ادا کی جاتی ہے اور نماز کا وقت سے مقدم ہونا من کل وجہ خلاف قیاس ہے اور جو چیز خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے اس میں نص کی پوری پوری رعایت ملحوظ ہوتی ہے، اور جمع بین الظہر والعصر میں چونکہ نص جماعت کے ساتھ وارد ہوئی ہے اسی لئے اس میں جماعت شرط ہوگی۔

---

[۱۲۹] و قال المهلب: انما نهاهم عن الاسراع ابقاء عليهم لئلا يجحفوا بانفسهم مع بعد المسافة. عمدة القارى، ج: ۷، ص: ۲۶۶.

''ثم أقیمت الصلوٰۃ'' سے پتہ چلا کہ دو مرتبہ اقامت ہوئی، ایک مغرب کی اور ایک عشاء کی، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں دو نمازیں ''بـأذان واقامة واحدة'' ہیں، صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اقامت سے دونوں نمازیں پڑھیں۔

تو روایات میں تعارض ہے، بعض میں آیا ہے کہ ایک اذان اور ایک اقامت ہوئی اور بعض میں آیا ہے کہ دو اقامتیں ہوئیں۔

حنفیہ نے اس میں یوں تطبیق دی ہے کہ اگر مغرب کی نماز کے بعد، عشاء کی نماز سے پہلے کوئی فاصل ہو جائے جیسے کھانا وغیرہ کھالیا یا کچھ دیر لگ گئی تو پھر دوسری اقامت ہوگی اور اگر کوئی فاصل نہیں ہوا تو ایک ہی اقامت کافی ہے، چنانچہ اس وقت کافی جماعتیں ہوئیں، بعض میں فاصل تھا وہاں دو اقامتیں ہوئیں اور بعض میں فاصل نہیں تھا وہاں ایک اقامت ہوئی، چنانچہ حدیثِ باب میں بھی صراحت ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد سب لوگوں نے اپنے اُونٹ بٹھائے، جس میں ظاہر ہے کہ کافی وقت لگا ہوگا۔ اور آگے آرہا ہے کہ مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کھانا کھایا گیا، لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کھانا کھانے سے آپ ﷺ کے بعض اصحاب کا کھانا مراد ہے، کیونکہ صحیح احادیث کثرت سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں نمازوں کے درمیان فصل نہیں فرمایا۔

اگلی روایت میں آرہا ہے کہ ہم نے مغرب کے بعد عشاء کا کھانا کھایا اور اس کے بعد دوبارہ نماز پڑھی تو اس وقت دوبارہ اقامت کہی گئی۔

(۹۶) باب من جمع بينهما ولم يتطوع

مغرب اور عشاء ملا کر پڑھنے اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل وغیرہ نہ پڑھنے کا بیان

۱۶۷۳ - حدثنا آدم : حدثنا ابن أبی ذئب ، عن الزهری ، عن سالم بن عبدالله عن ابن عمر رضی الله عنهما قال : جمع النبی ﷺ المغرب والعشاء بجمع ، كل واحدة منهما باقامة ، ولم يسبح بينهما، ولاعلى أثر كل واحدة منهما .[راجع: ۱۰۹۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ملا کر پڑھا ہر ایک ایک اقامت سے یعنی ہر ایک کے لئے الگ الگ تکبیر ہوئی اور ان دونوں کے درمیان میں سنت نہیں پڑھی اور نہ ان میں سے کسی کے بعد۔

۱۶۷۴ - حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سليمان بن بلال: حدثنا يحيى قال: أخبرنی عدی بن ثابت قال : حدثنی عبدالله بن يزيد الخطمی قال : حدثنی أبو أيوب الأنصاری : أن رسول الله ﷺ جمع فی حجة الوداع المغرب والعشاء بالمزدلفة .[أنظر: ۴۴۱۴]

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ملا کر پڑھی۔

باب کی پہلی حدیث یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اتنی تصریح ہے کہ دونوں کے بعد بھی نہ پڑھے اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد بھی فوراً کوئی نفل نہ پڑھے البتہ کچھ دیر بعد بلا شبہ پڑھ سکتا ہے، البتہ ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی سنت و نفل نہ پڑھے کیونکہ درمیان سے سنت پڑھنے سے جمع بین الصلاتین باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب میں صراحت ہے کہ "لم یتطوع أی لم یتنفل بینهما"۔[۱۳۰]

(۹۷) باب من أذن وأقام لكل واحدة منهما

جس نے کہا ہر نماز کے لئے اذان اور اقامت کہے

۱۶۷۵ ـ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا أبو اسحاق قال: سمعت عبدالرحمن بن يزيد يقول: حج عبدالله رضی اللہ عنہ فأتينا المزدلفة حين الأذان بالعتمة أو قريبا من ذلك، فأمر رجلاً فأذن وأقام ثم صلى المغرب، وصلى بعدها ركعتين. ثم دعا بعشائه فتعشى ثم أمر ـ أرى ـ رجلا فأذن وأقام. قال عمرو: لا أعلم الشك الا من زهير، ثم صلى العشاء ركعتين. فلما طلع الفجر قال: ان النبی ﷺ كان لايصلی هذه الساعة الا هذه الصلاة في هذا المكان من هذا اليوم. قال عبدالله: هما صلاتان تحولان عن وقتهما: صلاة المغرب بعد ما يأتي الناس المزدلفة، والفجر حين يبزغ الفجر. قال: رأيت النبی ﷺ يفعله. [أنظر: ۱۶۸۲، ۱۶۸۳] [۱۳۱]

---

[۱۳۰] قوله: (ولم يسبح بينهما) أي لم يتنفل، وقله (ولا على أثر كل واحدة منهما) أي عقبها، ويستفاد منه أنه ترك النفل عقب المغرب وعقب العشاء، ولما لم يكن بين المغرب والعشاء مهلة صرح بأنه لم يتنفل بينهما، بخلاف العشاء فانه يحتمل أن يكون المراد أنه لم يتنفل عقبها لكنه تفنل بعد ذلك في أثناء الليل، ومن ثم قال الفوهاء، تؤخر سنة العشاء عنهما، ونقل ابن المنذر الاجماع على ترك التطوع بين الصلاتين بالمزدلفة لأنهم اتفقوا على أن السنة الجمع بين المغرب والعشاء بالمزدلفة، ومن تنفل بينهما لم يصح أنه جمع بينهما انتهى. فتح الباري، ج: ۳، ص: ۵۲۳، و عمدة القاري، ج: ۷ ص: ۲۷۰.

[۱۳۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم النحر، رقم: ۲۲۷۰، وسنن النسائي، كتاب المواقيت، باب الجمع بين المغرب والعشاء وبالمزدلفة، رقم: ۶۰۴، وكتاب المناسك، باب النية في الصيام والاختلاف على طلحة بن يحيى بن طلحة في خير عائشة فيه، رقم: ۲۹۸۸، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب الصلاة بجمع رقم: ۱۶۵۰، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن مسعود، رقم: ۳۴۵۵، ۳۶۹۸، ۳۸۴۱، ۳۹۲۳، ۴۰۶۶، ۴۱۶۷.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ نے حج کیا تو ہم مزدلفہ عشاء کی اذان کے وقت پہنچے یا اس کے قریب، انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان اور اقامت کہی، پھر انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی اور اس کے بعد دو رکعت سنت کی پڑھی، پھر رات کا کھانا منگوایا اور کھایا۔

پھر میں سمجھتا ہوں کہ ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان و اقامت کہی، عمر بن خالد نے کہا کہ میرے خیال میں یہ شک زہیر کو ہوا۔ اس کے بعد عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں پھر جب صبح نمودار ہوئی تو فرمایا نبی کریم ﷺ اس وقت غلس و تاریکی میں صبح کی نماز صرف اسی دن اسی جگہ پڑھتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود ﷜ نے فرمایا کہ یہ دو نمازیں ہیں جو اپنے وقت سے ہٹا دی گئی ہیں ایک تو مغرب کی نماز اس وقت پڑھنی چاہیئے جب لوگ مزدلفہ پہنچ جائیں، دوسرے فجر کی نماز جب صبح صادق چمکتے روشن ہو جائے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

جمع بین الصلاتین کی صورت میں اذان اور اقامت کی تعداد

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ نے دو اذانوں اور اقامتوں پر عمل فرمایا اور اسی کو امام مالک رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

حضرات حنفیہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ جہاں تک اقامت کے تعدد کا تعلق ہے وہ تو فصل کی وجہ سے ہوا، البتہ اذان کا تعدد شاید اس لئے کیا کہ ان کے اصحاب منتشر ہو گئے ہوں اور انہیں جمع کرنے کے لئے دوبارہ اذان دی ہو۔[۱۳۲]

البتہ طحاوی رحمہ اللہ نے صحیح سند سے حضرت عمر ﷜ سے دو اذانیں اور دو اقامتیں روایت کی ہیں۔

صحابۂ کرام ﷡ کے ان مختلف آثار سے مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اس معاملے میں کسی ایک طریقے پر اصرار نہیں کیا اور شاید تمام طریقوں کو جائز سمجھا ہے۔

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کی صورت میں اذان و اقامت کی تعداد کے بارے میں چھ اقوال ہیں جن میں چار اقوال مشہور ہیں: [۱۳۳]

۱۔ ایک اذان اور ایک اقامت۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا مسلک یہی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، مالکیہ میں سے ابن ماجشون کا بھی یہی مسلک ہے۔

۲۔ ایک اذان اور دو اقامتیں۔

---

[۱۳۲] اعلاء السنن، ج: ۱۰، ص: ۱۲۶.

یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول اس کے مطابق ہے، حنفیہ میں سے امام زفر رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

۳۔ دو اذانیں اور دو اقامتیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

۴۔ دو اقامتیں بغیر اذان کے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور مسلک یہی ہے، امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

اس کے علاوہ دو مذہب اور بھی ہیں:

۵۔ صرف ایک اقامت وہ بھی پہلی نماز کے لئے۔

۶۔ دونوں نمازوں میں نہ کوئی اذان ہے نہ کوئی اقامت۔[۱۳۴]

۱۳۳، ۱۳۴ وفیه : للعلماء ستة أقوال :

أحدها :أن يقيم لكل منهما ولا يؤذن لواحدة منهما، وهو قول القاسم و محمد و سالم و هو احدى الروايات عن ابن عمر ، وبه قال اسحاق بن راهويه وأحمد بن حنبل فى أحد القولين عنه ، و هو قول الشافعى وأصحابه فيما حكاه الخطابى والبغوى وغير واحد . و قال النووى فى (شرح مسلم) : الصحيح عند أصحابنا أنه يصليهما بأذان للأولى واقامتين لكل واحدة اقامة. وقال فى (الايضاح) : انه الأصح .

الثانى : أن يصليهما باقامة واحدة للأولى و هو احدى الروايات عن ابن عمر ، وهو قول سفيان ثورى فيما حكاه الترمذى والخطابى وابن عبد البر وغيرهم .

الثالث : أنه يؤذن للأولى ويقيم لكل واحدة منهما ، وهو قول أحمد بن حنبل فى أصح قوليه ، وبه قال أبو ثور و عبدالملك بن الماجشون من المالكية والطحاوى ، وقال الخطابى : هو قول أهل الرأى : وذكر عبدالبر أن الجوزجانى حكاه عن محمد بن الحسن عن أبى يوسف عن أبى حنيفة .

الرابع : أنه يؤذن للأولى ويقيم لها ولا يؤذن للثانية ولا يقيم لها ، وهو قول أبى حنيفة وأبى يوسف ، حكاه النووى وغيره . قلت : هذا هو مذهب أصحابنا ، وعند زفر : بأذان اقامتين .

الخامس : أنه يؤذن لكل منهما ويقيم ، وبه قال عمر بن الخطاب وعبدالله بن مسعود ، رضى الله تعالىٰ عنهما ، وهو قول مالك وأصحابه الا ابن الماجشون ، وليس لهم فى ذلك حديث مرفوع ، قاله ابن عبدالبر .

السادس: أنه لايؤذن لواحدة منهما ولايقيم ، حكاه المحب الطبرى عن بعض السلف ، وهذا كله فى جمع التاخير . عمدة القارى ، ج : ۷، ص: ۲۵۹.

حنفیہ کا استدلال

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین ایک اذان اور ایک اقامت کے بارے میں حنفیہ کا استدلال حضرت جابر ﷺ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع فرمایا۔

دوسری دلیل سنن أبی داؤد کی روایت سے ہے جس میں مروی ہے کہ حضرت ابن عمر ﷺ نے مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین ایک اذان اور ایک اقامت پر عمل کیا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ عشاء اپنے وقت میں ہے، لہٰذا لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے علیحدہ اقامت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، برخلاف عصر کے میدان عرفات میں عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اسی لئے لوگوں کو مزید آگاہ کرنے کے لئے عصر کے واسطے اقامت کہی جائے گی۔

"قال عبداللہ : هما صلاتان تحولان عن وقتهما: صلاة المغرب بعد مايأتی الناس المزدلفة، والفجر حين يبزغ الفجر".

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دو نمازیں محوّل کی جاتی ہیں، ایک مغرب کی نماز جب مزدلفہ پہنچ جاتے ہیں اور دوسرے فجر پڑھی جاتی ہے جب فجر طلوع ہو، اس وقت پڑھنے کا عام معمول نہیں تھا لیکن اس وقت پڑھی، اس سے پتہ چلا کہ عام معمول غلس کا نہیں بلکہ اسفار کا تھا۔

(۹۸) باب من قدّم ضعفة أهله بليل فيقفون بالمزدلفة ويدعون إذا غاب القمر

عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ کی رات میں منیٰ میں روانہ کر دینا وہ مزدلفہ میں ٹھہرے اور دعا کریں اور چاند غائب ہوتے ہی چل دیں

۱۶۷۶ ــ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب: قال سالم: وكان عبدالله بن عمر رضی الله عنهما يقدم ضعفة أهله فيقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفة بليل فيذكرون الله عز وجل مابدأ لهم، ثم يرجعون قبل أن يقف الامام وقبل أين يدفع. فمنهم من يقدم منى لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلک. فاذا قدموا رموا الجمرة. وكان ابن عمر رضی الله عنهما يقول: أرخص فی أولئک رسول الله ﷺ. [۱۳۵]، [۱۳۶]

---

[۱۳۵] لايوجد للحديث مكررات.

[۱۳۶] وفی صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الاستحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن من مزدلفة الى منى، رقم: ۲۲۸۱.

۱۶۷۷ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب : حدثنا حماد بن زید ، عن أیوب ، عن عکرمة ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: بعثنی النبی ﷺ من جمع بلیل . [أنظر: ۱۶۷۸، ۱۸۵۶]

۱۶۷۸ ۔ حدثنا علی : حدثنا سفیان قال : أخبرنی عبید اللہ بن أبی یزید : سمع ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول : أنا ممن قدم النبی لیلة المزدلفة فی ضعفة أھله .

عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ میں رات گذارنے کے بجائے رات ہی میں ہجوم اور بھیڑ سے بچنے کے لئے منیٰ بھیج دینا جائز ہے، حضور اقدس ﷺ نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھیجا تھا جن میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے اسی کا یہاں ذکر ہے۔

"فیذکرون اللہ عزّ وجلّ مابدأ لھم".

یعنی وہ یہ کرتے تھے کہ مزدلفہ میں تھوڑا سا ذکر کیا، جب چاند غائب ہوجاتا تھا تو وہ منیٰ چلے جاتے تھے۔

۱۶۷۹ ۔ حدثنا مسدد ، عن یحیی، عن ابن جریج قال : حدثنی عبد اللہ مولی أسماء عن أسماء : انھا نزلت لیلة جمع عند المزدلفة فقامت تصلی فصلت ساعة ثم قالت : یابنی ، ھل غاب القمر ؟ قلت : لا ، فصلت ساعة ثم قالت : یابنی ھل غاب القمر ؟ قلت : نعم ، قالت : فارتحلوا ، فارتحلنا فمضینا حتی رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح فی منزلھا . فقلت لھا : یاھنتاه ، ماأرانا الا قد غلسنا . قالت : یابنی ان رسول اللہ ﷺ اذن للظعن . [۱۳۷]

یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، عبد اللہ جو اسماء کے مولیٰ ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ جمعہ کی رات میں مزدلفہ کے پاس اتریں **"فقامت تصلّی"** اور مزدلفہ میں نفل نماز پڑھنی شروع کردی، **"فصلّت ساعة ثم قالت"** کچھ دیر تک نماز پڑھتی رہیں پھر پوچھا **"یا بنیّ ھل غاب القمر؟"** بیٹے! کیا چاند غائب ہوگیا، **"قلت: لا، فصلت ساعة، ثم قالت: یا بنیّ ھل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت فارتحلوا"** فرمایا کہ اب چلو **"فارتحلنا فمضینا حتی رمت الجمرة"** ہم چلے، منیٰ پہنچ گئے اور فجر ہوتے ہی جمرۂ عقبہ کی رمی کی، **"ثم رجعت فصلت الصبح فی منزلھا"** پھر واپس آکر صبح کی نماز اپنے گھر میں پڑھی یعنی خیمے میں پڑھی۔

"فقلت لھا: یا ھنتاه" اردو میں اس کا ترجمہ مشکل ہے، بے تکلفی میں عورت کو کہا جاتا ہے یہاں "بی بی" کا ترجمہ کرسکتے ہیں۔ **"ما أرانا إلّا قد غلّسنا"** بی بی میرا خیال ہے ہم نے بہت جلدی کرلی یعنی ہم

---

[۱۳۷] وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الاستحباب تقدیم دفع الضعفة من النساء و غیرھن من مزدلفة الی منی، رقم: ۲۲۷۴، و مسند أحمد باقی مسند الأنصار ، باب حدیث أسماء بنت أبی بکر الصدیق ، رقم: ۲۵۷۰۴، ۲۵۷۲۷.

نے رمی جمرہ اندھیرے میں بہت جلدی کر لی، تو انہوں نے کہا "**یا بنی إن رسول اللہ ﷺ أذن للظعن**" بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے لئے جائز قرار دیا ہے۔

"**ظعن**" - "**ظاعنه**" کی جمع ہے، سفر کرنے والی عورت کو کہتے ہیں۔

مبیتِ مزدلفہ کا حکم

مبیت مزدلفہ۔ علقمہ، ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک رکن حج ہے "**فمن ترک المبیت بمزدلفة فاته الحج**"۔

جمہور یعنی احناف، سفیان ثوری، امام احمد، امام اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک مبیت مزدلفہ میں رکن حج تو نہیں، البتہ واجب ہے اور جو شخص اس کو ترک کردے اس پر دم واجب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔ علامہ عینیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اسی کے مطابق نقل کیا ہے۔ لیکن حنفیہ کا مفتیٰ بہ مسلک یہ ہے کہ وقوفِ مزدلفہ تو واجب ہے، مگر مبیت سنت ہے، البتہ رات کا کچھ حصہ مزدلفہ میں گذارنے کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ کمافی ردالمحتار۔

امام مالکؒ کے نزدیک مبیت مزدلفہ سنت ہے، امام شافعیؒ کی دوسری روایت بھی اسی کے مطابق ہے، امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ نزول مزدلفہ واجب ہے، اور مبیت مزدلفہ اور وقوف مع الامام بالمزدلفہ دونوں سنت ہیں۔

اہل ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ "**من لم یدرک مع الامام صلاة الصبح بالمزدلفة بطل حجه بخلاف النساء والصبيان والضعفاء**"۔ [۱۳۸]

"**حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها**"۔

اگرچہ رات کو آنے والے عورتوں بچوں کیلئے بھی مسنون یہ ہے کہ رمی طلوعِ شمس کے بعد کی جائے، حنفیہ کے یہاں بھی یہی مسنون ہے، لیکن اگر طلوعِ صبحِ صادق کے بعد بھی کوئی رمی کر لے تب بھی ہو جائے گی اگرچہ خلاف سنت ہے، لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سنا تھا کہ خواتین کے لئے گنجائش ہے، اس لئے انہوں نے کرلیا۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ نصفِ لیل کے بعد بھی رمی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ استدلال واضح نہیں، کیونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے غلس میں رمی کی، اور غلس کا اطلاق عموماً صبح صادق کے متصل بعد کے وقت پر ہوتا ہے۔

۱۶۸۰ - حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان: حدثنا عبدالرحمٰن هو ابن القاسم عن القاسم، عن عائشة رضي الله عنها قالت: استأذنت سودة النبي ﷺ ليلة جمع، وكانت ثقيلة ثبطة، فأذن لها. [أنظر: ۱۶۸۱]

[۱۳۸] وقد اختلف السلف في المبيت بالمزدلفة، فذهب أبو حنيفة وأصحابه والثوري وأحمد وإسحاق وأبو ثور ومحمد بن إدريس في أحد قوليه: إلى وجوب المبيت بها، وأنه ليس بركن فمن تركه فعليه دم، وهو قول عطاء والزهري وقتادة ومجاهد وعن الشافعي: سنة، وهو قول مالك. .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے مزدلفہ کی رات میں جلدی سے روانہ ہونے کی اجازت چاہی، وہ بھاری بھرکم سست رفتار عورت تھیں، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی۔

۱۶۸۱ ۔ حدثنا أبو نعيم : حدثنا أفلح بن حميد ، عن القاسم بن محمد عن عائشة رضی اللہ عنها قالت : نزلنا المزدلفة فاستأذنت النبی ﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس . وكانت امرأة بطيئة فأذن لها فدفعت قبل حطمة الناس ، وأقمنا حتى أصبحنا نحن ثم دفعنا بدفعه فلأن أكون استأذنت رسول اللہ كما استأذنت سودة أحب الیّ من مفروح به. ۱۳۹

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ " **فلأن أكون استأذنت رسول اللہ كما استأذنت سودة أحب الی من مفروح به** " اگر میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کر لیتی جیسا کہ سودہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی تو یہ بات مجھے ہر خوشی والی بات سے زیادہ محبوب ہے، اس واسطے کہ اگر میں اجازت طلب کر لیتی تو آپ ﷺ کے بعد جو حج کئے ہیں ان میں اگر میں رات میں جاتی تو آپ ﷺ کی اجازتِ صریحہ کے نتیجے میں جاتی، اب اگر میں پہلے جاؤں گی تو صریح اجازت کے بغیر جاؤں گی، اس لئے میں سوچتی ہوں کہ میں بھی اس وقت اجازت طلب کر لیتی۔

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... وقال ابن بنت الشافعی وابن خزيمة الشافعيان : وهو ركن ، وقال علقمة والنخعی والشعبی : من ترک المبيت بمزدلفة فاته الحج . وفی (شرح التهذيب): وهو قول الحسن ، واليه ذهب أبو عبيد القاسم بن سلام . وقال الشافعی : يحصل المبيت بساعة فی النصف الثانی من الليل دون الأول . وعن مالک : النزول بالمزدلفة واجب ، والمبيت بها سنة ، وكذا الوقوف مع الامام سنة . وقال أهل الظاهر : من لم يدرک مع الامام صلاة الصبح بالمزدلفة بطل حجه . بخلاف النساء والصبيان والضعفاء ، وعند أصحابنا الحنفية : لو ترک الوقوف بها بعد الصبح من غير فعيله دم ، وان كان بعذر الزحام فتعجل السير الى منى ، فلا شیء عليه ، والمأمور به فی الآية الكريمة الذكر دون الوقوف ، ووقت الوقوف بالمشعر بعد طلوع الفجر من يوم النحر الى أن يسفر جداً، وعن مالک : لا يقف أحد الا الاسفار ، بل يدفعون قبل ذلک . عمدة القاری ، ج : ۷، ص: ۲۷۶.

۱۳۹ وفی صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن من مزدلفة الى منى الخ ، رقم : ۲۲۷۱ ، وسنن النسائی ، كتاب مناسک الحج ، باب الرخصة للضعفة أن يصلوا يوم النحر الصبح منى ، رقم : ۲۹۹۹ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسک ، باب من تقدم من جمع الى منى لرمی الجمار ، رقم : ۳۰۱۸، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۸۸۸، ۲۳۴۹۴، ۲۳۵۳۲، ۲۳۸۶۸، ۲۴۱۵۰، ۲۴۶۰۵، وسنن الدارمی ، كتاب المناسک ، باب الرخصة فی النفر من جمع بليلٍ ، رقم : ۱۸۱۰ .

(۹۹) باب من يصلي الفجر بجمع؟

فجر کی نماز مزدلفہ میں کس وقت پڑھے؟

۱۶۸۲ ۔ حدثنا عمر بن حفص بن غياث. حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني عمارة ، عن عبدالرحمٰن ، عن عبدالله ﷛ قال: مارأيت النبي ﷺ صلى صلاة لغير ميقاتها الا صلا تين جمع بين المغرب والعشاء ، وصلى الفجر قبل ميقاتها .[راجع:۱۶۷۵]

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کوئی نماز بے وقت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر دو نمازیں مغرب اور عشاء جن کو مزدلفہ میں ملا کر پڑھا اور صبح کی نماز بھی وقت معتاد سے پہلے پڑھی، یعنی صبح صادق ہوتے ہی اول وقت میں پڑھی یہ مراد قطعاً نہیں ہے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے پڑھ لی بلکہ عام معمول ومعتاد وقت سے اس روز پہلے پڑھ لی۔

۱۶۸۳ ۔ حدثنا عبدالله بن رجاء: حدثنا إسرائيل عن أبي اسحاق ، عن عبدالرحمٰن بن يزيد قال : خرجت مع عبدالله ﷛ الى مكة ثم قدمنا جمعا فصلى الصلاتين ، كل صلاة وحدها بأذان واقامة ، والعشاء بينهما . ثم صلى الفجر حين طلع الفجر . قائل يقول : طلع الفجر ، وقائل يقول : لم يطلع الفجر، ثم قال : ان رسول الله ﷺ قال : ((ان هاتين الصلاتين حولتا عن وقتهما في هذا المكان ، المغرب والعشاء ، فلا يقدم الناس جمعا حتى يعتموا وصلاة الفجر هذه الساعة)) ، ثم وقف حتى أسفر ثم قال: لو ان أمير المؤمنين أفاض الآن أصاب السنة ، فما أدرى اقوله كان أسرع أم دفع عثمان ﷛ ، فلم يزل يلبي حتى رمى جمرة العقبة يوم النحر .[راجع : ۱۶۷۵]

عبدالرحمٰن بن یزید نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف نکلا اور حج شروع کیا، پھر ہم مزدلفہ میں آئے **"فصلى الصلاتين، كل صلوٰة وحدها بأذان وأقامة، والعشاء بينهما .ثم صلى الفجر حين طلع الفجر"** تو انہوں نے دو نمازیں ملا کر پڑھیں ہر نماز میں الگ الگ اذان اور اقامت کہی، تو بیچ میں کھانا بھی کھایا، طلوعِ فجر کے فوراً بعد فجر بھی پڑھ لی، لیکن اتنی جلدی پڑھی کہ بعض لوگوں کو طلوعِ فجر میں شک ہوسکتا تھا۔

"ثم قال: أن رسول الله ﷺ قال" پھر عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ **"ان هاتين الصلاتين حوّلتا عن وقتهما في هذا المكان، المغرب والعشاء، فلا يقدم الناس جمعا حتى يعتموا"** یہ دونوں نمازیں مغرب اور عشاء کی اس مقام پر اپنے مقررہ وقت

سے ہٹادی گئیں ہیں، اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ مزدلفہ میں اس وقت داخل ہوں جب اندھیرا چھا جائے اور فجر کی نماز اس وقت پڑھے۔

"ثم وقف حتى اسفر ثم قال: لو إن أمير المؤمنين افاض الآن اصاب السنّة"

پھر فجر کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مزدلفہ میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہوگیا۔ جب اسفار ہوگیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر امیر المؤمنین اس وقت منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں تو یہ سنّت کے زیادہ قریب ہوگا، کیونکہ حضورِ اقدس ﷺ اسفار ہوتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے تھے، طلوعِ شمس کا انتظار نہیں فرمایا تھا۔

"فما أدري اقوله كان أسرع أم رفع عثمان رضی اللہ عنہ" مجھے پتہ نہیں کہ ان کا قول جلدی ختم ہوا تھا یا عثمان رضی اللہ عنہ کی روانگی جلدی شروع ہوئی تھی، یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سنتے ہی فوراً روانہ ہونا شروع ہو گئے، **"فلم يزل يلبّي حتى رمى جمرة العقبة يوم النحر"** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ برابر "لبیک" پڑھتے رہے یہاں تک کہ یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ جمرہ عقبہ کی رمی کی۔

مسئلہ: اس باب سے یہ معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں فجر کی نماز صبح صادق طلوع ہوتے ہی غلس میں پڑھے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرۃ العقبہ پر کنکری مارنا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک کنکری ماری جائے تلبیہ پڑھتے رہیں پھر پہلی کنکری پر تلبیہ بالکل بند کردیں۔[۱۴۰]

---

۱۴۰ ثم اختلف بعض هؤلاء فقال الثورى وأبوحنيفة والشافعي وأبو ثور : يقطع التلبية مع أول حصاة يرميها من جمرة العقبة. وقال أحمد واسحاق وطائفة من أهل النظر والأثر :لا يقطعها حتى يرمى جمرة العقبة بأسرها،قالوا : هو قول ظاهر الحديث أن رسول الله ﷺ . لم يزل يلبى حتى رمى جمرة العقبة ، ولم يقل : حتى رمى بعضها . قلت : روى البيهقي من حديث شريک عن عامر بن شقيق عن أبى وائل ((عن عبدالله قال :رمقت النبى ﷺ فلم يزل يلبى حتى رمى جمرة العقبة بأوّل حصاة)). فان قلت : أخرج ابن خزيمة فى (صحيحه) ، ((عن الفضل بن عباس قال : أفضت مع رسول الله ﷺ من عرفات ، فلم يزل يلبى حتى رمى جمرة العقبة ، يكبر مع كل حصاة ثم قطع التلبية مع آخر حصاة)). كذا ذكره العينيؒ فى : عمدة القارى ، ج:۷،ص: ۲۸۲.

و صحيح ابن خزيمة ، ج: ۴،ص: ۲۸۰، باب قطع التلبية اذا رمى الحاج جمرة العقبة يوم النحر ، رقم : ۲۸۸۵، الكتب الاسلامى ، بيروت ، ۱۳۹۰هـ ، و سنن البيهقى الكبرىٰ ، باب التلبية حتى يرمى جمرة العقبة بأول حصاة ثم يقطع ،رقم : ۹۳۸۴، ج: ۵،ص: ۱۳۷ ، مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة ، ۱۴۱۴هـ.

(۱۰۰) باب: متی یدفع من جمع

مزدلفہ سے کب چلا جائے

۱۶۸۴ ۔ حدثنا حجاج بن منهال : حدثنا شعبة بن الحجاج عن أبي اسحاق: سمعت عمرو بن ميمون يقول : شهدت عمر ﷺ صلى بجمع الصبح ، ثم وقف فقال : ان المشركين كانوا لايفيضون حتى تطلع الشمس ويقولون : أشرق ثبير ، وأن النبي ﷺ خالفهم ثم أفاض قبل أن تطلع الشمس. [أنظر: ۳۸۳۸] ١٤١

ترجمہ: عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر ﷺ کے پاس موجود تھا انہوں نے مزدلفہ میں صبح کی نماز پڑھی پھر وقوف کیا، یعنی ٹھہرے رہے اور فرمانے لگے کہ مشرک لوگ زمانہ جاہلیت میں مزدلفہ سے اس وقت لوٹتے جب سورج نکل آتا اور کہتے ثبیر چمک جا، ثبیر ایک پہاڑ کا نام ہے مزدلفہ میں جو منی کو آتے ہوئے بائیں جانب پڑتا ہے، چمک جا یعنی سورج کے کرنوں سے چمک اور نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف کیا کہ آپ ﷺ مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے لوٹے۔

"ان المشركين كانوا لايفيضون حتى تطلع الشمس ويقولون : أشرق ثبير ، وأن النبي ﷺ خالفهم ثم أفاض قبل أن تطلع الشمس".

مزدلفہ سے روانگی کا وقت

اہل جاہلیت طلوع شمس کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے اور چونکہ طلوع آفتاب کی علامت یہ تھی کہ ثبیر نامی پہاڑ چمکنے لگتا تھا، اس لئے وہ کہتے تھے **"أشرق ثبير"** یعنی اے جبل ثبیر! چمک اٹھ۔

سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ مروی ہیں **"أشرق ثبير ، كيما نغير"** اے جبل ثبیر! چمک اٹھ تا کہ ہم یلغار کریں یعنی منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔

جمہور یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مزدلفہ سے اسفار کے بعد طلوع شمس سے پہلے روانہ ہونا چاہیئے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اسفار سے بھی پہلے روانگی مستحب ہے۔

١٤١ وفي سنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء أن الافاضة من جمع قبل طلوع الشمس ، رقم : ۸۲۰، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب وقت الافاضة من جمع ، رقم : ۲۹۹۷، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك ، باب الصلاة بجمع ، رقم : ۱۶۵۴، و سنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب الوقوف بجمع ، رقم : ۳۰۱۳، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب أوّل مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۸۰، ۱۹۵، ۲۶۴، ۲۷۹، ۳۳۸، ۳۶۲.

طلوع شمس سے پہلے روانہ ہونا تو حدیث باب سے ثابت ہے اور اسفار حضرت جابر ﷺ کی حدیث طویل کے اس جملہ سے "فلم یزل واقفاً حتی أسفر جداً" جو امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے۔[۱۴۲]

(۱۰۱) باب التلبية والتكبير غداة النحر حتى يرمي الجمرة والارتداف في السير

دسویں تاریخ صبح کو تکبیر اور لبیک کہتے رہنا جمرہ عقبہ کی رمی تک

۱۶۸۵ ۔ حدثنا أبوعاصم الضحاک بن مخلد : أخبرنا ابن جريج ، عن عطاء ، عن ابن عباس رضي الله عنهما: ان رسول الله ﷺ أردف الفضل فأخبر الفضل انه لم يزل يلبي حتى رمى الجمرة . [راجع : ۱۵۴۴]

"فأخبر الفضل انه لم يزل يلبي حتى رمى الجمرة".

فضل نے بیان کیا کہ آپ ﷺ برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کی رمی کی۔

۱۶۸۶ ، ۱۶۸۷ ــ حدثنا زهير بن حرب : حدثنا وهب بن جرير : حدثنا أبي عن يونس الأيلي ، عن الزهري ، عن عبيدالله بن عبدالله ، عن ابن عباس رضي الله عنهما : أن أسامة بن زيد رضي الله عنهما كان ردف رسول الله ﷺ من عرفة الى المزدلفة ، ثم أردف الفضل من المزدلفة الى منى ، قال : فكلاهما قال : لم يزل النبي ﷺ يلبي حتى رمى جمرة العقبة .[راجع :۱۵۴۳، ۱۵۴۴]

---

[۱۴۲] و اختلفوا في الوقت الافاضة ، فذهب الشافعي الى أنه انما يستحب بعد كمال الاسفار ، و هو مذهب الجمهور لحديث جابر الطويل . و فيه : ((فلم يزل واقفاً حتى أسفر جداً فدفع قبل أن تطلع الشمس))، و ذهب مالک الى استحباب الافاضة من المزدلفة قبل الاسفار ،والحديث حجة عليه ، و روى ابن خزيمة و الطبري من طريق عكرمة ((عن ابن عباس ، رضي الله تعالىٰ عنهما : كان أهل الجاهلية يقفون بالمزدلفة حتى اذا طلعت الشمس فكانت على رؤس الجبال كأنها العمائم على رؤوس الرجال دفعوا دفع رسول الله ﷺ ، حين أسفر كل شيء قبل أن تطلع الشمس)) ، و روى البيهقي من حديث المسور بن مخرمة نحوه ، تفسير الطبري ، ج: ۲، ص: ۴۷، دارالفكر ، بيروت، ۱۴۰۵ هـ. و عمدة القاري ، ج :۷، ص: ۲۸۴، و فتح الباري ، ج :۳، ص: ۵۳۱، و صحيح ابن خزيمة ، باب وقت الدفعة من عرفة خلاف أهل سنة أهل الكفر و الأوثان كانت في الجاهلية ، رقم : ۲۸۳۷، ج: ۴، ص: ۲۶۲، المكتب الاسلامي ، بيروت ، ۱۳۹۰ هـ .

"قال : فكلاهما قال : لم يزل النبي ﷺ يلبي حتى رمىٰ جمرة العقبة".

دونوں نے بیان کیا کہ حضور پرنور ﷺ ہمیشہ تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کی رمی کی۔

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں تلبیہ وقت احرام سے جمرہ عقبہ کی رمی تک رہتا ہے، چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ جس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی تک حج میں تلبیہ جاری رہتا ہے۔[۱۴۳]

امام مالک، حضرت سعید ابن مسیّب اور حسن بصری رحمہم اللہ سے اس بارے میں منقول ہے کہ حاجی جب عرفات روانہ ہو تو تلبیہ ختم کر دے۔[۱۴۴]

بعض سے منقول ہے کہ جب وقوف عرفہ کرے تو تلبیہ بند کر دے۔[۱۴۵]

ان حضرات کا استدلال طحاوی میں حضرت اسامہ بن زید ﷺ کی روایت سے ہے **"أنه قال كنت ردف رسول الله ﷺ عشية عرفة فكان لا يزيد على التكبير والتهليل، وكان اذا وجد فجوة نص"**۔[۱۴۶]

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حج میں جمرہ عقبہ کی رمی تک تلبیہ مشروع ہے، پھر ان میں اختلاف ہے کہ تلبیہ کب ختم ہوگا۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، امام شافعی اور ابوثور رحمہم اللہ کے نزدیک جمرہ عقبہ پر پہلی کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ ختم ہو جائے گا۔

امام احمد بن حنبل، امام اسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک جمرہ عقبہ کی رمی مکمل کرنے تک تلبیہ جاری رہے گا۔[۱۴۷]

بہر حال حدیث باب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کی دلیل ہے جب کہ حضرات حنفیہ وشافعیہ وغیرہ

---

[۱۴۳] ودليل الاجماع أن عمر بن الخطاب كان يلبي غداة المزدلفة بحضور ملأ من الصحابة وغيرهم، فلم ينكر عليه أحد منهم بذلك، وكذلك فعل عبدالله ابن الزبير، ولم ينكر عليه أحد ممن كانوا هناك من أهل الآفاق من الشام والعراق واليمن ومصر وغيرها، فصار ذلك اجماعا لا يخالف فيه. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۲۸۶.

[۱۴۴، ۱۴۵] ثم اختلفوا متى يقطع التلبية؟ فقال سعيد بن المسيب والحسن البصري ومالك وأصحابه: يقطعها اذا توجه الى عرفات، وروى نحو ذلك عن عثمان وعائشة، وروىٰ عنهما خلاف ذلك، فقال الزهري والسائب بن يزيد وسليمان بن يسار وابن المسيب في رواية: ((يقطعها حين يقف بعرفات))، وروى ذلك عن علي بن أبي طالب وسعد بن أبي وقاص. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۶۳.

[۱۴۶] شرح معاني الآثار، كتاب مناسك الحج، باب التلبية متى يقطعها الحاج، ج: ۲، ص: ۲۲۳، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۱۴۷] وقال أحمد واسحاق وطائفة من أهل النظر والأثر: لا يقطعها حتى يرمي جمرة العقبة بأسرها، قالوا: وهو ظاهر الحديث أن رسول الله ﷺ (لم يزل يلبي حتى رمى جمرة العقبة) ولم يقل: حتى رمى بعضها. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۶۳.

کی دلیل بیہقی کی روایت سے ہے۔[۱۴۸]

(۱۰۲) باب: ﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾

الى قوله تعالىٰ ﴿حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ [البقرة:۱۹۶]

اب تک امام بخاری رحمہ اللہ نے حج کی حالت بیان فرمائی جب مزدلفہ سے منیٰ کا بیان آیا تو چونکہ منیٰ میں قربانی کی جاتی ہے اس لئے یہاں سے ہدی یعنی قربانی کے ابواب اوراحکام شروع فرمارہے ہیں۔

۱۶۸۸ ـ حدثنا اسحاق بن منصر :أخبرنا النضر :أخبرنا شعبة : حدثنا أبو جمرة قال : سألت ابن عباس رضى الله عنهما عن المتعة فأمرنى بها . وسألته عن الهدى فقال: فيها جزور أو بقرة أو شاة أو شرک فى دم . قال وكأن ناسا كرهوها . فنمت فرأيت فى المنام كأن انساناً ينادى : حج مبرور ، ومتعة متقبلة .فأتيت ابن عباس رضى الله عنهما فحدثته فقال : الله أكبر ، سنة أبى القاسم ﷺ .

قال : و قال آدم و وهب بن جرير و غندر عن شعبة : عمرة متقبلة ، وحج مبرور. [راجع :۱۵۶۷]

ترجمہ: ابوجمرہ نے کہا میں نے حضرت ابن عباس ﷺ سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے مجھ کواس کاحکم دیا اور میں نے ان سے ہدی یعنی قربانی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اونٹ یا گائے یا بکری یا جانور اونٹ یا گائے میں شرکت ۔ابوجمرہ نے کہا گویا بعض لوگوں نے تمتع کو برا سمجھا، میں سوگیا۔تو خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک انسان پکار رہا ہے کہ یہ حج مبرور یعنی مبارک ہے اور یہ تمتع مقبول ہے۔

پھر میں ابن عباس ﷺ کے پاس آیا اور میں نے ان سے یہ خواب بیان کیا انہوں نے کہا ''اللہ اکبر'' آخر یہ سنت ہے ابوالقاسم ﷺ کی۔یعنی یہ عمرہ مقبول ہے اور یہ حج مبرور یعنی مبارک ہے۔

(۱۰۳) باب ركوب البدن

قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا بیان

لقوله تعالىٰ: ﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله ، لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف فاذا وجبت جنوبها ﴾ الى قوله تعالى ﴿ وبشر المحسنين ﴾

[۱۴۸] روى البيهقى من حديث شريک عن عامر بن شقيق عن أبى وائل ((عن عبدالله : رمقت النبيا فلم يزل يلبى حتى رمى الجمرة العقبة بأول حصاة))، سنن البيهقى الكبرىٰ ، باب التلبية حتى يرمى جمرة العقبة بأول حصاة ثم يقطع ، رقم : ۹۳۸۵،ج :۵ ، ص : ۱۳۷، مكتبة الباز ، مكة المكرمة ، ۱۴۱۴ھ .

[الحج : ۳۶ ـ ۳۷] قال مجاهد : سميت البدن لبدنها ، والقانع : السائل . والمعتر : الذى يعتر بالبدن من غنى أو فقير. وشعائر الله : استعظام البدن واستحسا نها . والعتيق: عتقه من الجبابرة ، ويقال : وجبت : سقطت الى الأرض ، ومنه وجبت الشمس .

فرمایا کہ "والبدن جعلناها لكم من شعائر الله" بدنہ اللہ ﷻ کے شعائر میں سے ہے "لكم فيها خير فاذكروا إسم الله عليها صواف" "صواف" کے معنی ہیں "صف بستہ کھڑے ہونا" یعنی صف بستہ کھڑے کرکے اس میں اللہ ﷻ کا نام لو "فإذا وجبت جنوبها فاطعموا القانع والمعتّر" جب ان کے پہلو گر جائیں یعنی وہ ذبح ہو جائیں، تو خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "بدنہ" کو بدنہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا بدن بڑا ہوتا ہے (بعیر کو بدنہ کہتے ہیں) اور "القانع" کا معنی ہے، سائل، یہ قنوع سے نکلا ہے، قناعت سے نہیں ہے، "قَنِعَ ـ يقنَعُ ـ قناعة" کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز پر قناعت کرنا۔

اور "قَنَعَ، يقنع، قنوعاً" اس کے معنی ہیں کسی کے سامنے مانگنے کے لئے کھڑا ہو جانا، تو "قانع" کے معنی ہیں سائل اور "المعتر" کے معنی ہیں وہ شخص جو سامنے آجائے مراد یہ ہے کہ وہ زبان سے سوال تو نہیں کر رہا لیکن جب سامنے آ گیا تو اس کی حالت سے ایسا محسوس کر رہے ہو کہ اس کو ضرورت ہے تو اس کو بھی کھلاؤ، "البيت العتيق" اس کی تفسیر کر دی کہ اللہ ﷻ نے ظالموں سے آزاد کر دیا ہے، یعنی ظالم بادشاہوں کا اس گھر پر کوئی زور نہیں چلتا۔

بعض حضرات نے یہ تفسیر کی ہے کہ "قانع" "قناعت" سے ہے، یعنی وہ شخص جو حاجت مند ہونے کے باوجود قناعت سے بیٹھا ہے مانگتا نہیں، اور "معتر" وہ جو زبان سے یا زبان حال سے مانگتا ہے۔

۱۶۸۹ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن أبی الزناد، عن الأعرج، عن أبی ہریرة ﷺ : أن رسول الله ﷺ رأى رجُلاً يسوق بدنة فقال: ((ارْكَبْهَا)) فقال: إنَّها بدنةٌ ، فقال: ((ارْكَبْهَا)) فقال: انها بدنةٌ فقال: ((ارْكَبْهَا ويلک)) فى الثانيةَ أو فى الثالثة. [أنظر : ۱۷۰۶، ۲۷۵۵، ۶۱۶۰] . [۱۳۹]

[۱۳۹] وفى صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب جواز ركوب البدنة المهداة لمن احتاج اليها ، رقم : ۲۳۴۲، وسنن النسائى ، كتاب مناسک الحج ، باب ركوب البدنة ، رقم : ۲۷۴۹، وسنن أبى داؤد ، كتاب المناسک ، باب فى ركوب البدن ، رقم: ۳۰۹۴، ومسند أحمد ، باقى مسند المكثرين ، باب مسند أبى هريرة ، رقم : ۷۰۴۲، ۷۱۴۲، ۷۴۱۱، ۷۷۷۵، ۹۶۰۸، ۹۷۴۳، ۹۸۰۲، ۹۸۴۳، وموطامالک ، كتاب الحج ، باب مايجوز من الهدى، رقم :۷۴۳ .

۱۶۹۰ ـ حدثنا مسلم بن ابراهيم: حدثنا هشام و شعبة بن الحجاج قالا: حدثنا قتادة، عن أنس ﷺ أن النبی ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة، قال: ((ار كبها))، قال: انها بدنة. قال: ((ار كبها))، قال: انها بدنة. قال: ((ار كبها)) ثلاثاً. [أنظر: ۲۷۵۴، ۶۱۵۹]

ایک شخص بدنہ لے جا رہا تھا اور خود پیدل جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا یہ بدنہ ہے یعنی ہدی ہے اور ہدی سے انتفاع نہ کرنا چاہئے تو حضور ﷺ نے کہا سوار ہو جاؤ، پھر اس نے کہا بدنہ ہے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا سوار ہو جاؤ، دوسری یا تیسری مرتبہ۔ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں کہ بدنہ پر مطلقاً سواری جائز ہے۔

مسئلہ: حج کے موقع پر قربانی کے لئے جو جانور لے جاتے ہیں اس پر سوار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں جائز ہے جب آدمی مضطر ہو جائے بغیر اضطرار کے جائز نہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر ﷺ روایت کرتے ہیں **"سمعت رسول الله ﷺ يقول: اركبها بالمعروف اذا لجئت اليها حتى تجد ظهراً"**۔[150]

نیز حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے سوار ہو جائے اور سوار ہونے یا اس پر سامان لادنے کی وجہ سے اس میں کوئی نقص پیدا ہو جائے یعنی اس کی قیمت کم رہ جائے تو نقص کی مقدار رقم کا فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے۔[151]

امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاقؒ سے بھی حاجت کی قید جواز کے لئے مروی ہے، کیونکہ یہ بیت اللہ کے لئے موقوف ہے، اس لئے اس سے انتفاع صحیح نہیں اور حدیثِ باب بھی اضطرار کی حالت پر محمول ہے۔[152]

ظاہریہ کے نزدیک سوار ہونا واجب ہے، چونکہ حدیث میں "ارکب" امر کا صیغہ ہے، اور امر وجوب کے لئے ہے۔[153]

(۱۰۴) باب من ساق البدن معه

جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لے چلے

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے

---

[150]، [151] وقد رخص قوم من أهل العلم من أصحاب النبی ﷺ وغيرهم ركوب البدنة اذا احتاج الى ظهرها، وهو قول الشافعی وأحمد واسحاق، وهذا المنقول عن جماعة من التابعين: أنها لا تركب الا عند الاضطرار الى ذلك، وهو المنقول عن الشعبی والحسن البصری وعطاء ن أبی رباح، وهو قول أبی حنيفة وأصحابه، فلذلك قيده صاحب (الهداية) من أصحابنا بالاضطرار الى ذلك، عمدة القاری، ج: ۷ ص: ۲۹۳، وفتح الباری، ج: ۳، ص: ۵۳۷، و فی صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز ركوب البدنة المهداة لمن احتاج اليها، رقم: ۲۳۴۲، و نيل الأوطار، ج: ۵، ص: ۱۸۹، دار الجيل، بيروت، ۱۹۷۳ء.

[152] الدر المختار، باب الهدی.

[153] وجوب الركوب، نقله ابن عبدالبر عن بعض أهل الظاهر تمسكا بظاهر الأمر، عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۲۹۳، وفتح الباری، ج: ۳، ص: ۵۳۷.

جائے یعنی حرم سے پہلے حل ہی سے ہدی ساتھ لے لے، لیکن اگر کسی نے ساتھ نہیں لیا اور راستہ میں خرید لیا تو بھی جائز ہے جیسا کہ آنے والے ابواب میں امام بخاری رحمہ اللہ بتائیں گے۔

۱۶۹۱ ـ حدثنا يحيى بن بكير : حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب ، عن سالم بن عبدالله : أن ابن عمر رضى الله عنهما قال : تمتع رسول الله ﷺ فى حجة الوداع بالعمرة الى الحج و أهدى فساق معه الهدى من ذى الحليفة . وبدأ رسول الله ﷺ فأهل بالعمرة ثم أهل بالحج فتمتع الناس مع النبى ﷺ بالعمرة الى الحج ، فكان من الناس من أهدى فساق الهدى ومنهم من لم يهد. فلما قدم النبى ﷺ مكة قال : للناس : ((من كان منكم أهدى فانه لايحل من شيء ، حرم منه حتى يقضى حجه . ومن لم يكن منكم أهدى فليطف بالبيت و بالصفا و المروة و يقصر وليحلل ثم ليهل بالحج فمن لم يجد هديا فليصم ثلاثة أيام فى الحج وسبعة اذا رجع الى أهله)) . فطاف حين قدم مكة واستلم الركن أول شيء ، ثم خب ثلاثة أطواف ومشى أربعة من الأطواف فركع حين قضى طوافه بالبيت عندالمقام ركعتين ، ثم سلّم فانصرف فأتى الصفا ، فطاف بالصفا و المروة سبعة أطواف . ثم لم يحلل من شيء حرم منه حتى قضى حجه ونحر هديه يوم النحر ، وأفاض فطاف بالبيت ، ثم حل من كل شيء حرم منه ، وفعل مثل مافعل رسول الله ﷺ من أهدى وساق الهدى من الناس.

" أن ابن عمر رضى الله عنهما قال : تمتع رسول الله ﷺ ...... أهدى فساق الهدى ومنهم من لم يهد".

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کے ساتھ حج کا تمتع کیا یعنی عمرہ کر کے پھر حج کیا اور قربانی کا جانور ساتھ لیا، چنانچہ قربانی کا جانور اپنے ساتھ ذوالحلیفہ میں سے لیا اور پہلے رسول اللہ ﷺ نے شروع کیا، پہلے آپ ﷺ نے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا، پھر لوگوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ساتھ حج کو ملا کر تمتع کیا، چنانچہ لوگوں میں کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے قربانی کا جانور ساتھ لیا تھا اور کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے قربانی کا جانور نہیں لیا تھا۔

" فلما قدم النبى ﷺ مكة قال : .... وسبعة اذا رجع الى أهله".

جب نبی کریم ﷺ مکہ پہنچے تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی قربانی ساتھ لایا ہے وہ احرام سے باہر نہیں ہوگا جب تک حج پورا نہ کرلے اور جس نے قربانی کا جانور ساتھ نہیں لایا ہے وہ بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال کترائے اور احرام کھول ڈالے، اس کے بعد آٹھویں ذی

الحجہ کواحرام باندھے اب جوقربانی کا جانور نہ پائے وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے یعنی چھٹی، ساتویں اور آٹھویں ذی الحجہ کو یا ساتویں، آٹھویں نویں کو روزے رکھے اور سات روزے جب اپنے گھر لوٹ کر جائے۔

" فطاف حين قدم مكة .... حتى قضى حجه".

غرض آنحضرت ﷺ نے مکہ آئے تو سب سے پہلے طواف کیا اور حجر اسود کا بوسہ لیا اور طواف کے تین پھیروں میں دوڑ کر چلے اور چار پھیروں میں حسب معمول چلے اور جب بیت اللہ کا طواف کر چکے تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی سلام پھیرا اور فارغ ہو کر صفا پہاڑ پر آئے اور صفا و مروہ کے سات پھیرے کیے، اس کے بعد بھی جتنی چیزوں سے احرام میں پرہیز کرتے رہے جب تک حج پورا ادا نہیں کرلیا۔

"نحر هديه يوم النحر .... أهدى وساق الهدى من الناس".

دسویں ذی الحجہ کو قربانی کا نحر کیا اور لوٹ کر مکہ مکرمہ آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا، اب سب حلال ہو گئیں جتنی چیزیں احرام میں حرام تھیں اور جو لوگ قربانی ساتھ لائے تھے ان لوگوں نے بھی وہی کیا جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

۱۶۹۲ ـ وعن عروة عن عائشه رضى الله تعالى عنها أخبرته عن النبى ﷺ فى تمتعه بالعمرة الى الحج فتمتع الناس معه بمثل الذى أخبرنى سالم ، عن ابن عمر رضى الله عنهما عن رسول الله ﷺ.

عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ نبی کریم ﷺ نے تمتع کیا یعنی عمرہ کر کے حج کیا اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ تمتع کیا اور اسی طرح حدیث بیان کی جیسے سالم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے۔

(۱۰۵) باب من اشترى الهدى من الطريق

اگر کوئی حج کو جاتے ہوئے راستہ میں قربانی کا جانور خرید لے

۱۶۹۳ ـ حدثنا أبو النعمان : حدثنا حماد ، عن أيوب ، عن نافع قال : قال عبدالله بن عبدالله بن عمر ﷺ لأبيه : أقم فانى لا آمنها أن تصد عن البيت ، قال : اذاً أفعل كما فعل رسول الله ﷺ وقد قال الله :﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ فانا أشهد كم انى قد أوجبت على نفسى العمرة فأهل بالعمرة ، قال ثم خرج حتى اذا كان بالبيداء أهل بالحج والعمرة وقال : ماشأن الحج والعمرة الا واحد . ثم اشترى الهدى من قديد ثم قدم فطاف لهما طوافا واحدا فلم يحل حتى حل منهما جميعا . [راجع: ۱۶۳۹]

حل سے جانور خریدنا

واقعہ یہ ہوا تھا کہ اس سال حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی راستہ مامون نہ تھا اس لئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ کا رادہ کیا تو ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ نے سفر سے منع کیا، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ صاحبزادے کو جواب دے کر روانہ ہو گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ظاہر ہے کہ اگر اپنے گھر سے قربانی کا جانور ساتھ نہیں لیا اور راستے میں خرید لیا تو جائز ہے کافی ہے، کیونکہ ہدی کا اپنے شہر سے ساتھ لینا شرط نہیں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ مستقل دو باب ترتیب سے لائے اس سے قبل "من ساق البدن معه" سے اشارہ ہے کہ اپنے شہر سے قربانی کا جانور ساتھ لے، اب اس باب سے بتلایا کہ اگر نہیں لیا ہے اور راستے سے خرید لیا تو بھی جائز ہے۔

(۱۰۶) باب من أشعر وقلّد بذى الحليفة ثم أحرم

جو شخص ذوالحلیفہ پہنچ کر اشعار اور تقلید کرے پھر احرام باندھے

"وقال نافع: كان ابن عمر رضى الله عنهما إذا أهدى زمن الحديبية قلّدة و أشعرهُ بذى الحليفة، يطعن فى شق سنامه الأيمن بالشّفرة و وجهها قبل القبلة باركة".

یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے کہ یہاں آپ نے ذوالحلیفہ ہی میں ہدی کی تقلید فرمائی اور وہیں اشعار فرمایا اور وہیں عمرہ کا احرام باندھا، اس سے پتہ چلا کہ حدیبیہ کے موقع پر مواقیت مقرر ہو چکے تھے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نکاحِ محرم کے باب میں حنفیہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مواقیت کی تعیین حدیبیہ کے وقت سے ہو چکی، جبکہ شافعیہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر تعیین ہوئی ہے تو جب حدیبیہ میں تعیین ہو چکی تو عمرۃ القضاء کے اندر بطریق اولیٰ ہو چکی تھی، تو قلائد پہنا دینے سے حالتِ احرام شروع نہیں ہو جاتی، جب تک کہ آدمی تلبیہ نہ پڑھے۔

۱۶۹۴، ۱۶۹۵ ـ حدثنا أحمد بن محمد: أخبرنا عبدالله أخبرنا معمر، عن الزهرى، عن عروة بن الزبير، عن المسور بن مخرمة و مروان قالا: خرج النبى ﷺ من المدينة فى بضع عشرة مائة من أصحابه حتى إذا كانوا بذى الحليفة قلّد النبى ﷺ الهدى و أشعر و أحرم بالعمرة. [الحديث: ۱۶۹۴، أنظر: ۱۸۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۳۱، ۴۱۵۸، ۴۱۷۸، ۴۱۸۱]؛ [الحديث: ۱۶۹۵، أنظر: ۲۷۱۱، ۲۷۳۲، ۴۱۵۷،

۴۱۷۹، ۴۱۸۰]۔ ۱۵۴

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان دونوں نے کہا نبی کریم ﷺ ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ سے عمرہ کے لئے نکلے جب ذوالحلیفہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے قربانی کے جانور کی تقلید کی اور اشعار کیا اور عمرے کا احرام باندھا۔

تقلید واشعار کی تشریح

تقلید کہتے ہیں قربانی کے جانور کے گلے میں جوتیوں وغیرہ کا ہار (قلادہ) ڈالنا، قلادہ ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ ہدی حرم ہے اس کا دستور زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا، کیونکہ اہل عرب میں ویسے تو قتل وغارت گری کا بازار گرم رہتا تھا، لیکن جس جانور کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی حرم ہے اس کو ڈاکو بھی نہیں لوٹتے تھے اور یہ تقلید بالاتفاق سنت ہے۔ ۱۵۵

اسی علامت کا دوسرا طریقہ ''اشعار'' ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اونٹ کی داہنی کروٹ میں نیزے سے ایک زخم لگا دیا جاتا ہے، یعنی اونٹ کا کوہان داہنی طرف سے ذرا سا چیر دینا اور خون بہا دینا **''فیکون ذلک علامة علی کونها هدیا''**۔ ۱۵۶

۱۶۹۶ ـ حدثنا أبو النعيم : حدثنا أفلح ، عن القاسم ، عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت : فتلتُ قلائد بدن النبي ﷺ بيدى ثم قلدها اشعرها و أهداها ، و ماحرم عليه شيء كان أحل له. [أنظر: ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۲۳۱۷، ۵۵۶۶].

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ کے اونٹوں کے ہار (قلادہ) اپنے

---

۱۵۴ وفي سنن النسائي ، كتاب مناسك الحج، باب اشعار الهدى ، رقم : ۲۷۲۱، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك، باب في الاشعار، رقم : ۱۴۹۱ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الجهاد ، باب بيعة النساء ، رقم : ۲۸۶۶، ومسند أحمد ، أول مسند الكوفيين ، باب حديث المسور بن مخرمة الزهري ومروان بن الحكم ، رقم: ۱۸۱۵۱، ۱۸۱۶۰، ۱۸۱۶۲.

۱۵۵ وهو سنة بالاجماع ، وهو تعليق نعل أو جلد ليكون علامة الهدى . وقال أصحابنا : لو قلد بعروة مزادة أو لحى شجرة أو شبه ذلك جاز لحصول العلامة ، وذهب الشافعي و الثوري الى أنها تقلد بنعلين ، وهو قول ابن عمر، وقال الزهري ومالك : يجزئ واحدة ، وعن الثوري : يجزئ فم القربة ، ونعلان أفضل لمن وجدهما ، كذا ذكره العلامة بدرالدين العيني في العمدة ، ج : ۷، ص: ۳۰۲.

۱۵۶ عمدة القاري ، ج :۷ ، ص: ۳۰۱.

ہاتھوں سے بٹے پھر آپ ﷺ نے ان کے گلے میں ڈالا اور انہیں اشعار کیا اور انہیں حرم کی جانب روانہ کیا اور جو چیزیں حلال تھیں کوئی چیز آپ ﷺ پر حرام نہیں ہوئی۔

مسئلہ : اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص خود مکہ نہ جائے اور قربانی کا جانور بھیج دے تو صرف قربانی بھیجنے سے آدمی محرم نہیں ہوتا جب تک احرام کی نیت نہ کرے۔

اس حدیث میں ''اشعار'' کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اشعار فرمایا اور یہ سنت ہے اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور اشعار جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ [۱۵۷]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف جو منسوب ہے کہ انہوں نے اشعار کا انکار کیا تو حقیقت میں یہ نسبت اس اطلاق کے ساتھ درست نہیں ہے، اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بہت تشنیع کی گئی ہے۔ [۱۵۸]

اشعار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے میں لوگ ''اشعار'' میں مبالغہ سے کام لینے لگے تھے، اور اشعار میں کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ ڈالتے تھے جس سے جانوروں کو ناقابل برداشت تکلیف ہوتی تھی اور اس جانور کے مرنے کا خطرہ ہوتا تھا، اسی لئے انہوں نے اشعار سے منع فرمایا تھا، تو درحقیقت ''مبالغہ فی الاشعار'' سے روکنا تھا کہ اس طرح نہ کرو اور فی نفسہ انہوں نے اشعار کو ناجائز قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس کے سنت ہونے کا انکار کیا۔ [۱۵۹]

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نہ اصل ''اشعار'' کو مکروہ کہتے ہیں اور نہ

---

[۱۵۷] روی الاشعارعن رسول اللہ ﷺ وعن الخلفاء الراشدین ، نصب الرایة ، ج : ۳، ص: ۱۱۷ ، دار الحدیث ، مصر ، ۱۳۵۷ھ.

[۱۵۸] وقال ابن حزم فی (المحلی) : قال أبو حنیفة : أکره الاشعار وهو مثلة ، وقال : هذه طامة من طوام العالم أن یکون مثلة شیء فعله رسول اللہ ﷺ أف لكل عقل یتعقب حکم رسول اللہ ﷺ ویلزمه أن تکون الحجامة وفتح العرق مثله، فیمنع من ذلک . وهذه قولة لا نعلم لأبی حنیفة فیها متقدم من السلف ، ولا موافق من فقهاء عصره الا من ابتلاه اللہ تعالیٰ بتقلیده .عمدة القاری ، ج : ۷،ص: ۳۰۱ ، دارالفکر ، بیروت ، ۱۴۱۸ھ ، وفتح الباری ، ج :۳، ص: ۵۴۴، دارالمعرفة ، بیروت ، و المحلی ، ج :۷، ص: ۱۱۱ ، دارالآفاق الجدیدة ، بیروت .

[۱۵۹] قلت : هذا سفاهة وقلة حیاء ، لأن الطحاوی الذی هو أعلم الناس بمذاهب الفقهاء ، ولا سیما بمذهب أبی حنیفة، ذکر أن أبا حنیفة لم یکره أصل الاشعار ، ولا کونه سنة ، وانما کره ما یفعل علی وجه یخاف منه هلا کها لسرایة الجرح، لا سیما فی حر الحجاز مع الطعن بالسنان أو الشفرة ، فأراد سد الباب علی العامة ، لأنهم لا یراعون الحد فی ذلک ، وأما من وقف علی الحد فقطع الجلد دون اللحم فلا یکرهه ، عمدة القاری ، ج: ۷،ص: ۳۰۱.

اس کے سنت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔[۱۶۰]

حقیقت یہ ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی بات راجح ہے، اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اس مقام پر امام طحاوی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں وہ **" أعلم الناس بمذهب أبی حنيفة"** ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی وعلامہ عینی رحمہما اللہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی بات کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں **"ويتعين الرجوع الى ما قال الطحاوی فانه أعلم من غيره بأقوال أصحابه"**۔[۱۶۱]

یہ موجب طعن ہرگز نہیں

اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نفس ''اشعار'' کو مکروہ سمجھتے تھے تب بھی یہ ان کا اجتہاد ہے جو رائے پر نہیں بلکہ احادیث **"النهی عن المثلة"** اور احادیث **"النهی عن تعذيب الحيوان"** پر مبنی ہے، گویا وہ احادیث اشعار کو اس سے منسوخ مانتے ہیں اور اس قسم کے اجتہادات ہر مجتہد کے ہاں ملتے ہیں اور محض ان کی وجہ سے کسی مجتہد کو موجب طعن نہیں بنایا جاسکتا۔

بعض حضرات کے نزدیک راجح یہ ہے کہ احادیثِ ''اشعار'' احادیث **"نهی عن المثلة"** کے ساتھ معارض ہیں، لہٰذا جب تعارض ہو، تو ترجیح محرم کی ہوتی ہے، علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔[۱۶۲]

اس کے علاوہ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس قسم کا کوئی قول مروی ہے تو اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ''اشعار'' کے مقابلہ میں تقلیدِ نعلین افضل ہے، جس کی دلیل نبی کریم ﷺ نے جتنے بدنوں کا سوق فرمایا ہے ان میں سے صرف ایک کا آپ ﷺ نے ''اشعار'' فرمایا تھا، باقی سب میں تقلید کی صورت پر عمل کیا تھا۔

واضح رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسی روایات مروی ہیں جن سے **" تخيير بين الاشعار و تركه"** کا پتہ چلتا ہے، گویا اس دونوں حضرات کے

---

[۱۶۰] وفيه مشروعية الاشعار ...... وبذلک قال الجمهور من السلف والخلف ، وذكر الطحاوی فی "اختلاف العلماء" كراهته عن أبی حنيفة ، وذهب غيره الى استحبابه للاتباع ، حتى صاحباه أبو يوسف ومحمد فقالا: هو حسن . قال وقال مالک : يختص الاشعار بمن لها سنام ، قال الطحاوی : ثبت عن عائشة وابن عباس التخيير فی الاشعار وتركه ، فدل على أنه ليس بنسک ، لكنه غير مكروه لثبوت فعله عن النبی ﷺ .فتح الباری ، ج : ۳، ص: ۵۴۴.

[۱۶۱] فتح الباری ، ج :۳ ، ص:۵۴۵.

[۱۶۲] الحديث الثامن حديث النهی عن المثلة ، قلت :ليس فی كلام المصنف أن الاشعار منسوخ بحديث النهی عن المثلة و اذا وقع التعارض فالترجيح للمحرم، انتهى ، وكان جماعة من العلماء تفهموا عن أبی حنيفة النسخ من ذلک وكذلک رواه السهيلی فی الروض الأنف ، نصب الراية ، ج :۳ ، ص: ۱۱۸ ، دارالحديث ، مصر ، ۱۳۵۷ھ.

نزدیک ''اشعار'' نہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب، بلکہ مباح ہے جس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ان کے قریب قریب ہے۔[۱۶۳]

(۱۰۷) باب فتل القلائد للبدن والبقر

قربانی کے اونٹ اور گائیوں کے لئے ہار بٹنے کا بیان

۱۶۹۷ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن عبیداللہ قال: أخبرنی نافع، عن ابن عمر، عن حفصة ﷺ، قالت: قلت: یارسول اللہ ماشأن الناس حلّوا ولم تحل أنت؟ قال: انی لبدت رأسی وقلدت هدیی فلا أحل حتی أحل من الحج. [راجع: ۱۵۶۶]

ترجمہ: حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ انہوں نے احرام کھول ڈالا اور آپ ﷺ نے احرام نہیں کھولا؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بالوں کو جما لیا ہے اور قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادہ ڈال دیا ہے اس لئے میں جب تک حج سے فارغ نہ ہولوں احرام نہیں کھول سکتا۔

۱۶۹۸ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث حدثنا ابن شهاب عن عروة، وعن عمرة بنت عبدالرحمن أن عائشه رضی اللہ عنها قالت: کان رسول اللہ ﷺ یهدی من المدینة فافتل قلائد هدیه ثم لایجتنب شیئا مما یجتنب المحرم. [راجع: ۱۶۹۶]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے قربانی کے جانور حرم میں بھیجتے تو میں اس کی ہدی کے قلائد بٹتی اس کے بعد آپ ﷺ ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتے جن سے محرم پرہیز کرتا ہے۔

(۱۰۸) باب اشعار البدن،

قربانی کے اونٹوں کا اشعار کرنا

"وقال عروة عن المسور ﷺ: قلد النبی ﷺ الهدی وأشعره وأحرم بالعمرة".

---

[۱۶۳] ذهب جمهور العلماء الی أن الاشعار سنة، وذکر ابن أبی شیبة فی (مصنفه) باسانید جیدة عن عائشة عن ابن عباس قال: ان شئت فاشعر الهدی وان شئت فلا تشعر، .... قلت: الجواب عما نقله الترمذی عن وکیع، وعما قاله الخطابی، وعن قول کل من یتعقب علی أبی حنیفة بمثل هذا یحصل مماقاله الطحاوی، وقد رأیت کل ماذکره، وفیه أریحیة العصبیة والحط علی من لایجوز الحط علیه، وحاشا من أهل الانصاف أن یصدر منهم مالا یلیق ذکره فی حق الأئمة الأجلاء علی أن أبا حنیفة قال: لا أتبع الرأی والقیاس الا اذا لم أظفر بشیء من الکتاب أو السنة أو الصحابة، وهذا ابن عباس وعائشة، قد خیر صاحب الهدی فی الاشعار وترکه، وهذا یشعر منهما أنهما کانا لا یریان الاشعار سنة ولا مستحبا. عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۳۰۲، و مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الحج، باب فی الاشعار أواجب هو أم لا، ج: ۳، ص: ۱۷۷، مکتبة الرشد الریاض، ۱۴۰۹ھ

''عروہ نے حضرتِ مسور ﷺ سے نقل کیا نبی کریم ﷺ نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادہ ڈالا اوران کا اشعار کیا اور عمرے کا احرام باندھا''۔

۱۶۹۹ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة : حدثنا أفلح بن حميد ، عن القاسم ، عن عائشه رضي الله عنها قالت : فتلت قلا ئد هدى النبى ﷺ ثم أشعرها وقلدها أو قلدتها ثم بعث بهاالى البيت وأقام بالمدينة ، فما حرم عليه شيء كان له حل . [راجع : ۱۶۹۶]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے قلادے بٹے پھر آپ ﷺ نے ان کا اشعار کیا اوران کے گلے میں قلادہ ڈالا یا میں نے ان کو قلادہ ڈالا پھر آپ ﷺ نے ان کو کعبے کی طرف روانہ کردیا اور خود مدینہ میں ٹھہرے رہے اور جو چیزیں حلال تھیں کوئی چیز آپ ﷺ پر حرام نہیں ہوئیں۔

(۱۰۹) باب من قلد القلائد بيده

جس نے اپنے ہاتھ سے قلادے (ہار) ڈالے

مقصد یہ ہے کہ جیسے خود اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا اولیٰ ہے اسی طرح اپنے ہاتھ سے تقلید ہدی اولیٰ ہے۔

۱۷۰۰ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن عبدالله بن أبى بكر بن عمرو بن حزم عن عمرة بنت عبدالرحمٰن : أنها أخبرته : أن زياد ابن أبى سفيان كتب الى عائشة رضى الله عنها : ان عبدالله بن عباس رضى الله عنهما قال : من أحدى هديا حرم عليه ما يحرم على الحاج حتى ينحر هديه . قالت عمرة : فقالت عائشة رضى الله عنها : ليس كما قال ابن عباس ﷺ ، أنا فتلت قلا ئد هدى رسول الله ﷺ بيدى ثم قلدها رسول الله ﷺ بيده ، ثم بعث بها مع أبى ، فلم يحرم على رسول الله ﷺ شىء أحله الله حتى نحر الهدى . [راجع : ۱۶۹۶]

ترجمہ: زیاد ابن ابی سفیان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کہتے ہیں کہ جو کوئی قربانی کا جانور بیت اللہ کو روانہ کرے اس پر وہ سب چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو حاجی پر حرام ہیں، جب تک ہدی نحر نہ کردی جائے۔

عمرہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ابن عباس ﷺ نے جو کہا ہے ویسا نہیں ہے، میں نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے قلادے بٹے تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے وہ قلادے جانوروں کی گردن میں ڈالے پھر انہیں میرے والد ابوبکر صدیق ﷺ کے ساتھ بھیجا اور رسول اللہ ﷺ پر کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی جو اللہ ﷻ نے ان کے لئے حلال کی یہاں تک کہ ہدی کو نحر کیا گیا۔

(۱۱۰) باب تقلید الغنم

بکریوں کے گلے میں قلادہ ڈالنے کا بیان

۱۷۰۱ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا الأعمش، عن إبراهیم، عن الأسود، عن عائشة رضی الله عنها قالت: أهدی النبی ﷺ مرة غنما. [راجع: ۱۶۹۶]

"أهدی النبی ﷺ مرة غنما".

ایک بار نبی کریم ﷺ نے قربانی کے لئے بکریاں بھیجیں۔

غنم کی تقلید کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حنفیہ کے ہاں قلادہ پہنانا صرف اونٹوں میں ہوتا ہے بکریوں میں نہیں ہوتا اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

یہ حدیث حنفیہ کے خلاف حجت کے طور پر پیش کی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ تقلید غنم کے منکر نہیں ہیں، جب کہ شافعیہ اور حنابلہ غنم کے لئے فتل قلائد کا قائل ہیں۔[۱۶۴]

فرق تقلید کی نوعیت کا ہے کہ اونٹوں میں قلادہ جوتوں وغیرہ کا پہنایا جاتا ہے اور غنم کے اندر قلادہ اس طرح کا نہیں ہوتا بلکہ ہلکا اور معمولی نوعیت کا ہوتا ہے، چھوٹا موٹا دھاگہ وغیرہ باندھ دیا یا کوئی چھوٹی سی پٹی باندھ دی، اس لئے کہ حنفیہ کا صحیح تر قول یہ ہے جس کو علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بکری چونکہ چھوٹا جانور ہے اس لئے اگر جوتا وغیرہ وزنی قلادہ ڈالا جائے تو بکریوں کو چلنے میں تکلیف ہوگی، اس لئے حنفیہ پسند نہیں کرتے نفس جواز کا انکار نہیں، تو اس لئے حنفیہ اس کے منکر نہیں ہیں، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے خلاف بھی نہیں، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"علی أنا نقول: انهم ما منعوا الجواز وانما قالوا بأن التقلید فی الغنم لیس بسنة"**۔[۱۶۵]

بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بکری ہدی نہیں ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ **"هذا افتراء علی الحنفیة، ففی أی موضوع قالت الحنفیة: أن الغنم لیست من الهدی؟"**۔[۱۶۶]

۱۷۰۲ - حدثنا أبو النعمان: حدثنا عبدالواحد: حدثنا الأعمش: حدثنا إبراهیم،

---

[۱۶۴] واحتج الشافعی بهذا الحدیث علی أن الغنم تقلد، و به قال أحمد واسحاق وأبو ثور وابن حبیب، وقال مالک و أبوحنیفة: لا تقلد لانها تضعف عن التقلید. وقال أبو عمر: احتج من لم یره بأن الشارع انما حج حجة واحدة لم یهد فیها غنما، عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۳۱۰، والمحلی، ج: ۷، ص: ۱۱۲، دارالآفاق الجدیدة، بیروت:

[۱۶۵] عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۳۱۰.

[۱۶۶] عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۳۱۰.

عن الأسود، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أفتل القلائد للنبي ﷺ فيقلد الغنم ويقيم في أهله حلالاً. [راجع: ۱٦۹٦]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کی قربانی کی بکریوں کے ہار بٹتی تھی اور آپ ﷺ بکریوں کے گلے میں ڈالتے اور بغیر احرام کے گھر میں رہتے۔

۱۷۰۳ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد: حدثنا منصور بن المعتمر؛ ح: وحدثنا محمد بن كثير، أخبرنا سفيان عن منصور، عن ابراهيم عن الأسود عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أفتل قلائد الغنم للنبي ﷺ ۔ فيبعث بها، ثم يمكث حلالا. [راجع: ۱٦۹٦]

میں نے نبی کریم ﷺ کی قربانی کی بکریوں کے ہار بٹا کرتی تھی، پھر آپ ﷺ ان بکریوں کو روانہ کر دیتے اور خود بغیر احرام کے رہتے۔

۱۷۰۴ ۔ حدثنا أبو نعيم: حدثنا زكريا، عن عامر، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: فتلت لهدي النبي ﷺ ۔ تعني القلائد ۔ قبل أن يحرم. [راجع: ۱٦۹٦]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے ہار بٹے آپ ﷺ کے احرام باندھنے سے پہلے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ نے ۹ھ میں حج کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر خود تشریف نہیں لے گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیج دیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بکریوں کے قلادے بٹنے شروع کر دیئے تھے، پھر بعد میں آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا۔

(۱۱۱) باب القلائد من العهن

اون کے قلادے کا بیان

۱۷۰۵ ۔ حدثنا عمرو بن علي: حدثنا معاذ بن معاذ: حدثنا ابن عون عن القاسم، عن أم المؤمنين رضي الله عنها قالت: فتلت قلائدها من عهن كان عندي. [راجع: ۱٦۹٦]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ اون تھا میں نے اس کے قربانی کے جانوروں کے لئے ہار بنا دیئے۔

مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ قلادہ نباتات ارض سے ہونا چاہیئے اور عہن صوف یعنی اون ہے جو جنس ارض سے نہیں ہے تو اس کی تردید میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ” **وفيه رد على من كره الأوبار**

و اختار أن تكون من نبات الأرض ، و هو منقول عن ربيعة ومالک ، وقال ابن التين : لعله أراد أنه الأولى ، مع القول بجواز كونها من الصوف" واللہ اعلم ۔[۱۶۷]

(۱۱۲) باب تقليد النعل

جوتی کے قلادہ بنانا

۱۷۰۶ ـ حدثنا محمد : أخبرنا عبدالأعلى بن عبدالأعلى ، عن معمر ، عن يحيى بن أبى كثير عن عكرمة عن أبى هريرة ﷺ : أن نبى الله ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة ، قال: ((اركبها)) قال : انها بدنة . قال : ((اركبها)) قال : فلقد رأيته راكبها يساير النبى ﷺ والنعل في عنقها . تابعه محمد بن بشار .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کا اونٹ ہانک رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا سوار ہوجا، اس نے کہا قربانی کا جانور ہے آپ ﷺ نے فرمایا سوار ہوجا ابو ہریرہ ﷺ نے کہا کہ میں نے اس کو دیکھا اونٹ پر سوار نبی کریم ﷺ کے ساتھ چل رہا ہے اور جوتی اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ایک جوتی کی تقلید بھی جائز وکافی ہے اگر ہدی گائے یا اونٹ ہے تو افضل ومستحب یہ ہے کہ دو جوتے ہوں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "نعل" مفرد لا کر امام ثوری رحمہ اللہ پر رد کیا ہے کہ ان کے نزدیک دو جوتے ہونے چاہئیں۔[۱۶۸]

حدثنا عثمان بن عمر :أخبرنا على بن المبارک عن يحيى عن عكرمة عن أبى هريرة عن النبى ﷺ [راجع : ۱۶۸۹]

(۱۱۳) باب الجلال للبُدن

اونٹوں کے جھولوں کا بیان

وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما لا يشقُّ من الجلال إلا موضع السّنام . وإذا نحرها نزع جلالها مخافة أن يفسدها الدم ثم يتصدق بها.

---

[۱۶۷] فتح البارى ، ج :۳، ص: ۵۴۸.

[۱۶۸] قوله (باب تقليد النعل) يحتمل أن يريد الجنس ، ويحتمل أن يريد الوحدة أى النعل الواحدة فيكون فيه اشارة الى من اشترط نعلين و هو قول الثورى ، وقال غيره تجزئ الواحدة ، فتح الباري ، ج :۳، ص: ۵۴۹.

"جلال" جمع ہے **"جل"** کی اور **"جل"** کہتے ہیں زین کو، تو اونٹ جو بدنہ ہوتا ہے اس کے اوپر زین ڈال دی جاتی ہے۔

"وکان ابن عمر ﷺ لا یشق من الجلال" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما زین کو پھاڑتے نہیں تھے مگر کوہان کی جگہ سے، یعنی زین ڈالتے تھے اور کوہان کی جگہ سے اس کو پھاڑ دیتے تھے باقی زین اپنی جگہ پر رکھتے تھے کوہان کے حصہ کی زین کو اس لئے پھاڑتے تھے کہ کوہان پر اشعار ہوتا تھا تا کہ کوہان نظر آئے اور پتہ چلے ورنہ اگر زین اس کے اوپر ڈال دیں تو اشعار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے وہ زین کے کوہان والے حصے کو پھاڑ دیتے تھے۔

"وإذا نحرها نزع جلالها" جب نحر کرتے تو زینیں اتار دیتے **"مخافة أن یفسدها الدم"** اس بات کے اندیشے سے کہ خون زین کو خراب نہ کرے، بعد میں اس کو صدقہ کردیتے تھے تو معلوم ہوا کہ جانور کے اوپر زین وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو قربانی کے بعد وہ بھی صدقہ کر دینی چاہئے۔

۱۷۰۷ ۔ حدثنا قبیصة : حدثنا سفیان ، عن ابن أبی نجیح ، عن مجاهد ، عن عبدالرحمن بن أبی لیلی ، عن علی ﷺ قال : أمرنی رسول الله ﷺ ان أتصدق بجُلال البدن التی نحرت وبجلودها. [أنظر: ۱۷۱۶، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۲۲۹۹]

ترجمہ: حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ قربانی کے اونٹ جن کو میں نے نحر کیا اس کی جھولیں اور کھالیں فقیروں کو خیرات کردوں۔

(۱۱۴) باب من اشتری هدیه من الطریق وقلدها

جس نے راہ میں قربانی کا جانور خریدا اور اس کو ہار پہنایا

۱۷۰۸ ۔ حدثنا ابراهیم بن المنذر : حدثنا أبو ضمرة : حدثنا موسی بن عقبة ، عن نافع قال : أراد ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما الحج عام حجة الحروریة فی عهد ابن الزبیر رضی الله عنهما ، فقیل له : ان الناس کائن بینهم قتال و نخاف أن یصدوک فقال : ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اذا أصنع کما صنع ، أشهدکم انی قد أوجبت عمرة ، حتی کان بظاهر البیداء قال : ماشأن الحج و العمرة الا واحد، أشهدکم إنی جمعت حجة مع عمرة ، و اهدی هدیا مقلدا اشتراه حتی قدم فطاف بالبیت و بالصفا . و لم یزد علی ذلک و لم یحلل من شیء حرم منه حتی یوم النحر ، فحلق و نحر و رأی أن قد قضی طوافه للحج و العمرة بطوافه الأول ثم قال : کذلک صنع النبی ﷺ . [راجع : ۱۶۳۹]

ترجمہ: نافع نے بیان کیا کہ جس سال حروریہ کے خارجیوں نے حج کا ارادہ کیا عبداللہ بن زبیر کی خلافت میں اسی سال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حج کا قصد کیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ اس سال لوگوں کے درمیان لڑائی ہے اور ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ کو روک دیں یعنی کعبہ نہ جانے دیں۔

تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

یعنی تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ عمل ہے، اگر ایسا ہوا تو میں ویسے ہی کروں گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے سال کیا تھا۔

میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ واجب کرلیا، جب بیداء کے کھلے میدان میں پہنچے تو کہنے لگے حج اور عمرہ دونوں کا حال یکساں ہے میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ حج کی بھی نیت کرلی اور قربانی کا جانور بھی ساتھ لیا، اس پر قلادہ پڑا ہوا تھا، راستہ میں اس کو خریدا جب بیت اللہ پہنچے تو طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔

دسویں تاریخ تک احرام کی حالت میں رہے اس دن سر منڈایا اور نحر کیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ ان کا پہلا طواف حج و عمرہ دونوں کے لئے کافی تھا پھر فرمایا نبی کریم ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ یہاں پر لڑائی کا سبب حروریہ کے خروج کو قرار دیا ہے۔ حروریہ خوارج کو کہتے ہیں، حالانکہ پہلے یہی واقعہ گذرا ہے جس میں حجاج بن یوسف کے حملے کا ذکر تھا، اب یہاں تین احتمال ہیں: ایک یہ کہ دوسرا واقعہ ہو، لیکن یہ اس لئے مشکل ہے کہ اسی روایت میں صراحت ہے کہ واقعہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا۔ دوسرے یہ ممکن ہے کہ حجاج کے خروج ہی کو حروریہ کا خروج قرار دیا گیا ہو۔ اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی راوی سے وہم ہو گیا ہو۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد مالکیہ کے قول پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ اگر راستے سے خریدے تو عرفات لے جانا ضروری ہے، تو امام بخاری رحمہ امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف جمہور کی تائید فرماتے ہیں کہ عرفات لے جانا ضروری نہیں ہے اس لئے جو روایت انہوں نے ذکر فرمائی ہے اس کے اندر عرفات لے جانے کا ذکر نہیں۔

(۱۱۵) باب ذبح الرَّجُل البقر عن نسائه من غير أمرهن

اپنی عورتوں کی طرف سے بغیر ان کی اجازت کے گائے ذبح کرنا

۱۷۰۹ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالک، عن يحيى بن سعيد، عن عَمرَة بنت عبدالرحمٰن قالت: سمعت عائشة رضی الله عنها تقول: خرجنا مع الرسول الله ﷺ لخمس بقين من ذی القعدة لا نرى إلّا الحج، فلمّا دنونا من مكّة أمر رسول الله ﷺ من لم

يكن معه هدىً إذا طاف وسعى بين الصفا والمروة أن يحلَّ قالت: فدخل علينا يوم النحر بلحم بقر فقلت: ما هذا؟ قال: نحر رسول الله ﷺ عن أزواجه. قال يحيى: فذكرته للقاسم، فقال: أتتک بالحديث على وجهه. [راجع: ۲۹۴].

طاعاتِ مالیہ میں نیابت کا مسئلہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نکلے ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے یعنی پچیس ذیقعدہ کو ہم مدینہ سے نکلے **"لا نرى إلا الحج"** ہمارے ذہن میں حج ہی تھا کہ حج کرنے جارہے ہیں۔

"لا نرى إلا الحج" سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ افراد کا احرام باندھا تھا لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، جب آدمی قران یا تمتع کرتا ہے اور اس سے پوچھو کہ کہاں جارہے ہو؟ تو وہ کہے گا حج کرنے جارہا ہوں تو یہ مطلب ہے **"لا نرى إلا الحج"** کا۔

ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے درحقیقت تمتع کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے **"فلما دنونا من مكة"** جب ہم مکہ مکرمہ کے قریب آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **"من لم يكن معه هدى"** **قالت فدخل علينا يوم النحر بلحم بقر"** بعد میں جب یوم النحر آیا تو ہمارے پاس دیکھا کہ گھر میں گائے کا گوشت چلا آرہا ہے، **"فقلت ما هذا؟"** میں نے کہا یہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے یہ گائے قربان کی ہے۔

"قال يحيى فذكرته للقاسم" یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ قاسم بن محمد کو سنایا تو فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث صحیح طریق پر روایت کی ہے تو یہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب کا اظہار کیا کہ یہ کیا ہے؟ گوشت کہاں سے آیا؟ پھر آپ کو بتایا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی ہے۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر بھی قربانی کردے تو ان کی طرف سے قربانی ہو جائے گی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ پوچھنا کہ یہ کیا ہے؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے قربانی کا کوئی امر نہیں کیا تھا، لیکن یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ازواج سے کہا ہو کہ میں تمہاری طرف سے قربانی کردوں، انہوں نے کہا ٹھیک ہے کردیجئے گا، لیکن اُن کو پتہ نہیں تھا کہ یہ جو گوشت آرہا ہے یہ اسی قربانی کا ہے جو ہماری طرف سے کی گئی تھی، یا کوئی اور گوشت ہے، سو اس واسطے انہوں نے پوچھا کہ **"ما هذا؟"** تو اس سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ بغیر امر اور بغیر اذن کے بھی کسی کی طرف سے قربانی ہو جاتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قربانی کرنا طاعات مالیہ میں سے ہے اور طاعات مالیہ میں نیابت جائز ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال اسی لئے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ وہی گوشت ہے جس کی توکیل و اجازت تھی یا کہیں اور سے آیا ہے۔

(۱۱۶) باب النحر فی منحر النبی ﷺ بمنی

منیٰ میں نبی اکرم ﷺ نے جہاں نحر کیا تھا وہاں نحر کرنا

آنحضرت ﷺ کے نحر کا مقام منیٰ میں جمرہ عقبہ کے قریب مسجد خیف کے پاس تھا۔ منیٰ میں ہر جگہ نحر کرنا درست ہے، کسی مقام کی کوئی خصوصیت نہیں، لیکن اگر کوئی حضور ﷺ کی اتباع میں آپ ﷺ کے منحر پر ذبح کرے تو یہ افضل ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اتباع سنت میں بڑا تشدد تھا وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہی مقامات میں نماز پڑھتے تھے جہاں آنحضرت ﷺ نے پڑھی تھی اسی طرح نحر بھی اسی مقام پر کیا کرتے تھے جہاں آنحضرت ﷺ نے نحر کیا تھا۔[169]

۱۷۱۰ ــ حدثنا اسحاق بن ابراهيم : سمع خالد بن الحارث : حدثنا عبيدالله بن عمر ، عن نافع : أن عبدالله رضی الله عنه كان ينحر في المنحر ، قال عبيدالله : منحر رسول الله ﷺ. [راجع : ۹۸۲]

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس مقام میں نحر کیا کرتے تھے، جہاں رسول اللہ ﷺ نحر کیا کرتے تھے۔

۱۷۱۱ ــ حدثنا ابراهيم بن المنذر : حدثنا أنس بن عياض : حدثنا موسى بن عقبة ، عن نافع : أن ابن عمر رضی الله عنهما كان يبعث بهديه من جمع من آخر الليل حتى يدخل به منحر رسول الله مع حجاج فيهم الحر والمملوك .[راجع : ۹۸۲]

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی قربانی کے جانور اخیر رات میں حاجیوں کے ساتھ جن میں آزاد غلام سب ہی ہوتے مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیتے، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قربان گاہ میں داخل کر دیئے جائیں۔

مسئلہ : اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کے لے جانے کے لئے آزاد لوگوں کی تخصیص نہ تھی، بلکہ غلام بھی لے جاتے تھے۔[170]

---

[169] و منى كلها منحر ، فانحروا فى رحالكم ، و هذا ظاهره أن نحره ﷺ بذلك المكان ، وقع عن اتفاق ، لا لشيء يتعلق بالنسك ، ولكن ابن عمر كان شديدا الاتباع ..... و لاخلاف في الجواز و ان اختلف في الأفضل . فتح الباری ، ج: ۳،ص: ۵۵۲.

[170] يعني أن ابن عمر لم يكن يخص في بعث هدية مع الحجاج الحر منهم ولا مملوك ، وأشار به الى أنه لا يشترط بعث الهدى مع الأحرار دون العبيد. عمدة القاری ، ج: ۷، ص: ۳۲۰، و فتح الباری ، ج :۳، ص: ۵۵۲.

(۱۱۷) باب من نحر هديه بيده

جو شخص اپنے ہاتھ سے قربانی کرے

۱۷۱۲ـ حدثنا سهل بن بكّار : حدثنا وهيب ، عن أيّوب ، عن أبي قلابة ، عن أنس ، و ذكر الحديث . قال : و نحر النبي ﷺ بيده سبع بدن قياماً و ضحى بالمدينة كبشين أملحين أقرنين . مختصرا . [راجع : ۱۰۸۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے سات اونٹوں کو کھڑا کر کے اپنے دست مبارک سے نحر کیا اور مدینے میں دو چتکبرے سینگ والے مینڈھے قربان کیے۔

افضل اور مستحب یہی ہے کہ اگر خود اچھی طرح سے ذبح کرسکتا ہے تو قربانی اپنے ہاتھ سے نحر یا ذبح کرے، لیکن اگر کوئی عذر ہو یا جانور بہت ہوں تو دوسرا بھی کرسکتا ہے۔[۱۷۱]

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے صرف سات اُونٹ نحر فرمائے۔ لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے تریسٹھ اُونٹ خود نحر فرمائے، جو آپ ﷺ کی عمر شریف کی تعداد کے مطابق تھے، باقی اُونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر فرمائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں جو ابوداؤد اور مسند احمد میں مروی ہے، یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے تیس اُونٹ خود قربان فرمائے اور باقی میں نے کئے۔ نیز ابوداؤد ہی میں عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے سامنے پانچ یا چھ اُونٹ لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب آنے کی کوشش میں تھا کہ آپ اسی کو پہلے قربان کریں۔

ان میں تطبیق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تیس اُونٹ تو کسی دوسرے کی مدد کے بغیر خود نحر فرمائے، اور تینتیس اُونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد سے نحر فرمائے، جیسا کہ عروہ بن حارث کندی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جس نیزے سے نحر کرنا تھا اس کا نچلا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکڑا تھا، اور اس طرح دونوں نے مل کر نحر کیا۔ بہر حال اس طرح تریسٹھ اُونٹ کے نحر میں آنحضرت ﷺ کا دست مبارک شامل تھا۔ باقی اُونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر فرمائے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے یہ تطبیق دی ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے بہت سے (مثلاً تریسٹھ) اُونٹ قربان فرمائے، مگر شروع میں سات اُونٹ ایک ساتھ آئے تھے، اس لئے ان کا حدیثِ باب میں خاص طور سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

"مختصراً" کا تعلق "ذکر" سے ہے "أي ذكر حديث مختصراً".

(۱۱۸) باب نحر الابل مقيدة

اونٹ کو باندھ کر نحر کرنا

۱۷۱۳ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة : حدثنا يزيد بن زريع ، عن يونس ، عن زياد بن جبير : قال : رأيت ابن عمر رضي الله عنهما أتى على رجل قد أناخ بدنة ينحرها ، قال :

---

[۱۷۱] نحر الهدى بيده ، وهو أفضل اذا أحسن النحر . عمدة القاري ، ج: ۷، ص: ۳۲۱.

أبعثها قياما مقيدة . سنة محمد ﷺ . وقال شعبة : عن يونس ، أخبرنی زياد .

زیاد بن جبیر نے کہا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس آئے جس نے نحر کرنے کے لئے اپنا اونٹ بٹھایا تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کو اٹھا اور پاؤں باندھ کر نحر کر یہی سنت ہے محمد ﷺ کی۔

(۱۱۹) باب نحر البدن قائمة ،

اونٹوں کو کھڑا کر کے نحر کرنا

"وقال ابن عمر رضی الله عنهما : سنة محمد ﷺ . وقال ابن عباس رضی الله عنهما : ﴿صَوَآفَّ﴾ [الحج : ۳۶] قياماً".

۱۷۱۴ ـ حدثنا سهيل بن بكار : حدثنا وهيب : عن أيوب . عن أبی قلابة ، عن أنس رضی اللہ عنہ قال : صلى النبی ﷺ الظهر بالمدينة أربعا و العصر بذی الحليفة ركعتين ، فبات بها فلما أصبح ركب راحلته فجعل يهلل ويسبح ، فلما علا على البيداء لبى بهما جميعا .

فلما دخل مكة أمرهم أن يحلوا ونحر النبی ﷺ بيده سبع بدن قياماً ، وضحى بالمدينة كبشين أملحين أقرنين . [راجع : ۱۰۸۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر عصر کی دو رکعتیں پڑھیں یعنی قصر کیا ذوالحلیفہ مدینہ سے تین کوس پر ہے، رات کو وہیں رہ گئے پھر جب صبح ہوئی تو اونٹنی پر سوار ہوئے اور تہلیل و تسبیح کرنے لگے پھر جب بیداء میں پہنچے تو حج اور عمرہ دونوں کے لئے لبیک پکاری پھر کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینے میں دو چتکبرے سینگ والے مینڈے قربانی کیے۔

مسئلہ : اونٹ کا نحر "قائما" یعنی کھڑا کر کے اولیٰ ہے، البتہ بغیر قیام بارکہ بھی جائز ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے کہ "قائمہ" اور "بارکہ" دونوں جائز ہیں، البتہ قائما اولیٰ اور افضل ہے۔ [۲۷]

۱۷۱۵ ـ حدثنا مسدد: حدثنا إسماعيل، عن أيوب، عن أبی قلابة ، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: صلى النبی ﷺ الظهر بالمدينة أربعاً والعصر بذی الحليفة ركعتين.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

وعن أيوب ، عن رجل، عن أنس رضی اللہ عنہ: ثُمَّ باتَ حتى أصبح فصلّى الصّبح ثم ركب راحلته حتى إذا استوت به البيداء أهل بعمرة وحجة. [راجع : ۱۰۸۹]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ صبح تک وہیں رہے بعد اس کے صبح کی نماز پڑھی اس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے جب آپ ﷺ کو لے کر اونٹنی بیداء پہنچی تو آپ ﷺ نے عمرہ اور حج دونوں کا نام لے کر "لبیک" کہا۔

---

[۲۷] وفيه : نحره قائمة ، وبه قال الشافعی وأحمد ، وأبو ثور. وقال أبو حنيفة والثوری : تنحر باركة وقائمة . عمدة القاری ، ج : ۷، ص : ۳۲۱.

(۱۲۰) باب: لا يعطى الجزّار من الهدى شيئاً

قصاب کی مزدوری میں قربانی کی کوئی چیز نہ دیں

۱۷۱۶ ـ حدثنا محمد بن أبی كثير : أخبرنا سفيان قال : أخبرنی ابن أبی نجيح ، عن مجاهد ، عن عبدالرحمٰن بن أبی ليلى ، عن علی رضی الله عنه قال : بعثنی النبی ﷺ فقمت على البدن فأمرنی عليه السلام قسمت لحومها . ثم أمرنی فقسمت جلالها وجلودها. [راجع : ۱۷۰۷]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ کو بھیجا تو میں قربانی کے اونٹوں کے پاس کھڑا ہوا پھر حکم دیا تو میں نے ان کا گوشت تقسیم کیا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو میں نے ان کی جھولیں اور کھالیں بھی بانٹ دیں۔

۱۷۱۶ م ـ وقال سفيان : وحدثنی عبدالكريم ، عن مجاهد ، عن عبدالرحمٰن بن أبی ليلى ، عن علی رضی الله عنه قال : أمرنی النبی ﷺ فقمت على البدن ولا أعطى عليها شيئا فی جزارتها . [راجع : ۱۷۰۷]

نبی کریم ﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ قربانی کے اونٹوں کا بندوبست کروں اور ان میں سے کوئی چیز قصائی کو مزدوری میں نہ دوں۔

"جزارة" کے معنی ہیں قصائی کی اجرت، تو قصائی کی اجرت میں جانور میں سے کچھ نہیں دے سکتے نہ تو اس کا زین، نہ کھال اور نہ ہی کچھ اور۔

مسئلہ: حدیثِ باب سے واضح ہے کہ قربانی میں سے کوئی چیز سری، پائے ہو یا کھال ہو کوئی چیز بھی ذبح کرنے والے بوٹی بنانے والے کو اجرت میں نہ دی جائے، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

صرف حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اجرت میں دے سکتا ہے، اس صورت میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس قول کی تردید ہے۔[۱۷۳]

(۱۲۱) باب : يتصدق بجلود الهدى

قربانی کی کھال خیرات کردی جائے

۱۷۱۷ ـ حدثنا مسدد : حدثنا يحيى ، عن ابن جريج قال : أخبرنی الحسن بن مسلم وعبدالكريم الجزری : أن مجاهدا أخبرهما : أن عبدالرحمٰن ابن أبی ليلى أخبره : أن عليا رضی الله عنه أخبره : ان النبی ﷺ أمره أن يقوم على بدنه وان يقسم بدنه كلها ، لحومها وجلودها وجلالها ، ولا يعطى فی جزارتها شيئا . [راجع : ۱۷۰۷]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ آپ ﷺ کی قربانی کے اونٹوں کو دیکھیں اور ان کی سب چیزیں بانٹ دیں گوشت اور کھال اور جھول، قصائی کی اجرت میں کچھ نہ دیں۔

---

[۱۷۳] عمدة القاری ، ج: ۷، ص: ۳۲۶ ، و فتح البارى ، ج: ۳، ص: ۵۵۶ .

امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک قربانی کی کھال فروخت کر کے اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے، امام بخاری رحمہ اللہ جمہور ائمہ کی تائید کرتے ہیں فروخت کر کے قیمت کو اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں، اگر فروخت کر دیا تو کھال کی قیمت کو خیرات کرنا واجب ہے، یہی مسلک ہے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ وغیرہ کا کہ قیمت واجب التصدق ہے۔[۱۷۴]

(۱۲۲) باب: یتصدق بجلال البدن

قربانی کے جانوروں کی جھولیں خیرات کردی جائیں

۱۷۱۸ ــ حدثنا أبو نعيم: حدثنا سيف بن أبي سليمان قال: سمعت مجاهدا يقول: حدثني ابن أبي ليلى: أن عليا رضی اللہ عنہ حدثه قال: أهدى النبي ﷺ مائة بدنة فأمرني بلحومها فقسمتها، ثم أمرني بجلالها فقسمتها، ثم بجلودها فقسمتها. [راجع: ۱۷۰۷]

"فأمرني بلحومها فقسمتها، ثم أمرني بجلالها فقسمتها، ثم بجلودها فقسمتها".

آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اس کے گوشت تقسیم کردوں، میں نے تقسیم کر دیئے، پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان کے جھولیں بھی تقسیم کردوں میں نے تقسیم کردیں، پھر آپ ﷺ نے کھالوں کے تقسیم کرنے کا حکم فرمایا میں نے ان کو بھی تقسیم کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کے جھولیں بھی خیرات کردی جائیں اور یہ خیرات کر دینے کا حکم استحبابا ہے، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔[۱۷۵]

---

[۱۷۴] وفيه: من استدل به على منع بيع الجلد، قال القرطبي: دليل على أن جلود الهدى وجلالها لا تباع لعطفها على اللحم واعطائها حكمه. وقد اتفقوا على أن لحمها لايباع، فكذلك الجلود والجلال. وأجاز الأوزاعي وأحمد اسحاق وأبو ثور، وهو وجه عند الشافعية، قالوا: ويصرف ثمنه مصرف الأضحية، واستدل أبو ثور على أنهم اتفقوا على جواز الانتفاع به، فكل ما جاز الانتفاع به جاز بيعه، وعورض باتفاقهم على جواز الأكل من لحم هدى التطوع، ولا يلزم من جواز اكله جواز بيعه. وفي (التوضيح): واختلفوا في بيع الجلد، فروى عن ابن عمر: أنه لا بأس بأن يبيعه ويتصدق بثمنه، قاله أحمد واسحاق، وقال أبو هريرة: من باع اهاب أضحية فلا أضحية له، وقال ابن عباس: يتصدق به أو ينتفع به ولا يبيعه، وعن القاسم وسالم: لا يصح بيع جلدها، وهو قول مالك. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۳۲۶، و فتح الباري، ج: ۳، ص: ۵۵۶.

[۱۷۵] ليس التصدق بجلال البدن فرضاً، وانما صنع ذلك ابن عمر لأنه أراد أن يرجع في شيء أهل به الله، ولا في شيء أضيف اليه. انتهى. وقال أصحابنا: ويتصدق بجلال الهدى وزمامه لأنه أمر علينا ،ص، بذلك، والظاهر أن هذا الأمر أمر استحباب. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۳۱۴.

(۱۲۳) باب : ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ، وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا﴾

الی قولہ ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ [الحج : ۲۶-۳۰]

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت طیبہ یہ ہے کہ کبھی تو ترجمۃ الباب ذکر فرما کر اس کے بعد آیت کریمہ ذکر کر کے ترجمہ کی تائید فرماتے ہیں اور کبھی **"استبرا کاً و تیمناً"** آیت کو اولاً ذکر فرماتے ہیں اور اس کے بعد خلاصہ ترجمہ ذکر فرماتے ہیں یہاں ایسا ہی ہے کہ اولاً آیت ذکر فرمائی اور پھر خلاصہ ذکر فرمایا دیا۔

چنانچہ آیات **"وأطعموا البائس الفقير "** اور **"واجتنبوا قول الزور"** ذکر فرمائی اور یہاں بھی قربانی کی مناسبت سے خلاصہ ذکر فرمایا کہ بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہیے، اس کی اصلاح فرمادی کہ شوق سے کھاؤ، دوستوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔

"واجتنبوا قول الزور" جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت دینا، اللہ جل جلالہ کے پیدا کئے ہوئے جانور کو غیر اللہ کے نامزد کر کے ذبح کرنا، کسی چیز کو بلا دلیل شرعی حلال وحرام کہنا، سب ''قول الزور'' میں داخل ہے۔ ''قول الزور'' کی برائی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا **"وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطنا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون "** [الاعراف، رکوع : ۴] احادیث میں بڑی تاکید وتشدید سے آپ ﷺ نے اس کو منع فرمایا ہے۔

(۱۲۴) باب ما یاکلُ من البدن وما یتصدق

قربانی کے جانوروں میں سے کیا کھائے اور کیا صدقہ کرے

"وقال عبيد الله: أخبرني نافع ، عن ابن عمر رضى الله عنهما : لا يؤكل من جزاء الصّيد و النّذر، و يؤكل ممّا سوى ذلك. وقال عطاءٌ : يأكل ويطعم من المتعة".

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احرام میں کوئی شکار کرے اور اس کا بدلہ دینا پڑے تو شکار کے بدلہ کے جانور اور نذر کے جانور میں سے کچھ نہ کھائے اس کے علاوہ باقی سب میں سے کھائے۔

عطاء رحمہ اللہ نے کہا تمتع کی قربانی میں سے کھائے اور کھلائے۔

"لا يؤكل من جزاء الصّيد و النّذر" کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں شکار کرلے اور شکار کے بدلے میں اس کو کوئی دم دینا پڑے یا اس نے قربانی کی نذر کر رکھی ہو تو اس کا گوشت تو نہیں کھائے گا، **"ويؤكل ممّا سوى ذلك"** اور اس کے علاوہ میں سے کھا سکتا ہے، یعنی جو تمتع کا دم، قران کا دم یا اور جو نفلی قربانیاں ہیں وہ سب کھا سکتا ہے۔

حنفیہ کا مسلک بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق ہے کہ جو جزاء یا کفارہ ہے وہ نہیں کھا سکتا، اسی طرح نذرِ واجب بھی نہیں کھا سکتا، باقی سب کھا سکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قران کا دم بھی نہیں کھا سکتا کیونکہ ان کے نزدیک قران کا دم دمِ جبر ہے، چونکہ ان کے ہاں قران افضل نہیں ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ قران کا دم دمِ جبر ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ قران کا دم دمِ شکر ہے، اس لئے کھا سکتا ہے۔[۱۷۶]

۱۷۱۹ ۔ حدثنا مسدد : حدثنا یحیی، عن ابن جُریج: حدثنا عطاءٌ: سمع جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنهما یقول: کنا لا نأکل من لحوم بدننا فوق ثلاث منیٰ فرخّص لنا النبی ﷺ فقال: ((کُلُوا و تزودوا)) فأکلنا وتزودنا.

قلت لعطاءٍ :أقال: حتی جئنا المدینة ؟ قال:لا .[أنظر: ۲۹۸۰، ۵۴۲۴، ۵۵۶۷] [۱۷۷]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم قربانیوں کا گوشت منیٰ کے تین دنوں کے بعد نہیں کھاتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ہمیں اجازت دی اور فرمایا کھاؤ اور زادراہ بناؤ تو ہم نے کھایا اور زادراہ بنایا، چنانچہ ہم نے کھایا اور زادراہ بنایا۔

"**قلت لعطاءٍ**" میں نے عطاء سے پوچھا" **أقال حتی جئنا المدینة**" کیا انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہاں مدینہ آجاتے تھے جب بھی کھاتے تھے؟"**قال لا**" انہوں نے کہا کہ نہیں کہا تھا، لیکن ہوسکتا ہے کہ مدینہ بھی لے جاتے ہوں، معلوم ہوا کہ اس حدیث کی روشنی میں گوشت باقی رکھنا جائز ہے۔

لیکن کتاب الاضاحی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ" حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھائے"۔

اس حدیث میں تین دن کے بعد گوشت کھانے کی ممانعت آئی ہے، لیکن اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا، جیسا کہ اس روایت میں صاف صاف بیان فرمایا کہ:" **قال رسول اللہ ﷺ : کنت نهیتکم عن لحوم الأضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو والطول علی من لا طول له ، فکلوا**

---

[۱۷۶] فتح الباری، ج:۳، ص: ۵۵۸.

[۱۷۷] و فی صحیح مسلم ، کتاب الأضاحی ، باب بیان ماکان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الاسلام ، رقم : ۳۶۳۳ ، و سنن النسائی ، کتاب الضحایا ، باب الاذن فی ذلک ، رقم : ۴۳۵۰ ، و مسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند جابر بن عبداللہ ، رقم : ۱۳۸۹۲ ، ۱۴۵۱۲ ، ۱۴۶۰۷ ، ۱۴۶۳۵ ، و موطأ مالک ، کتاب الضحایا ، باب ادخار لحوم الأضاحی ، رقم : ۹۱۷ ، وسنن الدارمی ، کتاب الأضاحی ، باب فی لحوم الأضاحی ، رقم : ۱۸۷۹ .

مابدأ لکم و اطعموا وادخروا''۔

کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نے تم کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے اس لئے منع کیا تھا تا کہ مالدار اور وسعت والے لوگ ان لوگوں پر وسعت کریں جن کے پاس قربانی کی وسعت اور طاقت نہیں ہے، یعنی وہ قربانی کا گوشت اپنے پاس ذخیرہ کرنے کے بجائے غرباء میں تقسیم کریں، لیکن اب تمہارے لئے جائز ہے کہ جتنا گوشت چاہو کھاؤ اور جتنا چاہو کھلاؤ اور جتنا چاہو ذخیرہ کرو''۔

اس حدیث کے ذریعے پہلا والا حکم منسوخ ہو گیا۔

یہ ''نہی'' انتظامی تھی شرعی نہیں

تین روز کے بعد آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت کھانے سے جو منع فرمایا یہ نہی شرعی تھی ہی نہیں بلکہ انتظامی تھی، اور ایک ''اولی الامر'' کی حیثیت سے حضور اقدس ﷺ نے یہ نہی فرمائی تھی۔

چنانچہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ روایت میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ کے پاس ایک قافلہ آ کر ٹھہر گیا تھا اور وہ قافلہ غریب الوطن تھا، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا، اس موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ تم لوگ قربانی کے گوشت کا ذخیرہ مت کرو، یہ حکم اس لئے دیا تا کہ اپنی قربانی کا بچا ہوا گوشت قافلہ والوں کو جا کر دیں، بعد میں یہ عارض ختم ہو گیا تو وہی اصل حکم واپس آ گیا اور وہ یہ کہ گوشت کا ذخیرہ کرنا بھی جائز ہے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے گوشت ذخیرہ کرنا منقول ہے:

''عن عابس بن ربیعة قال : قلت لأم المؤمنین : أکان رسول اللہ ﷺ ینھی عن لحوم الأضاحی ؟ قالت : لا ، ولکن قل من کان یضحی من الناس فاحب أن یطعم منکم یکن یضحی فلقد کنا نرفع الکراع فنأکلہ بعد عشرة أیام''۔

حضرت عابس بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں! لیکن اس وقت بہت کم لوگ قربانی کیا کرتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے چاہا کہ قربانی کرنے والے لوگ قربانی نہ کرنے والوں کو کھلائیں، ہم لوگ تو ایک ران رکھ دیا کرتے تھے اور اس کو دس دن کے بعد کھایا کرتے تھے۔[۱۷۸]

[۱۷۸] کذا ذکرہ القاضی المفتی محمد تقی العثمانی حفظہ اللہ فی تکملة فتح الملھم ، ج : ۳، ص: ۵۷۳، وکذا ذکرہ العینی فی العمدة : وقال جماھیر العلماء : یباح الأکل والامساک بعد ثلاث ، والنھی منسوخ بحدیث جابر ھذا وغیرہ ، وھذا من نسخ السنة بالسنة ، وقال بعضھم : لیس ھو نسخا بل کان التحریم لعلة . فلما زالت زال التحریم ، وتلک العلة ھی الدافة ، وکانوا منعوا من ذلک فی أول الاسلام من أجل الدافة ، ...... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ......

۱۷۲۰ ـ حدثنا خالد بن مخلد : حدثنا سليمان قال : حدثني يحيى : حدثني عمرة قالت : سمعت عائشة رضى الله عنها تقول : خرجنا مع رسول الله ﷺ لخمس بقين من ذى العقيدة ولا نرى الا الحج حتى اذا دنونا من مكة أمر رسول الله ﷺ من لم يكن معه هدى اذا طاف بالبيت ثم يحل ، قالت عائشة رضى الله عنها : فدخل علينا يوم النحر بلحم بقر فقلت : ماهذا ؟ فقيل : ذبح النبى ﷺ عن أزواجه .

قال يحيى : فذكرت هذا الحديث للقاسم فقال : أتتک بالحديث على وجهه [راجع : ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکلے جب ذی قعدہ مہینے کے پانچ دن باقی رہے تھے ہم صرف حج کے ارادے سے نکلے، جب ہم مکہ کے قریب پہنچے تو جو لوگ قربانی ساتھ لائے تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کا سعی کر کے احرام کھول ڈالیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میرے پاس بقرعید کے دن گائے کا گوشت لایا گیا میں نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے بیان کیا نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے ذبح فرمائی ہے۔

(۱۲۵) باب الذبح قبل الحلق

سرمنڈانے سے پہلے قربانی کا بیان

۱۷۲۱ ـ حدثنا محمد بن عبدالله بن حوشب : حدثنا هشيم، أخبرنا منصور بن زاذان، عن عطاء، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: سئل النبى ﷺ عمن حلق قبل أن يذبح ونحوه فقال : ((لا حَرَجَ ، لا حَرَجَ)). [راجع : ۸۴]

آگے کئی حدیثیں آرہی ہیں، اس میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ حج میں کسی نے ترتیب کی خلاف

......﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾...... فلما زالت العلة الموجبة لذلک أمرهم أن يأكلوا و يدخروا ،

وروى مسلم من حديث مالک عن عبدالله بن أبى بكر عن عبدالله بن واقد قال نهى النبى ﷺ عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث . قال عبدالله بن أبى بكر : فذكرت ذلک لعمرة ، فقالت : صدق ، سمعت عائشة تقول : دف أهل أبيات من أهل البادية حضرة الأضحى زمن رسول الله ﷺ ، فقال رسول الله ﷺ : ((ادخروا ثلاثا ثم تصدقوا بما بقى ، فلما كان بعد ذلک قالوا : يا رسول الله ان الناس يتخذون الأسقية من ضحاياهم و يحملون فيها الودک ، فقال رسول الله ﷺ : وما ذاک؟ قالوا : نهيت أن توكل لحوم الضحايا بعد ثلاث ، فقال : انما نهيتكم من أجل الدافة التى دفت ، فكلوا و ادخروا و تصدقوا)) . ج :۷ ،ص: ۳۳۱.

ورزی کرلی تو آپ ﷺ نے ہر ایک واقعہ پر فرمایا **"لا حرج"**.

مناسک اُربعہ میں ترتیب

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ یوم نحر یعنی دس ذی الحجہ کو حاجی کو چار کام کرنے ہوتے ہیں اور ان چار کاموں میں جو مسنون ترتیب ہے وہ یہ ہے کہ:

۱۔ سب سے پہلے منیٰ جا کر جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے۔
۲۔ پھر اگر وہ متمتع یا قارن ہے تو دم یعنی قربانی کرنی ہے۔
۳۔ قربانی کے بعد پھر حلق کرانا یا تقصیر کرنا۔
اور
۴۔ پھر طوافِ زیارت۔

یہ چار کام کرنے ہیں اور بالاجماع طوافِ زیارت میں ترتیب واجب نہیں، لہٰذا اگر کوئی آدمی پہلے طوافِ زیارت کرلے اور بعد میں آ کر یہ کام کرے تو بھی جائز ہے اور باقی تین کام یعنی رمی، نحر اور حلق میں ترتیب کا کیا حکم ہے، سو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں ترتیب واجب ہے، لہٰذا اس ترتیب میں اگر کوئی گڑبڑ کرلے یعنی رمی سے پہلے قربانی کرلی یا قربانی سے پہلے حلق کرلیا یعنی اس ترتیب کے عامداً یا ناسیاً یا جاہلاً بدل لے، تو اس صورت میں اس کے ذمہ دم واجب ہوگا، البتہ طوافِ زیارت کو بقیہ مناسک یا ان میں سے کسی پر مقدم کرنے پر کوئی دم نہیں۔ [۱۷۹]

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ ترتیب مسنون ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرلے تو خلافِ سنت تو ہوگا لیکن اس کے اوپر کوئی دم نہیں آئے گا۔ [۱۸۰]

[۱۷۹، ۱۸۰] ثم اعلم أن للعلماء في هذا الباب أقوالا ، فذهب عطاء و طاؤس و مجاهد الى أنه : ان قدم نسكا قبل نسك أنه لا حرج عليه ، و به قال الشافعي و أحمد و اسحاق . و قال ابن عباس : من قدم من حجه شيئا اخره فعليه دم ، و هو قول النخعي و الحسن وقتادة . و اختلفوا اذا حلق قبل أن يذبح ؟ فقال مالک و الثوری و الأوزاعی و الشافعی و أحمد و اسحاق و أبو ثور و داؤد و ابن جرير : لا شیء عليه ، و هو نص الحديث ، ونقله ابن عبدالبر عن الجمهور ، منهم عطاء و طاؤس ، سعيد بن جبير و عكرمة و مجاهد و الحسن و قتادة ، و قال النخعي و أبو حنيفة و ابن الماجشون : عليه دم ، عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص : ۳۳۴ ، كتاب الأم ، ج : ۲ ، ص: ۲۱۵ ، دارالمعرفة ، بيروت ، ۱۳۹۳ھ ، و التمهيد لابن عبدالبر ، ج: ۷ ، ص: ۲۷۳ ، وزارة عموم الأوقاف والشؤن الاسلامية ، المغرب ، ۱۳۸۷ھ .

یہاں کئی حدیثیں ہیں چنانچہ ترجمۃ الباب کی پہلی حدیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص ذبح سے پہلے حلق کر لے یا اس طرح کا کوئی اور کام ترتیب کے خلاف کر لے تو آپ ﷺ نے فرمایا **"لاحرج ، لا حرج"** کوئی حرج نہیں کوئی حرج نہیں، اس سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی دم وغیرہ نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کا فتویٰ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ ہے کہ **"من قدم شيئا من حجه أو أخره فليهرق لذلك دماً"** یعنی جو شخص ان چیزوں میں سے کسی چیز میں تاخیر کر دے یا اس کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو وہ دم دے اور راوی کا فتویٰ جب روایت کے خلاف ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ روایت یا تو مؤول ہے یا منسوخ ہے۔[۱۸۱]

یہ جو حضور ﷺ نے متعدد بار **"لا حرج ، لا حرج"** فرمایا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ کا مرتفع ہونا ہے کہ گناہ نہیں، کیونکہ وہ حج کا پہلا سال تھا لوگوں کو مناسک کا پورا علم نہیں تھا، لہٰذا ان کو معذور قرار دیا گیا اور فرمایا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں لیکن موجب دم کے یہ منافی بھی نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سال دم بھی واجب نہ کیا گیا ہو لیکن بعد میں جب احکام اور مناسک لوگوں میں معروف ہو گئے تو پھر دم واجب کر دیا گیا۔

اور ایک روایت خود امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے **"كتاب الحجة على أهل المدينة"** میں نقل کی ہے کہ:

"عن أبي حنيفة في الرجل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لاشيء عليه".

یعنی اگر کوئی ایک شخص نسیاناً یا جہلاً ایسا کرے تو پھر دم بھی نہیں، اگر یہ روایت لی جائے تو پھر ان احادیث پر کوئی اشکال بنتا ہی نہیں۔[۱۸۲]

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری میں اس کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے۔[۱۸۳]

البتہ آیت کریمہ **"لاتحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله"** ترتیب **"بين الحلق والنحر"** پر صریح معلوم ہوتی ہے اگر چہ وہ احصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر دلالۃ النص سے دم تمتع یا دم قران کو بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب احصار کے عذر کی حالت میں بھی یہ پابندی ہے تو یہاں بلا عذر بطریق اولیٰ پابندی ہونی چاہیے۔

---

[۱۸۱] مصنف ابن أبي شيبة ، ج :۳ ، ص:۳۶۳ ، رقم : ۱۴۹۵۸ ، مكتبة الرشد ، رياض ، ۱۴۰۹ھ. و عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص :۳۳۴.

[۱۸۲] كتاب الحجة ، باب الذي يجهل فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لاشيء عليه ، ج :۲، ص :۳۷۱ ، عالم الكتب ، بيروت ، ۱۴۰۳ھ.

[۱۸۳] فيض البارى ، ج :۳، ص :۱۱۸ .

آگے حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۷۲۲ ـ حدثنا أحمد بن يونس : أخبرنا أبو بكر، عن عبدالعزيز بن رفيع ، عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما : قال رجل للنبي ﷺ : زرت قبل أن أرمي ، قال: ((لاحرج)) قال : حلقت قبل أن أذبح . قال ((لاحرج)) ، قال : ذبحت قبل أن أرمي، قال : ((لاحرج)). وقال عبدالرحيم الرازي عن ابن خثم : أخبرني عطاء ، عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ . وقال القاسم بن يحيى : حدثني ابن خثيم عن عطاء ، عن ابن عباس عن النبي ﷺ . وقال عفان : أراه عن وهيب . حدثنا بن خثيم ، عن سعيد ابن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ . وقال حماد عن قيس بن سعد وعباد بن منصور ، عن عطاء ، عن جابر ﷺ عن النبي ﷺ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کرلیا، آپ ﷺ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، اس نے کہا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا آپ ﷺ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، اس نے کہا میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں، کوئی قباحت نہیں۔

۱۷۲۳ ـ حدثنا محمد بن المثنى قال : حدثنا عبدالأعلى قال : حدثنا خالد ، عن عكرمة ، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال : ((سئل النبي ﷺ فقال : رميت بعد ما أمسيت، فقال : ((لاحرج)) . قال : حلقت قبل أن أنحر ، قال : ((لاحرج)). [راجع : ۸۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا چنانچہ اس نے کہا میں نے شام ہوجانے کے بعد رمی کی آپ ﷺ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، پھر اس نے کہا میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا آپ ﷺ نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔

۱۷۲۴ ـ حدثنا عبدان : أخبرني أبي ، عن شعبة ، عن قيس بن مسلم ، عن طارق ابن شهاب ، عن أبي موسى ﷺ قال : قدمت على رسول الله ﷺ وهو بالبطحاء فقال : ((أحججت ؟)) قلت : نعم .قال : ((بما أهللت ؟)) قلت : لبيك باهلال كاهلال النبي ﷺ . قال : ((أحسنت انطلق فطف بالبيت وبالصفا والمروة)) ثم أتيت امرأة من نساء بني قيس ففلت رأسي ، ثم أهللت بالحج فكنت أفتي به الناس حتى خلافة عمر ﷺ فذكرته له . فقال : أن نأخذ بكتاب الله فانه يأمرنا بالتمام و أن نأخذ بسنة رسول الله ﷺ فان رسول

الله ﷺ لم یحل حتی بلغ الهدی محله . [راجع : ۱۵۵۹]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت آپ ﷺ بطحاء میں تھے آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو نے حج کی نیت کی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تو نے احرام کس طرح باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا "**لبیک باهلال کاهلال النبی** ﷺ" یعنی نبی اکرم ﷺ کے احرام کے مانند، آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اب جاؤ اور بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کرو۔ میں نے کیا اور احرام کھول ڈالا، پھر میں بنی قیس کے ایک عورت کے پاس آیا اس نے میرے سر سے جوئیں نکالیں، اس کے بعد میں نے حج کا احرام باندھا اور میں لوگوں کو بھی یہی فتویٰ دیتا تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی تو میں نے ان سے یہ بیان کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ہم اللہ جل جلالہ کی کتاب کو لیں تو کتاب اللہ کا حکم ہے "**أتموا الحج و العمرة لله**" یعنی حج اور عمرہ پورا کرو اور اگر اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو لیں تو رسول اللہ ﷺ نے احرام اس وقت تک نہیں کھولا جب تک قربانی اپنے محل نہیں پہنچ گئی۔

(۱۲۶) باب من لبد رأسه عند الاحرام وحلق

احرام باندھتے وقت سر کے بالوں کو جمالینا اور احرام کھولتے وقت سر منڈانا

۱۷۲۵ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عن ابن عمر ، عن حفصة رضی اللہ عنہا انها قالت: یارسول الله ، ماشأن الناس حلوا بعمرة ولم تحلل أنت من عمرتک ؟ قال : ((انی لبدت رأسی و قلدت هدیی فلا أحل حتی أنحر)). [راجع :۱۵۶۶]

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ انہوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے اور آپ ﷺ نے عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا، آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بال جما لیے تھے اور قربانی کے گلے میں ہار ڈالے تھے اس لئے میں احرام نہیں کھول سکتا، جب تک نحر نہ کروں۔

لبد رأسه ۔ " لبد بالتشدید من التلبید " یعنی "تلبید" کے معنی ہے کسی گوند یا لیس دار تیل سے بالوں کو جمانا۔ چپکانا تاکہ گرد و غبار سے محفوظ رہے اور منتشر نہ ہو۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے احرام باندھتے وقت اپنے زلفوں یعنی بالوں کو گوند یا خطمی وغیرہ سے جمالیا ہے اس کے لئے بھی احرام کھولتے وقت حلق ہی افضل ہے۔

(۱۲۷) باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

احرام کھولتے وقت سر کے بال منڈانے یا چھوٹا کرنے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حاجی کو حلق اور قصر میں اختیار ہے کہ حلق کرائے یا قصر کرائے اور

حدیث باب سے یہ بھی ثابت ہے کہ افضل حلق ہے۔

۱۷۲۶ ۔ حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب بن أبي حمزة ، قال نافع : كان ابن عمر رضي الله عنهما يقول : حلق رسول الله ﷺ في حجة . [أنظر: ۴۴۱۰، ۴۴۱۱]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں سر منڈایا۔

۱۷۲۷ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما : أن رسول الله ﷺ قال : ((اللهم أرحم المحلقين)). قالوا: و المقصرين يارسول الله ، قال : ((اللهم ارحم المحلقين)). قالوا : والمقصرين ، قال : ((والمقصرين)).

"وقال الليث: حدثني نافع :((رحم الله المحلقين)) مرة أو مرتين . قال : وقال عبيدالله : حدثني نافع وقال في الرابعة :((والمقصرين))".

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما، لوگوں نے عرض کیا اور بال چھوٹے کرنے والوں پر بھی یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما، لوگوں نے عرض کیا اور بال چھوٹے کرنے والوں پر بھی یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا بال چھوٹے کرنے والوں پر رحم فرما۔

۱۷۲۸ ۔ حدثنا عياش بن الوليد : حدثنا محمد بن فضيل: حدثنا عمارة بن القعقاع، عن أبي زرعة ، عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قال : قال رسول الله ﷺ : ((اللهم اغفر للمحلقين)). قالوا: وللمقصرين . قال: ((اللهم اغفر للمحلقين)). قالوا : و للمقصرين قال : ((اللهم اغفر للمحلقين)) قالوا : وللمقصرين قالها ثلاثا . قال : ((وللمقصرين)).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے لوگوں نے عرض کیا اور بال چھوٹا کرنے والوں کو بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے لوگوں نے عرض کیا اور بال چھوٹا کرنے والوں کو بھی، آپ ﷺ نے تین بار یہی فرمایا، پھر چوتھی بار میں فرمایا اور بال چھوٹے کرنے والوں کو بھی بخش دے۔

۱۷۲۹ ۔ حدثنا عبدالله ين محمد بن أسماء: حدثنا جويرية بن أسماء ، عن نافع : أن عبدالله قال : حلق النبي ﷺ و طائفة من أصحابه و قصر بعضهم. [راجع : ۱۶۳۹]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک گروہ نے

سر منڈایا اور بعض صحابہ نے بال چھوٹا کرایا۔

۱۷۳۰ ۔ حدثنا أبو عاصم، عن ابن جُريج، عن الحسن بن مسلم، عن طاؤس، عن ابن عباس، عن معاوية ﷺ قال: قصرتُ عن رسول الله ﷺ بمشقص. ۱۸۴

ترجمہ: حضرت معاویہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک ایک قینچی سے کترے یعنی چھانٹے۔

حضرت معاویہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا قصر قینچی سے کیا، اب یہ بہت مشکل مسئلہ بن گیا، اس واسطے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا تو ہو نہیں سکتا اس لئے کہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے حلق کرایا تھا نہ قصر، اور حدیبیہ کا واقعہ بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ حضرت معاویہ ﷺ حدیبیہ کے وقت اسلام نہیں لائے تھے، عمرۃ القضاء کا بھی نہیں ہوسکتا، اس واسطے کہ اس وقت بھی اسلام نہیں لائے تھے اور جعرانہ کا بھی نہیں ہوسکتا، اس واسطے کہ آپ ﷺ نے رات کے وقت عمرہ کیا تھا۔

مسند احمد کی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے جو قصر کیا وہ عشرۂ ذی الحجہ میں کیا اور ذی الحجہ میں آپ ﷺ نے کوئی عمرہ نہیں کیا، تو کسی طرح بھی یہ بات صحیح نہیں بیٹھتی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے صحیح اس کو قرار دیا ہے کہ یہ جعرانہ میں کیا تھا اور جس میں عشرۂ ذی الحجہ آیا ہے وہ شاذ روایت ہے، اور اسی روایت میں قیس بن سعد کا یہ قول مذکور ہے **"والناس ينكرون ذلك"** اس میں شاید راوی کو وہم ہو گیا ہے۔ ۱۸۵

لامحالہ یہ واقعہ سن ۸ ہجری میں عمرہ جعرانہ کا ہے۔ ۱۸۶

---

۱۸۴ و في صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التقصير في العمرة، رقم: ۲۱۸۸، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب أين يقصر المعتمر، رقم: ۲۹۳۸، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب في الاقران، رقم: ۱۵۳۷، ومسند أحمد، مسند الشاميين، باب حديث معاوية بن أبي سفيان، رقم: ۱۶۲۳۳، ۱۶۲۶۰، ۱۶۲۹۱، ۱۶۳۳۰.

۱۸۵ فتح الباري، ج: ۳، ص: ۵۶۵.

۱۸۶ وقال النووي: وهذا الحديث محمول على أن معاوية قصر عن النبي ﷺ في عمرة الجعرانة، لأن النبي ﷺ في حجة الوداع كان قارنا، وثبت أنه حلق بمنى، وفرق أبو طلحة شعره بين الناس، فلا يجوز حمل تقصير معاوية على حجة الوداع، ولا يصح حمله ايضاً على عمرة القضاء الواقعة سبع من الهجرة لأن معاوية لم يكن يومئذ مسلماً، انما أسلم يوم الفتح سنة ثمان، هذا هو الصحيح المشهور، لا يصح قول من حمله على حجة الوداع، وزعم أبي ﷺ كان متمتعا لأن هذا غلط فاحش، فقد تظاهرت الأحاديث في مسلم وغيره أن النبي ﷺ قيل له: ماشأن الناس حلوا ولم تحل أنت؟ فقال: اني لبدت رأسي وقلدت هديي فلا أحل حتى أنحر الهدى .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے رجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔[۱۸۷]

اور یہ پہلے میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ حضور ﷺ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا اور مراد یہ ہے کہ رات کو عمرہ اور طوافِ زیارت کرنے کی اجازت دی تھی تو اس کو "اخــر" سے تعبیر کر دیا، البتہ ان منیٰ کی راتوں میں نفلی طواف کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔

(۱۲۸) باب تقصیر المتمتع بعد العمرة

تمتع کرنے والا عمرہ کے بعد بال چھوٹا کرائے

۱۷۳۱ ۔ حدثنا محمد بن أبی بکر : حدثنا فضیل بن سلیمان : حدثنا موسی بن عقبة : أخبرنی کریب ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : لما قدم النبی ﷺ مکة أمر أصحابه أن یطوفوا بالبیت و بالصفا و المروة ، ثم یحلوا و یحلقوا أو یقصروا . [راجع : ۱۵۴۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ بیت اللہ کا طواف کر کے احرام کھول ڈالیں اور سر منڈالیں یا بال چھوٹا کرالیں۔

اس پر اتفاق ہے کہ حلق قصر سے افضل ہے، پھر اس پر بھی امام شافعی رحمہ اللہ سمیت جمہور کا اتفاق ہے کہ حلق اور قصر ارکان حج وعمرہ اور مناسک میں سے ہیں اور ان کے بغیر حج وعمرہ کوئی بھی مکمل نہیں ہوتا، البتہ امام شافعیؒ ایک شاذ روایت یہ ہے کہ یہ دونوں محض محظورات کو حلال کرنے والی چیزیں ہیں عبادت اور نسک نہیں۔

پھر حلق اور قصر کی مقدار واجب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ پورے سر کا واجب ہے۔

.... ﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾ .... وفی روایة :حتی أحل من الحج . انتهی . قیل :لعل معاویة قصر عنه فی عمرة الجعرانة فنسی بعد ذلک ، وظن أنه کان فی حجته ؟ فان قلت : قد وقع فی روایة أحمد من طریق قیس بن سعد عن عطاء أن معاویة حدث أنه اخذ من اطراف شعر رسول اللہ ﷺ فی أیام العشر بمشقص معی وهو محرم ؟ قلت:قالوا : انها روایة شاذة ، وقد قال قیس بن سعد عقیبها : والناس ینکرون ذلک ، وقیل : یحتمل أن یکون فی قول معاویة : قصرت عن رسول اللہ ﷺ بمشقص، حذف تقدیره : قصرت أنا شعری عن أمر رسول اللہ ﷺ .قلت : یرده هذا مافی روایة أحمد : قصرت عن رأس رسول اللہ ﷺ عند المروة ، أخرج من طریق جعفر بن محمد عن أبیه عن ابن عباس،عمدة القاری ، ج : ۷،ص: ۳۴۴.

[۱۸۷] فیض الباری ، ج :۳، ص: ۱۲۱.

امام مالک رحمہ اللہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ اکثر رأس کا واجب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی دوسری روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصف رأس کا واجب ہے۔

جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ربع رأس کا واجب ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین بالوں کا حلق یا قصر کافی ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے بعض اصحاب کے نزدیک مسح رأس کی طرح صرف ایک بال کا حلق یا قصر کافی ہے۔[۱۸۸]

(۱۲۹) باب الزیارۃ یوم النحر

دسویں تاریخ کو طواف زیارۃ کرنا

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے طواف زیارت کا افضل وقت بتانا ہے کہ یوم نحر ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے۔

طواف زیارت بالاتفاق فرض ہے، حج کا ایک رکن ہے اسی لئے اس طواف کا نام طواف رکن، طواف افاضہ اور طواف زیارت بھی ہے۔[۱۸۹]

سنت یہی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو کرے حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں طواف زیارت دسویں تاریخ کو کیا ہے۔ باقی گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ میں بھی جائز ہے۔

" و قال أبو الزبير ، عن عائشة و ابن عباس ﷺ : أخر النبی الزيارة الى الليل . و يذكر عن أبی حسان ، عن ابن عباس رضی الله عنهما : أن النبی ﷺ كان يزور البيت أيام منى".

---

[۱۸۸] أن فيه ما يدل على وجوب استيعاب حلق الرأس ، لأنه ﷺ حلق جميع رأسه ، وقال : ((خذوا عنى مناسككم))، وبه قال مالك و احمد فى رواية ، كالمسح فى الوضوء ، وقال مالك فى المشهور عنه : يجب حلق أكثر الرأس ، و به قال أحمد فى رواية ، وقال عطاء : يبلغ به الى العظمين الذين عند منتهى الصدغين ،أنهما منتهى نبات الشعر ، ليكون مستوعبا لجميع رأسه . وقال أبو حنيفة : يجب حلق ربع الرأس . وقال أبو يوسف : يجب حلق نصف الرأس . وذهب الشافعى الى أنه يكفى حلق ثلاث شعرات ، ولم يكتف بشعره أو بعض شعرة ،كما اكتفى بذلك فى المسح الرأس فى الوضوء .عمدة القارى ، ج : ۷، ص: ۳۳۹.

[۱۸۹] هذا باب بيان زيارة الحاج البيت لأجل الطواف به يوم النحر ، والمراد به طواف الزيارة الذى هو ركن من أركان الحج ، وسمى طواف الافاضة أيضا، عمدة القارى ، ج : ۷،ص:۳۴۵.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طواف زیارت رات تک مؤخر فرمایا، اور ابو حسان سے منقول ہے کہ انہوں نے ابن عباس سے سنا کہ نبی کریم ﷺ ایام منیٰ میں بیت اللہ کی زیارت کرتے تھے۔

تمام صحیح روایات اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے طواف زیارت دن میں فرمایا تھا، لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے طواف زیارت رات کے وقت کیا، اسی لئے شراح حدیث نے مختلف تاویلات کی ہیں:

ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دس تاریخ کو دن میں طواف زیارت فرمانے کے بعد اسی رات میں نفلی طواف بھی کیا تھا۔[190]

اور بھی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ شریف لے جاتے اور نفلی طواف کرتے تھے۔[191]

"أخر النبی الزيارة الى الليل".

"أخر" کے معنی **"اذن با التأخير"** کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طواف زیارت رات کے وقت کرنے کی اجازت دی، لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے خود رات کے وقت طواف زیارت کیا۔

"أخر الليل" سے مراد **"عشی"** ہے، عشی کا اطلاق زوال شمس سے غروب شمس تک ہوتا ہے، ائمہ لغت اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔[192]

آپ ﷺ نے طواف زیارت دن کے وقت فرمایا اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث باب میں حضرت عائشہ

---

[190] الظاهر أن المراد منه طواف الوداع أو طواف زيارة محضة ، وقد ورد حديث رواه البيهقي أن رسول الله ﷺ كان يزور البيت كل ليلة من ليالي منىً ، عمدة القاری ، ج :۷ ، ص:۳۴۶ ، و صحيح ابن حبان ، باب الافاضة من منى لطواف الزيارة ، رقم : ۳۸۸۴، ج: ۹، ص: ۱۹۶ ، مؤسسة الرسالة ، بيروت ، ۱۴۱۴ھ .

[191] الوجه الثالث : ما ذكره ابن حبان من أنى ﷺ رمى جمرة العقبة و نحر ثم تطيب لزيارة ثم أفاض فطاف بالبيت طواف الزيارة ، ثم رجع الى منى فصلى الظهر بها والعصر والمغرب والعشاء ، ورقد رقدة بها ، ثم ركب الى البيت ثانيا وطاف به طوافا آخر بالليل. عمدة القاری، ج : ۷ص: ۳۴۶.

[192] وحديث الباب يدل على أنه أخره الى الليل .قلت :أجيب عن هذا بوجوه . الأول : أن الأحاديث الثلاثة تحمل على اليوم الأول ، وحديث الباب يحمل على بقية الأيام . الوجة الثانى : أن حديث الباب يحمل على أنه أخر ذلك الى ما بعد الزوال ، فكان معناه : أخر طواف الزيارة الى العشى ، وأما الحمل على ما بعد الغروب فبعيد جداً لما ثبت فى الأحاديث الصحيحة المشهورة من أنه ﷺ طاف يوم النحر نهارا وشرب من سقاية زمزم ، عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص : ۳۴۵.

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف زیارت دن کے وقت فرمایا اور سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے طواف زیارت دن میں ادا فرما کر ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ظہر کی نماز منیٰ واپس آکر پڑھی۔[۱۹۳]

۱۷۳۲ ــ وقال لنا أبو نعيم : حدثنا سفيان ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضى الله عنهما : أنه طاف طوافا واحدا ثم يقيل ثم يأتى منىً ، يعنى يوم النحر ، ورفعه عبدالرزاق . حدثنا عبيدالله .

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک طواف کیا پھر سو گئے یعنی قیلولہ کرنے لگے پھر منیٰ آئے، یعنی دسویں تاریخ۔

۱۷۳۳ ــ حدثنا يحيى بن بكير : حدثنا الليث : عن جعفر بن ربيعة ، عن الأعرج قال : حدثني أبو سلمة بن عبدالرحمٰن : أن عائشة رضى الله عنها قالت : حججنا مع النبى ﷺ فأفضنا يوم النحر فحاضت صفية فأراد النبى ﷺ منها مايريد الرجل من أهله ، فقلت : يارسول الله ، انها حائض . قال : ((حابستنا هى؟)) قالوا : يارسول الله ، أفاضت يوم النحر ، قال : ((اخرجوا)) . [راجع : ۲۹۴]

"ويذكر عن القاسم وعروة والأسود ، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها : أفاضت صفية يوم النحر" .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کیا تو یوم نحر یعنی

---

۱۹۳ وقال البيهقى فى سننه : وأبو الزبير سمع من ابن عباس ، وفى سماعه عن عائشة ، رضى الله عنها ، نظر ، قاله البخارى . فان قلت : هذا يعارض ما رواه ابن عمر وجابر وعائشة ، عن النبى ﷺ أنه طاف يوم النحر نهاراً؟

والحديثان عن ابن عمر وجابر عند مسلم ، أما حديث ابن عمر فانه أخرجه من طريق عبدالرزاق عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، رضى الله تعالىٰ عنهما ، أن رسول الله ﷺ افاض يوم النحر ثم رجع فصلى الظهر بمنى ، رواه أبوداؤد والنسائى أيضا . وأما حديث جابر فانه أخرجه من رواية جعفر بن محمد عن جابر فى الحديث الطويل وفيه: ((ثم ركب رسول الله ﷺ فأفاض الى البيت فصلى بمكة الظهر ...)) الحديث .

وأما حديث عائشة فأخرجه أبوداؤد من طريق ابن اسحاق عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن أبيه ((عن عائشة قالت: افاض رسول الله ا من آخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع الى منى فمكث بها ليالى التشريق)) . فهذه الأحاديث تدل على أنه طاف طواف الزيارة يوم النحر ، عمدة القارى ، ج : ۷، ص: ۳۴۶ ، و سنن البيهقى الكبرىٰ ، رقم : ۹۴۳۳، ج:۵، ص: ۱۴۶، مكتبة دارالباز ، مكة المكرمة ، ۱۴۱۴ هـ ، صحيح مسلم ، و سنن أبى داؤد ، ج : ۲، ص: ۱۸۵ ، دارالفكر ، بيروت .

دسویں تاریخ کو طواف زیارت کیا، پھر ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آ گیا، نبی کریم ﷺ نے اس سے صحبت کرنا چاہی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ حائضہ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہمیں یہاں سفر سے روک دے گی؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ دسویں تاریخ کو طواف زیارت کر چکی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا پھر کیا ہے چلو نکلو۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما نے دسویں تاریخ کو طواف زیارت کر لیا تھا۔

(۱۳۰) باب اذا رمى بعد ما أمسى، أو حلق قبل أن يذبح ناسيا أو جاهلاً [۱۹۴]

کسی نے شام تک رمی نہ کی یا قربانی سے پہلے بھولے سے یا مسئلہ جان کر سر منڈا لیا تو کیا حکم ہے

امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ روایات یا ائمہ میں اختلاف ہو تو بعض اوقات کوئی حکم نہیں لگاتے ہیں یہ متفق علیہ ہے کہ گیارہویں تاریخ اور بارہویں تاریخ کی رمی قبل الزوال جائز نہیں صرف بعض سلف نے زوال سے قبل اجازت دی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تیرہ تاریخ قبل الزوال جائز کہتے ہیں، باقی ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ ۱۳ تاریخ میں بھی تقدیم کی اجازت نہیں دیتے۔ [۱۹۵]

لیکن امام بخاری رحمہ نے ترجمۃ الباب میں جاہلا اور ناسیا کی قید لگا کر بتلا دیا کہ اگر ایک شیء مقدم دوسری مؤخر کی جائے تو اگر جہالت و نسیان سے ہے تو دم واجب نہیں ورنہ دم واجب ہے۔ [۱۹۶]

[۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶] وهذه الترجمة تشتمل على حكمين: أحدهما: رمى جمرة العقبة بالليل، والآخر: الحلق قبل الذبح، وكل منهما اما ناسيا أو جاهلاً بحكمه.

أما الأول: فقد اجمع العلماء أن من رمى جمرة العقبة من طلوع الشمس الى الزوال يوم النحر فقد أصاب سنتها و وقتها المختار. واجمعوا أن من رماها يوم النحر قبل المغيب فقد رماها فى وقت لها، وان لم يكن ذلك مستحسنا له، واختلفوا فيمن أخر رميها حتى غربت الشمس من يوم النحر، فذكر ابن القاسم أن مالكا كان مرة يقول: عليه دم، و مرة لايرى عليه شيئا، و قال الثورى: من أخرها عامدا الى الليل فعليه دم، و قال أبوحنيفة و أصحابه و الشافعى: يرميها من الغد ولا شيء عليه، وقد أساء، سواء تركها عامداً أو ناسيا لا شيء عليه.

وقال ابن قدامة: ان أخر جمرة العقبة الى الليل لايرميها حتى تزول الشمس من الغد، وبه قال أبوحنيفة واسحاق. وقال الشافعى ومحمد وابن المنذر و يعقوب: يرمى ليلا، لقوله: ولا حرج، ولأبى حنيفة: أن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما، قال: من فاته الرمى حتى تغيب الشمس فلا يرم حتى تزول الشمس من الغد، واذا رمى جمرة العقبة قبل طلوع الفجر يوم النحر فأكثر العلماء على أنه لا يجزئ وعليه الاعادة، وهو قول أبى حنيفة وأصحابه ومالك وأبى ثور وأحمد بن حنبل واسحاق. وقال عطاء بن أبى رباح وابن أبى مليكة وعكرمة بن خالد وجماعة المكيين: يجزيه ولا اعادة على من فعله. وقال الشافعة وأصحابه: اذا كان الرمى بعد نصف الليل جاز، فان رماها بعد طلوع الفجر وقبل طلوع الشمس فجائز عند الأكثرين، منهم أبو حنيفة ومالك والشافعى وأحمد واسحاق وابن المنذر. وقال مجاهد والثورى والنخعى: لا يرميها الا بعد طلوع الشمس. عمدة القارى، ج:۷، ص: ۳۵۰.

۱۷۳۴ ۔ حدثنا موسى بن اسماعيل : حدثنا وهيب : حدثنا بن أوطاس ، عن أبيه ، عن ابن عباس رضى الله عنهما : أن النبی ﷺ قيل له فی الذبح والحلق والرمی والتقديم والتاخير فقال : ((لاحرج)) [راجع : ۸۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے قربانی اور سر منڈانے اور رمی کے بارے میں پوچھا گیا اور ان میں آگے پیچھے کرنا آپ ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

۱۷۳۵ ۔ حدثنا على بن عبدالله : حدثنا يزيد بن زريغ : حدثنا خالد ، عن عكرمة : عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : كان النبی ﷺ يسأل يوم النحر بمنىً فيقول : ((لاحرج)) ، فسأله رجل فقال : حلقت قبل أن اذبح ؟ قال : ((اذبح ولا حرج ، قال : رميت بعد ما أمسيت ؟ فقال : ((لاحرج)).[راجع : ۸۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے سے لوگ منیٰ میں دسویں تاریخ میں حج کے مسائل پوچھتے تو آپ ﷺ فرماتے کچھ حرج نہیں چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہنے لگا میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا آپ ﷺ نے فرمایا اب قربانی کر کہ کچھ حرج نہیں اور اس نے کہا میں نے شام ہوجانے کے بعد رمی کی آپ ﷺ نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔

(۱۳۱) باب الفتيا على الدابة عند الجمرة

جمرے کے پاس سوار رہ کر لوگوں کو مسئلہ بتانا

۱۷۳۶ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك ، عن ابن شهاب ، عن عيسى ابن طلحة ، عن عبدالله بن عمر و : أن رسول الله ﷺ وقف فی حجة الوداع فجعلوا يسألونه فقال رجل : لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح قال : ((أذبح ولا حرج)) . فجاء آخر فقال : لم اشعر فنحرت قبل أن أرمى ، قال : ((ارم ولا حرج)). فما سئل النبی ﷺ يومئذ عن شیء قدم ولا أخر الا قال : ((افعل ولا حرج)) . [راجع : ۸۳]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ حجۃ الوداع میں ٹھہرے رہے اور لوگ آپ سے مسائل حج پوچھنے لگے، چنانچہ ایک شخص نے کہا مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈالیا، آپ ﷺ نے فرمایا اب قربانی کرلے، کچھ حرج نہیں۔ پھر آپ ﷺ کے پاس دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی، آپ ﷺ نے فرمایا اب رمی کرلے کچھ حرج نہیں۔ پھر اس دن جو بات کسی نے پوچھی جس نے مقدم کو مؤخر کیا تھا آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اب کرلو کچھ حرج نہیں۔

۱۷۳۷ ۔ حدثنا سعيد بن يحيى بن سعيد : حدثنا أبى : حدثنا ابن جريج : حدثنى

الزهری ، عن عیسی بن طلحة ، عن عبداللّٰہ بن عمر بن العاص ﷺ : حدثه أنه شهد النبی ﷺ یخطب یوم النحر فقام الیه رجل فقال : کنت أحسب أن کذا قبل کذا ، ثم قام آخر فقال : کنت أحسب أن کذا قبل کذا . حلقت قبل أن أنحر ، نحرت قبل أن أرمی ، وأشباه ذلک ، فقال النبی ﷺ : ((افعل ولاحرج)) لهن کلهن ، فماسئل یومئذ عن شیء الا قال : ((افعل ولا حرج)) .[راجع : ۸۳]

۱۷۳۸ ـ حدثنا اسحاق : أخبرنا یعقوب بن ابراهیم : حدثنا أبی ، عن صالح عن ابن شهاب : حدثنی عیسی بن طلحة بن عبیداللّٰہ : أنه سمع عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنهما قال : وقف رسول اللّٰہ ﷺ علی ناقة ، فذکر الحدیث . تابعه معمر عن الزهری . [راجع : ۸۳]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نحر یعنی دسویں تاریخ منیٰ میں خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہوئے اور کہنے لگا میں گمان کرتا تھا کہ یہ کام اس کام سے پہلے کرنا چاہیے۔ پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں گمان کرتا تھا کہ یہ کام اس کام سے پہلے ہے میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا لیا اور رمی سے پہلے قربانی کرلی اور اس کے مانند، تو نبی کریم ﷺ نے ان سب کے جواب میں فرمایا اب کرلو کچھ حرج نہیں، پھر اس دن جو بات پوچھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا ”افعل ولا حرج“۔[۱۹۷]

(۱۳۲) باب الخطبة أیام منی

ایام منیٰ میں خطبہ کا بیان

ایامِ حج میں تین خطبوں کا ذکر ملتا ہے:

پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو نماز ظہر کے بعد۔

دوسرا خطبہ نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات میں نماز ظہر سے پہلے۔

تیسرا خطبہ دس ذی الحجہ کو بعد نماز ظہر مقام منیٰ میں۔

پہلا خطبہ یوم ترویہ میں یہ ایام خاص حج اور حاجیوں کے جمع ہونے کے ایام ہیں، جس میں لوگوں کو منیٰ کی طرف نکلنا، عرفہ میں نماز پڑھنا، وقوف عرفات اور وہاں سے روانہ ہونے کی تعلیم حاصل ہے۔[۱۹۸]

---

[۱۹۷] اس حدیث پر مزید کلام ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب العلم، رقم الحدیث : ۸۳، جلد : ۲، ص: ۱۱۱.

[۱۹۸] قال ابن المنیر فی الحاشیة : أراد البخاری الرد علی من زعم أن یوم النحر لاخطبة فیه للحاج ، وأن المذکور فی الحدیث من قبیل الوصایا العامة لا علی أنه من شعار الحج ، فأراد البخاری أن یبین ان الراوی قد سماها خطبة کما سمی التی وقعت فی عرفات خطبة ، وقد اتفقوا علی مشروعیة الخطبة بعرفات فکأنه الحق المختلف فیه بالمتفق علیه انتهی ، واللّٰہ أعلم . فتح الباری ، ج : ۳، ص: ۵۷۴.

اس کے برخلاف دس ذی الحجہ میں حضور ﷺ، آپ ﷺ کے خلیفہ اول ابوبکر صدیق ؓ نے بھی خطبہ دیا تھا، البتہ یہ خطبہ مناسک حج میں سے نہیں ہے، بلکہ موقع کی مناسبت سے وعظ فرمایا گیا۔

آپ ﷺ نے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید اس کے بعد اتنے بڑے اجتماع کا موقع نہ ملے اس لئے لوگوں کو کچھ نصیحتیں کردی جائیں اس بناء پر خطبہ دیا اور اس کو روایتوں میں خطبہ ہی سے تعبیر کیا گیا تو خواہ مخواہ اس کے خطبہ ہونے کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۹۹

۱۷۳۹ ـ حدثنا علي بن عبدالله : حدثني يحيى بن سعيد ، حدثنا فضيل بن غزوان : حدثنا عكرمة ، عن ابن عباس رضي الله عنهما : أن رسول الله ﷺ خطب الناس يوم النحر فقال : ((يأيها الناس ، أي يوم هذا ؟)) قالوا : يوم حرام ، قال : ((فأي بلد هذا؟)) قالوا : بلد حرام . قال : ((فأي شهر هذا ؟)) قالوا : شهر حرام . قال ((فان دمائكم واموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا))، فأعادها مراراً . ثم رفع رأسه فقال : ((اللّٰهم هل بلغت ؟ اللّٰهم هل بلغت؟)) قال ابن عباس رضي الله عنهما : فوالذي نفسي بيده ! انها لوصيته الى أمته ((فيبلغ الشاهد الغائب ، لاترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض)).
[أنظر : ۷۰۷۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر یعنی دسویں تاریخ میں لوگوں کو خطبہ دیا، فرمایا: اے لوگو یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا حرمت والا دن ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا شہر حرام ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ماہ حرام ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا یقین جانو تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کی تم پر

---

۱۹۹ وأما الأحاديث التي وردت عن الصحابة بتصريحهم أنه اخطب يوم النحر غير ما تقدم ، فمنها حديث الهرماس بن زياد أخرجه ابوداؤد ولفظه ((رأيت النبي ﷺ يخطب الناس على ناقته الجدعاء، يوم الأضحیٰ)) وحديث أبي أمامة، سمعت خطبة النبي ﷺ بمنى يوم النحر ، أخرجه عبد الرحمٰن وحديث معاذ ((خطبنا رسول الله ﷺ ونحن بمنى))، أخرجه وحديث رافع بن عمرو ((رأيت رسول الله ﷺ يخطب الناس بمنى حين ارتفع الضحیٰ)) اخرجه وأخرج من مرسل مسروق ((وأن النبي ﷺ خطب يوم النحر)) والله أعلم . فتح الباري ، ج : ۳، ص: ۵۸۷، و سنن أبي داؤد ، ج: ۳، ص: ۹۶ ، رقم : ۲۸۰۰ ، دار الفكر ، بيروت .

اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے یہ دن تمہارے اس شہر تمہارے اس مہینے میں حرام ہیں۔ آپ ﷺ نے کئی بار اسے دہرایا پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور کہا اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آپ ﷺ کی وصیت اپنی امت کو یہی تھی کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ لوگ ان کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں بعض بعض کی گردن مارے۔

مقصد بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان حضرات کا رد کرنا ہے جو لوگ خطبہ منیٰ کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ **"فأراد البخاری أن يبين أن الراوی قد سماها خطبة كماسمى التی وقعت فی عرفات خطبة"**۔

۱۷۴۰ ـ حدثنا حفص بن عمر : حدثنا شعبة قال : أخبرنی عمرو قال : سمعت جابر بن زيد قال : سمعت ابن عباس رضی الله عنهما : قال سمعت النبی ﷺ يخطب بعرفات .تابعه ابن عيينة عن عمرو . [أنظر : ۱۸۴۱، ۱۸۴۳، ۵۸۰۴، ۵۸۵۳]

اس باب کی پہلی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت خطبہ منیٰ کا آیا تھا، اسی مناسبت سے خطبہ عرفات کا ذکر کر دیا یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے۔

۱۷۴۱ ـ حدثنی عبدالله بن محمد: حدثنا أبو عامر: حدثنا قرّة، عن محمد بن سيرين قال: أخبرنی عبد الرحمٰن بن أبی بكرة ، عن أبی بكرة، ورجل أفضل فی نفسی من عبدالرحمٰن حميد بن عبدالرحمٰن، عن أبی بكرة رضی الله عنه قال: خطبنا النبی ﷺ يوم النحر قال: ((أتدرون أی يوم هذا؟)) قلنا: الله ورسوله أعلم. فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: ((أليس يوم النحر؟)) قلنا: بلى. قال: ((أی شهر هذا؟))قلنا: الله ورسوله أعلم فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه. فقال:((أليس ذوالحجة؟)) قلنا: بلى. قال: ((أی بلد هذا؟)) قلنا : الله ورسوله أعلم. فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه.قال : ((أليست بالبلدة الحرام ؟)) قلنا: بلى. قال: ((فإن دماء كم وأموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، فی شهر كم هذا فی بلدكم هذا. الى يوم تلقون ربكم . ألا هل بلغت؟)) قالوا: نعم. قال:((اللّٰهم اشهد، فليبلغ الشاهد الغائب، فرب مبلغٍ أوعى من سامعٍ. فلا ترجعوا بعدی كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض)). [راجع:٦٧]

"قال: خطبنا النبی ﷺ یوم النحر قال: ((أتدرون أی یوم ھذا؟))".

نبی کریم ﷺ نے ہم کو دسویں تاریخ منیٰ میں خطبہ سنایا فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ خوب جانتا ہے، آپ ﷺ خاموش رہے ہم نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کچھ اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا بے شک ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، آپ ﷺ خاموش رہے ہم نے سمجھا شاید آپ ﷺ اس مہینے کا کچھ اور نام رکھیں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا بے شک یہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، پھر آپ ﷺ خاموش رہے ہم نے سمجھا شاید آپ ﷺ اس شہر کا کچھ اور نام رکھیں گے، پھر فرمایا یہ حرمت کا شہر نہیں ہے؟ ہم نے کہا بے شک ہے۔

"قال: ((فإن دماء کم وأموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا، فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا. الی یوم تلقون ربکم".

آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے کے تم پر حرام ہیں، جیسے اس دن کی اس مہینے کی اس شہر حرام میں حرام ہے، جب تم اپنے مالک سے ملو، کہو کیا میں نے اللہ جل جلالہ کا حکم پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا بیشک آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہ اب جو یہاں موجود ہے غائب تک میری بات پہنچا دے، کبھی ایسا ہوگا جس کو پہنچائے گا وہ سننے والے سے زیادہ رکھنے والا ہوگا، میرے بعد ایسا نہ کرنا کہ ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر بن جاؤ۔

روایات میں تعارض وتطبیق

اس حدیث کے دوسرے طرق آئے ہیں، ان میں یہ مذکور ہے کہ **"فسکتنا"** ہم خاموش رہے اور یہاں یہ ہے کہ حضور ﷺ خاموش رہے، تو بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔[۲۰۰]

تعارض کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ کہا کہ یوم النحر ہے اور ذی الحجہ ہے وہ حضور ﷺ کے جواب میں فرمایا، آپ ﷺ نے جب پوچھا" **ألیس یوم النحر؟ قلنا: ألیس بذی الحجة؟ قلنا: بلی**" راوی نے اس کو کسی روایت میں اس طرح تعبیر کر دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب میں ذی الحجہ اور یوم النحر فرمایا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرف متوجہ کر دیا کہ آج کا دن یوم النحر ہے اور یہ ذی

---

[۲۰۰] دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رب مبلغ أوعیٰ من سامع، رقم الحدیث: ۶۷.

الحجہ کا مہینہ ہے تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "**فان دماء کم وأموالکم وأعراضکم بینکم حرام**" کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں آپس میں ایک دوسرے کے لئے ایسی حرمت والی ہیں کہ جیسے تمہارے آج کے دن کی حرمت، اس مہینہ کی حرمت میں اور اس شہر کی حرمت میں، یعنی آج کے دن تین قسم کی حرمتیں جمع ہیں۔

ایک تو مہینہ کی حرمت ہے کہ ذی الحجہ کا مہینہ حرمت والا ہے، اس میں یوم النحر کا دن ہے جو حرمت والا ہے اور یہ شہر یعنی مکہ مکرمہ یا اگر منیٰ کے اندر یہ بات فرمائی گئی تو وہ بھی حدود حرم میں داخل ہے تو یہ ساری حرمت والی جگہ ہے، یہ تین حرمتیں جمع ہیں، جیسے اس تین چیزوں کی حرمت ہے ایسے ہی تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروؤں کی آپس میں ایک دوسرے کے لئے حرمت ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان، مال آبرو پر ناحق حملہ کرتا ہے یا جارحیت کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ ان تین حرمتوں کو پامال کرے۔

۱۷۴۲۔ حدثنا محمد بن المثنی : حدثنا یزید بن ھارون : أخبرنا عاصم بن محمد بن یزید، عن أبیه، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال : قال النبی ﷺ بمنیً : ((أتدرون أی یوم ھذا ؟ قالوا : اللہ ورسوله أعلم . فقال : ((فان ھذا یوم حرام . أفتدرؤن أی بلد ھذا ؟)) اللہ ورسوله أعلم . قال : ((بلد حرام . أفتدرؤن أی شھر ھذا؟))

قالوا: اللہ ورسوله أعلم. قال ((شھر حرام)). قال : ((فان اللہ حرّم علیکم دمائکم واموالکم واعراضکم کحرمة ھومکم ھذا، فی شھر کم ھذا، فی بلدکم ھذا)).

وقال ھشام بن الغاز: أخبرنی نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما: وقف النبی ﷺ یوم النحر بین الجمرات فی الحجة التی حج بھذا. وقال: ((ھذا یوم الحج الأکبر))، فطفق النبی ﷺ یقول: ((اللّٰھم اشھد)). فودع الناس فقالوا: ھذہ حجة الوداع. [أنظر: ۴۴۰۳، ۶۰۴۳، ۶۱۶۶، ۶۷۸۵، ۶۸۶۸، ۷۰۷۷] . ۱۰۱

ترجمہ

: حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو یہ کون سا دن

۱۰۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان معنی قول النبی ﷺ لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض، رقم: ۹۹، وسنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب تحریم القتل، رقم: ۴۰۵۶، وسنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب دابة الارض، رقم: ۳۹۳۳.

ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ یوم حرام ہے یعنی حرمت کا دن ہے، کیا تم لوگ جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں، فرمایا: یہ حرمت کا شہر ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ماہ حرام ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے تم پر ایک دوسرے کے خون، مال اور آبروئیں ایسی ہی حرام کردی ہیں جیسے اس سن کی اس مہینے اس شہر میں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حج میں جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ حج اکبر کا دن ہے پھر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے اے اللہ! گواہ رہ اور لوگوں کو رخصت کیا اس پر لوگوں نے کہا یہ حجۃ الوداع ہے۔

"وقال: ((هذا يوم الحج الأكبر))."

حج اکبر کی تفسیر

حج اکبر کی تفسیر وتشریح میں اختلاف ہے۔

محدثین کے نزدیک حج اکبر سے مراد مطلق حج ہے، اس لئے حج کو "حج اکبر" اور اس سے ممتاز کرنے کے لئے عمرہ کو "حج اصغر" کہا جاتا ہے۔[۲۰۲]

ایک قول یہ ہے کہ "حج اکبر" صرف وہی تھا جس میں نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔[۲۰۳]

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں "حج اکبر" حج قران ہے اور "حج اصغر" حج افراد ہے۔[۲۰۴]

یوم الحج الاکبر کا مصداق کیا ہے اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، شعبی اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق "یوم النحر" ہے۔[۲۰۵]

حضرت عمر فارق، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس کا مصداق "یوم عرفہ" ہے، روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔[۲۰۶]

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حج کے پانچوں دن "یوم الحج الاکبر" کا مصداق ہیں جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں۔[۲۰۷]

جہاں تک لفظ "یوم" کو مفرد لانے کا تعلق ہے سو وہ محاورہ کے مطابق ہے، اس لئے کہ بسا اوقات لفظ "یوم" بول کر مطلق زمانہ یا چند ایام مراد ہوتے ہیں، جیسے عرب کے جنگوں کو بھی "یوم" ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اگر چہ ان میں کتنے ہی ایام صرف ہوئے ہوں، جیسے ''یوم بعاث، یوم احد، یوم الجمل، یوم صفین'' وغیرہ۔[۲۰۸]

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عوام الناس میں مشہور ہے کہ جس سال جمعہ کے دن ''یوم عرفہ'' ہو صرف وہی حج اکبر ہے۔

قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ ہر سال کا حج ''حج اکبر'' ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ حسن اتفاق سے جس سال نبی کریم ﷺ نے حج فرمایا اس میں یوم عرفہ جمعہ کو تھا، یہ اپنی جگہ ایک فضیلت ضرور ہے مگر یوم الحج الاکبر کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

"فودع الناس فقالوا: هذه حجة الوداع".

آپ ﷺ نے لوگوں کو رخصت کیا، پھر کہا **"لعلی لا أراكم بعد عامهم هذا"** شاید اس سال کے بعد میری تم سے ملاقات نہ ہو، اس لئے اس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

(۱۳۳) باب: هل يبيت أصحاب السقاية أو غيرهم بمكة ليالي منىً؟

کیا اصحاب سقایہ وغیرہ مکہ میں رہ سکتے ہیں؟

اصحاب سقایہ یعنی جو لوگ مکہ میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں یا اصحاب سقایہ کے علاوہ جو معذور ہیں مرض کی وجہ سے یا چرواہے وغیرہ ہیں یہ لوگ منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رہ سکتے ہیں، حدیث میں اس کا جواب ہے۔

البتہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی صاف وصریح حکم نہیں بیان کیا بلکہ ترجمہ میں لفظ **"هل"** اور **"أو غيرهم"** سے اختلاف فقہاء کی طرف اشارہ کر دیا، کہ بعض فقہاء کے نزدیک رات گذارنا واجب نہیں، سنت ہے، چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ [۲۰۹]

[۲۰۲،۲۰۳،۲۰۴،۲۰۵،۲۰۶،۲۰۷،۲۰۸] واختلف العلماء في يوم الحج الأكبر على أقوال: أحدهما: أنه يوم النحر، وهو قول علي بن أبي طالب، وعبدالله بن أبي أوفى والشعبي ومجاهد. والقول الثاني: أنه يوم عرفة، ويروى ذلك عن عمر وابنه عبدالله بن عمر. والقول الثالث: أنه أيام الهج كلها، وقد يعبر عن الزمان باليوم كقولهم: يوم بعاث ويوم الجمل ويوم صفين ونحوه ذلك، وهو قول سفيان الثوري. وقال مجاهد: الأكبر القرآن، والأصغر الافراد، وروى ابن مردوية في (تفسيره) من رواية الحسن عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((يوم الحج الأكبر يوم حج أبو بكر الصديق))، زاد في رواية: ((بالناس)). عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۳٦٦،۳٦۷.

[۲۰۹] وفي الحديث دليل على وجوب المبيت بمنى وأنه من مناسك الحج لأن التعبير للرخصة يقتضي أن مقابلها عزيمة وأن الاذن وقع للعلة المذكورة، واذا لم توجد أو مافي معناها لم يحصل الاذن، وبالوجوب قال الجمهور، و في قول الشافعي ورواية عن احمد وهو مذهب الحنفية أنه سنة، ووجوب الدم بتركه مبني على هذا الخلاف، فتح الباري، ج: ۳، ص: ۵۷۹.

جمہور، شافعیہ، مالکیہ کے نزدیک جن کو کوئی عذر نہیں ان کے لئے واجب ہے۔ ۲۱۰

حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، یہی امام حسن بصری سے منقول ہے۔ ۲۱۱

۱۷۴۳ ۔ حدثنا محمد بن عبید بن میمون: حدثنا عیسی بن یونس، عن عبیداللہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: رخص رسول اللہ ﷺ .[راجع: ۱۶۳۴]

۱۷۴۴ ۔ حدثنا یحیی بن موسیٰ: حدثنا محمد بن بکر: أخبرنا ابن جریج: أخبرنی عبیداللہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أن النبی ﷺ أذن ح.[راجع: ۱۶۳۴]

ان روایت میں حضور اکرم ﷺ نے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت دی ہے۔

۱۷۴۵ ۔ حدثنا محمد بن عبداللہ بن نمیر، حدثنا أبی، حدثنا عبیداللہ: حدثنی نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أن العباس استأذن النبی ﷺ لیبیت بمکة لیالی منیً من أجل سقایته فأذن له. تابعه أبو أسامة وعقبة بن خالد وأبو ضمرة .[راجع: ۱۶۳۴]

"لیبیت بمکة لیالی منیً من أجل سقایته فأذن له".

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رہنے کی اجازت مانگی، اس لئے کہ وہ لوگوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔

(۱۳۴) باب رمی الجمار،

کنکریاں مارنے کا بیان

"وقال جابر: رمی النبی ﷺ یوم النحر ضحی و رمی بعد ذٰلک بعد الزّوال".

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے دسویں تاریخ چاشت کے وقت کنکریاں ماریں اور اس کے بعد یعنی گیارہویں اور بارہویں کو زوال کے بعد۔

مقصدِ بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے رمی جمار یعنی کنکریاں مارنے کا وقت بتانا ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم نحر یعنی دسویں تاریخ میں کنکریاں مارنے کا افضل وقت یہی ہے کہ چاشت کے وقت مارے جیسا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دسویں تاریخ میں چاشت کے وقت

۲۱۰، ۲۱۱ واختلف الفقهاء فیمن بات لیلة منی بمکة من غیر من رخص له، فقال مالک: علیه دم، وقال الشافعی: ان بات لیلة اطعم عنها مسکینا، وان بات لیالی منی کلها احببت ان یهریق دما، وجعل أبو حنیفة، رحمه الله، وأصحابه لا شیء علیه ان کان یأتی منی، ویرمی الجمار، وهو قول الحسن البصری، ص، عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۳۶۹.

کنکریاں ماریں اور گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔[۲۱۲]

پہلے دن رمی کے تین اوقات مأثور ہیں

وقت مسنون، وقت مباح اور وقت مکروہ۔

وقت مسنون: طلوع شمس کے بعد زوال شمس سے پہلے۔

وقت مباح: زوال شمس سے غروب شمس تک۔

وقت مکروہ: یوم النحر گذرنے کے بعد گیارہ ذی الحجہ کی رات۔[۲۱۳]

۱۷۴۶ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا مسعر، عن وبرة قال: سألت ابن عمر رضی الله عنهما: متى أرمي الجمار؟ قال: إذا رمى إمامک فارمه. فأعدت عليه المسألة قال: كنا نتحيّن، فإذا زالت الشمس رمينا. [۲۱۴، ۲۱۵]

وبرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ ہم رمی جمار کب کریں؟ تو انہوں نے کہا جب تمہارا امام کرے تم بھی کرو، پھر مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا ہم انتظار کیا کرتے تھے جب سورج کا زوال ہو جاتا تھا پھر رمی کیا کرتے تھے۔

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ دوسرے تیسرے دن کی رمی زوالِ شمس کے بعد ہونی چاہئے۔[۲۱۶]

آج کل یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء بن گیا ہے، بعض علماء معاصرین نے یہ فتوی دیا ہے کہ تیسرے دن کی رمی کم از کم زوال سے پہلے شروع کرنا جائز ہے، ورنہ لوگ کچلے جاتے ہیں۔

حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی ایک روایت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ہے کہ تیسرے دن میں زوال سے پہلے رمی کر سکتے ہیں۔[۲۱۷] لیکن یہ روایت مفتیٰ بہ نہیں ہے۔

رمی الجمار کا حکم جمہور کے نزدیک واجب ہے، اس کے ترک پر دم واجب ہوگا اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے۔[۲۱۸]

(۱۳۵) باب رمي الجمار من بطن الوادي

بطن وادی سے کنکریاں مارنا

مسئلہ: جمرہ عقبہ کی رمی کے لئے بطن وادی ہی افضل و مسنون ہے، اس سے ان حضرات کی تردید ہوگئی جو کہتے

---

[۲۱۲] لا یوجد للحدیث مکررات.

[۲۱۳] وفی سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار، رقم: ۱۶۸۲.

[۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸] ویستفاد من الحدیث حکمان: .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اوپر سے رمی کرتے تھے۔ ۲۱۹

۱۷۴۷ ـ حدثنا محمد بن كثير قال : أخبرنا سفيان ، عن الأعمش ، عن ابراهيم ، عن عبدالرحمٰن بن يزيد قال : رمى عبدالله من بطن الوادى ، فقلت : ياأبا عبدالرحمٰن، ان ناسا يرمونها من فوقها . فقال : والذى لااله غيره ، هذا مقام الذى أنزلت عليه سورة البقرة ﷺ .

وقال عبدالله بن الوليد قال : حدثنا سفيان عن الأعمش بهذا . [أنظر : ۱۷۴۸ ، ۱۷۴۹ ، ۱۷۵۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے کہا اے عبدالرحمٰن کچھ لوگ تو اوپر ہی کھڑے ہو کر مارتے ہیں انہوں نے کہا قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ وہ مقام ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا مقام رمی ہے جن پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔

(۱۳۶) باب رمى الجمار بسبع حصيات

سات کنکریوں سے ہر جمرہ پر مارنا

حضرت عطاء رحمہ اللہ نے پانچ اور مجاہد رحمہ اللہ نے چھ کنکریاں کافی سمجھا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... الأول : أن وقت رمى جمرة العقبة ، يوم النحر ضحى اقتداء به ﷺ.

وفى (المحيط) : أوقات رمى الجمرة العقبة ثلاثة : مسنون بعد طلوع الشمس ، ومباح بعد زوالها الى غروبها ، ومكروه و هو الرمى بالليل.

الحكم الثانى : هو أن الرمى فى أيام التشريق محله بعد زوال الشمس ، وهو كذلك ، وقد اتفق عليه الأئمة. وخالف أبو حنيفة فى اليوم الثالث منها ، فقال : يجوز الرمى فيه قبل الزوال استحسانا . وقال : ان رمى فى اليوم الأول أو الثانى قبل الزوال أعاد ، وفى الثالث يجزيه . وقال عطاء وطاؤس : يجوز فى الثلاثة قبل الزوال ، واتفق مالك وأبوحنيفة والثورى والشافعى وأبو ثور : أنه اذا مضت أيام التشريق وغابت الشمس من آخرها فقد فات الرمى، ويجبر ذلك بالدم . عمدة القارى ، ج : ۷،ص: ۳۷۱.

۲۱۹ أن السنة رمى جمرة العقبة من بطن الوادى ، ولو رماها من أسفلها كره . وفى : (التوضيح) : ولو رماها من أسفلها جاز . وقال مالك : لابأس أن يرميها من فوقها ثم رجع فقال : لايرميها الا من أسفلها وقال ابن بطال : رمى جمرة العقبة من حيث يتيسر من العقبة من أسفلها أو أعلاها أو وسطها ، كل ذلك واسع ، والموضع الذى يختار بها بطن الوادى من أجل حديث ابن مسعود ، وكان جابر بن عبدالله يرميها من بطن الوادى ، و به قال عطاء وسالم ، وهو قول الثورى والشافعى وأحمد واسحاق ، وقال مالك فرميها من أسفلها أحب الى .عمدة القارى ، ج : ۳،ص: ۳۷۲.

مقصد ان حضرات کی تردید ہے کہ سات سے کم درست نہیں۔[۲۲۰]

۱۷۴۸ ـ حدثنا حفص بن عمر : حدثنا شعبة ، عن الحكم ، عن ابراهيم ، عن عبدالرحمٰن بن يزيد ، عن عبدالله بن مسعود ﷺ : أنه انتهى الى الجمرة الكبرى جعل البيت عن يساره و منى عن يمينه و رمى بسبع . وقال : هكذا رمى الذى أنزلت عليه سورة البقرة ﷺ . [راجع : ۱۷۴۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ وہ جمرۃ الکبریٰ یعنی جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے اور بیت اللہ کو اپنے بائیں طرف اور منیٰ کو دائیں طرف کیا اور سات کنکریاں ماریں اور فرمایا اس ذات نے جن پر سورہ بقرہ نازل ہوئی اسی طرح کنکریاں ماریں۔

(۱۳۷) باب من رمى جمرة العقبة فجعل البيت عن يساره

جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتے وقت بیت اللہ کو بائیں طرف کرنا

۱۷۴۹ ـ حدثنا آدم : حدثنا شعبة : حدثنا الحكم ، عن ابراهيم ، عن عبدالرحمٰن ابن يزيد ، أنه حج مع ابن مسعود ﷺ فرآه يرمى الجمرة الكبرى بسبع حصيات . فجعل البيت عن يساره ومنىً عن يمينه ، ثم قال : هذا المقام الذى أنزلت عليه سورة البقرة . [راجع : ۱۷۴۷]

رمی جمرہ کے لئے افضل اور مستحب یہی ہے کہ بطن وادی میں اس طرح کھڑے ہو کر رمی کرے کہ بیت اللہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب ہو جو کہ جمہور کے نزدیک بھی افضل و مستحب ہے۔

(۱۳۸) باب يكبر مع كل حصاة

ہر کنکری مارنے پر اللہ اکبر کہے

"قاله ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى ﷺ".

۱۷۵۰ ـ حدثنا مسدد ، عن عبدالواحد قال: حدثنا الأعمش قال: سمعت الحجاج يقول على المنبر: السورة الذى يذكر فيها البقرة، والسورة التى يذكر فيها آل عمران ، و السورة التى يذكر فيها النساء. قال: فذكرت ذلك لإبراهيم فقال: حدثنى

---

[۲۲۰] أن رمى الجمرة لابد أن يكون بسبع حصيات ، و هو قول أكثر العلماء ، و ذهب عطاء الى أنه ان رمى بخمس أجزاه ، وقال مجاهد ان رمى بست فلا شىء عليه، ...... والصحيح الذى عليه الجمهور أن الواجب سبع ، كما صحح من حديث ابن مسعود وجابر وابن عباس وابن عمر وغيرهم . عمدة القارى ، ج : ۷، ص: ۳۷۴.

عبدالرحمٰن بن يزيد أنه كان مع ابن مسعود ﷺ حين رمى جمرة العقبة، فاستبطن الوادى حتى إذا حاذى بالشجرة اعترضها فرمى بسبع حصيات. يكبر مع كل حصاة ثم قال: من ههنا والذى لا إله غيره قام الذى أنزلت عليه سورة البقرة ﷺ. [راجع: ۱۷۴۷]

ترجمہ: سلیمان اعمش نے کہا کہ میں نے حجاج بن یوسف سے سنا وہ منبر پر کہہ رہا تھا وہ سورہ جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور وہ سورہ جس میں آل عمران کا ذکر ہے اور وہ سورہ جس میں نساء کا ذکر ہے بیان کیا۔

میں نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے اس کا ذکر کیا تھا انہوں نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن یزید نے بیان کیا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے ساتھ تھے جب انہوں نے جمرۃ العقبہ پر کنکریاں ماری، چنانچہ وہ وادی کے پیٹ یعنی نشیب میں گئے جب درخت کے مقابل ہو گئے تو اس کے سامنے ہوئے اور سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتے پھر فرمایا قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہیں کھڑے ہوئے تھے جن (حضور ﷺ) پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔

حجاج بن یوسف کا قول لغو ہے

حجاج بن یوسف کا مذہب یہ تھا کہ قرآن کریم کی سورتوں کو اس طرح ذکر نہیں کرنا چاہئے سورۃ البقرۃ، سورۂ آل عمران وغیرہ، بلکہ اس طرح کہنا چاہئے "**السورة التى يذكر فيها البقرة، السورة التى يذكر فيها آل عمران**" حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے سامنے یہ بات آئی تو انہوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے اس واسطے کہ عبداللہ بن مسعود ﷺ نے سورۃ البقرۃ کا لفظ استعمال کیا ہے، تو یہ قول اس وجہ سے نقل کیا ہے کہ حجاج بن یوسف کی غلطی واضح کر دی جائے، اس لئے کہ سورۃ البقرہ وغیرہ کہنا درست ہے اور حجاج بن یوسف ثقفی کا قول خطا اور لغو ہے۔[۲۱۳]

(۱۳۹) باب من رمى جمرة العقبة ولم يقف،

جمرہ عقبہ کو کنکری مار کر وہاں نہ ٹھہرے

جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد ٹھہر کر دعا کرنا ثابت نہیں اور پہلے دو جمروں میں ثابت ہے۔

"**ولم يقف**" صاحب ہدایہ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جس رمی کے بعد رمی ہو اس رمی کے بعد توقف کرے گا، کیونکہ یہ شخص ابھی عبادت کے درمیان ہے اس لئے اس میں دعا بھی کرے اور جس رمی کے بعد رمی نہ ہو اس کے بعد توقف نہ کرے، کیونکہ اب عبادت ختم ہو چکی، یہی وجہ ہے کہ یوم نحر میں جمرہ عقبہ کے بعد

---

[۲۱۳] عمدۃ القاری، ج: ۷، ص: ۳۷۶۔

توقف نہیں کیا جاتا۔[۲۲۲]

(۱۴۰) باب إذا رمى الجمرتين يقوم مستقبل القبله و يسهل

جب پہلے اور دوسرے جمرے کو مارے تو قبلہ رخ کھڑا ہو نرم زمین میں

"**یسھل**" کے معنی ہیں نرم زمین کے اندر آجانا، کھلی زمین میں آجاتے تھے اور پھر لمبی دعائیں کرتے تھے۔

۱۷۵۱ ۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة : حدثنا طلحة بن يحيى : حدثنا يونس، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر رضي الله عنهما : أنه كان يرمي الجمرة الدنيا بسبع حصيات، يكبر على اثر كل حصاة ثم يتقدم حتى يسهل فيقم مستقبل القبلة، فيقوم طويلا ويدعو ويرفع يديه ثم يرمي الوسطى، ثم يأخذ ذات الشمال فيستهل ويقوم مستقبل القبلة، فيقوم طويلا ويدعو ويرفع يديه ويقوم طويلا . ثم يرمي جمرة ذات العقبة من بطن الوادي . و لا يقف عند ها ثم ينصرف و يقول : هكذا رأيت النبي ﷺ يفعله .
[أنظر : ۱۷۵۲، ۱۷۵۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ وہ قریب والے جمرے پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے پیچھے اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ ہموار زمین میں یعنی نالے کے اندر پہنچ جاتے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دیر تک کھڑے دعائیں کرتے رہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد جمرہ وسطی پر کنکری مارتے پھر بائیں طرف چل کر ہموار زمین پر پہنچتے اور اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرتے اور ہاتھوں کو اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے، پھر جمرہ عقبہ کو نالے کے نشیب میں آکر کنکریاں مارتے اور وہاں دعا وغیرہ کے لئے نہیں ٹھہرتے بلکہ رمی کر کے چل دیتے اور فرماتے کہ میں نبی کریم ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

حدیثِ باب کی تشریح

رمی الجمرتین ۔ جمرہ اس ستون کو کہتے ہیں جس کی جڑ میں کنکری ماری جاتی ہے یہ تین ہیں:

جمرہ اولی، جمرہ وسطی، جمرہ عقبہ۔

مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے اس ترتیب سے یہ تینوں جمرات پڑتے ہیں جنہیں جمرات المناسک کہا جاتا ہے۔

سب سے آخر میں جمرہ عقبہ ہے، دسویں تاریخ میں صرف جمرہ عقبہ پر اور گیارہویں اور بارہویں میں

---

[۲۲۲] ثم الأصل أن كل رمي بعده رمي يقف بعده لأنه في وسط العبادة فيأتي بالدعاء فيه وكل رمي ليس بعده رمي لايقف لأن العبادة قد انتهت و لهذا لايقف بعد جمرة العقبة في يوم النحر أيضاً، الهداية شرح البداية، ج: ۱، ص: ۱۴۹، مكتبة الاسلامية، بيروت.

سب سے آخر میں رمی ہوگی۔[۲۲۳]

باب سابق میں امام بخاری رحمہ اللہ ترجمۃ الباب قائم کیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جمرہ عقبہ کو کنکری مار کر ٹھہرے نہیں بلکہ فوراً چل دے مگر اس باب کے تحت کوئی حدیث نہیں لائے، چونکہ اس باب میں حدیث مفصل لانی تھی تو مقصد اس باب کا یہ ہے کہ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی اخیر میں ہوگی اس سے پہلے جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کی رمی اس طرح ہوگی کہ جمرہ اولیٰ پر رمی کر کے دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کریں، اسی طرح دوسرے جمرہ وسطیٰ پر بھی دعا کریں یعنی دونوں کی رمی کے بعد ٹھہرنا اور دعا کرنا ہے۔

(۱۴۱) باب رفع الیدین عند جمرة الدنیا والوسطی

پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

۱۷۵۲ ۔ حدثنا اسماعیل بن عبداللہ قال : حدثنی أخي، عن سلیمان، عن یونس ابن یزید، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبداللہ : أن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما کان یرمی الجمرة الدنیا بسبع حصیات . یکبر علی اثر کل حصاة، ثم یتقدم فیسهل . فیقوم مستقبل القبلة قیاما طویلاً، فدعو و یرفع یدیه . ثم یرمی الجمرة الوسطی کذلک فیأخذ ذات الشمال فیسهل ویقوم مستقبل القبلة قیاما طویلا فیدعو و یرفع یدیه، ثم یرمی الجمرة ذات العقبة من بطن الوادی ولا یقف ویقول : هکذا رأیت النبی ﷺ یفعل . [راجع : ۱۷۵۱]

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ جمرتین یعنی جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔

(۱۴۲) باب الدعاء عند الجمرتین

دونوں جمروں کے پاس دعا کرنا

۱۷۵۳ ۔ وقال محمد : حدثنا عثمان بن عمر : أخبرنا یونس، عن الزهری : أن رسول اللہ ﷺ کان اذا رمی الجمرة ألتی تلی مسجد منیً یرمیها بسبع حصیات، یکبر کلما رمی بحصاة . ثم تقدم أمامها فوقف مستقبل القبلة رافعاً یدیه یدعو وکان یطیل الوقوف . ثم یأتی الجمرة الثانیة فیرمیها بسبع حصیات، یکبر کلما رمی بحصاة . ثم ینحدر ذات الیسار مما یلی الوادی فیقف مستقبل القبلة رافعا یدیه یدعو ثم یأتی الجمرة

---

[۲۲۳] (الجمرة الدنیا) أی التی تلی مسجد الخیف و هی أقرب الجمرات من منی وأبعدها من مکة، شرح الکرمانی علی صحیح البخاری، الجزء الثامن، ص:۲۰۸، داراحیاء التراث، بیروت، ۱۴۰۱ھ

التی عند العقبة فیر میها بسبع حصیات یکبر عند کل حصاة ثم ینصرف ولا یقف عندها . قال الزهری : سمعت سالم بن عبداللہ یحدث بمثل هذا عن أبیه عن النبی ﷺ . وکان ابن عمر یفعله .[راجع : ۱۷۵۱]

ترجمہ: امام زہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اس جمرے کو مارتے جو منیٰ کے مسجد کے قریب ہے تو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھ جاتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور پھر دوسرے جمرے پر آتے اس پر بھی سات کنکریاں مارتے ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتے پھر نالے کے قریب بائیں طرف اتر جاتے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے پھر اس جمرہ پر آتے جو عقبہ پر ہے اس پر بھی سات کنکریاں مارتے ہر کنکری پر تکبیر کہتے پھر وہاں سے چلے آتے وہاں دعا کے لئے نہ ٹھہرتے۔

مقصد بخاریؒ

مسئلہ یہ ہے کہ جمرتین یعنی جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ کے پاس گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو توقف کے وقت جب دعا کرے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، حدیث کے اندر دعا کے ساتھ ساتھ ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔[۲۲۴]

(۱۴۳) باب الطیب بعد رمی الجمار، والحلق قبل الإفاضة

کنکریاں مارنے کے بعد خوشبو لگانا اور سر منڈانا طواف زیارت سے پہلے

۱۷۵۴ ـ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان: حدثنا عبدالرحمٰن بن القاسم: وکان أفضل أهل زمانه أنه سمع أباه وکان أفضل أهل زمانه یقول: سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها، تقول: طیبت رسول اللہ ﷺ بیدی هاتین حین أحرم، ولحله حین أحل قبل أن یطوف. وبسطت یدیها. [راجع: ۱۵۳۹]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن قاسم نے بیان کیا اور وہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں بزرگ تر تھے انہوں نے اپنے باپ سے سنا وہ اپنے زمانہ کے بڑے بزرگ تھے، وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ فرماتی تھیں میں نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے وقت یعنی احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی اور احرام کھولتے وقت طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں کو کھول کر بتایا کہ اس طرح خوشبو لگائی۔

---

۲۲۴ ((و یرفع یدیه)) أی : فی الدعاء ، و هذا یدل علی مشروعیة رفع الیدین عند الدعاء ، وروی مالک منعه فی جمیع المشاعر ، عمدة القاری ، ج : ۷، ص: ۳۷۸.

تشریح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں ہاتھوں سے خوشبو لگائی، جب آپ ﷺ نے احرام باندھا اور جب آپ ﷺ بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے حلال ہوئے، یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ جب آدمی حلق کرلے تو حلق کرنے کے بعد سوائے عورتوں کے تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور عورتوں کا حلال ہونا طواف زیارت پر موقوف ہے۔

یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف جمہور کی حجت ہے، اس لئے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی طرح خوشبو بھی حلال نہیں ہوتی وہ بھی طواف زیارت کے بعد حلال ہوگی تو یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمارہی ہیں کہ حلال ہونے کے بعد طواف سے پہلے میں نے آپ ﷺ کو خوشبو لگائی۔[۲۲۵]

امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[۲۲۶]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔[۲۲۷]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ انہوں نے روایت نقل کی ہے:

" حدثنا يحيى بن عثمان قال : حدثنا عبدالله بن يوسف قال : حدثنا ابن لهيعة عن أبي الأسود عن عروة عن أم قيس بنت محصن قالت : دخل على عكاشة بن محصن وآخر في منى مساء يوم الأضحى ، فنزعا ثيابهما وتركا الطيب ، فقلت : مالكما ؟ فقالا : ان رسول الله ﷺ قال لنا : من يفض الى البيت من عيشة هذه فليدع الثياب والطيب "۔[۲۲۸]

ان حضرات کا استدلال امام طحاوی رحمہ اللہ کی اسی روایت سے ہے۔

حضرات صحابہ کرام ﷺ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن عمر ﷺ وغیرھم کا بھی یہی مسلک ہے۔

۲۲۵،۲۲۶،۲۲۷،۲۲۸ واختلفوا في حكم الطيب ، فقال أبوحنيفة و أصحابه و الشافعي و أصحابه و أحمد في رواية : حكم الطيب ضم اللباس فيحل كما يحل اللباس . و قال أحمد في رواية : حكم الطيب حكم الجماع فلا يحل له حتى يحل الجماع . و احتج أبو حنيفة من معه بحديث الباب . و قال صاحب (التوضيح) : و احتج الطحاوى لأصحابه بحديث عائشة ، رضى الله عنها ، مرفوعاً : ((اذا رميتم وحلقتم فقد حل لكم الطيب الثياب و كل شيء الاالنساء)). عمدة القارى ، ج : ۷ ، ص : ۳۸۱ ، و شرح المعاني الآثار ، ج : ۲ ، ص: ۲۲۸ ، دارالكتب العلمية ، بيروت، ۱۳۹۹ هـ.

(۱۴۴) باب طواف الوداع

طواف وداع کا بیان

۱۷۵۵ ــ حدثنا مسدد : حدثنا سفيان . عن ابن طاؤس ، عن أبيه ، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت الا أنه خفف عن الحائض .
[راجع : ۳۲۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اخیر وقت ان کا یعنی مکہ مکرمہ سے واپسی کے وقت بیت اللہ پر ہو یعنی طواف وداع کریں مگر حیض والی عورت سے یہ طواف معاف ہوا۔

۱۷۵۶ ــ حدثنا أصبغ بن الفرج: أخبرنا ابن وهب، عن عمرو بن الحارث، عن قتادة: عن أنس بن مالك ﷺ حدثه: أن النبی ﷺ صلّى الظهر وعصر والمغرب والعشاء، ثم رقد رقدةً بالمحصب ثم ركب إلى البيت فطاف به.

تابعه الليث : حدثني خالد، عن سعيد، عن قتادة، أن أنس بن مالك ﷺ حدثه عن النبي ﷺ. [أنظر: ۱۷۶۴]. ۲۲۹

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں، پھر محصب میں تھوڑی دیر سو گئے اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ گئے اور اس کا طواف کیا۔

طواف وداع اور فقہاء کی آراء

"ثم ركب إلى البيت فطاف به". اس سے مراد طواف وداع ہے۔

طواف وداع امام مالک، داؤد ظاہری اور ابن المنذر رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے اور اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں۔ ۲۳۰

شوافع کے نزدیک طواف وداع واجب ہے، جس کے ترک پر دم لازم ہوتا ہے۔ ۲۳۱

احناف کے نزدیک وہ آفاقی پر واجب ہے، مکی اور میقاتی وغیرہ پر نہیں۔ ۲۳۲

امام ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں: **"أحب الی أن يطوف المكی لأنه يختم المناسک"**۔ ۲۳۳

---

۲۲۹ وفی سنن الدارمی ، كتاب المناسک ، باب كم صلاة يصلی بمنی حتی يغدی الی عرفات ، رقم : ۱۷۹۸ .

۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳ ((بالبيت)) يعني طواف الوداع لا بد أن يكون آخر العهد به . قال النووی : هو واجب يلزم بتركه دم على الصحيح عندنا ، و هو قول أكثر العلماء . ... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

"أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت".

اس سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ طواف وداع کے لئے ضروری ہے کہ وہ سفر کے بالکل آخری مرحلہ پر ہو، لہٰذا اگر کسی نے وداع کی نیت سے طواف کیا پھر وہ مکہ میں ٹھہر گیا یا تجارت اور دوسرے کاموں میں مشغول ہوگیا تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ طواف وداع کا اعادہ کرے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس اعادہ واجب نہیں، البتہ مستحب ہے۔[۲۳۴]

"ثم رقد رقدةً بالمحصب"

عشاء کے بعد آپ ﷺ نے محصب میں تھوڑا سا آرام فرمایا اور پھر طوافِ وداع فرمایا۔

(۱۴۵) باب : اذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت

طواف زیارت کر لینے کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے۔

۱۷۵۷ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف : أخبرنا مالك، عن عبدالرحمٰن بن القاسم، عن أبيه، عن عائشة رضى الله عنها : أن صفية بنت حيي زوج النبي ﷺ حاضت

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ وقال مالک و داؤد و ابن المنذر : هو سنة لاشيء فى تركه . و قال أصحابنا الحنفية : هو واجب على الآفاقى دون المكى ولميقاتى ومن دونهم ، وقال أبو يوسف : احب الى أن يطوف المكى لأنه يختم المناسک ، ولا يجب على الحائض والنفساء ولا على المعتمر ، لأن وجوبه عرف نصا فى الحج ، فيقتصر عليه ولا على فائت الحج ، لأن الواجب عليه المعتمر وليس لها طواف الوداع ، وقال مالک : انما أمر الناس أن يكون آخر نسكهم الطواف لقوله تعالىٰ :﴿ ذَٰلِكَ وَ مَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ [الحج: ۳۲] و قال : ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ [الحج : ۳۳] . فمحل الشعائر كلها وانقضاؤها بالبيت العتيق. قال : ومن أخر طواف الوداع وخرج ولم يطف ، ان كان قريبا رجع فطاف ، وان لم يرجع فلا شيء عليه . وقال عطاء والثورى وأبو حنيفة والشافعى فى أظهر قوليه ، وأحمد واسحاق وأبو ثور : ان كان قريبا رجع فطاف ، وان تباعد مضى وهراق دماً. عمدة القارى ، ج: ۷،ص: ۳۸۳.

[۲۳۴] و اختلفوا فيمن ودع ثم بدا له فى شراء حوائجه . فقال عطاء : يعيد حتى يكون آخر عهده الطواف بالبيت و بنحوه، قال الثورى و الشافعى و أحمد و أبو ثور و قال مالک : لاباس أن يشترى بعض حوائجه وطعامه فى السوق، ولا شيء عليه ، و ان قام يوما أو نحوه أعاده ، و قال أبو حنيفة : لو ودع وأقام شهرا أو أكثر أجزاه و لا اعادة عليه. عمدة القارى ، ج: ۷،ص: ۳۸۳، و المغنى ، ج: ۳،ص: ۲۳۷، دار الفكر ، بيروت ، ۱۴۰۵هـ ، وكتاب الأم ، ج : ۷ ، ص: ۲۳۸، دارالمعرفة ، بيروت ،۱۳۹۳هـ.

فذكرت ذلك لرسول الله ﷺ فقال : ((أحابستنا هي ؟)) قالوا : انها قد أفاضت. قال : ((فلا اذاً)) [راجع : ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حيي کو حیض آ گیا، رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ہم کو روک دے گی؟ لوگوں نے بتا یا کہ وہ طواف زیارت کر چکی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ ہم کو نہیں روک سکتی۔

۱۷۵۸، ۱۷۵۹ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حمّاد، عن أيوب، عن عكرمة: أن أهل المدينة سألوا ابن عباس رضى الله عنهما عن امرأة طافت، ثم حاضت، قال لهم: تنفر. قالوا: لا نأخذ بقولك وندع قول زيد، قال: اذا قدمتم المدينة فاسألوا فقدموا المدينة فسألوا فكان فيمن سألوا أمّ سليم. فذكرت حديث صفية. رواه خالد وقتادة عن عكرمة .[۲۳۵]

حدیث کی تشریح

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایک عورت جس نے طوافِ زیارت کیا "ثم حاضت" پھر اس کو حیض آ گیا اور ابھی تک اس نے طوافِ وداع نہیں کیا تو کیا وہ جا سکتی ہے یا رکنا ضروری ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مسئلہ بتایا کہ "تَنْفِرُ" یعنی وہ جا سکتی ہے اور طوافِ وداع کرنا ضروری نہیں "قالوا : لا ناخذ بقولک" تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے قول کو نہیں لیں گے اور زید کے قول کو نہیں چھوڑیں گے "وَنَدَعُ" میں واؤ "واوصرف" ہے جس کے بعد أن مقدر ہوتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ ہم زید کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول کو نہیں لیں گے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ تھا کہ نہیں، اگر طوافِ وداع سے پہلے عورت کو حیض آ گیا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتظار کرے اور طوافِ وداع کر کے جائے۔[۲۳۶]

---

[۲۳۵] وفي صحيح مسلم ،كتاب الحج ، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض ، رقم : ۲۳۵۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة ، باب باقي المسند السابق ، رقم : ۵۵۰۵،ومن مسند القبائل ، باب حديث ام سليم ، رقم : ۲۶۱۵۹، وسنن الدارمي ، كتاب المناسک ، باب في طواف الوداع، رقم : ۱۸۵۲.

[۲۳۶] عن طاؤس قال ثم كنت مع ابن عباس ، فقال لزيد بن ثابت أنت تفتي الحائض أن تصدر قبل أن يكون آخر عهدها بالبيت قال : نعم ، قال : فلا تفت بذلک، قال : أما لا ، فاسأل فلانة الأنصارية ، هل أمرها النبي ﷺ بذلک فرجع زيد الى ابن عباس يضحک ، فقال : ماأراک الا قد صدقت ، مسند أحمد ، حديث العباس بن عبدالمطلب رضي الله عنه عن النبي ﷺ، رقم : ۱۹۹۰، ج : ۱، ص: ۲۲۶، مؤسسة قرطبة ، مصر .

تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اب ان سے کون بحث کرے تو کہا جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو وہاں لوگوں سے پوچھنا، **"فقدموا المدینة فسألوا فکان فیمن سألوا أمّ سلیم"** تو حضرت امّ سلیم سے بھی پوچھا، **"فذکرت حدیث صفیّة"** تو انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر کیا کہ ان کو حضورِ اقدس ﷺ نے بغیر طواف وداع کے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

شروع میں اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف رہا، بعد میں اب اتفاق ہوا ہے کہ طوافِ وداع چھوڑ کر جاسکتی ہے، شروع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی کہتے تھے کہ نہیں جاسکتی، بعد میں جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ سنا تو رجوع کرلیا۔ ۲۳۷

۱۷۶۰۔ حدثنا مسلم : حدثنا وهیب : حدثنا ابن طاؤس ، عن أبیه ،عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال : رُخص للحائض ان تنفر اذا أفاضت . [راجع : ۳۲۹]

۱۷۶۱۔ قال : وسمعت ابن عمر یقول : انها لا تنفر . ثم سمعته یقول بعد : ان النبی ﷺ رخص لهن . [راجع : ۳۳۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ حائضہ عورت اگر طواف زیارت کرچکی ہے تو چل دینے کی اجازت ہے۔ طاؤس نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر ﷺ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب تک طواف الوداع نہ کرے کوچ نہیں کرسکتی ہے، پھر میں نے ان سے سنا فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے ان حیض والی عورتوں کو کوچ کرنے کی اجازت دی ہے۔

۱۷۶۲۔ حدثنا أبو النعمان : حدثنا أبو عوانة ، عن منصور ، عن ابراهیم ، عن الأسود عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت : خرجنا مع النبی ﷺ ولا نری الا الحج ، فقدم النبی ﷺ فطاف بالبیت وبین الصفا والمروة ولم یحل ، وکان معه الهدی . فطاف من کان معه من نسائه وأصحابه وحل منهم من لم یکن معه الهدی . فحاضت هی فنسکنا مناسکنا من حجنا ، فلما کانت لیلة الحصبة لیلة النفر قالت : یارسول اللّٰه ، کل أصحابک یرجع بحج و عمرة غیری . قال : ((ما کنت تطوفین بالبیت لیالی قدمنا مکة ؟)) قلت : لا ، قال : ((فاخرجی مع أخیک الی التنعیم فأهلی بعمرة . وموعدک مکان کذا وکذا)) ، فخرجت مع عبدالرحمٰن الی التنعیم فأهللت بعمرة . وحاضت صفیة بنت حیی، فقال النبی ﷺ : ((عقری حلقی ، انک لحابستنا . أما کنت طفت یوم النحر ؟)) قالت : بلی ، قال : ((فلا بأس انفری)) فلقیته مصعدا علی أهل مکة وأنا منهبطة . أو أنا مصعدة وهو منهبط. وقال : مسدد : قلت : لا . وتابعه جریر عن منصور فی قوله : لا . [راجع : ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم مدینہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے ہماری نیت حج ہی کی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا طواف کیا اور احرام نہیں کھولا۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کا جانور تھا، آپ ﷺ کے ساتھ جتنے مرد وعورت تھے سب نے طواف کیا اور ان میں جن کے ساتھ قربانی نہ تھی ان لوگوں نے احرام کھول ڈالا۔

"فحاضت هي فنسكنا مناسكنا من حجنا"۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا فرماتی ہیں کہ ہم حج کے سب کام کرتے رہے جب محصب کی رات یعنی کوچ کی رات آ گئی تو عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ سب کے اصحاب تو حج و عمر دونوں کر کے لوٹ رہے ہیں ایک میں ہوں جو صرف حج کر کے جا رہی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا جن راتوں میں ہم مکہ میں آئے تھے تو نے طواف نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم جاؤ اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھو اور فلاں جگہ پر مجھ سے آملنا۔ میں عبدالرحمٰن کے ساتھ تنعیم گئی اور عمرہ کا احرام باندھا۔

"وحاضت صفية بنت حيي، فقال النبي ﷺ"۔

اور صفیہ بنت حیی کو حیض آ گیا تو نبی کریم ﷺ نے یہ حال سن کر فرمایا ارے بانجھ سر منڈی! تو ہم کو اٹکا کر رکھے گی؟ کیا تو نے دسویں تاریخ کو طواف نہیں کیا تھا؟ وہ کہنے لگیں کیوں نہیں، میں تو طواف کر چکی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر کیا غم ہے کوچ کر۔ میں آپ ﷺ سے اس وقت ملی کہ آپ مکہ والوں کے اوپر جا رہے تھے اور میں نیچے اتر رہی تھی یا میں چڑھ رہی تھی اور آپ ﷺ اتر رہے تھے۔

مسئلہ: بعض صحابہ کرام ﷺ کا مسلک یہ رہ چکا ہے کہ حائضہ اور نفساء کے لئے طواف وداع کی غرض سے ٹھہرنا واجب ہے، اس لئے کہ حدیث میں **"ولكن آخر عهدها بالبيت"** وارد ہے، جمہور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصہ سے اس حدیث کا ناسخ مانتے ہیں، چنانچہ حضرت زید بن ثابت ﷺ بھی حائضہ کو طواف وداع کے لئے ٹھہرنے کا حکم دیتے تھے تو ان لوگوں نے کہا ہم تمہاری بات زید کے مقابل میں نہیں مانیں گے اس لئے کہ زید بڑے تھے۔[۲۳۸]

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حائضہ سے طوافِ وداع ساقط ہوجاتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔[۲۳۹]

۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹ و هذا قول عوام أهل العلم، وخالف في ذلك طائفة، فقالوا: لايحل لأحد أن ينفر حتى يطوف طواف الوداع، ولم يعذروا في ذلك حائضا بحيضها، ذكره الطحاوي. وقال ابن المنذر: روى ذلك عن عمر وابن عمر وزيد بن ثابت، فإنهم أمروا الحائض بالمقام اذا كانت حائضا لطواف الوداع، فكأنهم أوجبوه عليها كما يجب طواف الافاضة. وأسند ابن المنذر عن عمر ﷺ، .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

(۱۴۶) باب من صلى العصر يوم النفر بالأبطح

کوچ کے دن عصر کی نماز ابطح میں پڑھنے کا بیان

۱۷۶۳ ـ حدثنا محمد بن المثنى : حدثنا اسحاق بن يوسف : حدثنا سفيان الثورى، عن عبدالعزيز بن رفيع قال : سألت أنس بن مالک : أخبرنى بشىء عقلته عن النبى ﷺ ، أين صلى الظهر يوم التروية ؟ قال : بمنىً . قلت : فأين صلى العصر يوم النفر؟ قال : بالأبطح . افعل كما يفعل أمراؤک . [راجع : ۱۶۵۳]

ترجمہ: عبدالعزیز بن رفیع نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک ﷺ سے درخواست کی کہ آپ نے

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... باسناد صحيح الى نافع :((عن ابن عمر قال : طافت امرأة بالبيت يوم النحر ثم حاضت ، فأمر عمر بحسبها بمكة بعد أن ينفر الناس حتى تطهر تطوف بالبيت)).ثم قال وقد ثبت رجوع ابن عمر وزيد بن ثابت عن ذلک ، وبقى عمر فخالفناه لثبوت حديث عائشه ، رضى الله تعالىٰ عنها ، وأشار بذلک الى احاديث هذا الباب ، وقد روى ابن أبى شيبة من طريق القاسم بن محمد : كان الصحابة يقولون : اذا أفاضت المرأة قبل أن تحيض فقد فرغت ، الا عمر ، ﷺ ، فانه كان يقول : آخر عهدها بالبيت ، وقد وافق عمر على رواية ذلک عن النبى ﷺ غيره ، فروى أحمد و أبو داؤد و النسائى و الطحاوى ـ واللفظ لأبى داؤد ـ من طريق الوليد بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن عبدالله بن أوس الثقفى فقال : أتيت عمر ﷺ ، فسألته عن المرأة تطوف بالبيت يوم النحر ، ثم تحيض؟ قال: ليكن آخر عهدها بالبيت . فقال الحارث : كذلک أفتانى رسول الله ﷺ ، فقال عمر : أربت عن يدک ! سألتنى عن شىء سألت عنه رسول الله ﷺ لكيما أخالفه ، و رواه الترمذى أيضا ولفظه : ((خررت عن يديک)) ، ومعنى أربت عن يديک : سقطت ارابک وهو جمع ارب وهو العضو ، ومعنى خرت سقطت ، وأجاب الطحاوى عن هذا الحديث بأنه نسخ بحديث عائشه المذكور ، بحديث ابن عباس : أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت ، الا أنه قد خفف عن المرأة الحائض . عمدة القارى، ج : ۷،ص: ۳۸۴، ۳۸۵، وشرح معانى الآثار ، باب المرأة تحيض بعد ما طافت للزيارة قبل أن تطوف للصدر ، ج : ۲ ، ص: ۲۳۲ ، دارالكتب العلمية ، بيروت ، ۱۳۹۹ هـ ، و مصنف ابن أبى شيبة ، فى المرأة تحيض قبل أن تنفر،رقم : ۱۳۱۷۶، ۱۳۱۸۱، ج: ۳، ص: ۱۶۴، مكتبة الرشد ، الرياض ، ۱۴۰۹ هـ ، و سنن أبى داؤد ، باب الحيض تخرج بعد الافاضة ، رقم : ۲۰۰۳ ، ۲۰۰۴، ج: ۲،ص: ۲۰۸ ، دارالفكر ، بيروت ، وسنن الترمذى ، باب ماجاء فى المرأة تحيض بعد الافاضة ، رقم : ۹۴۳، داراحياء التراث العربى ، بيروت ، وسنن النسائى، باب المرأة تحيض بعد الافاضة ، رقم : ۳۹۱ ، ج: ۱، ص: ۱۹۴، مكتبة المطبوعات الاسلامية ، حلب، ۱۴۰۶ هـ.

جو نبی کریم ﷺ سے سمجھ رکھا ہے مجھ کو بتلا دیجئے کہ آپ ﷺ نے آٹھویں تاریخ میں ظہر کی نماز کہاں پڑھی ہے؟ حضرت انس ؓ نے فرمایا منیٰ میں، میں نے کہا کوچ کے دن یعنی بارہویں یا تیرہویں تاریخ عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ فرمایا ابطح میں، مگر تم اپنے امیروں کی طرح کرو۔

۱۷۶۴ ـ حدثنا عبدالمتعال بن طالب قال : حدثنا ابن وهب قال : أخبرني عمر و ابن الحارث : أن قتادة حدثه عن أنس بن مالک حدثه عن النبی ﷺ : أنه صلی الظهر و العصر و المغرب والعشاء و رقد رقدة بالمحصب ثم رکب الی البیت فطاف به . [راجع : ۱۷۵۶]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز محصب میں پڑھی پھر تھوڑی دیر وہاں سوئے اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف گئے اور اس کا طواف کیا۔

(۱۴۷) باب المحصَّب

محصب میں نزول یعنی اترنے کا بیان

۱۷۶۵ ـ حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان، عن هشام، عن أبیه، عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: ((إنما کان منزلا ینزله النبی ﷺ لیکون أسمح لخروجه ، تعنی بالأبطح)). [۲۴۰]

۱۷۶۶ ـ حدثنا علی بن عبداللّٰه :حدثنا سفیان ، قال عمرو ، عن عطاءٍ عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال : لیس التّحصیب بشیءٍ انما هو منزل نزله رسول اللّٰه ﷺ . [۲۴۱]

تحصیب مناسک حج میں سے نہیں

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''تحصیب'' یعنی محصب میں اترنا اور وہاں سونا یا رات گذارنا مناسک حج میں سے نہیں ہے، اس روایت میں **''لیس التّحصیب بشیءٍ انما هو منزل نزله رسول اللّٰه''** کا یہی مطلب ہے، یعنی نبی کریم ﷺ کا وہاں اترنا اتفاقا اور استراحت کے لئے تھا، کسی منسک حج کو بجالانے

[۲۴۰] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ،باب استحباب النزول بالمحصب یوم النفر والصلاة به ، رقم : ۲۳۱۱، وسنن الترمذی ، کتاب الحج عن رسول اللّٰه ، باب من نزل الأبطح ، رقم : ۸۴۲، وسنن أبی داؤد ، کتاب المناسک ، باب التحصیب ، رقم : ۱۷۱۷ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب المناسک ، باب نزول المحصب ، رقم : ۳۰۵۸، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حدیث السیدة عائشة ، رقم : ۲۳۰۱۳، ۲۴۳۹۹، ۲۴۵۳۸، ۲۴۶۹۸، ۲۴۷۳۷.

[۲۴۱] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب استحباب النزول بالمحصب یوم النفر والصلاة به ،رقم : ۲۳۱۳، وسنن الترمذی ، کتاب الحج عن رسول اللّٰه ، باب ماجاء فی النزول الأبطح ، رقم : ۸۴۵.

کے لئے نہ تھا۔۲۴۲

نیز پچھلی حدیث میں حضرت عائشہؓ کی روایت **"إنما كان منزلا ينزله النبی ﷺ ليكون أسمح لخروجه ، تعني بالأبطح"** ہے یعنی ابطح یا محصب میں آپ ﷺ کا ٹھہرنا اتفاقا تو اگرچہ نہ تھا، لیکن اس کا مقصود محض سفر مدینہ میں آسانی پیدا کرنا تھا اس لئے کہ وہ ایسی جگہ تھی وہاں آرام بھی کیا جا سکتا تھا اور وہاں سے مدینہ روانہ ہونا بھی آسان تھا، صحیح قول یہی ہے کہ یہ مناسک حج میں سے نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔۲۴۳

تحصیب اگرچہ منسک حج نہیں لیکن نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین وغیرہ کے عمل کی وجہ سے بیشتر حضرات کے نزدیک مستحب ہے، جس کو حنفیہ نے مسنون کہا، اگرچہ بعض حضرات استحباب کے بھی قائل نہیں، مثلاً حضرت عائشہ، حضرت اسماء، عروہ بن الزبیر ﷺ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ وغیرہ۔۲۴۴

وادی محصب میں اترنے کی حکمت

بعض علماء کرام نے یہ حکمت بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وہاں اترنا قصداً تھا، لیکن مقصود سفر مدینہ میں صرف آسانی پیدا کرنا ہی نہ تھا، بلکہ خالق باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود تھا کہ جس وادی میں کفر پر قسمیں کھائی گئی تھیں اور مؤمنین سے مقاطعہ کیا گیا تھا یعنی شعب ابی طالب میں آج ان سب علاقوں میں اللہ جلّ جلالہ نے مؤمنین کو فاتح بنا کر مشرکین کو مغلوب کر دیا، گویا آپ ﷺ کا وہاں اترنے سے مقصود تذکیر نعمت اور تحدیث نعمت تھا۔۲۴۵

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایات میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا وادی محصب میں اترنا قصداً تھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ تحصیب کو سنت قرار دیا

۲۴۲،۲۴۳،۲۴۴ وقال الخطابي : التحصيب هو أنه اذا نفر من منىً الى مكة للتوديع يقيم بالمحصب حتى يهجع به ساعة، ثم يدخل مكة ، وليس بشيء ، أي: ليس بنسک من مناسک الحج ، انما نزل رسول الله ﷺ للاستراحة . وقال الحافظ زكي الدين عبد العظيم المنذري : التحصيب مستحب عند جميع العلماء ، وقال شيخنا زين الدين : وفيه نظر لأن الترمذي حكى استحبابه عن بعض أهل العلم ، وحكى النووي استحبابه عن مذهب الشافعي ومالک ، والجمهور ، وهذا هو الصواب ، وقد كان من أهل العلم من لا يستحبه فكانت أسماء وعروة ابن الزبير ، رضي الله عنهما ، لا يحصبان ، حكاه ابن عبدالبر في (الاستذكار) عنهما ، وكذلك سعيد بن جبير ، فقيل لابراهيم : ان سعيد بن جبير لا يفعله ، فقال : قد كان يفعله ، ثم بدا له ، وقال ابن بطال : وكانت عائشة لا تحصب ولا أسماء وهو مذهب عروة . عمدة القاري ، ج : ۷، ص : ۳۹۰ ، ۳۹۱ ، وكشاف القناع ، ج: ۲، ص: ۵۱۲، دارالفكر، بيروت ، ۱۴۰۲ھ والمغني لابن قدامة ، ج: ۳، ص: ۲۳۶ ، دارالفكر ، بيروت ، والمجموع ، ج: ۸، ص: ۱۸۳ ، دارالفكر ، بيروت ، ۱۴۱۷ھ.

جائے۔ اسی بنا پر حنفیہ نے کہا ہے کہ مسنون ہے۔ ۲۴۶

(۱۴۸) باب النزول بذی طوی قبل أن یدخل مکة ، و النزول بالبطحاء التی بذی الحلیفة اذا رجع من مکة

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طویٰ میں اور جب لوٹے تو اس کنکر یلے میدان میں ٹھہرنا جو ذوالحلیفہ میں ہے

۱۷۶۷ ۔ حدثنا ابراهیم بن المنذر : حدثنا أبو ضمرة : حدثنا موسی بن عقبة ، عن نافع : ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما کان یبیت بذی الطوی بین الثنیتین ثم یدخل من الثنیة التی بأعلی مکة . وکان اذا قدم حاجا أو معتمراً لم ینخ ناقة الا عند باب المسجد. ثم یدخل فیأتی الرکن الأسود فیبدأ به ، ثم یطوف سبعا : ثلاثا سعیا وأربعا مشیا . ثم ینصرف فیصلی سجدتین ، ثم ینطلق قبل أن یرجع الی منزله فیطوف بین الصفا و المروة . وکان اذا صدر عن الحج أو العمرة أناخ بالبطحاء التی بذی الحلیفة التی کان النبی ﷺ ینیخ بها. [راجع : ۴۹۱]

ان ابن عمر ﷺ کان یبیت بذی الطوی بین الثنیتین ثم یدخل من الثنیة التی بأعلی مکة .

حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر ﷺ جب مکہ جاتے تو رات کو ذی طوی میں دونوں گھاٹیوں کے درمیان رات بسر کرتے ، پھر مکہ میں اس گھاٹی سے داخل ہوتے جو مکہ کے بالائی حصہ میں ہے۔

"وکان اذا قدم حاجا أو معتمراً لم ینخ ناقة الا عند باب المسجد".

اور جب مکہ حج یا عمرہ کے لئے آتے تو اپنی اونٹنی مسجد کے دروازے ہی پر بٹھاتے اس کے بعد مسجد کے اندر آتے اور رکن اسود کے پاس آتے اور اسی حجر اسود سے شروع کرتے پھر سات چکر لگاتے تین سعی کے ساتھ اور چار طواف معتاد رفتار سے پھر طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت پڑھتے پھر اپنے منزل پر جانے سے پہلے صفا ومروہ کے درمیان طواف یعنی سعی کرتے۔

۲۴۵، ۲۴۶ قلت : وفی الباب عن أبی هریرة وأبی أسامة وأنس ، وأخرج البخاری حدیثهم ، وقال بعض العلماء : کان نزوله بالمحصب شکرا للہ تعالی علی الظهور بعد الاختفاء ، وعلی اظهار دین اللہ تعالیٰ بعدما أراد المشرکون من اخفائه ، وذا تقرر أن نزول المحصب لا تعلق له بالمناسک فهل یستحب لکل أحد أن ینزل فیه اذ أمر به ؟ یحتمل أن یقال باستحبابه مطلقاً ، ویحتمل أن یقال باستحبابه للجمع الکثیر ، واظهار لشکر اللہ تعالیٰ علی رد کید الکفار ، وابطال ما أرادوه . واللہ أعلم . عمدة القاری ، ج : ۷ : ص : ۳۹۱.

"وكان اذا صدر عن الحج أو العمرة أناخ بالبطحاء".

اور جب حج یا عمرہ سے لوٹ کر مدینہ آتے تو اپنی اونٹنی ذوالحلیفہ کے اس میدان میں بٹھاتے جہاں نبی کریم ﷺ بٹھایا کرتے تھے۔

۱۷۶۸ ـ حدثنا عبدالله بن عبدالوهاب : حدثنا خالد بن الحارث قال : سئل عبيدالله عن المحصب ، فحدثنا عبيدالله ، عن نافع قال : نزل بها رسول الله ﷺ وعمر وابن عمر . وعن نافع أن ابن عمر رضي الله عنهما كان يصلي بها يعني المحصب الظهر والعصر ، أحسبه قال : والمغرب . قال : خالد : لا أشك في العشاء ، ويهجع هجعة ، ويذكر ذلك عن النبي ﷺ .

نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر ﷺ یہاں یعنی محصب میں ظہر اور عصر کی نماز پڑھتے تھے اور میں گمان کرتا ہوں کہ اور مغرب بھی، خالد نے مجھ کو کہا کہ عشاء میں کوئی شک نہیں یعنی عشاء کی نماز بھی یہاں پڑھتے تھے اور ایک نیند بھی لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

(۱۴۹) باب من نزل بذی طوی اذا رجع من مكة

مکہ مکرمہ سے لوٹتے وقت بھی ذی طویٰ میں اترنا

۱۷۶۹ ـ وقال محمد بن عيسى : حدثنا حماد ، عن أيوب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أنه كان اذا أقبل بات بذي حتى اذا أصبح دخل و اذا نفر مر بذي طوى و بات بها حتى يصبح. و كان يذكر أن النبي ﷺ كان يفعل ذلك . [راجع : ۴۹۱]

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ جب مدینہ سے مکہ آتے تو ذی طوی میں رات کو رہتے یہاں تک کہ جب صبح ہوتی تو داخل ہوتے اور جب مکہ سے کوچ کرتے اور ذی طوی سے گذرتے تو رات کو وہاں ٹھہر جاتے صبح تک، اور بیان کرتے کہ نبی کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اتباع صرف نزول محصب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ بطحاء ذوالحلیفہ میں بھی حضور اقدس ﷺ کا نزول حدیث سے ثابت ہے۔ جس طرح نزول محصب مناسک حج میں سے نہیں اسی طرح بطحاء ذوالحلیفہ بھی مناسک حج میں سے نہیں ہے، البتہ اتباع رسول اللہ ﷺ بہرحال باعث ثواب اور مستحب ضرور ہے۔ [۲۴۷]

---

[۲۴۷] ثم اعلم أن النزول بذی طوی قبل أن یدخل مكة والنزول بالبطحاء التی بذی الحلیفة عند رجوعه لیس بشیء من مناسک الحج ، فان شاء فعله ان شاء ترکه ...... أن ابن عمر کان یری التحصیب سنة ، وکان یصلی الظهر یوم النفر بالحصبة ، قال : قد حصب رسول الله والخلفاء بعده . والله أعلم . عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص: ۳۹۲ ، ۳۹۳.

(۱۵۰) باب التجارة أيام الموسم والبيع فى أسواق الجاهلية

ایامِ حج میں تجارت کرنا اور جاہلیت کے بازاروں میں خرید و فروخت کرنا

۱۷۷۰۔ حدثنا عثمان بن الهيثم: أخبرنا ابن جريج، قال عمرو بن دينار: قال ابن عباس رضى الله عنهما: كان ذو المجاز وعكاظ متجر الناس فى الجاهلية: فلمّا جاءَ الإسلام كأنّهم كرهوا ذٰلک حتى نزلت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [البقرة:۱۹۸] فى مواسم الحج. [أنظر: ۲۰۵۰، ۲۰۹۸، ۴۵۱۹] ۲۴۸

یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ذوالمجاز اور عکاظ یہ لوگوں کی تجارت کے میلے تھے اور ان کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ:

شروع ذیقعدہ سے بیس ذیقعدہ تک عکاظ ہوتا تھا۔

پھر بیس ذیقعدہ سے یکم ذی الحجہ تک ذوالجنہ ہوتا تھا۔

اور پھر یکم ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک ذوالمجاز ہوتا تھا۔

اس طرح یہ تین میلے ہوا کرتے تھے اس کے بعد یہ سیدھے حج کرنے چلے جاتے تھے۔ پھر ان میلوں میں بہت گڑ بڑ ہوتی تھی اور اس میں گانا بجانا وغیرہ سب کچھ ہوتا تھا اس کے بعد حج کو جاتے تھے تو اس میں جہاں تک گانے بجانے کا تعلق ہے وہ تو منع ہے لیکن ساتھ ساتھ تجارت بھی ہوتی تھی تو جب اسلام آیا تو صحابۂ کرام ﷺ نے نہ صرف گانے بجانے سے پرہیز کیا بلکہ تجارت کے بارے میں بھی سوچا کہ یہ حج کے موسم میں صحیح نہیں تو اس پر آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے اور مراد یہی ہے کہ تجارت کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو۔ ۲۴۹

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر فرمائی کہ "فى مواسم الحج" کہ حج کے موسم میں یہ تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں، مقصد یہ ہے کہ حج کے سفر میں تجارت جائز اور مباح ہے۔

(۱۵۱) باب الادلاج من المحصب

محصب سے اخیر رات کو چلنا

۱۷۷۱۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبى: حدثنا الأعمش: حدثنى ابراهيم،

---

۲۴۸ وفى سنن أبى داؤد، كتاب المناسک، باب الكرى، رقم: ۱۴۷۴.

۲۴۹ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب البیوع، باب الأسواق التى كانت فى الجاهلية فتبايع بها الناس فى الاسلام، رقم الحديث: ۲۰۹۸، جلد: ۶، ص: ۲۰۰.

عن الأسود ، عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت : حاضت صفیة لیلة النفر ، فقالت : ما أرانی الا حاسبتکم قال : النبی ﷺ : (عقری حلقی ، أطاف یوم النحر ؟)) قیل : نعم، قال:((فانفری)) . [راجع : ۲۹۴]

۱۷۷۲ ـ قال أبو عبداللہ: وزادنی محمد: حدثنا محاضر قال: حدثنا الأعمش، عن إبراهیم، عن الأسود، عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: خرجنا مع رسول اللّٰہ ﷺ لا نذکر إلا الحج فلمّا قدمنا أمرنا أن نحلّ. فلمّا کانت لیلة النّفر حاضت صفیة بنت حییّ ، فقال النبی ﷺ : ((حلقی عقری، ما أراها إلّا حابستکم)). ثم قال: ((کنت طفت یوم النحر؟)) قالت: نعم قال:((فانفری))، قلت: یا رسول اللّٰہ إنّی لم أکن حللت، قال: ((فاعتمری من التنعیم)). فخرج معها أخوها فلقیناه مدّلجاً : فقال: ((موعدک مکان کذا و کذا)). [راجع: ۲۹۴].

"ادلاج" کے معنی ہیں رات کے وقت میں داخل ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ محصّب سے رات کے وقت میں نکل کر طواف کرنا، تو حضور ﷺ نے عشاء کے بعد محصّب سے جا کر طواف وداع فرمایا تھا، **"فلقیناه مّلجاً"** آپ سے اس وقت ملاقات ہوئی کہ آپ رات کے وقت تشریف لے جا رہے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۶ - کتاب العمرة

(۱) باب وجوب العمرة وفضلها

عمرے کا واجب ہونا اور اس کی فضیلت

"وقال ابن عمر رضی اللہ عنهما: ليس أحد إلا وعليه حجة وعمرة. وقال ابن عباس رضی اللہ عنهما: إنها لقرينتها في كتاب الله عزوجل":

﴿ وَ أَتِمُّوا الحَجَّ و العُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ [البقرة:۱۹۶]

عمرہ کی شرعی حیثیت اور اختلاف فقہاء

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العمرہ میں سب سے پہلا باب قائم کیا **"باب وجوب العمرة و فضلها"** عمرے کا وجوب اور اس کی فضیلت۔

شافعیہ کا مسلک اور استدلال

ان کے نزدیک زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ واجب ہے اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثر بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

ان حضرات نے استدلال کیا ہے آیت کریمہ **" وَ أَتِمُّوا الحَجَّ و العُمْرَةَ لله"** سے کہ یہ صیغہ امر ہے اور حج اور عمرہ دونوں کے بارے میں ہے تو جس طرح حج فرض ہے اسی طرح عمرہ بھی فرض ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیق جس کو ابن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ، دار قطنی اور حاکم نے اس زیادت کے ساتھ روایت کیا ہے **"من استطاع اليه سبيلا فمن زاد على هذا فهو تطوّع وخير"** یعنی جو ان کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو پھر جو ایک سے زیادہ کرلے وہ اس کے لئے نفل اور بہتر ہے۔[۱]

[۱] واستدل عليه بهذا التعليق الذى ذكره عن عبدالله بن عمر، .... ﴿بقیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

حنفیہ کا مسلک اور استدلال

حنفیہ کے نزدیک یہ سنت ہے واجب نہیں۔

حنفیہ کی دلیل ترمذی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے پوچھا گیا **"العمرة أواجبة هي؟"** تو آپ ﷺ نے فرمایا **"لا، وأن تعتمروا هو أفضل"** اس حدیث میں عدم وجوب کی صراحت ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے، اور اسکے متعدد طرق بیہقی و دار قطنی میں بھی آئے ہیں۔

نیز ابن ماجہ میں حضرت طلحہؓ سے مرفوعاً مروی ہے، **" الحج جهاد و العمرة تطوع "** اور اس پر مزید احادیث بھی موجود ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ عمرہ فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔

جہاں تک **"وأتموا الحج والعمرة لله"** کا تعلق ہے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اتمام کو فرض قرار دیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک مرتبہ شروع کرو، تو پورا ضرور کرو تو یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر عمرہ شروع کر دیا تو پورا کرنا واجب ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ نے **"والعمرة"** کو مرفوع پڑھا ہے، لہٰذا قران فی الذکر نہ رہا۔ [۲]

.... ﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾ .... و وصله ابن أبي شيبة عن أبي خالد الأحمر عن ابن جريج عن نافع : أن ابن عمر كان يقول :((ليس من خلق الله تعالىٰ أحد الا وعليه حجة وعمرة واجبتان)).

و رواه ابن خزيمة و الدار قطني و الحاكم من طريق ابن جريج عن نافع عنه مثله بزيادة : ((من استطاع الى ذلك سبيلاً، فمن زاد على هذا فهو تطوع وخير)).

وقال سعيد بن أبي عروبة في (المناسك) عن أيوب عن نافع عن ابن عمر قال : الحج والعمرة فريضتان.

وقال بعضهم : وجزم المصنف بوجوب العمرة ، وهو متابع في ذلك للمشهور عن الشافعي وأحمد وغيرهما من أهل الأثر . عمدة القاري ، ج : ۷ ص: ۳۹۹ ، وصحيح ابن خزيمة ، كتاب المناسك ، باب فرض الحج على من استطاع اليه سبيلا ، ج : ۴ ، ص: ۱۲۷ ، وسنن الدار قطني ، كتاب الحج ، رقم : ۱ ، ج : ۲ ، ص: ۲۱۵، دار المعرفة ، بيروت ، ۱۳۸۶ هـ.

[۲] وقال المانعون للوجوب :ظاهر السياق اكمال أفعالها بعد الشروع فيهما ، ولهذا قال بعده : ﴿ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ ﴾ [البقرة : ۱۹۲] .أي صددتم عن الوصول الى البيت ، ومنعتم من اتمامهما، ولهذا اتفق العلماء على أن الشروع في الحج والعمرة ملزم ،سواء قيل بوجوب العمرة باستحبابها ، وقال شعبة عن عمرو بن مرة عن عبدالله بن أبي سلمة عن علي ، ؓ، أنه قال في هذه الآية :﴿ وَأَتِمُّوا الحَجَّ وَالعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ [البقرة : ۱۹۶] . قال : أن تحرم من دويرة أهلك ، وكذا قال ابن عباس وسعيد بن جبير وطاؤس عن سفيان الثوري ، أنه قال تمامهما أن تحرم من أهلك لاتريد الا الحج والعمرة وتهل من الميقات ، ليس أن تخرج لتجارة ولا لحاجة ، حتى اذا كنت قريباً من مكة .قلت : لو احتججت أو اعتمرت ، وذلك يجزئ ، ولكن التمام أن تخرج له ولا تخرج لغيره . وقرأ الشعبي :﴿ وَأَتِمُّوا الحَجَّ وَالعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ [البقرة : ۱۹۶].برفع العمرة ، قال : وليست بواجبة . عمدة القاري ، ج : ۷ ، ص : ۴۰۰.

۱۷۷۳۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن سمی مولی أبی بکر بن عبدالرحمٰن ، عن أبی صالح السمان ، عن أبی ھریرۃ ﷺ : ان رسول اللہ ﷺ قال : ((العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینھما ، والحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ)) .

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک جتنے گناہ ہوتے ہیں وہ سب عمرہ سے اتر جاتے ہیں اور حج مبرور کی جزاء جنت ہی ہے۔

"العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینھما".

دراصل ترجمۃ الباب میں دو جز تھے: اول وجوب عمرہ، دوم فضیلت عمرہ۔

وجوب عمرہ جس کے لئے ابن عمرؓ اور ابن عباس ﷺ کا اثر پیش فرمایا اور فضیلت عمرہ کے لئے حضرت ابوہریرہ ﷺ کی روایت پیش کردی۔

(۲) باب من اعتمر قبل الحج

حج سے پہلے عمرہ کرنا

۱۷۷۴۔ حدثنا أحمد بن محمد : أخبرنا عبداللہ : أخبرنا ابن جریج : أن عکرمۃ ابن خالد سأل ابن عمر رضی اللہ عنھما عن العمرۃ قبل الحج فقال : لابأس. قال عکرمۃ: قال : ابن عمر : اعتمر النبی ﷺ قبل أن یحج . وقال ابراھیم بن سعد : عن ابن اسحاق : حدثنی عکرمۃ بن خالد قال : سألت ابن عمر، مثلہ .

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن خالد نے حضرت ابن عمر ﷺ سے حج سے پہلے عمرے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں، عکرمہ نے کہا کہ ابن عمر ﷺ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے حج کرنے سے پہلے عمرہ کیا۔

"سأل ابن عمر عن العمرۃ قبل الحج" اس سوال کا منشأ یہ تھا کہ ایک حدیث میں ہے:

"عن سعید ابن المسیب أن رجلاً من أصحاب النبی ﷺ أتی عمر الخطاب ﷺ فشھد عندہ أنہ سمع رسول اللہ ﷺ فی المرض الذی قبض فیہ ینھی عن العمرۃ قبل الحج. أخرجہ أبوداؤد".

لیکن علامہ خطابیؒ نے اس کی سند پر کلام کیا ہے، دوسرے اس کی توجیہ یہ ممکن ہے کہ آدمی عمرہ پہلے کرلے تو حج کے لئے دوبارہ سفر کرنے میں سستی آنے کا احتمال ہے، لہٰذا نہی تحریم یا کراہت کے لئے نہیں، بلکہ ارشاد کے لئے ہے۔

(۳) باب : کم اعتمر النبی ﷺ ؟

نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کئے

۱۷۷۵۔ حدثنا قتیبۃ: حدثنا جریر، عن منصور ، عن مجاھد، قال: دخلت أنا و

عروة بن الزبير المسجد فإذا عبدالله بن عمر جالسٌ إلى حجرة عائشة ، و إذا أناسٌ يصلون في المسجد صلاة الضحى ، قال : فسألناه عن صلاتهم؟ فقال: بدعة، ثم قال له: كم اعتمر النبي ﷺ؟ قال: أربعٌ ، إحداهنّ في رجب. فكرهنا أن نرد عليه. [أنظر:۴۲۵۳]. [۳]

۱۷۷۶ ۔ قال : وسمعنا استنان عائشة أم المؤمنين في الحجرة ، فقال عروة : يا أمّاه ، الا تسمعين مايقول أبوعبدالرحمٰن؟ قالت عائشة : مايقول ؟ قال : يقول : ان رسول الله ﷺ اعتمر أربع عمرات احداهن في رجب . قالت : يرحم الله أبا عبدالرحمٰن ، ما اعتمر عمرة الا وهو شاهد ، و مااعتمر في رجب قط . [أنظر:۱۷۷۷، ۴۲۵۴]

۱۷۷۷ ۔ حدثنا أبو عاصم : أخبرنا ابن جريج قال :أخبرني عطاء ، عن عروة بن الزبير قال:سألت عائشة رضي الله عنها ، قالت : مااعتمر رسول الله ﷺ في رجب . [راجع :۱۷۷۶]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"دخلت أنا وعروة بن الزبير المسجد"** میں اور عروۃ بن الزبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے **"فاذا عبدالله بن عمر جالس"** تو عبداللہ بن عمر ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے **"اذا اناس يصلون في المسجد صلاة الضحى"** کچھ لوگ مسجد میں صلاۃ الضحیٰ پڑھ رہے تھے تو ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا، **"فقال بدعة"** تو فرمایا یہ بدعت ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ابن عمر ﷺ صلاۃ الضحیٰ کو بدعت سمجھتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو بدعت قرار دیا وہ اس وقت نماز کے لئے نہیں بلکہ اس وقت نماز کے لئے مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کو بدعت قرار دیا ورنہ گھر میں پڑھے تو ٹھیک ہے تو پھر ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کئے تو انہوں نے فرمایا کہ چار عمرے کئے تھے۔

ان میں سے ایک رجب میں تھا تو ہم نے ان کی تردید کرنا مناسب نہیں سمجھا، ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا کہ وہ حجرے کے اندر مسواک کر رہی تھیں تو ہم نے جا کر پوچھا کہ **"يا أمّاه ! الا تسمعين ما يقول أبو عبدالرحمٰن"** کیا آپ سن رہی ہیں انہوں نے کیا کہا، پوچھا کیا کہا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ

---

[۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج ، باب بيان عدد عمر النبي و زمانهن ، رقم : ۲۲۰۰، وسنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء في عمرة رجب ، رقم : ۸۵۸، وسنن أبي داوٗد ، كتاب المناسك ، باب العمرة ، رقم : ۱۷۰۱، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۵۱۲۷، ۵۱۵۹، ۵۸۵۲، ۶۰۱۳، ۶۱۴۲.

کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے ان میں سے ایک رجب میں تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ جل جلالہ ابوعبدالرحمن یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر رحم فرمائے کوئی بھی عمرہ حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ساتھ موجود نہ ہوں، لہٰذا ان کو خوب اچھی طرح یاد ہونا چاہئے تھا لیکن ان سے کوئی بھول ہوگئی ہے حضور ﷺ نے کوئی عمرہ بھی رجب میں نہیں کیا، سارے عمرے ذیقعدہ میں کئے۔

۱۷۷۸ ۔ حدثنا حسان بن حسان : حدثنا همام ، عن قتادة : سألت أنسا رضی اللہ عنہ : كم اعتمر النبی ﷺ ؟ قال : أربع ، عمرة الحديبية فی ذی القعدة حيث صده المشركون ، وعمرة من العام المقبل فی ذی القعدة حيث صالحهم ، وعمرة الجعرانة اذ قسم غنيمة - اراه - حنين . قلت : كم حج ؟ قال: واحدة. [أنظر: ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۳۰۶۶، ۴۱۴۸]

حضور ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ فرمایا چار:

ایک عمرۃ الحدیبیہ ذی قعدہ میں جہاں مشرکوں نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا۔

دوسرا عمرہ آئندہ سال ذی قعدہ میں جب مشرکین سے صلح کی۔

تیسرا عمرہ عمرۂ جعرانہ ہے جب حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی۔

چوتھا عمرہ حج کے ساتھ۔

میں نے پوچھا آپ ﷺ نے حج کتنے کئے؟ فرمایا! ایک۔

۱۷۷۹ ۔ حدثنا أبو الوليد هشام بن عبدالملك: حدثنا همام ، عن قتادہ قال: سألت أنسا رضی اللہ عنہ فقال: اعتمر النبی ﷺ حيث ردوه ، ومن القابل عمرة الحديبية، وعمرة فی ذی القعدة ، وعمرة مع حجته. [راجع :۱۷۷۸]

"ومن القابل عمرة الحديبية" اس میں غلطی ہوگئی ہے اس میں پہلے تو حضور ﷺ کے اس عمرہ کا ذکر ہے جس میں کفار نے آپ کو لوٹا دیا تھا۔ پھر اگلے سال حدیبیہ کے عمرہ کا ذکر ہے، حالانکہ اگلے سال عمرۃ القضاء تھا، وہ عمرۃ الحدیبیۃ نہیں تھا۔ البتہ یہ تاویل ممکن ہے کہ عمرۃ القضاء درحقیقت حدیبیہ والے عمرے کی قضا تھی اس لئے اسے عمرۃ الحدیبیۃ سے تعبیر کر دیا۔

۱۷۸۱ ۔ حدثنا احمد بن عثمان : حدثنا شريح بن مسلمة : حدثنا ابراهيم بن يوسف عن أبيه ، عن أبی اسحاق قال : سألت مسروقاً وعطاءً ومجاهداً ، فقالوا : اعتمر رسول اللہ ﷺ ذی القعدة قبل أن يحج. و قال : سمعت البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ

عنهما يقول: اعتمر رسول الله ﷺ في ذي القعدة قبل أن يحج مرتين. [أنظر: ۱۸۴۴، ۲۶۹۸، ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۳۱۸۴، ۴۲۵۱]

رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے سے پہلے ذی قعدہ میں عمرہ کیا ہے اور ابواسحاق نے کہا کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج سے پہلے دو بار ذی قعدہ میں عمرہ کیا ہے۔

(۴) باب عمرة في رمضان

رمضان میں عمرہ کرنا

۱۷۸۲ ۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن ابن جريج، عن عطاءٍ قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يخبرنا يقول: قال رسول الله ﷺ لا مرأة من الأنصار ۔ سماها ابن عباس فنسيت اسمها ۔ : ((ما منعك أن تحجي معنا؟)) قالت: كان لنا ناضح فركبه أبو فلان وابنه، لزوجها وابنها، وترك ناضحا ننضح عليه. قال: ((فإذا كان رمضان اعتمري فيه فإن عمرة في رمضان حجة)) أو نحواً مما قال. [أنظر: ۱۸۶۳]. [۴]

انصار کی ایک عورت تھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا نام لیا تھا، عطاء کہتے ہیں کہ میں بھول گیا، ان سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **"ما منعك أن تحجّي معنا؟"** ہمارے ساتھ کیوں حج نہیں کرتیں، تو اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اونٹ تھا اس پر **"أبو فلان وابنه"** سوار ہو کر چلے گئے ہیں یعنی میرے شوہر اور میرا بیٹا سوار ہو کر چلے گئے ہیں **"وترك ناضحاً ننضح عليه"** ایک اونٹ چھوڑ گئے ہیں اس سے ہم اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں تو میرے پاس جانے کے لئے سواری نہیں ہے، **"قال فإذا كان رمضان اعتمري فيه"** تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا، **"فإن عمرةً في رمضان حجّة"** کیونکہ رمضان میں عمرہ ثواب کے اعتبار سے یہ حج کے قائم مقام ہے اور مراد نفلی حج ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: **"فعمرة في رمضان تقضي حجة، أو حجة معي"** اور طبرانیؒ نے معجم کبیر میں امّ طلیق کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے پوچھا: **"يا نبيّ اللّه ما يعدل الحج معك؟ قال: عمرة في رمضان"** ۔ [۵]

(۵) باب العمرة ليلة الحصبة وغيرها

محصب کی رات میں اور اس کے علاوہ کسی وقت عمرہ کرنا

۱۷۸۳ ۔ حدثنا محمد: أخبرنا أبو معاوية: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي

[۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل العمرة في رمضان، رقم: ۲۲۰۱، وسنن النسائي، كتاب الصيام، باب الرخصة في أن يقال لشهر رمضان رمضان، رقم: ۲۰۸۳، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب العمرة، رقم: ۱۶۹۹، وسنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب العمرة في رمضان، رقم: ۲۹۸۵، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب بداية مسند عبدالله بن العباس، رقم: ۱۹۲۱، ۲۶۷۰، وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب في فضل العمرة في رمضان، رقم: ۱۷۸۵۔

[۵] عمدۃ القاری، ۷، ص: ۴۱۵

اللّٰہ عنہا قالت : خرجنا مع رسول اللّٰہ ﷺ ، موافين لهلال ذی الحجة فقال لنا :((من أحب منكم أن يهل بالحج فليهل ۔ ومن أحب أن يهل بعمرة فليهل بعمرة ۔ فلولا انی اهديت ۔ لأهللت بعمرة)) قالت : فمنا من أهل بعمرة ، ومنا من أهل بحج ۔ و كنت ممن أهل بعمرة فاظلنی يوم عرفة و أنا حائض فشكوت الی النبی ﷺ فقال : ((أرفضی عمرتک ، وانقضی رأسک ، وامتشطی وأهلی بالحج)) ۔ فلما لأن ليلة الحصبة أرسل معی عبدالرحمٰن الی التنعيم فاهللت بعمرة مكان عمرتی ۔ [راجع : ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے اس وقت نکلے جب ذی الحجہ کے چاند کا وقت آپہنچا، آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو حج کا احرام باندھنا چاہے، وہ حج کا احرام باندھے اور جو عمرے کا احرام باندھنا چاہے، وہ عمرہ کا باندھے اگر میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا تو میں بھی عمرہ ہی کا احرام باندھتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تو ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا احرام باندھا اور میں نے بھی عمرہ ہی کا احرام باندھا پھر عرفہ کا دن آپہنچا اور میرا حیض ختم نہیں ہوا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے شکوہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنا عمرہ چھوڑ دے اور سر کھول ڈال، کنگھی کر لے اور حج کا احرام باندھ لے پھر جب محصر کی رات آئی تو آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن میرے بھائی کو میرے ساتھ تنعیم بھیجا تو میں نے اس عمرے کا بدل جس کو توڑ ڈالا تھا دوسرا عمرہ کیا۔

حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے رمی جمار سے فراغت کے بعد مدینہ واپس ہونے کے وقت منزل کی ہے اور رات گذاری ہے اور یہیں سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے حکم و اجازت سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اتباع رسول میں اگر محصب میں منزل کرے اور رات گذارے تو افضل اور باعث ثواب ہے۔ اور وہاں سے عمرہ کرنا بھی جائز ہے۔

(٦) باب عمرة التنعيم

تنعیم سے عمرے کا احرام باندھنا

۱۷۸۵ ۔ حدثنا محمد بن المثنی : حدثنا عبدالوهاب بن عبد المطلب عن حبيب المعلم ، عن عطاء : حدثنی جابر بن عبدالله رضی الله عنهما : أن النبی ﷺ أهل وأصحابه بالحج وليس مع أحد منهم هدی غير النبی ﷺ وطلحة ۔ وكان علیّ قدم من اليمن ومعه الهدی ، فقال : أهللت بما أهل به رسول اللّٰہ ﷺ ۔ وأن النبی ﷺ اذن لأصحابه أن يجعلوها عمرة ، يطوفوا بالبيت ثم يقصروا ويحلوا الا من معه الهدی ۔ فقالوا ننطلق الی منی ، وذكر

أحدنا يقطر، فبلغ النبي ﷺ فقال : ((لو استقبلت من أمري مااستدبرت ما أهديت ، ولولا أن معي الهدى لأحللت)). وان عائشة رضي الله عنها حاضت فنسكت المناسک كلها غير أنها لم تطف بالبيت . قالت : فلما طهرت وطافت قالت : يارسول الله ! أتنطلقون بعمرة وحجة ، وانطلق بالحج ؟ فأمر عبدالرحمن بن أبي بكر أن يخرج معها الى التنعيم ، فاعتمرت بعد الحج في ذي الحجة . وأن سراقة بن مالک بن جعشم لقي النبي ﷺ بالعقبة وهو يرميها ، فقال : ألكم هذه خاصة يارسول الله ؟ قال : ((لا بل للأبد)).[راجع:۱۵۵۷]

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے حج کا احرام باندھا اور نبی کریم ﷺ اور طلحہ کے سوا کسی کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا اور انہی دنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے تشریف لائے ان کے ساتھ قربانی بھی تھی، انہوں نے کہا کہ میں نے تو اسی کا احرام باندھا جس کا رسول اللہ ﷺ نے باندھا اور نبی کریم ﷺ نے یہاں مکہ پہنچ کر اپنے اصحاب کو یہ اجازت دیدی تھی کہ حج کو عمرہ کرڈالیں، بیت اللہ صفا ومروہ کا طواف کر کے بال کٹوالیں اور احرام کھول دیں مگر جس کے ساتھ قربانی ہو وہ احرام نہ کھولے اس پر اصحاب کہنے لگے کہ کیا ہم حج کے لئے منیٰ جائیں اور ہمارے ذکر سے منی ٹپک رہی ہو، یہ خبر آپ ﷺ تک پہنچی، آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا اور جو قربانی میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں بھی احرام کھول ڈالتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا انہوں نے حج کے سب کام کئے فقط خانہ کعبہ کا طواف نہیں کیا۔ جب وہ حیض سے پاک ہوئیں اور طواف کرچکیں تو کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ سب لوگ تو عمرہ اور حج دونوں کر کے گھر جارہے ہیں اور میں فقط ہی حج کر کے؟ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ تنعیم تک ان کے ساتھ جاؤ۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذی الحجہ میں حج کے بعد عمرہ کیا اور ایسا ہوا کہ سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے اسی وقت ملے جب آپ ﷺ عقبہ میں کنکریاں مار رہے تھے اس نے پوچھا کیا یہ یعنی حج کے مہینے میں عمرہ کرنا خاص آپ کے لئے ہے یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے یعنی زمانہ جاہلیت کا قاعدہ ٹوٹ گیا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، بعضوں نے یہ مطلب کہا کہ قران یعنی حج اور عمرے کو جمع کرنا ہمیشہ کے لئے درست ہوا۔

مقصدِ بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی عمرہ کا ارادہ کرے تو

افضل یہی ہے کہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھے، چونکہ حضور اقدس ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کا حکم دیا ہے۔

(۷)باب الاعتمار بعد الحج بغير هدى

بلا وجوب قربانی کے حج کے بعد عمرہ کرنا

۱۷۸۶ ـ حدثنا محمد بن المثنى : حدثنا يحيى : حدثنا هشام قال : أخبرنى أبى قال : أخبرتنى عائشة رضى الله عنها قالت : خرجنا مع رسول الله ﷺ ، موافين لهلال ذى الحجة فقال رسول الله ﷺ : ((من أحب أن يهل بمعرة فليهل . ومن أحب أن يهل بحجة فليهل . ولو لا أنى أهديت لأهللت بعمرة)) . فمنهم من أهل بعمرة . ومنهم من أهل بحجة و كنت ممن أهل بعمرة فحضت قبل أن أدخل مكة فأدركنى يوم عرفة وأنا حائض ، فشكوت الى رسول الله ﷺ فقال : ((دعى عمرتک ، وانقضى رأسک ، وامتشطى ، وأهلى بالحج)) ففعلت . فلما كانت ليلة الحسبة أرسل معى عبدالرحمن الى التنعيم . فاردها فأهلت بعمرة مكان عمرتها فقضى الله حجها وعمرتها ولم يكن فى شىء من ذلک هدى ولا صدقة ولاصوم . [راجع :۲۹۴]

"ولم يكن فى شيئ من ذلک هدى ولاصدقة ولاصوم".

حضرت عروہ رحمہ اللہ اس بات کی نفی کر رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کوئی ہدی قربان کرنی پڑی تھی، لیکن یہ بات نہ حنفیہ کے مسلک پر ٹھیک بیٹھتی ہے نہ شافعیہ کے۔

اس لئے کہ شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے افراد یا تمتع کو قران میں تبدیل کرلیا تھا، اور قارن پر ان کے نزدیک بھی دم آتا ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک رفض عمرہ کی بنا پر دم آیا تھا جس کی تفصیل پیچھے **"باب الحائض تقضى المناسک کلها"** میں گذر چکی ہے، لہٰذا حضرت عروہ رحمہ اللہ کے اس قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ انہیں قربانی کا علم نہیں ہوسکا۔[۶]

(۸) باب أجر العمرة على قدر النصب

عمرے کا ثواب بقدر مشقت ہے

۱۷۸۷ ـ حدثنا مسدد : حدثنا يزيد بن زريع : حدثنا ابن عون ، عن القاسم بن

---

[۶] عمدة القارى ، ج: ۷ ، ص: ۴۲۲ ، و فتح البارى ، ج:۳ ، ص: ۶۱۰ .

محمد ، وعن ابن عون عن إبراهيم عن الأسود قالا : قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: یا رسول الله ﷺ یصدر الناس بنسکین وأصدر بنسک ؟ فقیل لها :((انتظری فإذا طهرت فاخرجی إلی التنعیم، فأهلی ثم ائتیا بمکان کذا. ولکنّها علی قدر نفقتک ، أو نصبک)).[راجع: ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ ! سب لوگ تو دو عبادت کر کے جا رہے ہیں اور میں صرف ایک عبادت کر کے لوٹوں گی؟ تو ان سے فرمایا گیا انتظار کرو جب پاک ہو جاؤ تو تنعیم جاؤ اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھو، پھر فلاں جگہ ہمارے پاس آ جانا لیکن اس کا ثواب تو خرچ کے مقدار یا مشقت کی مقدار ہے۔

" **لکنها علی قدر نفقتک أو نصبک** "یعنی ثواب جو تمہیں ملے گا تمہارے خرچ اور تمہارے تعب کے حساب سے ملے گا، تمہیں اگر خرچ زیادہ کرنا پڑا یا تھکن زیادہ ہوئی تو زیادہ ثواب ہے اور کم خرچ کرنا پڑا تو ثواب بھی کم ہے۔

اب بعض حضرات کہتے ہیں منشأ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کو یہ کہنا کہ تمہیں دوسروں سے زیادہ اجر ملے گا یہ اس لئے کہ تمہیں تکلیف زیادہ ہوئی کہ پہلے غم ہوا کہ میں ساتھ نہیں چل سکتی بعد میں پھر الگ سے جا کر عمرہ کرنا پڑا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں مراد یہ ہے کہ کرتو لو لیکن اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا اوروں کو ملا کہ وہ تو شروع سے احرام باندھ کر آئے تھے اور تم نے ابھی احرام باندھا اور فوراً حلال ہو گئیں تو تعب کم ہوا اس واسطے ثواب کم ہوگا۔

(۹) باب المعتمر إذا طاف ، طواف العمرة ثم خرج ، هل یجزئه من طواف الوداع؟

حج کے بعد عمرہ کرنے والا عمرے کا طواف کر کے مکہ سے چل کھڑا ہو تو طواف وداع کی ضرورت ہے یا نہیں؟

۱۷۸۸ ۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا أفلح بن حمید ، عن القاسم، عن عائشة رضی الله عنها قالت: خرجنا مهلین بالحج فی اشهر الحج وحرم الحج فنزلنا بسر فقال النبی ﷺ لأصحابه : ((من لم یکن معه هدی فأحب ان یجعلها عمرة فلیفعل ، ومن کان معه هدی فلا)). وکان مع النبی ﷺ و رجال من اصحابه ذوی قوة الهدی ، فلم تکن لهم عمرة ، فدخل علی النبی ﷺ و أنا أبکی فقال : ((مایبکیک ؟)) قلت : سمعتک تقول لأصحابک ما قلت فمنعت العمرة . قال : ((وما شأنک ؟)) قلت : لا أصلی . قال : ((فلا یضرک ، أنت من بنات آدم کتب علیک ما کتب علیهن ، فکعنی فی حجتک .

عسى الله أن يرزقكها)). قالت : فكنت حتى نفرنا من منى فنزلنا المحصب فدعا عبدالرحمن فقال : ((أخرج باختك الحرم فلتهل بعمرة ثم افرغا من طوافكما انتظر كما هاهنا)). فأتينا في جوف الليل فقال :((فرغتما ؟))قلت: نعم . فنادى بالرحيل في أصحابه فارتحل الناس ومن طاف بالبيت قبل صلاة الصبح ، ثم خرج متوجها الى المدينة.[راجع :۲۹۴]

حدیث میں صراحتاً کوئی حکم نہیں تھا، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حکم کی تصریح نہیں کی، البتہ حدیث میں چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا الگ سے طوافِ وداع کرنا منقول نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی طواف الوداع کرنے کے بجائے پورا عمرہ ہی کرلے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے تنعیم سے کیا تو اس سے طواف الوداع بھی ادا ہو جاتا ہے۔

(۱۱) باب : متى يحل المعتمر

عمرہ کرنے والا کب حلال ہوتا ہے

"وقال عطاء ، عن جابر ﷺ : أمر النبی ﷺ أصحابه أن يجعلوها عمرة ويطوفوا ثم يقصروا ويحلوا ".

۱۷۹۱ ـ حدثنا إسحاق بن إبراهيم ، عن جرير ، عن إسماعيل، عن عبدالله بن أبى أوفى قال: اعتمر رسول الله ﷺ واعتمرنا معه فلما دخل مكة طاف وطفنا معه. وأتى الصفا والمروة وأتينا هما معه، وكنا نستره من أهل مكة أن يرميه أحد ، فقال له صاحب لى : أكان دخل الكعبة؟ قال: لا. [راجع :۱۶۰۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ عمرہ کیا جب آپ ﷺ مکہ پہنچے تو طواف کیا ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ طواف کیا، پھر آپ ﷺ صفا و مروہ پر تشریف لے گئے ہم بھی آپ کے ساتھ صفا و مروہ پر گئے اور ہم مکہ والوں سے آپ ﷺ پر آڑ کئے ہوئے تھے کہ کوئی مکہ والا کافر آپ ﷺ کو تیر مارے، میرے ایک ساتھی نے عبداللہ بن ابی اوفی ﷺ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کعبے کے اندر بھی گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔

یہ عمرۃ القضاء والی بات ہے، فرماتے ہیں **"كنا نستره من أهل مكة أن يرميه أحد"** ہم آپ ﷺ کے آگے پیچھے رہتے تھے اور آپ ﷺ کو اہل مکہ سے چھپائے رکھتے تھے کہ کوئی آپ ﷺ کو تیر وغیرہ نہ مار دے وہ دشمن تو تھے ہی اسی واسطے ہم ساتھ رہتے تھے۔

۱۷۹۲ ـ قال : فحدثنا ما قال لخديجة. قال:((بشروا خديجة ببيت من الجنة من

قصب لا صخب فيه ولا نصب)).[أنظر: ۳۸۱۹] ۷

یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس وقت آپ نے یہ بات بیان فرمائی تھی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خوشخبری سن لو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ جل جلالہ نے جنت میں ایسا گھر دیا ہے جس میں نہ کوئی شور شغب ہے نہ کوئی تھکن ہے اللہ جل جلالہ نے ان کو وہاں پر یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔

۱۷۹۳ ـ حدثنا الحميدي : حدثنا سفيان ، عن عمرو بن دينار قال : سألنا ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن رجل طاف بالبيت في عمرة . ولم يطف بين الصفا والمروة ، أيأتي امرأته ؟ فقال : قدم النبي ﷺ فطاف بالبيت سبعا . وصلى خلف المقام ركعتين ، وطاف بين الصفا والمروة سبعا وقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة . [راجع : ۳۹۵]

۱۷۹۴ ـ قال : وسألنا جابر بن عبدالله رضي الله عنهما ، فقال : لا يقربنها حتى يطوف بين الصفا والمروة . [راجع : ۳۹۶]

عمرہ کی ادائیگی میں سعی سے پہلے مجامعت کا حکم

عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جس نے عمرہ کیلئے بیت اللہ شریف کا طواف کرلیا تھا یعنی اس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بیت اللہ کا طواف کرلیا، لیکن صفا اور مروہ کے درمیان ابھی سعی نہیں کی۔

"**أيأتي إمرا ته**" تو کیا اس حالت میں جبکہ طواف کر چکا ہے ابھی سعی نہیں کی اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے؟ یعنی اگر کوئی اتنا جلد باز آدمی ہو کہ اس کو سعی کرنے کا بھی انتظار نہ ہو اور طواف کر کے ہی مجامعت کرنا چاہتا ہے، آیا اس کیلئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ حرم میں تشریف لائے۔

"**فطاف بالبيت سبعاً**" سات چکر بیت اللہ کے لگائے۔ "**وصلى خلف المقام ركعتين**" مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی ہیں، اس سے استقبالِ قبلہ لازم آیا، بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

"**وطاف بين الصفا والمروة**" پھر آپ ﷺ نے سعی فرمائی۔

---

۷ وفي صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة ، باب خديجة أم المؤمنين ، رقم : ۴۴۶۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك ، باب أمر الصفا والمروة ، رقم : ۱۶۲۶ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب العمرة ، رقم : ۲۹۸۱ ، ومسند أحمد ، أول مسند الكوفيين ، باب بقية حديث عبدالله بن أبي أوفى عن النبي ، رقم : ۱۸۳۳۷ ، ۱۸۵۹۴ ، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في السعي بين الصفا والمروة ، رقم : ۱۸۴۱ .

تو مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں کیا اور عمرے کی تکمیل سعی پر ہوئی۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة وسألنا" یعنی یہی مسئلہ (مذکورہ) عمرو بن دینار نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ **"لا یقربنها"** اس کے قریب بھی نہ جائے جب تک کہ صفا و مروہ کی سعی نہ کرلے۔ چنانچہ اس بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ عمرے کی تکمیل سے پہلے مجامعت جائز نہیں ہے۔

۱۷۹۵ ـ حدثنا محمد بن بشار : حدثنا شعبة ، عن قیس بن مسلم ، عن طارق بن شهاب ، عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ قال : قدمت علی النبی ﷺ بالبطحاء وهو منیخ فقال : ((احججت ؟)) قلت : نعم . قال : ((بما أهللت ؟)) قلت : لبیک ، باهال کاهلال النبی ﷺ قال : ((أحسنت . طف بالبیت وبالصفا والمروة . ثم احل)) . فطفت بالبیت وبالصفا والمروة ثم أتیت امرأة من قیس ففلت رأسی ثم أهللت بالحج فکنت أفتی به حتی کان فی خلافة عمر فقال : ان أخذنا بکتاب اللہ فانه یأمرنا بالتمام . وان أخذنا بقول النبی ﷺ فانه لم یحل حتی یبلغ الهدی محله .[راجع : ۱۵۵۹]

ترجمہ: حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نبی کریم ﷺ کے پاس بطحاء میں حاضر ہوا آپ ﷺ وہاں اترے ہوئے تھے آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو حج کے ارادہ سے آیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تو نے لبیک میں کیا کہا، میں نے کہا لبیک اسی احرام کا جو احرام نبی کریم ﷺ نے باندھا، آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اب بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کرلے اور احرام کھول ڈال۔

میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی پھر قبیلہ قیس کی ایک عورت کے پاس آیا اس نے میرے سر کی جوئیں نکالیں پھر میں نے حج کا احرام باندھا، اور میں لوگوں کو اسی طرح کرنے کا فتویٰ دیتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے فرمایا اگر ہم اللہ جل جلالہ کی کتاب کو لیں تو وہ ہمیں حج و عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیتی ہے اور اگر نبی کریم ﷺ کے قول کو لیں تو آپ ﷺ نے اس وقت تک احرام نہیں کھولا جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ گئی۔

۱۷۹۶ ـ حدثنا أحمد: حدثنا ابن وهب: أخبرنا عمرو: عن أبی الأسود: أن عبداللہ مولی أسماء بنت أبی بکر حدثه: أنه کان یسمع أسماء تقول کلما مرت بالحجون: صلی اللہ علی رسول محمد . لقد نزلنا معه هاهنا ونحن یومئذ خفاف قلیل ظهرنا. قلیلة أزوادنا. فاعتمرت أنا وأختی عائشة والزبیر. وفلان وفلان. فلما مسحنا البیت أحللنا ثم أهللنا من العشی بالحج.[راجع: ۱۶۱۵]

یعنی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جب بھی حجون کے مقام سے گذرتیں تو یہ فرماتیں کہ اللہ جل جلالہ رحمتیں نازل

فرمائے اپنے رسول ﷺ پر، مجھے ان کی یاد آتی ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ یہاں اترے تھے۔

مسئلہ مختلف فیہ تھا اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں طرح کی حدیثیں پیش کردی اور اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سرف طواف کرنے سے حلال ہوجاتا ہے۔ یہی اسحاق بن راہویہ کا مسلک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آخری حدیث کو لاکران کے مسلک کی طرف اشارہ کردیا ہے، بعض حضرات سے یہ منقول ہے کہ عمرہ کرنے والا جہاں حرم میں پہنچا وہ حلال ہوگیا گو طواف وسعی نہ کرے۔[۸]

(۱۲) باب مایقول اذا رجع من الحج أو العمرة أو الغزو

جب کوئی حج یا عمرے یا غزوہ سے واپس لوٹے تو کیا پڑھے

۱۷۹۷ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع . عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما : أن رسول اللہ ﷺ کان اذا قفل من غزو أو حج أو عمرة یکبر علی کل شرف من الأرض ثلاث تکبیرات ثم یقول : ((لا اله الا اللہ وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد ، وهو علی کل شیءٍ قدیر. آیبون تائبون ، عابدون ساجدون ، لربنا حامدون ، صدق اللہ وعده ، ونصر عبده ، وهزم الأحزاب وحده)). [أنظر : ۲۹۹۵، ۳۰۸۴، ۴۱۱۶، ۶۳۸۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ سے یا حج سے یا عمرے سے واپس لوٹتے تو ہر چڑھائی پر تین تکبیریں یعنی تین بار اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے:

"لا اله الا اللہ وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد ، وهو علی کل شیءٍ قدیر. آیبون تائبون، عابدون ساجدون ، لربنا حامدون ، صدق اللہ وعده ، و نصر عبده ، و هزم الأحزاب وحده".

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم سفر سے لوٹ رہے ہیں توبہ کررہے ہیں اپنے مالک کی عبادت کررہے ہیں سجدہ کررہے ہیں اپنے پروردگار کی حمد کررہے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچا کردیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا اس نے کافروں کی فوجوں کو شکست دی۔

۸ "متی یحل المعتمر" لعله تعریض الی ابن عباس ، فانه یقول : ان المعتمر یحل بالطواف ، و یسعی فیما بعده ، فیض الباری ، ج :۳ ، ص:۱۲۶ .

(۱۳) باب استقبال الحاج القادمين و الثلاثة على الدابة

آنے والے حاجیوں کا استقبال کرنا اور تین آدمیوں کا ایک جانور پر سوار ہونا

۱۷۹۸ ـ حدثنا معلّى بن أسد :حدثنا يزيد بن زريع :حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال :لما قدم رسول الله ﷺ مكة استقبلـه أغيلمة بنى عبدالمطلب. فحمل واحداً بين يديه و آخر خلفه.[أنظر :۵۹۶۵، ۵۹۶۶]. ۹

اس ترجمۃ الباب میں شراح کا بڑا اختلاف ہے کہ **"باب استقبال الحاج القادمين والثلاثة على الدابة"** کا کیا مطلب ہے۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے جس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ اس باب کے دو جزء ہیں:

پہلا جزء ہے **"باب اسقبال الحاج القادمين"** یعنی آنے والے حجاج کا استقبال کرنا اور استقبال مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف یعنی لوگوں کا حاجیوں کا استقبال کرنا اور یہ بات حدیث شریف میں آرہی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے کچھ لڑکوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔

دوسرا جزء ہے **"والثلاثة على الدابة"** یہ استقبال کا مضاف الیہ نہیں ہے بلکہ استقبال پر معطوف ہے یعنی **"باب الثلاثة على الدابة"** کہ تین آدمیوں کا ایک دابہ پر سوار ہونا اور حدیث کے آخری حصہ سے یہ ثابت ہے کہ **"فحمل واحداً بين يديه و آخر خلفه"** کہ ایک لڑکے کو آپ ﷺ نے آگے بٹھا دیا اور دوسرے کو پیچھے بٹھا لیا تو ایک دابہ پر تین سوار ہو گئے تو اگر چہ اس کا تعلق حج سے نہیں ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کبھی کبھی طرد اللباب کوئی چیز بیچ میں آگئی تو اس کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

چنانچہ بعینہ یہی باب قائم کیا ہے کتاب الادب میں کہ **"باب ركوب الثلاثة على الدابة"** اور بعینہ یہی حدیث لے کر آئے ہیں تو اس واسطے اور تکلفات کرنے کی ضرورت نہیں، سیدھی سی بات ہے کہ باب کے دو جزء ہیں ایک کا تعلق حج سے ہے اور دوسرے کا تعلق سواری سے ہے۔۱۰

(۱۴) باب القدوم بالغداة

مسافر کا صبح کو گھر آنا

۱۷۹۹ ـ حدثنا أحمد بن الحجاج : حدثنا أنس بن عياض ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما : ان رسول الله ﷺ كان اذا خرج الى مكة

---

۹ وفى سنن النسائى، كتاب مناسك الحج ، باب استقبال الحج ، رقم : ۲۸۴۵،

۱۰ فتح البارى، ج :۳، ص : ۶۱۹ ، وعمدة القارى، ج : ۷، ص : ۴۳۵.

یصلی فی مسجد الشجرۃ ، وذا رجع صلی بذی الحلیفۃ ببطن الوادی وبات حتی یصبح . [راجع :۴۸۴]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ جب مدینہ سے مکہ روانہ ہوتے تو شجرہ کی مسجد میں نماز پڑھا کرتے اور مکہ سے لوٹ کر آتے تو ذوالحلیفہ میں نالے کے نشیب میں نماز پڑھتے پھر رات کو صبح تک وہیں رہ جاتے۔

"ذوالحلیفۃ" ۔ یہ درخت ذوالحلیفہ کے قریب تھا آپ ﷺ اسی رستہ مکہ تشریف لے جاتے، امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد آداب سفر کو بیان کرنا ہے۔

(۱۵) باب الدخول بالعشی

شام کو گھر آنا

۱۸۰۰ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل : حدثنا همام ، عن اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحۃ ، عن أنس ﷺ قال : کان النبی ﷺ لا یطرق أهله ، کان لا یدخل الا غدوۃ أو عشیۃ . [راجع : ۴۴۳]

حضرت انس بن مالک ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سفر سے واپسی میں رات کو اپنے گھر والوں کے پاس نہیں آتے، آپ ﷺ صبح کو آتے یا شام کو زوال سے لے کر غروب تک، امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کو گھر نہیں جاتے تھے بس صبح کو یا شام کو تا کہ گھر والی اپنے آپ کو کنگھی وغیرہ سے سنوارے۔

(۱۶) باب : لایطرق أهله اذا بلغ المدینۃ

جب آدمی اپنے شہر میں آئے تو رات کو گھر نہ جائے

۱۸۰۱ ۔ حدثنا مسلم بن ابراهیم : حدثنا شعبۃ : عن محارب ، عن جابر ﷺ قال: نهی النبی ﷺ أن یطرق أهله لیلاً . [راجع : ۴۴۳]

مسئلہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد باب سے بالکل ظاہر ہے کہ رات کے وقت گھر نہ جائے معلوم نہیں کہ کس حال میں ہو، البتہ دن کے وقت صبح یا شام کو جائے۔

یہ ممانعت مکروہ تنزیہی ہے، نا جائز وحرام نہیں ہے۔[۱۱]

(۱۷) باب من أسرع ناقته إذا بلغ المدینۃ

جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اپنی سواری تیز کردے

۱۸۰۲ ۔ حدثنا سعید بن أبی مریم : أخبرنا محمد بن جعفر قال: أخبرنی حمید

[۱۱] عمدۃ القاری ، ج: ۷،ص: ۴۳۷.

أنه سمع أنسا ﷺ يقول: كان النبی ﷺ إذا قدم من سفر فأبصر درجات المدينة أوضع ناقة، وإن كانت دابة حركها . قال أبو عبداللّٰه : زاد الحارث بن عمير عن حميد : حركها من حبها.

حدثنا قتيبة قال: حدثنا إسماعيل، عن حميد ، عن أنس قال: ((جدرات)). تابعه الحارث بن عمير. [أنظر: ۱۸۸۶]. ؎۱۲

مدینہ سے آنحضرت ﷺ کی محبت

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس آتے اور مدینہ منورہ کی چڑھائیاں دیکھتے تو اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے اور اگر کوئی جانور ہوتا تو اسے ایڑ لگاتے۔

"**جدرات**" کے بجائے "**درجات**" کا لفظ استعمال کیا دیواروں کے بارے میں یعنی مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے جب دور سے آثار نظر آتے تو آپ ﷺ سواری کو چلا کر تیز کر دیتے تھے۔

(۱۸) باب قول اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ [البقرة: ۱۸۹]

۱۸۰۳ ۔ حدثنا أبو الوليد : حدثنا شعبة : عن أبی اسحاق قال : سمعت البراء ﷺ يقول : نزلت هذه الآية فينا ، كانت الأنصار اذا حجوا فجاو لم يدخلوا من قبل أبواب بيوتهم ولكن من ظهورها . فجا رجل من الأنصار فدخل من قبل بابه ، فكانه عيّر بذلك . فنزلت :﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ﴾[البقرة : ۱۸۹] .[أنظر : ۴۵۱۲]

اہل عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ احرام باندھنے کے بعد کسی ضرورت سے واپس گھر آنا پڑتا تو گھر کے دروازے سے داخل ہونے کے بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر یا سیڑھی لگا کر داخل ہوتے تھے۔

بعض حضرات نے اس رواج کو انصار کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ تمام اہل عرب کا یہی رواج تھا، صرف حمس اس سے مستثنیٰ تھے کہ وہ دروازوں سے داخل ہو سکتے تھے، چنانچہ یہ صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت جابر ﷺ کی روایت ہے کہ اس آیت کریمہ سے اس جاہلی رسم کا خاتمہ کیا گیا۔ ؎۱۳

؎۱۲ وسنن الترمذی ، کتاب الدعوات عن رسول اللّٰه ، باب مایقول اذا قدم من السفر ، رقم : ۳۳۶۳، ومسند احمد ، باقی مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالک ، رقم : ۱۲۱۵۸ .

؎۱۳ وقد روى ابن خزيمة والحاكم فی (صحيحيهما) من طريق عمار بن زريق عن الأعمش عن أبی سفيان عن جابر قال: كانت قريش تدعى الحمس وكانوا يدخلون من الأبواب فی الاحرام ، وكانت الأنصار و سائر العرب لايدخلون من الأبواب ، فبينما رسول اللّٰه ﷺ ، فی بستان فخرج من بابه ، .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

(۱۹) باب : السفر قطعة من العذاب

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے

۱۸۰۴ ـ حدثنا عبداللہ بن مسلمة : حدثنا مالک، عن سمیّ، عن أبی صالح، عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ((السفر قطعة من العذاب، یمنع أحدکم طعامه وشرابه ونومه، فإذا قضی نهمته فلیعجل إلی أهله. [أنظر: ۳۰۰۱، ۵۴۲۹]. ۱۴

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، تمہیں کھانے، پینے اور سونے سے روک دیتا ہے اس لئے جب آدمی اپنا کام پورا کرلے تو سفر سے جلدی اپنے گھر واپس لوٹ آئے۔

"فإذا قضی نهمته" - "نهمة" کے معنی حاجت ہیں یعنی جب اپنا کام پورا ہو جائے تو پھر واپس جاؤ، سفر کوئی ایسی چیز نہیں جو بلا وجہ اختیار کیا جائے۔

(۲۰) باب المسافر اذا جد بی السیر ویعجل الی أهله

مسافر جب جلد چلنے کی کوشش کر رہا ہو اور اپنے گھر میں جلدی پہنچنا چاہے

۱۸۰۵ ـ حدثنا سعید بن أبی مریم : أخبرنا محمد بن جعفر قال : أخبرنی زید بن أسلم ، عن أبیه قال : کنت مع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما بطریق مکة فبلغه عن صفیة بنت أبی عبید شدة وجع فأسرع السیر حتی اذا کان بعد غروب الشفق نزل فصلی المغرب والعتمة جمع بینهما، ثم قال : انی رأیت النبی ﷺ اذا جد به السیر أخر المغرب وجمع بینهما. [راجع : ۱۰۹۱]

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... فخرجه معه قطبة بن عامر الأنصاری ، فقالوا : یا رسول اللہ ﷺ ان قطبة رجل فاجر ، فانه خرج معک من الباب . فقال : ماحملک علی ذلک ؟ قال : رأیتک فعلته ففعلت کما فعلت ، قال : انی أحمس . قال : فان دینی دینک ، فأنزل اللہ تعالیٰ هذه الآیة ، عمدة القاری ، ج :۷، ص: ۴۳۹، دارالفکر ، بیروت ، ۱۴۱۸ھ ، والمستدرک علی الصحیحین ، ج : ۱، ص: ۶۵۷، رقم الحدیث : ۱۷۷۷ ، دارالکتب العلمیة ، بیروت ، ۱۴۱۱ھ ، و صحیح ابن خزیمة ، ج :۴، ص: ۳۵۳ ، رقم الحدیث : ۳۰۵۸ ، المکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء .

۱۴ وفی صحیح مسلم ، کتاب الأمارة ، باب السفر قطعة من العذاب واستحباب تعجیل المسافر الی أهله بعد قضاء شغله ، رقم : ۳۵۵۴ ، وسنن ابن ماجه ، المناسک ، باب الخروج الی الحج ، رقم : ۲۸۷۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۶۹۲۷ ، ۹۳۶۳ ، ۱۰۰۴۱ ، وموطأ مالک ، کتاب الجامع ، باب مایؤمر به من العمل فی السفر ، رقم : ۱۵۵۲ ، وسنن الدارمی ، کتاب الاستئذان ، باب السفر قطعة من العذاب ، رقم : ۲۵۵۴ .

حضرت اسلم بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ کے راستے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ان کو صفیہ بنت عبید اپنی بیوی کی سخت بیماری کی خبر پہنچی تو وہ بہت تیز چلے، یہاں تک کہ جب شفق غروب ہونے لگا تو سواری سے اترے اور مغرب اور عشاء ملا کر پڑھا پھر فرمانے لگے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ کو جلد چلنے کی ضرورت ہوتی تو مغرب کی نماز میں دیر کرتے اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھ لیتے۔[۱۵]

اس حدیث میں جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے، پھر ذکر ہے **"ثم فلما یلبث"** تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے پھر عشاء قائم کرتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جمع صوری تھی اس واسطے کہ اگر جمع حقیقی ہوتی تو پھر ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ابو داؤد اور دارقطنی کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ ٹھہرنا اس لئے ہوتا تھا کہ شفق غائب ہو جائے اور جب شفق غائب ہو جاتی تو پھر عشاء پڑھتے۔[۱۶]

[۱۵، ۱۶] أن ابن عمر استصرخ علي صفية وهو بمكة فسار حتى غربت الشمس وبدت النجوم فقال إن النبي ﷺ كان إذا عجل به أمر فى سفر جمع بين هاتين الصلاتين فسار حتى غاب الشفق فنزل فجمع بينهما ، سنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين ، رقم : ۱۰۲۱ ، وسنن الدارقطني ، باب الجمع بين الوقوف فى السفر ، رقم : ۸ ، ج : ۱ ، ص: ۳۹۰.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۷ - کتاب المحصر

و قول اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ [البقرة: ۱۹۶]

ترجمہ: اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔

آیت کی تشریح ۔ دم احصار

"فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ"۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے حج یا عمرہ شروع کیا یعنی اس کا احرام باندھا تو اس کا پورا کرنا لازم ہوگیا، بیچ میں چھوڑ بیٹھے اور احرام سے نکل جائے یہ نہیں ہوسکتا، لیکن اگر کوئی دشمن یا مرض کی وجہ سے بیچ ہی میں رک گیا اور حج وعمرہ نہیں کرسکتا تو اس کے ذمہ پر ہے قربانی جو اس کو میسر آئے، جس کا ادنیٰ مرتبہ ایک بکری ہے، اس قربانی کو کسی کے ہاتھ مکہ کو بھیجے، اور یہ مقرر کردے کہ فلاں روز اس کو حرم مکہ میں پہنچ کر ذبح کردینا، اور جب اطمینان ہو جائے کہ اب اپنے ٹھکانے یعنی حرم میں پہنچ کر اس کی قربانی ہوچکی ہوگی اس وقت سر کی حجامت کرادے، اس سے پہلے ہرگز نہ کرائے، اس کو دم احصار کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ سے رکنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔[1]

وقال عطاء: الاحصار من كل شيء بحبسه قال أبو عبدالله: ﴿حصورا﴾ [آل عمران: ۳۹] لايأتي النساء.

امام بخاری رحمہ اللہ نے احصار کے سلسلے میں کچھ ابواب قائم کئے ہیں، اس میں چند امور فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہیں جو اپنے مواقع پر آئیں گے، لیکن پہلا جو بنیادی اختلاف ہے وہ اس میں ہے کہ احصار کن چیزوں سے متحقق ہوتا ہے۔

[1] تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۶، فائدہ: ۹۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ احصار صرف عدو سے متحقق ہوتا ہے یعنی کوئی دشمن آجائے اور آدمی کو آگے بڑھنے سے روک دے تو احصار متحقق ہوگا اور اس پر احصار کے احکام جاری ہوں گے، اس کے علاوہ اور کوئی چیز ان کے ہاں احصار کا سبب نہیں بن سکتی، مثلاً یہ کہ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو بیماری سے ان کے ہاں احصار متحقق نہیں ہوتا۔ [۲]

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ احصار اس عمل سے متحقق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان کے لئے آگے بڑھنا ممکن نہ رہے چاہے وہ دشمن ہو یا بیماری ہو بلکہ حنفیہ یہاں تک کہتے ہیں کہ عورت اپنے محرم کے ساتھ جارہی تھی اور محرم کسی وجہ سے مفقود ہو گیا تو بھی احصار متحقق ہو گیا۔

حنفیہ کا مسلک لغتاً، روایتاً اور درایتاً ہر اعتبار سے راجح ہے۔

لغتاً اس وجہ سے راجح ہے کہ یہ جو فرمایا گیا کہ **"فإن أحصرتم"** تو اس کے معنی ہیں اگر تمہیں روک دیا جائے **" فما استيسر من الهدى"** تو اہل لغت یہ کہتے ہیں کہ اگر دشمن روکے تو اس کے لئے عام طور پر لفظ **"حصر"** مجرد استعمال ہوتا ہے اور باب افعال کا صیغہ عام طور پر بیماری وغیرہ سے رک جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے **"احصره العدو"** نہیں کہتے بلکہ **"حصره العدو"** کہتے ہیں اور **"أحصره المرض"** استعمال ہوتا ہے، تو اللہ ﷻ نے یہ لطیف تعبیر اختیار فرمائی کہ شان نزول تو ہے **" عدو"** لیکن لفظ استعمال کیا **"احصرتم"** تا کہ عدو کا حکم ثابت ہو جائے سنت سے اور مرض کا حکم ثابت ہو جائے قرآن کریم کے لفظ **"احصار"** سے تو اس طرح لغتاً حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔ [۳]

روایتاً اس لئے راجح ہے کہ ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **" قال : رسول الله ﷺ: من كسر أوعرج فقد حل، وعليه حجة أخرىٰ فذكرت ذلك لأبي هريرة وابن عباس، فقالا: صدق"** کہ اگر کسی شخص کی ہڈی ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو سکتا ہے اور

---

[۲] و رواه الشافعي في (مسنده) عن ابن عباس : لاحصر الا حصر العدو . فأما من أصابه مرض أو وجع أو ضلال فليس عليه شيء . احكام القرآن للشافعي ، ج : ۱ ، ص : ۱۳۱ ، و عمدة القارى ، ج : ۷، ص : ۴۴۷، ومسند الشافعي، ج : ۱، ص: ۳۶۷ ، دارالكتب العلمية ، بيروت .

[۳] وتفسير القرطبي ، ج : ۲، ص : ۳۷۱ ، واحكام للقرآن للجصاص ، ج : ۱ ، ص : ۳۳۴ ، داراحياء التراث العربي ، بيروت ، ۱۴۰۵ هـ ، عمدة القارى ، ج : ۷، ص : ۴۴۵.

اس پر دم واجب ہوگا تو اس پر احصار کے احکام حضور ﷺ نے جاری فرمائے حالانکہ یہاں عدو نہیں ہے بلکہ ہاتھ پاؤں ٹوٹنے والی بات ہے، اس لئے روایتاً بھی حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔ [۴]

درایتاً اس لئے راجح ہے کہ احصار کی اصل علت آگے بڑھنے سے مجبور ہو جانا ہے کہ آدمی آگے نہیں بڑھ سکتا اور یہ علت ہر صورت میں پائی جاتی ہے چاہے عدو ہو، مرض ہو یا اور کوئی سبب ہو، اس لئے جو احصار کی علت عدو میں پائی جاتی ہے وہی علت مرض میں بھی پائی جاتی ہے، تو دونوں صورتوں میں حج سے مانع ہے اس لئے درایتاً بھی حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔

پھر چونکہ امام شافعی رحمہ اللہ عدو کے علاوہ کسی اور صورت میں احصار کے متحقق کے قائل نہیں ہیں اس لئے یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر اور کوئی مجبوری پیدا ہو جائے تو آدمی کیا کرے؟ تو کہتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی احرام باندھتے وقت یہ کہے کہ یا اللہ! میں احرام باندھ تو رہا ہوں لیکن میں یہ شرط لگاتا ہوں کہ اگر آگے بڑھنے سے مجھے کوئی رکاوٹ پیش آ گئی تو میں وہاں پر حلال ہو جاؤں گا، جس کے لئے کہا جاتا ہے کہو **"اللّٰھم محلی من الأرض من حیث تحبسنی"** کہ میں زمین کے اس حصہ میں جا کر حلال ہو جاؤں گا جہاں پر آپ مجھے آگے بڑھنے سے روک دیں یعنی آگے بڑھنے سے رکنے کا کوئی قدرتی سبب پیدا ہو جائے یہ شرط لگا لے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

امام شافعی رحمہ اللہ اس بارے میں ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں احرام باندھتے وقت شرط لگا لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا لگا لو، تو انہوں نے پوچھا کہ میں کس طرح کہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کہو **"اللّٰھم محلی من الان من حیث تحبسنی"** اس سے امام شافعی رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں۔

---

[۴] و احتج أبو حنيفة ومن تابعه في ذلك بما رواه الامام أحمد : حدثنا يحيى بن سعيد ..... قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((من كسر أو عرج فقد حل وعليه حجة أخرى ، قال : فذكرت ذلك لابن عباس وأبي هريرة فقالا : صدق)) . فقد أخرجه الأربعة من حديث يحيى بن أبي كثير به . وفي رواية لأبي داؤد و ابن ماجة : ((من عرج أو كسر أو مرض))، فذكر معناه ، ورواه عبد بن حميد في (تفسيره) ، ثم قال : وروى عن ابن مسعود وابن ابن الزبير وعلقمة وسعيد بن المسيب وعروة بن الزبير ومجاهد و النخعي وعطاء ومقاتل بن حبان أنهم قالوا : الاحصار من عدو أ مرض أو كسر . عمدة القارى ، ج : ۷، ص: ۴۴۷، و سنن الترمذى ، كتاب الحج عن رسول الله ﷺ ، باب ماجاء في الذى يهل بالحج فيكسر أو يعرج ، رقم : ۹۴۰، ج : ۳، ص: ۲۷۷، داراحياء التراث العربى ، بيروت ، والمغنى لابن قدامة، ج : ۳ ، ص: ۱۷۷ ، دارالفكر ، بيروت ، ۱۴۰۵ هـ .

حنفیہ کا جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ اشتراط کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور احصار ہر صورت میں متحقق ہو جاتا ہے، لہٰذا اشتراط مشروع نہیں، اور ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہما کے واقعے کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ محض آپ ﷺ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا اور وہ بیچاری بیمار رہتی تھیں، وسوسوں کا شکار تھیں کہ اگر میں احرام باندھ کر گئی اور بیمار ہوگئی تو میں کیا کرونگی تو آپ نے ان کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ ٹھیک ہے شرط لگالو۔

یہ شرط لگانا باقاعدہ کوئی مناسک کا حصہ نہیں ہے اور اس معاملے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث کتاب الحج میں کہیں نہیں لائے اور کتاب النکاح میں یہ حدیث لائے ہیں اور "**باب الاکفاء فی الدین**" میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "**کفو**" دین کے اندر معتبر ہے اور یہ اس واسطے کہ اس حدیث میں ہے کہ ضباعہ بنت زبیر مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور مقداد بن اسود ان کے قبیلے کے نہیں تھے تو دین کے اعتبار سے کفاءت ہوئی تھی، تو یہ حدیث یہاں نہیں لائے تو معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اشتراط کے قائل نہیں، یہ ایک بنیادی اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا۔

دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ جب احصار متحقق ہو جائے تو حنفیہ کہتے ہیں کہ ہدی کو حرم میں بھیجنا ضروری ہے، جہاں احصار متحقق ہو وہاں قربان کرنے سے کام نہیں چلے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرم بھیجنا ضروری نہیں بلکہ جہاں احصار متحقق ہو وہیں قربان کرسکتا ہے اور دوسرا یہ کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ہدی جب تک حرم پہنچ کر قربان نہ ہو جائے اس وقت تک حلق کرنا اور حلال ہونا جائز نہیں جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہیں قربانی کرے فوراً حلال ہو جائے۔

حنفیہ کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے " **وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ** " اگر وہیں پر قربان کرنی ہوتی تو "**حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ**" کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اس کے علاوہ دوسری آیت کریمہ میں "**ثُمَّ محلها الى البيت العتيق**" فرمایا گیا ہے جو "**محل**" کی تفسیر ہے، یعنی قربانی **بیت عتیق** کے پاس یعنی حدودِ حرم میں ہونی چاہیئے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا احصار حدیبیہ میں ہوا تھا اور آپ نے حدیبیہ ہی میں ہدی قربان کی۔

اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حدیبیہ آج بھی جا کر دیکھ لو! اس کا کچھ حصہ حرم میں ہے، روایتیں اس میں مختلف ہیں کہ حدیبیہ میں آپ کا قیام کس جگہ ہوا تھا۔

مصنف بن ابی شیبہ میں حضرت عطاء سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ کے حرم والے حصہ میں قیام فرمایا تھا اور ظاہر یہی ہے کہ وہیں نحر بھی فرمایا۔[۵]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قیام حل میں تھا، مگر نماز آپ ﷺ

حرم میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔[۶]

حدیبیہ میں جس جگہ حدود حرم شروع ہوتی ہیں وہاں عرصہ پہلے میں نے ایک چھوٹی سی مسجد بنی دیکھی تھی اور علاقے میں یہ مشہور تھا کہ آپ ﷺ کا قیام حدیبیہ کے زمانے میں یہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بہر حال جب نماز تک کے لئے آپ ﷺ حرم جاتے تھے تو قربانی بطریق اولیٰ حرم میں کی ہوگی۔

(۱) باب : إذا أحصر المعتمر

جب عمرہ کرنے والے کو روکا جائے

۱۸۰۶ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن نافع : أن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما خرج إلى مكه معتمراً فی الفتنة قال : إن صددت عن البيت صنعت كما صنعنا مع رسول الله ﷺ ، فأهل بعمرةٍ من أجل أن رسول الله ﷺ كان أهل بعمرة عام الحديبية . [۷]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سارے احکام اسی ایک حدیث سے نکالے ہیں جو آپ بار بار پڑھیں گے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حج کا ارادہ کرلیا تھا، بیٹے نے کہا کہ اس سال حجاج کا فتنہ ہونے والا ہے قتال ہو جائے گا، لہٰذا آپ چھوڑ دیجئے اور حج پر نہ جائیں تو انہوں نے کہا کہ میں کیوں نہ جاؤں، میں وہی کروں گا جو حضور ﷺ نے کیا تھا۔ یہ وہی حدیث ہے اس کو سب جگہ لا رہے ہیں۔

۱۸۰۷ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد بن أسماء : حدثنا جويرية ، عن نافع : أن عبيداللہ بن عبداللہ وسالم بن عبداللہ أخبراه أنهما كلما عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما ليالى نزل الجيش بابن الزبير فقالا : لايضرك أن لاتحج العام وانا نخاف أن يحال بينك وبين البيت ، فقال : خرجنا مع رسول الله ﷺ فحال كفارا قريش دون البيت فنحر النبی ﷺ هديه وحلق رأسه وأشهدكم أنی قد أوجبت عمرة ، ان شاء اللہ انطلق فان خلى بينی و بين طفت . و ان حيل بينی و بينه فعلت النبی ﷺ و أنا معه . فأهل بالعمرة

[۵،۶] عن المسور بن مخرمة ثم أن رسول الله ﷺ نحر يوم الحديبية قبل ان يحلق و أمر أصحابه بذلک ، شرح معانی الآثار للطحاوی ، ج : ۲، ص : ۲۴۹ ، دارالکتب العلمية ، بيروت ، ۱۳۹۹ھ .

[۷] وفی سنن النسائی ، كتاب مناسک الحج ، باب فيمن أحصر بعدو ، رقم : ۲۸۱۰ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۲۵۰ ، ۴۳۶۸ ، ۴۹۱۸ ، ۵۰۴۶ ، ۵۰۷۰ ، ۶۱۰۲ ، وسنن الدارمی ، كتاب المناسک ، باب فی المحصر بعدو ، رقم : ۱۸۱۵ .

من ذی الحلیفة ثم سار ساعة ثم قال : انما شأنهما واحد، أشهد کم أنی قد أوجبت حجة مع عمرتی ، فلم یحل منهما حتی دخل یوم النحر وأهدی ، وکان یقول : لا یحل حتی یطوف . طوافاً واحداً یوم یدخل مکة . [راجع : ۱۶۳۹]

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ ان دونوں نے جس زمانہ میں ابن زبیر پر لشکر کشی ہوئی تھی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور کہا کہ اس سال حج نہ کرنے میں آپ ﷺ کے لئے کوئی نقصان نہیں اور ہمارے لئے خطرہ ہے کہ آپ ﷺ کے درمیان اور خانہ کعبہ کے درمیان رکاوٹ ہوگی۔

انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو کفار قریش خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے مزاحم ہوئے، نبی کریم ﷺ نے اپنی ہدی کو ذبح کیا اور اپنا سر منڈایا۔ عبداللہ نے کہا کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اپنے اوپر عمرہ کو واجب کیا ہے اللہ جل جلالہ نے چاہا تو میں جاتا ہوں اگر راستہ میں میرے اور خانہ کعبہ کے درمیان رکاوٹ نہ ہوئی تو میں خانہ کعبہ کا طواف کروں گا، اگر مجھے لوگوں نے وہاں داخل ہونے سے روکا تو میں وہی کروں گا، جس طرح نبی کریم ﷺ کیا تھا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔

چنانچہ ذی الحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا پھر تھوڑی دیر چلے پھر کہا کہ دونوں کا ایک ہی حال ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ حج واجب کرلیا پھر ان دونوں کے احرام سے باہر نہ ہوئے یہاں تک کہ قربان کا دن آ گیا اور ہدی بھیج چکے اور کہتے تھے کہ احرام سے باہر نہ ہو جب تک کہ مکہ میں داخل ہو کر ایک طواف زیارت کا نہ کرے۔

۱۸۰۸ ۔ حدثنی موسی بن اسماعیل: حدثنا جویریة ،عن نافع : أن بعض بنی عبداللہ قال له : لو أقمت بهذا . [راجع : ۱۶۳۹]

۱۸۰۹ ۔ حدثنا محمد : حدثنا یحیی بن صالح : حدثنا معاویة بن سلام : حدثنا یحیی بن أبی کثیر ،عن عکرمة قال : فقال ابن عباس رضی اللہ عنهما : قد أحصر رسول اللہ ﷺ فحلق رأسه وجامع نسائه ونحر هدیه حتی اعتمر عاماً قابلاً .

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ جانے سے روک دیئے گئے تو آپ ﷺ نے اپنا سر منڈایا اپنی بیویوں سے صحبت کی اور ہدی کی قربانی کی یہاں تک کہ دوسرے سال عمرہ کیا۔

(۲) باب الاحصار فی الحج

حج میں روکے جانے کا بیان

۱۸۱۰ ۔ حدثنا أحمد بن محمد : أخبرنا عبداللہ : أخبرنا یونس عن الزهری قال: أخبرنی سالم قال : کان ابن عمر رضی اللہ عنهما یقول : ألیس حسبکم سنة رسول اللہ

ﷺ ؟ ان حُبس أحدكم عن الحج طاف بالبيت وبالصفا والمروة ثم حل من كل شيء حتى يحج عاماً قابلاً فيهدي أو يصوم ان لم يجد هديا . وعن عبدالله قال : أخبرنا معمر عن الزهري قال : حدثني سالم عن ابن عمر نحوه .[راجع : ۱۶۳۹]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت کافی نہیں اگر تم میں سے کوئی شخص حج سے روک دیا جائے تو خانہ کعبہ اور صفا مروہ کا طواف کرے، پھر ہر چیز کی حرمت سے باہر ہو جائے یہاں تک کہ دوسرے سال کرے اور ہدی بھیجے یا اگر ہدی نہ ملے تو روزے رکھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں احصار صرف عمرہ میں واقع ہوا ہے، تو علماء نے اس پر حج کو قیاس کر لیا۔ [۸]

(۳) باب النحر قبل الحلق في الحصر

روکے جانے کی صورت میں سر منڈانے سے پہلے قربانی کرنے کا بیان

۱۸۱۱ ـ حدثنا محمود: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن عروة، عن المسور رضی اللہ عنہ: أن رسول الله ﷺ نحر قبل أن يحلق وأمر أصحابه بذلك. [راجع : ۱۶۹۴]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے سر منڈانے سے پہلے قربانی کی اور اپنے اصحاب کو اس کا حکم دیا۔

۱۸۱۲ ـ حدثني محمد عبدالرحيم : أخبرنا أبو بدر شجاع بن الوليد ، عن عمر بن محمد العمري قال : وحدث نافع : أن عبدالله وسالما كلما عبدالله بن عمر رضي الله عنهما فقال : خرجنا مع النبي ﷺ معتمرين فحال كفار قريش دون البيت فنحر رسول الله ﷺ بدنه وحلق رأسه .[راجع : ۱۶۳۹]

اس حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے کہ جب کافروں نے بیت اللہ جانے سے روک دیا تو آنحضرت ﷺ نے اونٹوں کو نحر کیا اور اپنا سر منڈا لیا۔

(۴) باب من قال: ليس على المحصر بدل

اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے کہ محصر پر کوئی بدل لازم نہیں

وقال روح: عن شبل، عن ابن أبي نجيح ، عن مجاهد، عن ابن عباس رضي الله

---

[۸] فقال العلماء الحج على ذلك ، وهو من الحاق بنفي الفارق وهو من أقوى الأقيسة . قلت : وهذا ينبني على أن مراد ابن عمر بقوله (سنة نبيكم) قياس من يحصل له الاحصار وهو حاج على من يحصل له في الاعتمار ، لأن الذي وقع للنبي ﷺ هو الاحصار عن العمرة ، فتح الباري، ج : ۴، ص: ۸.

عنهما : إنما البدل على من نقض حجه بالتلذذ، فأما من حبسه عذر أو غير ذلك فإنه يحل ولا يرجع ، وإذا كان معه هدى وهو محصر نحره إن كان لا يستطيع أن يبعث وإن استطاع أن يبعث به لم يحل حتى يبلغ الهدى محله. وقال مالك وغيره: ينحر هديه ويحلق في أي موضع كان ولا قضاء عليه لأن النبی ﷺ وأصحابه بالحديبية نحروا وحلقوا وحلوا من كل شيءٍ قبل الطواف وقبل أن يصل الهدى إلى البيت. ثم لم يذكر أن النبي ﷺ أمر أحدا أن يقضوا شيئا ولا يعودوا له. والحديبية خارج من الحرم.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر فرمایا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب احصار کی وجہ سے کوئی آدمی رک جائے اور اس کا حج یا عمرہ نفلی ہو تو ان کے نزدیک اب اس کی قضا واجب نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔

چنانچہ فرمایا "**انما البدل على من نقض حجه بالتلذذ**" بدل یعنی قضا اس پر واجب ہے جو لذت حاصل کرنے کے لئے حج میں کمی کردے مثلاً جماع کر کے احرام توڑ دیا تو قضا واجب ہے، "**فأما من حبسه عذر أو غير ذلك فانه يحل ولا يرجع**" لیکن عذر وغیرہ کی وجہ سے رک گیا تو وہ حلال ہو جائے گا اور پھر رجوع نہیں کرے گا یعنی قضا واجب نہیں ہوگی "**وإذا كان معه هدى وهو محصر نحره إن كان لايستطيع أن يبعث**" اور اگر وہ ہدی لے کر جا رہا ہے اور وہ محصر ہو گیا تو وہ اس کو قربان کر دے اگر حرم تک نہیں پہنچا سکتا۔

حنفیہ کا یہ اصول مشہور ہے کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے یعنی "**لا تبطلوا أعمالكم**" سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں۔

نیز "**وأتموا الحج والعمرة لله**" میں اتمام کو ضروری قرار دیا گیا تو جب شروع کر دیا تو اب پورا کرنا ضروری ہے۔

ایک بہت واضح دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حدیبیہ کے بعد اگلے سال عمرہ کیا اور اس کا نام بھی عمرۃ القضا ہے اور قضا اسی کی ہوتی ہے جو انسان کے ذمہ واجب ہو اور روایت میں یہ بھی صراحت آئی ہے کہ جب آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کا ارادہ کیا تو تمام صحابۂ کرام ﷺ میں اعلان کیا کہ جتنے لوگ حدیبیہ میں ساتھ تھے وہ سب چلیں۔ اگر قضا واجب نہ ہوتی تو اس طرح کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"وقال مالك وغيره: ينحر هديه ويحلق في أي موضع كان ولا قضاء عليه لأن النبي ﷺ وأصحابه بالحديبية نحروا وحلقوا وحلوا من كل شيءٍ قبل الطواف وقبل أن يصل الهدى إلى البيت. ثم لم يذكر أن النبي ﷺ أمر أحدا أن يقضوا شيئا ولا يعودوا له. والحديبية خارج من الحرم".

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہدی قربانی کرے اور حلق کرے جہاں چاہے، حرم بھیجنے کی ضرورت نہیں اور قضا بھی واجب نہیں **"لأن النبی وأصحابه بالحديبية نحروا وحلقوا وحلوا من كل شيء"**.[۹]

اس کا جواب گذر چکا ہے کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم تھا، اسی میں قربانی کی، **"ثم لم يذكر أن النبی ﷺ امر أحداً أن يقضوا شيئاً"** یہ عجیب باتِ کہہ دی کہ یہ منقول نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے کسی کو حکم دیا ہو کہ وہ قضا کرے اور دوبارہ لوٹ کر آئے حالانکہ عمرۃ القضا ہوا اور اس میں اعلان بھی فرمایا کہ سب لوگ چلیں، تو یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے۔[۱۰]

"والحديبية خارج من الحرم" اس سے حنفیہ کا جواب دینا چاہ رہے ہیں کہ حدیبیہ حرم سے خارج ہے، لیکن حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم سے خارج ہے اور کچھ حصہ حرم ہی میں ہے اور حدیبیہ کے واقعے میں یہ مذکور ہے کہ جب حدیبیہ میں آپ پہنچے تو آپ کی ناقہ قصوی بدکنے لگی تو لوگوں نے کہا **"خلئت القصوىٰ خلئت القصوىٰ"** آپ ﷺ نے فرمایا **"ما خلئت القصوىٰ وليس لها بعادة ولكنها حدلها حادث الفيل"** تو مطلب یہ ہے کہ حرم قریب آچکا ہے اور اللہ جل جلالہ حرم میں داخل ہونے سے پہلے اس کو روک رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ حرم بالکل قریب تھا، اب بھی جو چاہے جا کر دیکھ لے کہ آدھا حرم میں ہے اور آدھا باہر ہے۔ آج کل اس کو شُمیسی کہتے ہیں، جدہ سے جب مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو راستے میں یہ شُمیسی پڑتا ہے۔[۱۱]

---

[۹] الذی قال مالک مذكور فی (مؤطئه) ولفظه : ((أنه بلغه أن رسول الله ﷺ حل هو وأصحابه بالحديبية فنحروا الهدى وحلقوا رؤوسهم وحلوا من كل شیء قبل أن يطوفوا بالبيت ، وقبل أن يصل اليه الهدى)) . ثم لم نعلم أن رسول الله ﷺ أمر أحداً من أصحابه ولا ممن كان معه أن يقضوا شيئاً ، ولا أن يعودوا لشيء ، عمدة القارى ، ج :۷، ص:۴۵۷، وموطأ مالک ، كتاب الحج ، باب فيمن احصر بعدو ، رقم : ۸۰۰، ج : ۱ ، ص : ۳۶۰، دار احياء التراث العربی ، مصر .

[۱۰، ۱۱] قوله : ((والحديبية خارج الحرم))، قال الكرمانی : هذه الجملة تحتمل أن تكون من تتمة كلام مالک ، وأن تكون من كلام البخاری ، وغرضه الرد على من قال : لايجوز النحر حيث أحصر ، بل يجب البعث الى الحرم ، فلما الزموا بنحر رسول الله ﷺ أجابوا بأن الحديبية انما هی من الحرم ، فرد ذلک عليهم . انتهى . قلت : هذه الجملة سواء كانت من كلام مالک أو من كلام البخاری ، لاتدل على غرضه ، لأن كون الحديبية خارج الحرم ليس مجمعا عليه ، وقد روى الطحاوی من حديث الزهری عن عروة ((عن المسور : أن رسول الله ﷺ كان بالحديبية خباؤه فی الحل ومصلاه فی الحرم)). ولا يجوز فی قول أحد من العلماء لمن قدر على دخول شیء من الحرم أن ينحر هدية دون الحرم، وروى البيهقی من حديث يونس عن الزهری عن عروة بن الزبير عن مروان والمسور بن مخرمة قالا : ((خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية فی بضع عشرة مائة من أصحابه .....)) الحديث بطوله ، وفيه : ((وكان مضطربه فی الحل وكان يصلی فی الحرم)) . انتهى . عمدة القارى ، ج:۷،ص:۴۵۸، و شرح الكرمانی ،الجزء التاسع ، ص:۲۶ ، داراحياء التراث،بيروت ، سنن البيهقی الكبرىٰ ، رقم : ۹۸۵۶، ج : ۵، ص: ۲۱۵، مكتبة دارالباز ، مكة المكرمة ، ۱۴۱۴ھ.

۱۸۱۳۔ حدثنا اسماعیل : حدثنی مالک ، عن نافع : أن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال حین خرج الی مکة معتمرا فی الفتنة : ان صددت عن البیت صنعنا کما صنعنا مع رسول اللہ ﷺ . فاهل بعمرة من أجل أن النبی ﷺ کان أهل بعمرة عام الحدیبیة.ثم ان عبداللہ بن عمر نظر فی أمره فقال : ما أمرهما الا واحد . فالتفت الی أصحابه فقال : ما أمرهما الا واحد ، أشهدکم انی قد أوجبت الحج مع العمرة . ثم طاف لهما طوافا واحدا و رأی ان ذلک مجزی عنه وأهدی . [۱۶۳۹]

مقصدِ ترجمہ

مضمون حدیث سے ظاہر ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے حدیبیہ کا واقعہ مذکور ہے، کہ آپ ﷺ کو حدیبیہ میں کفار قریش نے روک دیا اور آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کسی صحابی کو اس عمرہ کے قضاء کا حکم دیا ہو، اس سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اخذ کرلیا کہ محصر پر بدل یعنی قضاء لازم نہیں اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۵) باب قول اللہ تعالیٰ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَو صَدِقَةٍ أَو نُسُكٍ﴾[البقرة:۱۹۶]

اللہ ﷻ کا ارشاد ''پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو اس پر فدیہ یعنی بدلہ لازم ہے: روزے یا خیرات یا قربانی''۔

وهو مخیر، فأما الصوم فثلاثة أیام.

امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ نقل کرنے کے بعد ترجمہ میں یہ اضافہ کیا ''**وهو مخیر**'' اس سے مقصد یہ ہے کہ آیت کے اندر ''او'' تخییر کے لئے ہے اگر ان اعذار کی وجہ سے محصر ہوا اور اگر بلا عذر قصداً ہوا تو مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

۱۸۱۴۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف قال : أخبرنا مالک، عن حمید بن قیس، عن مجاهد، عن عبدالرحمٰن بن أبی لیلی، عن کعب بن عجرة ﷛ عن رسول اللہ ﷺ أنه قال: ((لعلک آذاک هوامک؟)) قال: نعم یا رسول اللہ، فقال رسول اللہ ﷺ : ((احلق رأسک وصم ثلاثة أیام، أو أطعم ستة مساکین ،أو انسک بشاة)).[أنظر :۱۸۱۵،۱۸۱۶،۱۸۱۷،

۱۸۱۸، ۴۱۵۹، ۴۱۹۰، ۴۱۹۱، ۴۵۱۷، ۵۶۶۵، ۵۷۰۳، ۶۷۰۸]. [۱۲]

یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے اس وقت تک یہ پتہ نہیں تھا کہ بعد میں احرام بھی کھولنا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ ﷺ کے سر میں بہت جوئیں ہوگئی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہوں تو حلق کرلو اور تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا ایک بکری قربان کرو، اگر کوئی شخص حالت احرام میں حلق کرلے تو یہ اس کا فدیہ ہے۔

قرآن مجید میں مطلق صدقہ کا ذکر ہے، حدیث پاک نے اس کی تفسیر کردی، نیز امام بخاری رحمہ اللہ یہ روایت پیش کرکے امام حسن بصریؒ و دیگر تابعینؒ جو دس روزے کہتے ہیں ان پر رد کردیا، یہ حدیث باختلاف الفاظ تین طریقوں سے آرہی ہے۔

(۶) باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿أَوْ صَدَقَةٍ﴾ وهي: إطعام ستة مساكين

باری تعالیٰ کا قول "أو صدقة" سے مراد چھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے

۱۸۱۵ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا يوسف قال: حدثني مجاهد قال: سمعت عبدالرحمٰن بن أبي ليلى أن كعب بن عجرة حدثه قال: وقف عليّ رسول الله ﷺ بالحديبية ورأسي يتهافت قملا فقال: ((يؤذيک هوامک؟)) قلت: نعم، قال: ((فاحلق رأسک))، أو: ((احلق))، قال: في نزلت هذه الآية: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ [البقرة: ۱۹۶] إلى آخرها فقال النبي ﷺ: ((صم ثلاثة أيام، أو تصدق بفرق بين ستة، أو نسک مما تيسر)). [راجع: ۱۸۱۴]

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ ﷺ نے بیان کیا کہ میرے پاس حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ ٹھہرے اور میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا تجھے جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے کہا ہاں! آپ

---

[۱۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز حلق الراس للمحرم اذا كان به أذى و وجوب الفدية، رقم: ۲۰۸۰، وسنن الترمذي، كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء في المحرم يحلق راسه في احرامه ماعليه، رقم: ۸۷۶، وكتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب من سورة البقرة، رقم: ۲۹۰۰، وسنن النسائي، كتاب مناسک الحج، باب في المحرم يؤذيه القمل في رأسه، رقم: ۲۸۰۳، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسک، باب في الفدية، رقم: ۱۵۸۲، وسنن ابن ماجه، كتاب المناسک، باب فدية المحصر، رقم: ۳۰۷۰، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، باب حديث كعب بن عجرة، رقم: ۱۷۴۱۳، ۱۷۴۲۲، ۱۷۴۲۹، وموطأ مالک، كتاب الحج، باب فدية من حلق قبل أن ينحر، رقم: ۸۳۴.

ﷺ نے فرمایا اپنا سر منڈا لے، ''احلق راسک'' کہا یا صرف ''احلق'' کہا۔ کعب بن عجرہ کا بیان ہے کہ یہ آیت ﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ﴾ آخر تک میرے ہی متعلق نازل ہوئی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین دن روزے رکھ لے یا ایک فرق چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کردے یا جو میسر ہو قربانی کردے۔

اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے:

(۱) تین روزے، یا

(۲) ایک فرق یعنی تین صاع اناج چھ فقیروں میں تقسیم، یا

(۳) قربانی۔

سوال: اگر کوئی شخص ہدی ساتھ نہ لے گیا ہو اور محصر ہو جائے تو محلِ احصار سے ہدی بھیجنا ضروری ہے یا فون وغیرہ کے ذریعے وہاں کروا سکتا ہے؟

جواب: ہدی بھیجنا ضروری نہیں، فون کے ذریعے بھی کروا سکتا ہے۔

(۷) باب: الاطعام فی الفدیة نصف صاع

فدیہ ہر مسکین کو نصف صاع غلہ دینا ہے

۱۸۱۶۔ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة، عن عبدالرحمٰن بن الاصبهانی، عن عبداللّٰه بن معقل قال: جلست الی کعب بن عجرة ﷺ فسألته عن الفدية، فقال: نزلت فی خاصة وهی لکم عامة. حملت الی رسول اللّٰه ﷺ والقمل يتناثر علی وجهی فقال: ((ما کنت أری الوجع بلغ بک ما أری، أو: ما کنت أری الجهد بلغ بک ما أری، تجد شاةً؟)) فقلت: لا، قال: ((فصم ثلاثه أيام، أو أطعم ستة مسكين لکل مسكين نصف صاع)).

[راجع: ۱۸۱۴]

اس حدیث میں بھی تین چیزوں کا ذکر ہے، البتہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فدیہ مثل صدقۃ الفطر کے ہے، یعنی گیہوں نصف صاع باقی جو یا کھجور ایک صاع۔

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ''**لکل مسکین نصف صاع من کل شیء**'' یعنی گیہوں میں مثل تمر و شعیر ہے۔

(۸) باب: النسک شاةٌ

''نسک'' سے مراد بکری ہے

۱۸۱۷۔ حدثنا اسحاق: حدثنا روح: حدثنا شبل: عن ابن أبی نجیح، عن مجاهد قال: حدثنی عبدالرحمٰن بن أبی ليلٰی، عن کعب بن عجرة ﷺ: أن رسول اللّٰه ﷺ رآه وأنه

يسقط على وجهه فقال : ((أيوذيك هوامك ؟)) قال : نعم ، فأمره أن يحلق وهو بالحديبية ، ولم يتبين لهم أنهم يحلون بها وهم على طمع أن يدخلوا مكة فأنزل الله الفدية فأمره رسول الله ﷺ أن يطعم فرقا بين ستة أو يهدى شاة أو يصوم ثلاثة أيام. [راجع : ۱۸۱۴]

۱۸۱۸ ـ وعن محمد بن يوسف :حدثنا ورقاء ، عن ابن أبى نجيح عن مجاهد : قال : حدثنى عبدالرحمن بن أبى ليلى ،عن كعب بن عجرة ﷺ :أن رسول الله ﷺ رآه وقمله يسقط على وجهه ، مثله . [راجع :۱۸۱۴]

آپ ﷺ حدیبیہ میں تھے اور صحابہ کرام ﷺ کو ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ حدیبیہ ہی میں احرام کھول دیں گے اس لئے کہ صحابہ ﷺ اس امید پر تھے کہ مکہ میں داخل ہوں گے ، تب اللہ ﷻ نے فدیہ کی آیت نازل فرمائی۔

اور آپ ﷺ نے کعب کو حکم دیا کہ ایک فرق یعنی تین صاع اناج چھ فقیروں کو دیدے یا ایک بکری کو قربانی کرے یا تین دن روزے رکھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس حدیث باب سے آیات میں ''نسک'' سے مراد بکری ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

(۹) باب قول الله عزّ وجل: ﴿فَلاَ رَفَثَ﴾ [البقرة : ۱۹۷]

۱۸۱۹ ـ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا شعبة ، عن منصور ، عن أبى حازم ، عن أبى هريرة ﷺ قال : رسول الله ﷺ : ((من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كما ولدته أمه)).[راجع: ۱۵۲۱]

(۱۰) باب قول الله تعالى: ﴿ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَجِدَالَ فِيْ الْحَجِّ ﴾ [البقرة:۱۹۷]

۱۸۲۰ ـ حدثنا محمد بن يوسف : حدثنا سفيان ، عن منصور ، عن أبى حازم ،عن أبى هريرة ﷺ قال : قال النبى ﷺ : ((من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه)) . [راجع : ۱۵۲۱]

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس گھر یعنی خانہ کعبہ کا حج کرے اور شہوت آمیز فحش کلام نہ کرے اور نہ گناہ کرے تو ایسا پاک ہو کر لوٹے گا جیسا اس دن تھا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا۔

حج سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبائر بھی

شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا حاجی تمام گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، صغائر ہوں یا کبائر۔ اگر چہ اس میں کلام ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ بیت اللہ کے پاس انسان کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے، چونکہ تجلی باری تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے تو یقینی بات ہے کہ انسان تو بہ ضرور کرتا ہے اور حدیث میں صراحت ہے کہ **"التائب من الذنب کمن لا ذنب له"** البتہ حقوق العباد میں کلام ہے چونکہ صاحب حق کی رضامندی چاہیئے، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ ﷻ اس بندہ کے دل میں ڈال دے اور وہ معاف کردے۔[۱۳]

اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے اس بارے میں مفصل بحث کی ہے اور ان کا میلان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ حج سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔[۱۴]

اکثر علماء کے نزدیک بھی یہی راجح ہے، حدیث باب **"من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه"** سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی تائید میں لکھتے ہیں **"وظاهره غفران الصغائر والكبائر والتبعات"**۔[۱۵]

---

[۱۳] وفي رواية الترمذي : ((غفر له ما تقدم من ذنبه))، ومعنى اللفظين قريب ، وظاهره الصغائر والكبائر . وقال صاحب (المفهم) : هذا يتضمن غفران الصغائر والكبائر والتبعات ، ويقال : هذا فيما يتعلق بحق الله ، لأن مظالم الناس تحتاج الى استرضاء الخصوم . كذا ذكره العيني في عمدة القارى ، ج : ۷، ص: ۱۷۴ ، وسنن الترمذی ، کتاب الحج ، باب ماجاء في ثواب الحج والعمرة ، رقم : ۸۱۱ ، ج : ۳، ص: ۱۷۶ ، دار احياء التراث العربي ، بيروت.

[۱۴] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: البحر الرائق ، ج : ۲، ص: ۳۶۴ ، دار المعرفة ، بيروت .

[۱۵] فتح البارى ، ج :۳، ص: ۳۸۳ .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸ - کتاب جزاء الصید

(۱) باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ لا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ أَنْتُمْ حُرُمٌ ، وَ مَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّداً فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾ إلى قوله ﴿ وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِىَ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ [المائدہ: ۹۵-۹۶] [1]

(۲) باب: إذا صاد الحلال فأهدى للمحرم الصيد أكله

اگر کوئی حلال آدمی جو حالت احرام میں نہیں ہے وہ شکار کرے اور محرم کو شکار ہدیۃً پیش کرے تو اس کو کھانا تو جائز ہے، لیکن محرم کے لئے خود شکار کرنا جائز نہیں۔

ولم یر ابن عباس وأنس بالذبح بأساً وهو في غير الصيد نحو الإبل والغنم والبقر والدجاج والخيل، يقال: عدل مثل، فإذا كسرت ((عدل)) فهو زنة ذلك. ﴿قياماً﴾[المائدة :۹۷]: قواماً، ﴿يعدلون﴾ [الأنعام: ۱]: يجعلون له عدلا.

اس میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر محرم نے خود شکار تو نہیں کیا لیکن کسی حلال آدمی کے لئے شکار کی طرف اشارہ کر دیا یا دلالت کر دی کہ فلاں جگہ جانا وہاں پر تمہیں شکار ملے گا یا اعانت کر دی کہ اس کو کوئی ہتھیار وغیرہ اٹھا کر دے دیا کہ لو بھئی مارلو تو ایسی صورت میں اس کا کھانا محرم کے لئے جائز نہیں، البتہ جو شکار نہ خود محرم نے کیا، نہ اس میں اعانت کی، نہ دلالت کی، نہ اشارہ کیا اور پھر کسی حلال آدمی نے وہ شکار کر لیا تو پھر محرم کے لئے کھانا جائز ہے۔

---

[1] مُتَعَمِّداً۔ جان کر مارنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو، اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں، یہاں صرف "متعمدا" کا حکم بیان فرمایا کہ اس کے فعل کی جزا یہ ہے، اور خدا جو انتقام لے گا وہ الگ رہا۔ جیسا کہ "ومن عاد فينتقم الله منه" سے تنبیہ فرمائی، اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزاء تو بھی رہے گی یعنی "ہدی" یا "طعام" یا "صیام" البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالے گا۔

قال ابن بطال: اتفق أئمة الفتوىٰ من أهل الحجاز والعراق وغيرهم على أن المحرم اذا قتل الصيد عمداً فعليه الجزاء، فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۱، وتفسیر عثمانی، سورۂ مائدہ، آیت: ۹۵، فائدہ: ۵۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ ایک شرط اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حلال آدمی نے شکار کرتے وقت اس محرم کو کھلانے کی نیت نہ کی ہو، اگر شکاری نے شکار کرتے وقت محرم کو کھلانے کی نیت کی ہو تب بھی محرم کے لئے کھانا جائز نہ ہوگا اور وہ ترمذی کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں **"صید البر لکم حلال وأنتم حرم مالم تصیدوہ أو یصد لکم"** شکار تمہارے لئے اس وقت حلال ہے جب تک کہ تم نے خود شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو لیکن اگر تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو تو بھی حرام ہے۔ [۲]

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ [۳]

حنفیہ کا استدلال حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے حمار وحشی دیکھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ تم مجھے کوڑا دے دو، انہوں نے نہیں دیا، نیزہ مانگا، نیزہ بھی نہیں دیا، پھر انہوں نے خود تنہا جا کر حمار وحشی کو قتل کر دیا اور قتل کر کے اس کو ذبح کیا اور ذبح کر کے محرمین کو بھی کھلایا، محرمین کہنے لگے کہ پتہ نہیں ہمارے لئے کھانا جائز ہے کہ نہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ کھا سکتے ہو بلکہ فرمایا کہ مجھے بھی کھلاؤ، تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم نے کوئی اعانت وغیرہ تو نہیں کی تھی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے **"ھل أعنتم؟ ھل دللتم؟ ھل أشرتم؟"** جب انہوں نے کہا نہیں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھالو۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں پوچھا کہ جب تم شکار کر رہے تھے تو اس وقت ان کو کھلانے کی نیت تھی یا نہیں تھی، ظاہر یہی ہے کہ نیت تھی، اس واسطے کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سارا حمار وحشی خود تو نہیں کھا لیتے، یقیناً ان کے ذہن میں یہ تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کو بھی کھلاؤں گا۔

اور **"مالم تصیدوہ أو یصدلکم"** والی جو روایت ہے تو اول تو اس کی سند میں کلام ہے اور اگر مان لی جائے تو بعض روایتوں میں ہے **"أو یُصادَلکم"** اس میں "أوْ" بمعنی **"الاّ أن"** کے ہے۔

تو استثناء در استثناء ہو گیا، معنی یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو تو تمہارے لئے حلال ہے اور اگر اسی روایت کو لیا جائے جس میں **"مالم تصیدوہ أو یصدلکم"** کہا گیا ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ

---

[۲] أخرجه أبوداؤد، باب لحم الصید للمحرم، ج: ۱، ص: ۲۵۶، والنسائی، باب اذا اشار المحرم الی الصید فقتله الحلال، ج: ۲، ص: ۱۵.

[۳] أن لحم الصید مباح للمحرم اذا لم یعن علیه، وقال القشیری: اختلف الناس فی أکل المحرم لحم الصید علی مذاهب.

أحدها: أنه ممنوع مطلقاً صید لأجله أ لا، وهذا مذکور عن بعض السلف، دلیله حدیث الصعب بن جثامة.

الثانی: ممنوع ان صاده أو صید لأجله، سواء کان باذنه أبغیر اذنه، وهو مذهب مالک والشافعی.

الثالث: ان کان باصطیاده أو باذنه أو بدلالته حرم علیه، وان کان علی غیر ذلک لم یحرم، والیه ذهب أبو حنیفة. عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۴۸۵.

"یُصَدِ لکم بأمر کم باعانتکم" ابوقتادہ ؓ کی حدیث کی روشنی میں اس کی یہی تفسیر کی جائے گی۔

اس میں تیسرا مذہب امام اسحاق رحمہ اللہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ محرم کے لئے کچھ بھی حلال نہیں، چاہے حلال آدمیوں نے شکار کیا ہو اور انہوں نے نہ اعانت کی ہو، نہ دلالت کی ہو، نہ اشارہ کیا ہو اور نہ ان کے لئے شکار کیا گیا ہو تب بھی محرم کے لئے کھانا جائز نہیں۔

امام اسحاق رحمہ اللہ حضرت صعب بن جثامہ ؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ دوبارہ لا رہے ہیں کہ سفرِ حج میں صعب بن جثامہ ؓ حضور ﷺ کے پاس ہدیہ کے طور پر حمارِ وحشی لے کر آئے تو آپ ﷺ نے رد فرما دیا اور فرمایا کہ **"لیس بنا رد علیک وانا حرم"** ہم تمہاری ناراضگی کی وجہ سے تمہارا ہدیہ واپس نہیں کر رہے بلکہ ہم حالتِ احرام میں ہیں حالانکہ نہ تو وہ اعانت تھی، نہ دلالت تھی اور نہ کچھ تھا، نہ شکار کرتے وقت ان کی نیت یہ تھی کہ حضور ﷺ کو دیں گے، آپ ﷺ نے پھر بھی رد فرما دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حمارِ وحشی زندہ تھا اور زندہ حمارِ وحشی کو احرام کی حالت میں لے کر جانا ایک تو مشکل ہے اور دوسرا یہ کہ عام لوگ دیکھتے کہ حضور کے پاس حمارِ وحشی ہے تو سمجھتے کہ حضور نے شکار کیا ہے تو لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوتے، اس واسطے آپ ﷺ نے رد فرما دیا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر دوسرے حلال آدمی نے شکار کیا ہو تو محرم کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔

"ولم یر ابن عباس وأنس بالذبح بأساً وهو فی غیر الصیدنحو الإبل".

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت انس ؓ کے نزدیک ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، شکار کرنا تو محرم کے لئے حرام ہے، البتہ اگر اپنے پالتو جانوروں کو محرم ذبح کرے تو یہ جائز ہے مثلاً گائے، بیل، بکری وغیرہ۔

قرآن کریم میں عدل کا لفظ آیا ہے **"او عدلُ ذلک قیاما"** تو "عدل" کے معنی مثل کے ہیں، البتہ اگر عین کو کسرہ کے ساتھ عدل پڑھیں تو اس کے معنی وزن کے ہیں۔

۱۸۲۱ـ حدثنا معاذ بن فضالة : حدثنا هشام ، عن یحیی، عن عبداللّٰه ابن أبی قتادة ، قال : انطلق أبی عام الحدیبیة فأحرم أصحابه و لم یحرم ، وحدث النبی ﷺ أن عدوا یغزوه بغیقة فانطلق النبی ﷺ فبینا أبی مع أصحابه یضحک بعضهم إلی بعض، فنظرت فإذا أنا بحمار وحش فحملت علیه فطعنته فأثبته واستعنت بهم فأبوا أن یعینونی، فأکلنا من لحمه وخشینا أن نقتطعَ فطلبت النبی ﷺ أرفع فرسی شأواً وأسیر شأواً، فلقیت رجلا من بنی غفار فی جوف اللیل ، قلت: أین ترکت النبی ﷺ ؟ قال: ترکته بتعهن، وهو قائل السقیا، فقلت: یا رسول اللّٰه ، إن أهلک یقرؤن علیک السلام ورحمة اللّٰه، إنهم قد خشوا أن یقتطعوا دونک فانتظرهم، قلت : یا رسول اللّٰه ، أصبت حمار وحش وعندی

منه فاضلة، فقال للقوم: ((كلوا))، وهم محرمون.[أنظر: ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵۴، ۲۹۱۴، ۴۱۴۹، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲] ؎

ترجمہ: عبداللہ بن ابی قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حدیبیہ کے سال گئے ان کے ساتھیوں نے احرام باندھا اور انہوں نے احرام نہیں باندھا اور نبی کریم ﷺ سے بیان کیا گیا کہ ایک دشمن آپ ﷺ سے جنگ کرنا چاہتا ہے، نبی کریم ﷺ روانہ ہوئے میں بھی آپ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ تھا، بعض بعض کو دیکھ کر ہنسنے لگے، میں نے ایک گورخر دیکھا تو میں نے اس پر حملہ کر دیا اور میں نے اس کو نیزہ مار کر چھبو کر چھوڑ دیا، میں نے لوگوں سے مدد مانگی ان لوگوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا، ہم لوگوں نے اس کا گوشت کھایا اور ہم لوگوں کو خوف ہوا کہ کہیں نبی کریم ﷺ سے جدا نہ ہو جائیں۔

میں نے نبی کریم ﷺ کو ڈھونڈنا شروع کیا، اپنے گھوڑے کو کبھی تیز دوڑاتا اور کبھی آہستہ دوڑاتا وسط شب میں بنی غفار کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا تم نے نبی کریم ﷺ کو کہاں چھوڑا؟ اس نے کہا میں نے آپ ﷺ کو تعہن میں چھوڑا، سقیا کے پاس قیلولہ کرنے کا ارادہ تھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کے ساتھی سلام عرض کرتے ہیں وہ لوگ ڈر رہے ہیں کہ کہیں آپ ﷺ ان لوگوں سے جدا نہ ہو جائیں۔ اس لئے آپ ﷺ ان لوگوں کا انتظار کیجئے پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک گورخر شکار کیا اور اس کا بچا ہوا گوشت میرے پاس ہے تو آپ ﷺ نے جماعت سے کہا کہ کھاؤ حالانکہ وہ لوگ احرام باندھے ہوئے تھے۔

(۳) باب: إذا رأى المحرمون صيداً فضحكوا ففطن الحلال

محرم شکار کو دیکھ کر ہنسیں اور غیر محرم سمجھ جائے

۱۸۲۲ ـ حدثنا سعيد بن الربيع: حدثنا علي بن المبارك، عن يحيى، عن عبدالله بن أبي قتادة: أن أباه حدثه قال: انطلقنا مع النبي ﷺ عام الحديبية فأحرم أصحابه ولم أحرم،

؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب تحريم الصيد للمحرم، رقم: ۲۰۶۴، وسنن الترمذي كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء في أكل الصيد للمحرم، رقم: ۷۷۶، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب اذا ضحك المحرم ففطن الحلال للصيد فقتله: أيأكله أم لا، رقم: ۲۷۷۵، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب لحم الصيد للمحرم، رقم: ۱۵۷۸، وسنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب الرخصة في ذلك اذا لم يصد له، رقم: ۳۰۸۴، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث أبي قتادة الأنصاري، رقم: ۲۱۴۸۸، ۲۱۵۲۴، ۲۱۵۲۹، ۲۱۵۴۴، ۲۱۵۵۷، ۲۱۵۶۴، ۲۱۵۷۵، وموطا مالك، كتاب الحج، باب مايجوز للمحرم أكله من الصيد، رقم: ۶۸۴، وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب في أكل لحم الصيد للمحرم اذا لم يصد هو، رقم: ۱۷۵۶.

فأنبئنا بعدو بغيقة فتوجهنا نحوهم، فبصر أصحابي بحمار وحش فجعل بعضهم يضحك إلى بعض. فنظرت فرأيته فحملت عليه الفرس فطعنته فأثبته، فاستعنتهم فأبوا أن يعينوني. فأكلنا منه، ثم لحقت برسول الله ﷺ وخشينا أن نقتطع أرفع فرسي شأواً وأسير عليه شأوا، فلقيت رجلاً من بني غفار في جوف الليل فقلت: أين تركت رسول الله ﷺ فقال: تركته بتعهن وهو قائل السقيا. فلحقت برسول الله ﷺ حتى أتيته. فقلت: يا رسول الله، إن أصحابك أرسلوا يقرؤن عليك السلام ورحمة الله، وإنهم قد خشوا أن يقتطعهم العدو دونك فانتظرهم ففعل. فقلت: يا رسول الله، أنا أصدنا حمار وحش إن عندنا منه فاضلة فقال رسول الله ﷺ لأصحابه: ((كلوا))، وهم محرمون. [راجع: ۱۸۲۲]

حدیث کی تشریح

حضرت ابوقتادہ ؓ فرماتے ہیں کہ **"انطلقنا مع النبی عام الحدیبیة"** حدیبیہ کے سال ہم آپ کے ساتھ چلے، علامہ واقدیؒ نے اس کو عمرۃ القضاء کا واقعہ قرار دیا ہے، مگر بخاری کی روایت راجح ہے۔

"فأحرم أصحابه ولم أحرم" اور سب صحابہ نے تو احرام باندھا تھا، میں نے نہیں باندھا، اور حضرت ابوقتادہ ؓ نے کیوں احرام نہیں باندھا تھا، اس میں شراح نے کافی کلام کیا ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا تھا، اور ان کا مقصد عمرہ کرنا نہیں تھا، ایک حد تک لشکر کے ساتھ تھے، بعد میں صدقات کی وصولی کے لئے لشکر سے جدا ہو گئے تھے، اس واسطے انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا۔ [۵]

"فأنبئنا بعدو بغيقة" ہمیں خبر دی گئی کہ ایک دشمن غیقہ کے مقام پر موجود ہے، یعنی ابھی حدیبیہ کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، خیال تھا کہ جا کر عمرہ کرلیں گے لیکن اس سے پہلے راستے میں ہی ہمیں اطلاع ملی کہ غیقہ کے مقام پر دشمن حملے کے لئے جمع ہو رہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کردے **"فتوجهنا نحوهم"** تو ہم سفر راستے میں چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے، حضور ﷺ کا جو عام لشکر تھا وہ تو چلتا رہا لیکن ہم میں سے کچھ لوگ غیقہ کی طرف روانہ ہو گئے **"فبصر أصحابي بحمار وحش"** تو میرے ساتھیوں نے جو حالت احرام میں تھے ایک حمارِ وحشی دیکھا، **"فجعل بعضهم يضحك الى بعض"** تو ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے گویا اس بات کا اظہار تھا کہ ہم اس کو شکار نہیں کر سکتے لیکن ابوقتادہ ؓ حالت احرام میں نہیں ہے، خود دیکھ لے تو اچھا ہے **"فنظرت فرأيته فحملتُ عليه الفرس فطعنته فأثبته، فاستعنتهم"** تو میں نے ان سے اعانت طلب کی

---

[۵] نقله العيني عن أبي سعيد الخدري ؓ فيما رواه الطحاوي.

"فأبوا أن يعينوني. ثم لحقت برسول الله ﷺ" ہم رسول اللہ ﷺ سے جا ملے اور ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضور سے کٹ کر رہ جائیں یعنی دشمن ہمیں حضور سے کاٹ دے، تو ایک حد تک میں اپنے گھوڑے کو تیز بھگا تا تھا اور ایک حد تک عام رفتار سے چلتا تھا۔ **"شأواً"** کے معنی ہیں غایت تو ایک غایت تک یعنی ایک حد تک میں تیز دوڑتا اور ایک حد تک آہستہ چلتا **"فلقيت رجلاً من بني غفار"** تو راستے میں میری ملاقات بنو غفار کے ایک شخص سے ہوئی، **"فقلت له أين تركت النبي ﷺ"** تو میں نے کہا کہ حضور ﷺ کو کہاں چھوڑا ہے **"تركته بتعهن"** کہ میں نے **"تعهن"** کے مقام پر چھوڑا ہے **"وهو قائل السقيا"** اور حضور ﷺ سقیا کے مقام پر قیلولہ فرما رہے تھے، **"تعهن"** بڑی جگہ ہے اور اس میں سقیا چھوٹی جگہ ہے تو وہاں آپ ﷺ قیلولہ فرما رہے تھے **"فلحقت برسول الله ﷺ حتى أتيته فقلت يا رسول الله إن أصحابك ارسلوا يقرؤن عليك السلام ورحمت الله"** کہ آپ ﷺ کے صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو سلام بھیجا ہے اور ان کو اندیشہ تھا کہ دشمن ان کو آپ سے کاٹ دے، لہٰذا آپ ان کا انتظار کر لیجئے اور میں پہلے آ گیا ہوں تا کہ میں بتادوں کہ صحابہ ؓ پیچھے آ رہے ہیں، آپ ان کا انتظار فرما لیں، **"ففعل"** آپ نے ان کا انتظار کیا، **"فقلت يا رسول الله أنا أصدنا حمار وحش"** یعنی ہم نے ایک حمار وحشی شکار کیا تھا اور ہمارے پاس اس کا بچا ہوا حصہ بھی موجود ہے، **"فقال رسول الله ﷺ لأصحابه: كلوا وهم محرمون"** آپ ﷺ نے ان کو کھانے کی اجازت دی جبکہ وہ احرام میں تھے۔

حنفیہ کی دلیل

یہی حنفیہ کی دلیل ہے کہ اگر اعانت، دلالت اور اشارہ وغیرہ کچھ نہ ہو، چاہے غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی غرض سے شکار کیا ہو تب بھی جائز ہے۔[٦]

(۴) باب: لايعين المحرم الحلال في قتل الصيد

محرم شکار کے قتل کرنے میں غیر محرم کی مدد نہ کرے

۱۸۲۳۔ حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا سفيان: حدثنا صالح بن كيسان، عن أبي محمد: سمع أبا قتادة قال: كنا مع رسول الله ﷺ بالقاحة من المدينة على ثلاث؛ ح:

وحدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: حدثنا صالح بن كيسان، عن أبي محمد، عن أبي قتادة ؓ قال: كنا مع النبي ﷺ بالقاحة ومنا المحرم ومنا غير المحرم، فرأيت أصحابي يتراءون شيئا، فنظرت فاذا حمار وحش يعني وقع سوطه فقالوا:

---

٦ ان كان باصطياده أو باذنه أو بدلالته حرم عليه، وان كان على غير ذلك لم يحرم، واليه ذهب أبو حنيفة. عمدة القاري، ج: ٧، ص: ٤٨٥.

لانعينك عليه بشيء ، ان محرمون ، فتناولته فأخذته ثم أتيت الحمار من وراء أكمة فعقرته فأتيت به أصحابى فقال بعضهم : كلوا ،وقال بعضهم : لا تأكلوا . فأتيت النبى ﷺ وهو اما منا فسألته فقال : ((كلوه حلال))، قال لنا عمرو : اذهبوا الى صالح فسلوه عن هذا وغيره . وقدم علينا هاهنا .[راجع : ۱۸۲۱]

"ثم أتيت الحمار من وراء أكمة فعقرته فأتيت به أصحابى".

پھر میں اکیلے اس کے عقب سے اس گورخر کی طرف آیا اور اس کو زخمی کر کے اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے واقعہ ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے کھانے کی اجازت دی، فرمایا کہ کھاؤ حلال ہے۔

(۵) باب : لايشير المحرم الى الصيد لكى يصطاده الحلال

محرم شکار کی طرف غیر محرم کے شکار کرنے کے لئے اشارہ نہ کرے

۱۸۲۴ ـ حدثنا موسى بن اسماعيل : حدثنا أبو عوانة : حدثنا عثمان ـ هو ابن موهب ـ قال : أخبرنى عبدالله بن أبى قتادة ، أن أباه أخبره : ان رسول الله ﷺ خرج حاجا، فخرجوا معه فصرف طائفة منهم فيهم أبو قتادة فقال :((خذو اساحل البحرحتى نلتقى)) ، فأخذو ساحل البحر .فلما انصرفوا أحرموا كلهم الا أبا قتادة لم يحرم ، فبينما هم يسيرون اذا رأوا حمر وحش فحمل أبو قتادة على الحمر فعقر منها أتانا ، فنزلوا فأكلوا من لحمها وقالوا: أنأكل لحم صيد ونحن محرمون ؟ فحملنا ما بقى من لحم الأتان فلما أتوا رسول الله ﷺ قالوا : يارسول الله ، انا كنا أحرمنا وقد كا ن ابو قتادة لم يحرم فرأينا حمر وحش فحمل عليها أبو قتادة فعقر منها أتانا فنزلنا فأكلنا من لحمها ثم ولنا : أنأكل لحم صيد ونحن محرمون ؟ فحملنا ما بقى من لحمها . قال : ((أمنكم أحد أمره أن يحمل عليها أوأشار اليها ؟)) قالوا : لا ، قال : فكلوا مابقى من لحمها)) . [راجع: ۱۸۲۱]

"فحمل عليها أبو قتادة فعقر منها أتانا فنزلنا فأكلنا من لحمها ثم ولنا : أنأكل لحم صيد ونحن محرمون ؟ فحملنا ما بقى من لحمها . قال : ((أمنكم أحد أمره أن يحمل عليها أوأشار اليها ؟)) قالوا : لا ، قال : فكلوا مابقى من لحمها))" .

ابوقتادہ ﷺ نے ان پر حملہ کرے ان میں سے ایک مادہ شکار کرلیا، پھر ہم اترے اور ہم نے اس کا گوشت کھایا پھر ہم نے کہا کہ کیا ہم شکار کا گوشت کھائیں جب کہ احرام باندھے ہوئے ہیں؟

لوگوں نے اس کا بچا ہوا گوشت اٹھا لیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اس پر حملہ کرنے کے لئے حکم یا اشارہ کیا تھا؟ لوگوں نے کہا نہیں۔تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کا بچا ہوا گوشت کھاؤ، تو یہاں بھی کھانے کی اجازت دیدی۔

(۶) باب اذا أهدى للمحرم حماراً وحشيا حيا لم يقبل

اگر محرم گورخر زندہ بھیجے تو قبول نہ کرے

۱۸۲۵۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن ابن شهاب ، عن عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبة بن مسعود عن عبداللہ بن عباس عن الصعب بن جثامة اللیثی : أنه أهدى لرسول اللہ ﷺ حماراً وحشيا وهو بالأبواء أو بودان فرده عليه . فلما رأى مافى وجهه قال : ((انا لم نرده الا أنا حرم)). [أنظر : ۲۵۷۳، ۲۵۹۷]

ترجمہ: حضرت جثامہ لیثی ؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک گورخر تحفہ بھیجا اس وقت آپ ﷺ ابواء یا ودان میں تھے۔تو آپ ﷺ نے اس کو واپس کر دیا جب ان کے چہرے پر آپ ﷺ نے ملال کے اثرات پائے،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے واپس نہ کرتا مگر محرم ہونے کے سبب واپس کر رہا ہوں۔

(۷) باب ما يقتل المحرم من الدواب

محرم کون سے جانور مار سکتا ہے

۱۸۲۶۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن نافع، عن عبداللہ بن عمر رضى اللہ عنهما: أن رسول اللہ ﷺ قال: ((خمس من الدواب ليس على المحرم فى قتلهن جناح)). وعن عبد اللہ بن دينار، عن عبداللہ ابن عمر: أن رسول اللہ ﷺ قال: [أنظر : ۳۳۱۵][۷]

[۷] وفى صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب مايندب للمحرم وغيره قتله من الدواب فى الحل ، رقم : ۲۰۷۳، وسنن النسائى، كتاب مناسک الحج ، باب مايقتل المحرم من الدواب قتل الكلب العقور ، رقم : ۲۷۷۹، وسنن أبى داؤد ، كتاب المناسک، باب مايقتل المحرم من الدواب ، رقم : ۱۵۷۳، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسک ، باب مايقتل المحرم ، رقم : ۳۰۷۹، ومسند أحمد ، مسند المكثرين ، باب مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۲۲۹، ۴۳۱۵، ۴۶۱۹، ۴۶۴۴، ۴۷۰۰، ۴۸۴۷، ۴۸۶۱، ۴۸۸۶، ۴۹۱۳، ۵۰۷۲، ۵۲۸۲، ۵۹۵۰، وباقى مسند الأنصار ، باب حديث حفصة أم المؤمنين عمر بن الخطاب ،رقم : ۲۵۲۳۴، ۲۵۸۸۳، ومؤطا مالک ، كتاب الحج ، باب مايقتل المحرم من الدواب ، رقم : ۶۹۴، وسنن الدارمى ، كتاب المناسک ، باب مايقتل المحرم فى احرامه ، رقم : ۱۷۴۷.

یہاں پانچ جانور کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں سات کا ذکر آیا ہے اور جانوروں کی تفصیل میں بھی روایتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، اس وجہ سے جمہور کا کہنا یہ ہے کہ یہ حکم ان جانوروں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم معلول بالعلۃ ہے۔

پھر علت کی تعیین میں اختلاف ہے۔

علت کی تعیین حنفیہ کے ہاں

حنفیہ کے نزدیک علت ابتداء بالأذیٰ ہے، یعنی ہر وہ جانور جو ابتداء بالأذیٰ کرتا ہو جیسے سارے درندے تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ محرم ان کو حالتِ احرام میں قتل کرسکتا ہے۔

علت کی تعیین شافعیہ کے ہاں

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک علت **''غیر ماکول اللحم''** ہونا ہے تو جتنے بھی غیر ماکول اللحم جانور ہیں تو محرم ان کو قتل کرسکتا ہے، حنفیہ اور شافعیہ کے ہاں یہ فرق ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال ان روایتوں سے ہے جس میں فرمایا **''السبع العادی''** عادی کے معنی ہیں تعدی کرنے والا یعنی جو ابتداء بالأذیٰ کرے، کلب کے ساتھ عقور کی قید لگائی اگر علت مجرد غیر ماکول اللحم ہونا ہوتا تو عقور کی قید کی ضرورت نہیں تھی، اس لفظ کو بڑھانے سے معلوم ہوا کہ علت **''ابتدا بالأذیٰ''** ہے، اسی طرح دوسری روایتوں میں غراب میں بھی ابقع کی قید ہے اور غراب ابقع وہ کوا ہے جو درندہ ہوتا ہے لیکن عام کوا جو ہمارے ہاں پایا جاتا ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں۔[۸]

۱۸۲۸ــ حدثنا أصبغ بن الفرج قال: أخبرني عبداللہ بن وھب، عن یونس، عن ابن شھاب، عن سالم، قال: قال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما: قالت حفصۃ: قال رسول اللہ ﷺ: ((خمس من الدواب لاحرج علی من قتلھن: الغراب، والحداۃ، والفارۃ، والعقرب، والکلب العقور)).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حفصہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پانچ جانور موذی ہیں، ان کو حرم میں قتل کیا جاسکتا ہے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔

---

۸ عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۵۰۳۔

۱۸۳۰۔ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث: حدثنا أبی، حدثنا الأعمش: حدثنی إبراهیم، عن الأسود، عن عبداللہ ﷺ قال: بینما نحن مع النبی ﷺ فی غار بمنی إذا نزل علیه ﴿والمرسلات﴾ وأنه لیتلوها وإنی لأ تلقاها من فیه وإن فاه لرطب بها إذ وثبت علینا حیة فقال النبی ﷺ: ((اقتلوها))، فابتدرناها فذهبت، فقال النبی ﷺ: ((وقیت شرکم کما وقیتم شرها)). [أنظر: ۳۳۱۷، ۴۹۳۰، ۴۹۳۱، ۴۹۳۴]. [۹]

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم منیٰ کے ایک غار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ ﷺ پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں **"والمرسلات عرفا وانه لیتلوها"** آپ ﷺ وہ تلاوت فرمارہے تھے **"وانی لأ تلقاها من فیه"** اور میں وہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس حالت میں سیکھ رہا تھا کہ آپ ﷺ کا دہن مبارک تر تھا **"اذ وثبت علینا حیة"** اتنے میں ایک سانپ ہم پر حملہ آور ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کی اس کو قتل کر دو، تو ہم جلدی میں اس کی طرف بھاگے **"فذهبت"** وہ بھاگ گیا **"فقال النبی ﷺ: وقیت شرکم کما وقیتم شرها"** کہ اس کو تمہارے شر سے محفوظ کر دیا گیا جیسا کہ تم کو اس کے شر سے محفوظ کر دیا گیا یعنی اس نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور تم اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ منیٰ حرم میں داخل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حیہ کو مارنے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ حیہ کو حرم میں مارنا جائز ہے۔

۱۸۳۱۔ حدثنا اسماعیل قال: حدثنی مالک، عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبیر، عن عائشة رضی اللہ عنها زوج النبی ﷺ أن رسول اللہ ﷺ قال للوزغ: ((فویسق))، ولم اسمعه أمر بقتله قال أبو عبداللہ: انما أردنا بهذا ان منی من الحرم وانهم لم یرو بقتل الحیة بأساً. [أنظر: ۳۳۰۶]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چھپکلی موذی ہے، لیکن میں نے آپ ﷺ کو اس کے مار ڈالنے کا حکم دیتے ہوئے نہیں سنا۔

(۸) باب: لا یعضد شجر الحرم

حرم کا درخت نہ کاٹا جائے

"وقال ابن عباس رضی اللہ عنهما عن النبی ﷺ: ((لا یعضد شوکه))".

---

[۹] وفی صحیح مسلم، کتاب السلام، باب قتل الحیات وغیرها، رقم: ۴۱۴۸، وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب قتل الحیة فی الحرم، رقم: ۲۸۳۵، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبداللہ بن مسعود، رقم: ۳۳۹۳، ۳۸۰۳، ۳۸۵۷، ۳۸۶۱، ۴۱۲۷، ۴۱۴۶.

حضرت ابن عباس ﷺ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے۔

۱۸۳۲۔ حدثنا قتيبة: حدثنا الليث، عن سعيد بن أبی سعيد المقبری، عن أبی شريح عن عدوی أنه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث إلى مكة : ائذن لی أيها الأمير أحدثک قولاً قام به رسول الله ﷺ الغد من يوم الفتح، فسمعته أذناى ، ووعاه قلبى، وأبصرته عيناى حين تكلم به، إنه حمد الله وأثنى عليه. ثم قال:((إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفک بها دما ولا يعضد بها شجرة. فإن أحد ترخص لقتال رسول الله ﷺ فقولوا له: إن الله أذن لرسوله ﷺ ولم يأذن لكم . وإنما أذن لی ساعةً من نهار وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس. وليبلغ الشاهد الغائب)). فقيل لأبی شريح: ما قال لک عمرو؟ قال: أنا أعلم بذلک منک يا أبا شريح، إن الحرم لا يعيذ عاصيا ولا فارا بدم، ولا فارا بخربة. خربة: بلية. [راجع:۱۰۴]

حدیث کا ترجمہ

عدوی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے جب کہ وہ مکہ میں فوجیں بھیج رہا تھا، کہا اے امیر! مجھے اجازت دیجئے تو میں آپ سے وہ قول بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمائے تھے، اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور قلب نے اس کو محفوظ رکھا، جب کہ آپ ﷺ نے گفتگو فرمائی اللہ ﷻ کی حمد وثنا کی اور فرمایا کہ مکہ کو اللہ ﷻ نے حرام کیا ہے لوگوں نے اس کو حرام نہیں کیا اس لئے کسی شخص کے لئے جو اللہ ﷻ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو جائز نہیں کہ وہاں پر خونریزی کرے اور نہ وہاں درخت کاٹا جائے اور اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی جنگ کے سبب سے اس کی اجازت سمجھے تو اس کو کہو کہ اللہ ﷻ نے رسول اللہ ﷺ کو اجازت دی تھی، لیکن تمہیں اجازت نہیں ہے اور اس کی اجازت دن کے ایک تھوڑے حصہ کے لئے تھی، پھر اس کی حرمت ویسے ہی ہوگئی جیسے کل حرمت تھی۔

ابن شریح سے پوچھا گیا کہ عمرو نے آپ ﷺ سے کیا کہا، کہا کہ اے ابوشریح میں تجھ سے زیادہ اس کو جانتا ہوں نافرمان کو قتل کر کے بھاگنے والے اور فساد کر کے بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔ خربہ سے مراد فتنہ وفساد ہے۔

حرم میں پناہ کا مسئلہ

اختلاف فقہاء

یہ حدیث کتاب العلم میں گذر چکی ہے **"أن الحرم لا يعيذها عاصياً ولا فارا بدم"**.

مسلک امام شافعی رحمہ اللہ

اس حدیث سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ استدلال فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اگر کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو پھر وہ مامون نہیں ہے اس کو وہاں قتل کیا جا سکتا ہے۔

مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں حرم میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ **"من دخله كان امنا"** البتہ اس کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تا کہ وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو جائے جب باہر نکل آئے تو قتل کر دیا جائے، لیکن حرم میں قتل نہ کیا جائے اور یہ جو جملہ ہے کہ **"ان الحرم لا يعيذ عاصياً"** یہ نہ کوئی حدیث ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے نہ کسی فقیہ کا قول ہے بلکہ یہ عمرو بن سعید کا قول ہے جو یزید کا گورنر تھا اور اس کا لقب **"لطيم الشيطان"** مشہور تھا تو اس سے استدلال کیسے ہوسکتا ہے۔[10]

(۹) باب : لا ينفر صيد الحرم

حرم کا شکار نہ بھگایا جائے

۱۸۳۳ـ حدثنا محمد بن المثنىٰ : حدثنا عبدالوهاب : حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى ﷺ قال: ((إن الله حرم مكة فلم تحل لأحد قبلى، ولا تحل لأ حد بعدى، وإنما أحلت لى ساعة من نهار لا يختلى خلاها، ولا يعضد شجرها، ولا ينفر صيدها، ولا تلتقط لقطتها إلا لمعرف)). وقال العباس: يا رسول الله، إلا الإذخر لصاغتنا وقبورنا . فقال: ((إلا الإذخر)). وعن خالد عن عكرمة قال: هل تدرى ما ((لا ينفر صيدها))؟ هو أن ينحيه من الظل، ينزل مكانه. [راجع : ۱۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مکہ کو حرام کیا، نہ تو ہم سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے صرف دن کے ایک حصہ میں حلال کیا گیا، وہاں کہ گھاس نہ اکھاڑی جائے، وہاں کا درخت نہ کاٹا جائے اور نہ وہاں کا شکار بھگایا جائے اور نہ وہاں کی گری پڑی چیز کوئی اٹھائے، مگر تشہیر کرنے والا اٹھا سکتا ہے، حضرت ابن عباس ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ اذخر کی اجازت ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے لئے دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا سوائے اذخر کے۔

---

[10] يستدل به أبو حنيفة رحمه الله فى ان الملتجئ الى الحرم لا يقتل به لقوله ﷺ لا يحل لامرئ أن يسفك بها دما الخ شرح عمدة الأحكام، ج:۳، ص:۲۶، دار الكتب العلمية، بيروت، وعمدة القارى، ج:۲، ص:۲۰۲، و إنعام البارى، ج:۲، ص:۱۵۰.

خالد، عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ شکار بھگالے جانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ سایہ سے اس کو بھگائے اور خود اس جگہ پر اترے۔

"لا ینفر صیدها" کی تشریح کی کہ اس کو بھگایا نہ جائے، مطلب یہ ہے کہ بیچارہ کہیں سایہ میں بیٹھا ہے تو اس کو سایہ سے بھگا دیا اور خود سایہ میں بیٹھ گیا تو یہ حرام ہے جائز نہیں۔

(۱۰) باب : لایحل القتال بمکة ،

مکہ میں جنگ کرنا حلال نہیں

"وقال أبو شریح ﷺ عن النبی ﷺ : ((لا یسفک بها دما))".

ابوشریح نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ وہاں خونریزی نہ کرے۔

۱۸۳۴ ـ حدثنا عثمان بن أبی شیبة : حدثنا جریر ، عن منصور ، عن مجاهد ، عن طاؤس ، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : قال النبی ﷺ یوم افتتح مکة : ((لا هجرة ولکن جهاد ونیة ، واذا استنفرهم فانفروا ، فان هذا بلد حرم الله یوم خلق السموات والأرض ، وهو حرام بحرمة الله یوم القیامة . وانه لایحل القتال فیه لأحد قبلی ولم یحل لی الا ساعة من نهار ، فهو حرام بحرمة الله الی یوم القیامة لا یعضد شوکه ، ولا ینفر صیده ، ولا یتقط لقطة الا من عرفها ولا یختلی خلاها)) . قال العباس : یارسول الله ، الا الاذخر فانه لقینهم ولبیوتهم ، قال : ((الا الاذخر)). [راجع : ۱۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس دن مکہ فتح کیا تو فرمایا کہ ہجرت باقی نہیں رہی، لیکن جہاد اور نیت ہے، جب تم جہاد کرنے کے لئے بلائے جاؤ تو جہاد کے لئے نکلو، یہ شہر جس کو اللہ ﷻ نے حرام کیا ہے جس دن اللہ ﷻ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اللہ ﷻ کی قائم کی ہوئی حرمت قیامت تک قائم رہے گی، اس میں شک نہیں کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھی اور میرے لئے بھی دن کے ایک حصہ میں حلال کی گئی اس کی حرمت قیامت تک قائم رہے گی، اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے اور نہ اس کا شکار بھگایا جائے اور نہ یہاں کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کی تشہیر کرے، اور نہ وہاں کی گھاس اکھاڑی جائے اور ابن عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے سناروں اور گھروں کے لئے اذخر کی اجازت دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا اذخر کی اجازت ہے۔

(۱۱) باب الحجامة للمحرم

محرم کے پچھنے لگانے کا بیان

"وکوی ابن عمر ابنه وهو محرم، ویتداوی مالم یکن فیه طیب".

۱۸۳۵۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان قال: قال لنا عمرو: أول شیء سمعت عطاءً یقول: سمعت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول: احتجم رسول اللہ ﷺ وھو محرم. ثم سمعتہ یقول: ((حدثنی طاؤس، عن ابن عباس))، فقلت: لعلہ سمعہ منھما. [أنظر: ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۲۱۰۳، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۵۶۹۱، ۵۶۹۴، ۵۶۹۵، ۵۶۹۹، ۵۷۰۰، ۵۷۰۱]. [۱]

حالت احرام میں حجامت کرنا جائز ہے، یہی جمہور کا مسلک ہے البتہ بالوں کو مونڈھنا جائز نہیں بغیر بال مونڈھے ہوئے حجامت کر سکتے ہوں تو جائز ہے، لیکن اگر پچھنے لگوانے کے لئے بال کاٹے گئے تو کفارہ یعنی فدیہ دینا پڑے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے سختی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حجامت بھی جائز نہیں، اور وہ حدیث باب کو ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔

جمہور کی طرف سے جواب

حدیث باب امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے کو حالت احرام میں کئی کیا اور کئی داغ لگانے کا علاج ہوتا ہے تو پتہ چلا کہ دوا کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ دوا میں کوئی خوشبو نہ ہو اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔[۲]

" ثم سمعتہ یقول " یعنی عطاءؒ نے ابن عباسؓ سے براہِ راست بھی سنا اور طاؤس کے واسطے سے بھی۔

---

[۱] وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الحجامۃ للمحرم، رقم: ۲۰۸۷، وسنن الترمذی، کتاب الصوم عن رسول اللہ، باب ماجاء من الرخصۃ فی ذلک، رقم: ۷۰۲، وکتاب الصوم عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الحجامۃ للمحرم، رقم: ۷۶۸، وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب الحجامۃ للمحرم، رقم: ۲۷۹۶، وسنن أبی داؤد، کتاب المناسک، باب المحرم یحتجم، رقم: ۱۵۶۵، وکتاب الصوم، باب فی الرخصۃ فی ذلک، رقم: ۲۰۲۵، وسنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ماجاء فی الحجامۃ للصیام، رقم: ۱۶۷۲، وکتاب المناسک، باب الحجامۃ للمحرم، رقم: ۳۰۷۲، ومسند أحمد، ومن مسند بنی ھاشم، باب بدایۃ مسند عبداللہ بن العباس، رقم: ۱۷۵۲، ۱۸۴۲، ۲۰۰۴، ۲۱۱۷، ۲۱۳۱، ۲۲۳۷، ۲۲۲۹، ۲۴۵۸، ۲۷۳۸، باب باقی المسند السابق، ۲۹۱۵، ۳۰۶۳، ۳۱۱۲، ۳۳۴۳، ۳۳۶۶، وسنن الدارمی، کتاب المناسک، باب الحجامۃ للمحرم، رقم: ۱۷۴۹.

[۲] دل الحدیث علی جواز الحجامۃ للمحرم مطلقاً، وبہ قال عطاء ومسروق وابراھیم وطاؤس الشعبی والثوری وأبوحنیفۃ، وھو قول الشافعی وأحمد واسحاق، وأخذوا بظاھر ھذا الحدیث، وقالوا: مالم یقطع الشعر.

وان کانت لغیر ضرورۃ فمنعہ مالک وأجازہ سحنون، وروی نحوہ عن عطاء. عمدۃ القاری، ج: ۷، ص: ۵۱۹.

۱۸۳۶ - حدثنا خالد بن مخلد : حدثنا سليمان بن بلال . عم علقمة بن أبي علقمة، عن عبدالرحمن الأعرج ، عن ابن بحينة ﷺ قال : احتجم النبي ﷺ وهو محرم بلحي جمل في وسط رأسه .[أنظر : ۵۶۹۸]

" احتجم النبي ﷺ وهو محرم بلحي جمل في وسط رأسه".

حضور ﷺ نے لحی جمل (جو ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر اپنے وسط سر میں پچھنے لگوائے ، درآنحالیکہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے۔

(۱۲) باب تزويج المحرم

محرم کے نکاح کرنے کا بیان

۱۸۳۷ - حدثنا أبو المغيرة عبدالقدوس بن الحجاج : حدثنا الأوزاعي: حدثني عطاء بن رباح، عن ابن عباس رضي الله عنهما : أن النبي ﷺ تزوج ميمونة وهو محرم . [أنظر : ۴۲۵۸، ۴۲۵۹، ۵۱۱۴] [۱۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس حال میں کہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے۔

حدیث کی تشریح

یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا اور اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مسلک

یہ حدیث باب حنفیہ کی دلیل ہے کہ حالت احرام میں ''نکاح'' کرنا جائز ہے اور ''انکاح'' بھی

[۱۳] وفي صحيح مسلم ، كتاب النكاح ، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته ، رقم : ۲۵۲۷، وسنن الترمذي ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء في الرخصة في ذلك ، رقم : ۷۷۱، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب الرخصة في النكاح للمحرم ، رقم : ۲۷۸۸، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك ، باب المحرم يتزوج ، رقم : ۱۵۷۱، وسنن ابن ماجه ، كتاب النكاح ، باب المحرم يتزوج ، رقم : ۱۹۵۵، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس، رقم : ۱۸۱۹، ۱۹۱۰، ۲۰۹۰، ۲۱۶۰، ۲۲۷۱، ۲۳۱۱، ۲۳۶۲، ۲۴۲۹، ۲۴۵۰، باب باقي المسند السابق، رقم : ۲۸۷۲، ۲۸۹۵، ۲۹۱۵، ۲۹۴۳، ۲۹۵۰، ۳۰۶۳، ۳۱۴۸، ۳۲۱۱، ۳۲۲۶، ۳۲۳۷، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك، باب في تزويج المحرم ، رقم : ۱۷۵۲.

جائز ہے، البتہ جماع اور دواعی جماع جائز نہیں ہے جب تک کہ احرام سے فارغ نہ ہو جائے۔[۱۴]

اور یہ حدیث اصح مافی الباب ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ اس کو یہاں لے کر آئے ہیں۔[۱۵]

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں ''نکاح'' جائز ہی نہیں بلکہ باطل ہے، اسی طرح ''انکاح'' بھی جائز نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

ان کا استدلال حضرت عثمان بن عفان ﷺ کی حدیث سے ہے جو صحیح مسلم، سنن أبی داؤد اور سنن ترمذی وغیرہ میں آئی ہے کہ **"ان المحرم لا یَنکح ولا یُنکح "**۔[۱۶]

---

[۱۴] قلت : وفی الباب أیضا عن أبی هریرة ، رواه الطحاوی من روایة کامل أبی العلاء عن أبی صالح ((عن أبی هریرة ، قال: تزوج رسول الله ﷺ ، میمونة وهو محرم)). واحتج بهذا الحدیث ابراهیم النخعی والثوری وعطاء ، بن أبی رباح والحکم بن عتیبة وحماد بن أبی سلیمان وعکرمة ومسروق وأبو حنیفة وابو یوسف ومحمد قالوا: لابأس للمحرم أن ینکح ، ولکنه لایدخل بها حتی یحل ، وهو قول ابن عباس وابن مسعود ، عمدة القاری ، ج:۷،ص: ۵۲۲، و شرح معانی الآثار للطحاوی ، ج:۲،ص: ۲۷، دارالکتب العلمیة، بیروت ، ۱۳۹۹ھ.

[۱۵] ولذا رجح البخاری حدیثه ، ولم یخرّج حدیث الخصوم ، وان أخرجه مسلم فالبخاری وافقنا فی المسألة ، وهذا من دأبه القدیم ، أنه اذا اختار جانبا ذهب یهدر الجانب الآخر، ویجعله کأنه لم یکن شیئا مذکوراً ، فلایخرج له حدیثاً، کأنه أمر لم ترد به الشریعة ، وکذا یزید بن الأصم لایعارض حدیثه حدیث ابن عباس ، فیض الباری علی صحیح البخاری، ج : ۳ ، ص: ۱۳۴ .

[۱۶] ومالک والشافعی وأحمد واسحاق : لایجوز للمحرم أن ینکح ولا ینکح غیره ، فان فعل ذلک فالنکاح باطل ، وهو قول عمر و علی ، رضی الله تعالی عنهما ، واحتجوا فی ذلک بما رواه مسلم : حدثنا یحیی بن یحیی قال : قرأت علی مالک عن نافع عن نبیه بن وهب : أن عمر بن عبدالله أراد أن یزوج طلحة بن عمر بنت شیبة بن جبیر ، فأرسل الی أبان بن عثمان یحضر ذلک وهو أمیر الحاج ، فقال أبان : سمعت عثمان بن عفان، ﷺ ، یقول : قال رسول الله ﷺ :((لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب))وأخرجه أبو داؤد أیضا عن القعنبی عن مالک الی آخره . قوله : ((ولا ینکح))، بضم الیاء وکسر الکاف من الانکاح ، عمدة القاری ، ج: ۷،ص: ۵۲۲، وصحیح مسلم ، باب تحریم نکاح المحرم وکراهة خطبة ، رقم : ۱۴۰۹ ، ج:۲،ص: ۱۰۳۰ ، دارا حیاء التراث العربی ، بیروت ، وسنن الترمذی ، باب ماجاء فی کراهیة تزویج المحرم ، رقم : ۸۴۰، ج: ۳،ص: ۱۹۹ ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ، وسنن أبی داؤد ، باب المحرم یتزوج ، رقم : ۱۸۴۱ ، ج: ۲،ص: ۱۶۹ ، دارالفکر ، بیروت.

اور اسی طرح ان کا استدلال یزید بن اصم کی روایت سے بھی ہے جو ترمذی نے نقل کی ہے جس میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا نہ کہ احرام کی حالت میں۔ [۱۷]

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال حدیث باب میں حضرت ابن عباس ؓ کی روایت سے ہے کہ: **"أن النبی ﷺ تزوج میمونة وھو محرم"**. حضور ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا۔

حضرات حنفیہ کہتے ہیں کہ یزید بن اصم کی روایت پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت راجح ہے۔

ایک اس وجہ سے کہ **"أصح ما فی الباب"** ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی پر اکتفا فرمایا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں وہ حنفیہ کے ہم نوا ہیں۔ [۱۸]

دوسری اس وجہ سے کہ یہ بات تمام روایات میں متفق علیہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سرف کے مقام پر ہوا تھا اور یہ اس وقت مکہ مکرمہ سے (۶) چھ میل کے فاصلے پر تھا، آج مکہ مکرمہ کے کنارے پر ہے۔ [۱۹]

اور نکاح بھی سرف میں ہوا، رخصتی بھی وہیں ہوئی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی وہیں ہوا اور دفن بھی وہیں ہوئیں، اور آج وہاں ان کی قبر موجود ہے اردگرد چار دیواری بنی ہوئی ہے، (میں بھی وہاں حاضر ہوا ہوں) تو سرف مکہ مکرمہ کے بالکل پاس ہے جبکہ مدینہ والوں کی میقات ذوالحلیفہ چھ میل کے فاصلے پر ہے، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ سرف تشریف لائے ہوں اور احرام نہ باندھا ہو بلکہ حالت حل میں ہوں۔ [۲۰]

بعض شافعیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے اور عمرۃ القضاء میں میقاتیں مقرر نہیں ہوئی تھیں، میقاتیں حجۃ الوداع کے موقع پر مقرر ہوئیں۔

---

[۱۷] ((عن یزید بن الأصم قال : حدثتنی میمونة أن رسول اللہ ﷺ تزوجھا وھو حلال ، قال : وکانت خالتی وخالة ابن عباس)) . وعمدة القاری ، ج :۷، ص: ۵۲۲، وسنن الترمذی ،باب ماجاء فی الرخصة فی ذلک ، رقم : ۸۴۵، ج: ۳،ص: ۲۰۳، داراحیاء التراث العربی ، بیروت .

[۱۸] ھذا باب فی بیان تزویج المحرم ، ولم یبین ھل ھو جائز أو غیر جائز اکتفاء بما دل علیه حدیث الباب فانه یدل علی أنه یجوز ، واشارة الی أنه لم یثبت عنده النھی عن ذلک ، ولاثبت أنه من الخصائص ، کذا ذکره العلامة بدرالدین العینیؒ فی عمدة القاری ، ج:۷، ص: ۵۲۱.

[۱۹] سرف ۔ وھو موضع علی ستة أمیال من مکة وقیل سبعة وتسعة ، معجم البلدان ، ج:۳، ص: ۲۱۲، دار الفکر، بیروت.

[۲۰] تزوج به رسول اللہ ﷺ میمونة بنت الحارث وھناک بنی بھا وھناک توفیت ، معجم البلدان ، ج:۳،ص: ۲۱۲، وعمدة القاری ، ج : ۷، ص : ۵۲۲.

حضرت مسور بن مخرمہ ﷺ کی روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے سال بھی ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا، معلوم ہوا کہ مواقیت کی تعیین عمرۃ القضاء سے پہلے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر ہو چکی تھی، لہٰذا یہ کہنا کہ آپ حالتِ احرام میں نہیں تھے یہ ناممکن سی بات ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ حالتِ احرام میں تھے۔[۲۱]

جہاں تک حضرت عثمان ﷺ کی حدیث کا تعلق ہے **"ان المحرم لا یَنکح ولا یُنکح"** حنفیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے وہ کراہت پر محمول ہے۔[۲۲]

پھر ظاہر ہے یہ کراہت بھی اس شخص کے لئے ہوگی جو نکاح کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے اور وطی میں مبتلاء ہو جائے، زیادہ سے زیادہ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے بیع وقت النداء ہے کہ مکروہ ہے، مگر منعقد ہو جاتی ہے، اسی طرح نکاحِ حالتِ احرام اس شخص کے لئے مکروہ ہوگا جس کو وقوع فی الفتنہ کا اندیشہ ہو، لیکن نکاح منعقد پھر بھی ہو جائے گا۔[۲۳]

اختلاف کا مدار

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ ﷺ کے ساتھ حلال ہونے کی حالت میں ہوا تھا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ان روایات کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ وہ خود حضرت میمونہ سے مروی ہیں، جو صاحب معاملہ ہیں۔

---

[۲۱] خرج النبی ﷺ عام الحدیبیة فی بضع عشرة مائة من أصحابه فلما کان بذی الحلیفة قلد الهدی وأشعر وأحرم منها، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، رقم الحدیث: ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، وفتح الباری، ج:۷، ص: ۴۴۴، دار المعرفة، بیروت.

[۲۲، ۲۳] والجواب الأول، بأنه محمول علی الکراهة، لدفع تعارض فعله وقوله ﷺ، وانما یقدم القول علی الفعل ویسقط به اذا لم یمکن التطبیق، وفی "الجوهر النقی": "هو محمول علی الوطئ (لم اختر هذا الشق لکونه بعیدا: مؤلف) أو الکراهة، لکونه سببا للوقوع فی الرفث لا أن عقده لنفسه أو لغیره بأمره ممتنع، ولهذا قرنه بالخطبة، ولا خلاف فی جوازها وان کانت مکروهة، فکذا النکاح والانکاح، وصار کالبیع وقت النداء "اهـ.

وکذالک رواه الطحاوی من حدیث عبدالله بن محمد بن ابی بکر قال: سالت أنس بن مالک عن نکاح المحرم؟ فقال: مابه بأس هل هو الا کالبیع؟ وذکره ایضاً ابن حزم عن معاذ بن جبل ﷺ، اعلاء السنن، ج: ۱۱، ص: ۴۹، وعمدة القاری، ج: ۷، ص: ۵۲۳. شرح معانی الآثار، باب نکاح المحرم، ج: ۲، ص: ۲۷۳، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۳۹۹هـ.

حضرات حنفیہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو ترجیح دی ہے، جس میں حالت احرام میں نکاح کا ذکر ہے۔

وجوہِ ترجیح

حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت کی وجوہ ترجیح مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔یہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح بحالت احرام ہوا تھا، جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابن حبان کے حوالے سے صحت کا اعتراف کیا ہے۔[۲۴]

۲۔حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[۲۵]

اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن حضرت ابن عباس ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔[۲۶]

۳۔شرح معانی الآثار للطحاوی میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اور حضرت انس ﷺ کی روایات سے بھی حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔[۲۷]

۴۔یہ روایت اصح مافی الباب ہے، جیسے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۔اصحاب سیر و تواریخ نے یہ واقعہ جس طرح بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرۃ القضاء کے سفر میں سرف کے مقام میں پہنچ کر حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا جب کہ آپ ﷺ محرم تھے، پھر عمرہ سے آتے ہوئے سرف ہی کے مقام پر آپ ﷺ بناء فرمائی جب کہ آپ ﷺ حلال ہو چکے تھے۔[۲۸]

---

[۲۴] فتح الباری، ج: ۹، ص: ۱۶۶، وصحیح ابن حبان، باب ذکر خبر قد المتبحر فی صناعة العلم ان نکاح المحرم وانکاحه جائز، ج: ۹، ص: ۴۴۰، رقم: ۴۱۳۲، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۴ھ.

[۲۵] تزوج رسول الله ﷺ میمونة وهو محرم، سنن الدار قطني، کتاب النکاح، باب المهر، رقم الحديث: ۳۶۱۹، ج: ۳، ص: ۱۸۴، دارالکتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۱۹۹۶ء

[۲۶] وأما حديث أبي هريرة أخرجه الدارقطني وفي اسناده كامل أبو العلاء وفيه ضعف، لكنه يعتضد بحديثي ابن عباس وعائشة، فتح الباری، کتاب النکاح، باب نکاح المحرم، رقم الحديث: ۵۱۱۴، ج: ۹، ص: ۱۶۶.

[۲۷] أنّ ابن مسعود ﷺ كان لايرى بأسا أن يتزوج المحرم.

قال سألت أنس بن مالك ﷺ عن نكاح المحرم، فقال: لابأس به هل هو الا كالبيع، شرح معانی الآثار للطحاوی، ج: ۲، ص: ۲۷۳، دارالکتب العلمية، سنة النشر ۱۳۹۹ھ.

[۲۸] أخبرنا يزيد بن هارون أخبرنا هشام بن حسان عن عكرمة عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ تزوج ميمونة بنت الحارث بسرف وهو محرم ثم دخل بها بسرف بعد مارجع، الطبقات الكبرى لابن سعد، ج: ۸، ص: ۱۳۵، دار صادر، بيروت.

۶۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اس لئے بھی راجح ہے کہ سیرت ابن ہشام کی روایت میں ہے:

"قال ابن هشام : وكانت جعلت أمرها الى اختها أم الفضل ، وكانت أم الفضل تحت عباس ، فجعلت أم الفضل أمرها الى العباس فزوجها رسول الله ﷺ بمكة".

اس تصریح کے مطابق ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس نکاح کے عاقد تھے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اولیاء میں سے اس وقت کوئی موجود نہ تھا، اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عقد کیا تھا، لہٰذا عقد نکاح وقت اور مقام کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی نہیں، کیونکہ وہ خود عاقد نہیں تھیں، اس لئے کہ عورتیں مجلس نکاح میں حاضر نہیں ہوتیں۔[۲۹]

۷۔حضرت یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حالت حلت میں روایت کرتے ہیں لیکن انہی کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موافق بھی ہیں، جو طبقات ابن سعد میں ہے اس میں یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ نے یہ تو تصریح کردی کہ بناء حالتِ حل میں ہوئی تھی، لیکن نکاح کا ذکر نہیں کیا حالانکہ سوال نکاح کے بارے میں تھا یہ اس کی دلیل ہے کہ نکاح حالت احرام میں ہوا تھا۔[۳۰]

حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور ان دلائل کی روشنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت راجح ہے، البتہ حضرت یزید بن الاصم کی رایت میں یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ وہاں "تزوج" سے مراد بناء ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ عام لوگوں کو نکاح کا علم بناء سے ہوتا ہے اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ نکاح بھی حلال ہونے کی حالت میں ہوا، تاہم ظاہر ہے کہ اختلاف روایات اور اختلاف علماء کی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ حالت احرام میں نکاح بھی نہ کیا جائے۔

شافعیہ کی طرف سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی توجیہات

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک توجیہ یہ فرمائی ہے **"تزوجها حلالا وظهر أمر تزويجها وهو محرم ثم بنىٰ بها وهو حلال"** کہ آنحضرت ﷺ کا حضرت میمونہؓ سے نکاح حلال ہونے کی حالت میں

۲۹ السيرة النبوية لابن هشام ، ج :۵، ص: ۲۰ ، دار الجيل ، بيروت ، ۱۴۱۱هـ.

۳۰ "أخبرنا يزيد بن هارون عن عمرو بن ميمون بن مهران قال : كتب عمر بن عبدالعزيز الى أبى سئل يزيد بن الأصم أحراما كان رسول الله ﷺ حين تزوج ميمونة أم حلالاً، فدعاه أبى فأقراه الكتاب فقال : خطبها وهو حلال وبنىٰ بها حلال ، وأنا أسمع يزيد يقول ذلك"، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد ، ج : ۸، ص : ۱۳۳ ، دار صادر ، بيروت.

مقام سرف میں ہوا تھا۔[۳۱]

لیکن یہ توجیہ درست نہیں، اس لئے کہ سنن نسائی میں اس کی صراحت ہے کہ **"قال تزوج رسول اللہ ﷺ میمونة بنت الحارث وھو محرم وفی حدیث یعلی بسرف"** آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے سرف کے مقام میں نکاح کیا تھا اور سرف داخل میقات ہے، لہٰذا اس مقام پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے غیر محرم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا یہ توجیہ واقعات پر منطبق نہیں۔[۳۲]

حضرات شافعیہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت **"تزوج میمونة وھو محرم"** میں **"ظھر أمر تزویجھا وھو محرم"** کی تاویل کرتے ہیں۔[۳۳]

حنفیہ حضرات کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ حضرت زید بن الاصمؓ کی روایت میں یہی تاویل کرلیں اور کہیں **"تزوج میمونة وھو محرم وظھر أمر تزویجھا وھو حلال"** اور یہ تاویل حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہے۔

احناف پر وارد ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات

ایک یہ کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل فعلی ہے اور حضرت عثمانؓ کی حدیث قولی ہے، لہٰذا قولی کو فعلی پر ترجیح ہونی چاہیئے۔[۳۴]

دوسرے یہ کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں روایات متعارض ہیں **"واذا تعارضا تساقطا"** لہٰذا اب حضرت عثمانؓ کی حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، مثلاً جس میں مذکور ہے کہ **"لاینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب"** اس میں **"نھی عن نکاح المحرم"** کی صراحت ہے۔[۳۵]

تیسرے یہ کہ حنفیہ کے مستدلات مبیح ہیں اور شافعیہ کے مستدلات محرم ہیں، لہٰذا محرم کو مبیح پر ترجیح ہونی چاہیئے۔[۳۶]

قولی کو فعلی کے مقابلہ میں اور محرم کو مبیح کے مقابلہ میں ترجیح دینے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب تطبیق ممکن نہ ہو، اور تطبیق یہاں ممکن ہے، قولی اور فعلی میں تو اس طرح کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو تو نکاح

[۳۱] سنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الرخصة فی ذلک، رقم الحدیث : ۸۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج :۳، ص :۲۰۲.

[۳۲] سنن النسائی، کتاب النکاح، باب الرخصة فی نکاح المحرم، رقم الحدیث : ۳۲۱۹.

[۳۳] المجموع، ج :۷، ص :۲۵۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ.

[۳۴، ۳۵، ۳۶] أخبرنا الربیع قال : قال الشافعیؒ فخالفنا بعض الناس فی نکاح المحرم فقال لابأس أن ینکح المحرم ما لم یصب وقال روینا خلاف ما رویتم فذھبنا الی مارویتم وذھبتم الی ما رویتم ..... الخ، کتاب الأم، باب الخلاف فی نکاح المحرم، ج :۵، ص :۱۷۸.

محرم کے جواز پر محمول کیا جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو نہی ہے اس کو تنزیہ پر محمول کیا جائے اور اس کی دلیل بھی موجود ہے کہ **"لاینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب"** اس میں نکاح کے ساتھ حالت احرام میں خطبہ کی بھی ممانعت ہے، حالانکہ خطبہ کسی کے نزدیک حرام نہیں۔

دوسرا اشکال تطبیق کے بعد جس طرح ترجیح کی حاجت نہیں رہتی اسی طرح تساقط کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس کے علاوہ **"اذا تعارضا تساقطا"** کا اصول اس وقت ہے جب کہ متعارضین قوت میں برابر ہوں جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر ائمہ ستہ متفق ہیں، نیز صحاح ستہ کے علاوہ تمام محدثین اس کی تصحیح اور تخریج پر بھی متفق ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا علم وتفقہ ان حضرات پر فائق تھا، اسی لئے صحت کے اعتبار سے بھی اقویٰ اور راجح ہے۔[۳۷]

جہاں تک مبیح اور محرم کے تعارض کا تعلق ہے سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث تو تنزیہ پر محمول ہے ہی حضرت زید بن الاصم رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی **"نکحها وهو حلال"** کو **"بنیٰ وهو حلال"** یا **"خطبها وهو حلال"** کے معنی پر محمول کرکے تطبیق دی جاسکتی ہے۔

(۱۳) باب ماینهی من الطیب للمحرم والمحرمة،

محرم مرد اور عورت کو خوشبو لگانے کی ممانعت کا بیان

"وقالت عائشة رضی الله عنها : لاتلبس المحرمة ثوبا بورس أو زعفران".

۱۸۳۸ ـ حدثنا عبدالله بن یزید : حدثنا اللیث : حدثنا نافع ، عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال : قام رجل فقال : یارسول الله ، ماذا تأمرنا أن نلبس من الثیاب فی الاحرام ؟ فقال النبی ﷺ :((لاتلبسو القمیص ، ولا السراویلات ، ولا العمائم ، ولا البرانس الا أن یکون أحد لیست له نعلان فلیلبس الخفین ولیقطع أسفل من الکعبین . ولا تلبسوا شیئا مسه زعفران ولا الورس . ولا تنتق المحرمة ولا تلبس القفازین)) . تابعه موسی بن عقبة واسماعیل بن ابراهیم ابن عقبة وجویریة وابن اسحاق فی النقاب والقفازین . وقال عبیدالله: ((ولاورس)) . وکان یقول : ((لاتنتقب المحرمة ولاتلبس القفازین)).وقال مالک : عن نافع ، عن ابن عمر :((لا تتنقب المحرمة)).وتابعه لیث بن أبی سلیم .[راجع : ۱۳۴]

[۳۷] وهذا یقوی مسلک الحنفیة فی المسألة ، فقد جعلوا هذا الحدیث مرجحاً لحدیث ابن عباس ، ورجحوا حدیث ابن عباس أیضاً بأنه أخرجه الستة ، وبفقه رواته . ووفقوا بینه وبین ما خالفه بأن المراد بالاثبات العقد وبالنفی الوطء. أنظر التفصیل فی : هدایة السالک الی المذاهب الأربعة فی المناسک ، ج :۲، ص:۶۲۳، دارالبشائر الاسلامیة ، بیروت لبنان، الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۴ھ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! حالت احرام میں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا قمیص، پائجامہ، عمامہ اور ٹوپی نہ پہنے، مگر یہ کہ کوئی ایسا آدمی ہو جس کے پاس جوتیاں نہ ہو تو وہ موزے پہن سکتا ہے اور ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دے اور نہ کوئی ایسا کپڑا پہنو جس میں زعفران یا ورس لگی ہو اور احرام والی عورت منہ پر نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔

۱۸۳۹ ۔ حدثنا قتیبة : حدثنا جریر ، عن منصور ، عن الحکم ، عن سعید بن جبیر ، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال : وقصت برجل محرم ناقته فقتلته ، فأتی به رسول اللہ ﷺ فقال: ((اغسلوه و کفنوه و لا تغطو رأسه ، و لا تقربوه طیبا ، فانه یبعث یهل)) . [راجع :۱۲۶۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے بیان کیا کہ ایک محرم شخص کی گردن اس کی اونٹنی نے توڑ دی اور اس کو مار ڈالا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کو غسل دو اور اس کو کفن دو اور اس کا سر نہ ڈھانپو اور اس کو خوشبو کے قریب نہ لے جاؤ، اس لئے کہ وہ لبیک کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔

محرم میت کے احکام

امام شافعی کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ استدلال فرماتے ہیں کہ اگر حالت احرام میں کسی کا انتقال ہو جائے تو اس پر احرام کی تمام پابندیاں بدستور لاگو رہیں گی، لہٰذا نہ اس کو خوشبو لگائی جائے گی، نہ اس کو زیادہ کپڑا پہنایا جائے گا، نہ اس کا سر ڈھانکا جائے گا۔[۳۸]

حنفیہ کا مسلک واستدلال

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک موت سے احرام منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے احرام حالت میں مرجائے تو اس ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو حلال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔[۳۹]

---

[۳۸] احتج بـه الشافعی وأحمد واسحاق وأهل الظاهر فی أن المحرم علی احرامه بعد الموت ، ولهذا یحرم ستر رأسه وتطییبه ، وهو قول عثمان وعلی وابن عباس وعطاء والثوری .عمدة القاری ، ج:۶،ص: ۷۰.

[۳۹] عـن أبـی هریرة أن رسول اللہ ﷺ قـال اذامـات الانسـان انـقـطـع عمله الامن ثلاث صدقة جاریة وعلم ینتفع به وولد صالـح یدعوله ، سنن الترمذی ، کتاب الاحکام عن رسول اللہ ، باب فی ا لوقف ،رقم : ۲۹۸، وصحیح مسلم ، کتاب الوصیة ، رقم : ۳۰۸۴ ، وعمدة القاری ، ج :۶ ، ص: ۷۰.

(۱۴) باب الاغتسال للمحرم،

محرم کے غسل کرنے کا بیان

" وقال ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما : یدخل المحرم الحمام . ولم یر ابن عمر وعائشة بالحک باساً ".

حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا محرم حمام میں داخل ہوسکتا ہے اور ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما محرم کے لئے بدن کھجانے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا۔

۱۸۴۰ ـ حدثنا عبداللّٰہ بن یوسف : أخبرنا مالک، عن زید بن أسلم ، عن إبراهیم بن عبداللّٰہ بن حنین، عن أبیه: أن عبداللّٰہ بن العباس، والمسور بن مخرمة اختلفا بالأبواء ، فقال عبداللّٰہ بن عباس: یغسل المحرم رأسه. وقال المسور: لا یغسل المحرم رأسه. فأرسلنی عبداللّٰہ بن العباس إلی أبی أیوب الأنصاری فوجدته یغسل بین القرنین. وهو یستر بثوب فسلمت علیه. فقال: من هذا؟ فقلت: أنا عبداللّٰہ بن حنین، أرسلنی إلیک عبداللّٰہ بن العباس یسألک کیف کان رسول اللّٰہ ﷺ یغسل رأسه وهو محرم؟ فوضع أبو أیوب یده علی الثوب فطأطأه حتی بدا لی رأسه. ثم قال لإنسان یصب علیه: أصبب فصب علی رأسه ظم حرک رأسه بیدیه فأقبل بهما وأدبر، وقال هکذا رأیته ﷺ یفعل. [۴۰،۴۱]

حدیث کی تشریح

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ ﷺ کے ابواء کے مقام پر اختلاف ہوگیا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"یغسل المحرم رأسه"** محرم اپنا سر دھوسکتا ہے اور مسور ﷺ نے فرمایا **"لا یغسل المحرم رأسه"** محرم اپنا سر نہیں دھوسکتا۔

عبداللہ بن حنین فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوایوب انصاری ﷺ

---

[۴۰] لایوجد للحدیث مکررات .

[۴۱] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب جواز غسل المحرم بدنه ورأسه ، رقم : ۲۰۹۱ ، وسنن النسائی ، کتاب مناسک الحج ، باب غسل المحرم ، رقم : ۲۶۱۷ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب المناسک ، باب المحرم یغتسل ، رقم :۱۵۲۸ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب المناسک ، باب المحرم یغسل رأسه ، رقم :۲۹۲۵ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حدیث أبی أیوب الأنصاری ، رقم : ۲۲۴۲۹ ، ۲۲۴۴۶ ، ۲۲۴۷۵ ، مؤطا مالک ، کتاب الحج ، باب غسل المحرم ، رقم : ۶۲۰ ، وسنن الدارمی ، کتاب المناسک ، باب فی الاغتسال فی الاحرام ، رقم : ۱۷۲۵ .

کے پاس بھیجا کہ ذرا ان سے مسئلہ پوچھ کر آؤ، **"فوجدته یغتسل بین القرنین"** تو اتفاق سے جب میں پہنچا تو وہ غسل ہی کررہے تھے **"وهو یستر بثوب"** اور ایک کپڑے سے ان کو چھپایا جارہا تھا تو میں نے سلام کیا، تو انہوں نے کہا **"من هذا"** کہ بھئی! کون آیا ہے، میں نے کہا **"أنا عبدالله بن حنین، أرسلني إليک عبدالله ابن العباس یسئلک کیف کان رسول الله ﷺ یغسل راسه وهو محرم، فوضع أبو أیوب یده علی الثوب"** تو وہ پردے کے پیچھے تھے تو ہاتھ اوپر سے ڈال کر پردے کو نیچے کیا تاکہ میں ان کا سر دیکھ سکوں چنانچہ میرے لئے ان کا سر ظاہر ہوگیا، تو پھر ایک شخص سے کہا جوان پر پانی بہارہا تھا **"اصبب"** کہ پانی بہاؤ **"فصبّ علی راسه ثم حرّک راسه بیدیه فاقبل بهما وأدبر"** آگے پیچھے لے جاکر سر کو ملا اور فرمایا **"هکذا رأیته ﷺ یفعل"**۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک محرم کے لئے غسل جائز ہے اور اگر جنبی ہو تو بلا اختلاف جائز ہے۔[۴۲]

(۱۵) باب لبس الخفین للمحرم اذا لم یجد النعلین

محرم کے موزے پہننے کا بیان جب کہ اس کے پاس جوتیاں نہ ہوں

۱۸۴۱ ۔ حدثنا أبو الولید: حدثنا شعبة قال: أخبرني عمرو بن دینار: سمعت جابر بن زید: سمعت ابن عباس رضی الله عنهما قال: سمعت النبي ﷺ یخطب بعرفات: من لم یجد النعلین فلیلبس الخفین، ومن لم یجد ازارا فلیلبس السراویل ۔ للمحرم)). [راجع: ۱۷۴۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے اور جس محرم کے پاس تہ بند نہ ہو تو وہ پائجامہ پہن لے۔

۱۸۴۲ ۔ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا إبراهیم بن سعید: حدثنا ابن شهاب، عن سالم، عن أبیه عبدالله ؓ: سئل رسول الله ﷺ: مایلبس المحرم من الثیاب؟ فقال: ((لایلبس القمیص، ولا العمائم، ولا السراویلات ولاالبرنس ولا ثوباً مسه زعفران ولا ورس. وان لم یجد نعلین فلیلبس الخفین ولیقطعهما حتی یکونا أسفل من الکعبین)). [راجع: ۱۳۴]

"وان لم یجد نعلین" اگر اس کو نعلین نہ ملے تو **"فلیلبس الخفین"** تو خفین پہن لے **"ولیقطعهما حتی یکونا أسفل من الکعبین"** ان کو کاٹ لے یہاں تک کہ کعبین کے نیچے ہو جائے۔

---

[۴۲] الاغتسال للمحرم إما لأجل التطهیر من الجنابة، و إما لأجل التنظیف. قال ابن المنذر: أجمعوا علی أن للمحرم أن یغتسل من الجنابة. عمدة القاری، ج:۷، ص:۵۳۰.

"کعبین" سے مراد وسط قدم کی ہڈی ہے یعنی اس طرح کاٹ لیں کہ اس سے نیچے نیچے ہو جائے۔

(۱۶) باب: إذا لم يجد الإزار فليلبس السراويل

۱۸۴۳۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا عمرو بن دينار، عن جابر بن زيد، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: خطبنا النبی ﷺ بعرفات فقال: ((من لم يجد الإزار فليلبس السراويل. ومن لم يجد النعلين فليلبس الخفين)) [راجع: ۱۷۴۰]

یہ جو آخری جملہ ہے کہ **"من لم يجد الازار فليلبس السراويل"** کسی کے پاس اگر ازار نہ ہو تو شلوار ہی پہن لے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس ازار نہیں ہے تو وہ سلی ہوئی شلوار بھی پہن سکتا ہے۔[۴۳]

حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ قید ملحوظ ہے کہ شلوار اس طرح پہنے کہ اس کو کاٹ لے اور کاٹ کر اس کو ازار بنالے جیسا کہ اس سے پہلے خفین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر نعلین نہ ہوں تو خفین پہن لے اور خود حدیث میں اس کی وضاحت فرمادی کہ خفین پہننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو **"أسفل من الكعبين"** کاٹ لے پھر پہنے، تو اسی طرح سراویل میں بھی یہ بات ملحوظ ہے کہ اس کو کاٹ لے اور سلا ہوا کپڑا اس وقت ناجائز ہوتا ہے جب وہ کسی عضو کی ہیئت پر سلا ہو جیسے آستین، پائنچے وغیرہ، اگر وہ ہیئت عضو پر نہیں سلا ہوا چاہے سلا ہوا ہو تو اس کو پہننا جائز ہے، اور امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس ازار مہیا نہ ہو تو شلوار پہن سکتا ہے، لیکن کفارہ دینا ہوگا۔[۴۴]

(۱۷) باب لبس السلاح للمحرم

محرم کے ہتھیار باندھنے کا بیان

"وقال عكرمة: اذا خشی العدو لبس السلاح وافتدى، ولم يتابع عليه فی الفدية".

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب دشمن کا خوف ہو تو ہتھیار باندھے اور فدیہ دے لیکن فدیہ دینے کے متعلق ان کے متابع حدیث کسی نے روایت نہیں کی۔

۱۸۴۴۔ حدثنا عبيدالله، عن اسرائيل، عن أبی اسحاق، عن البراء ﷺ: اعتمر

[۴۳، ۴۴] وقد قلنا: ان المطلق ههنا محمول على المقيد لا ستوائهما فی الحكم، والأصح عند الشافعية جواز لبس السراويل بغير فتق كقول أحمد، واشترط الفتق محمد بن الحسن وامام الحرمين وطائفة، وعن أبی حنيفة: منع السراويل للمحرم مطلقاً، ومثله عن مالك، وقال أبو بكر الرازی من أصحابنا: يجوز لبسه وعليه الفدية. عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۵۳۳.

رسول اللہ ﷺ فی ذی القعدة فأبی أهل مكة . أن يدعوه يدخل مكة حتى قاضاهم لايدخل مكة سلاحا الا في القراب . [راجع : ۱۷۸۱]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ذی قعدہ کے مہینہ میں عمرہ کیا تو مکہ والوں نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ مکہ میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ تلواریں نیاموں میں ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حالتِ احرام میں ہتھیار پہنے جا سکتے ہیں، اور عکرمہؒ نے فرمایا کہ ہتھیار پہنے تو فدیہ دے، لیکن دوسرے فقہاء نے فدیہ کے وجوب میں ان کی متابعت نہیں کی، ان کے نزدیک فدیہ واجب نہیں۔ البتہ عکرمہؒ کا قول اس صورت پر محمول ہوسکتا ہے جب ہتھیار پہننے سے کسی محظورِ احرام کا ارتکاب لازم آئے، مثلاً سر پر خود یا مغفر پہنے، اس صورت میں سب کے نزدیک فدیہ ہوگا۔

(۱۸) باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام

حرم اور مکہ میں بغیر احرام باندھے ہوئے داخل ہونے کا بیان

"ودخل ابن عمر، وإنما أمر النبي ﷺ بالإهلال لمن أراد الحج والعمرة، ولم يذكر الحطابين وغيرهم".

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ حرم اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہو سکتے ہیں یعنی اگر عمرہ کرنے کی نیت نہ ہو ویسے ہی آدمی کسی اور غرض سے جا رہا ہے تو حرم اور مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہوسکتا ہے۔

اس پر استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ حلال ہونے کی حالت میں داخل ہوئے، البتہ نبی کریم ﷺ نے تلبیہ پڑھنے اور احرام باندھنے کا اس شخص کو حکم دیا جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو اور حطابین کا ذکر نہیں کیا کہ جب وہ لکڑیاں جمع کرنے کے لئے جائیں۔

مرفوع روایت سے استدلال کر رہے ہیں جو آگے ذکر کی ہے **"من اراد الحج و العمرة"** کہ جو حج اور عمرہ کا ارادہ کرے تو وہ ان مواقیت میں سے کسی میقات پر احرام باندھے تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جو حج اور عمرہ کا ارادہ نہ کرے تو اس کے لئے احرام باندھنا واجب نہیں، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک قول میں اسی کو اختیار کیا ہے۔[۴۵]

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے اور دونوں روایتیں ان سے ہیں۔[۴۶]

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔[۴۷]

حنفیہ کے ہاں آدمی چاہے کسی بھی غرض سے جا رہا ہو اگر وہ مکہ مکرمہ جا رہا ہے تو اس کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور جو استدلال کیا گیا ہے کہ **"من اراد الحج والعمرة"** تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ حکم ہو گیا کہ بغیر احرام کے کسی بھی حالت میں داخل ہو ہی نہیں سکتا تو ہر شخص کو حج یا عمرہ کا ارادہ کرنا ہی ہوگا تو

"من أراد الحج والعمرة" تو یہ قیدِ احترازی نہیں بلکہ قیدِ واقعی ہے۔[۴۸]

اور یہ احرام اس مقام مقدس کی تقدیس وتعظیم کے لئے ہے اور حطابین کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ لکڑیاں جمع کرنے والے عام طور پر میقات کے اندر اندر ہوتے ہیں باہر سے نہیں آتے اور میقات کے اندر والے کے لئے احرام ضروری نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اصل واقعہ یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور انہوں نے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کیا اور جاتے ہوئے جب **"قدید"** کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں "فتنہ حرہ" کا کچھ جھگڑا ہے تو یہ بغیر احرام باندھے ہوئے مکہ مکرمہ واپس آگئے تو اس میں **"قدید"** جو ہے جہاں سے یہ واپس ہوئے یہ داخل میقات ہے، کیونکہ مدینہ منورہ سے آنے والوں کے لئے میقات ذوالحلیفہ ہے اور یہ ذوالحلیفہ پہنچے ہی نہ تھے تو معلوم ہوا کہ یہ میقات کے اندر اندر سے واپس آرہے تھے، میقات سے باہر نکلے ہی نہ تھے، لہٰذا حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔[۴۹]

لیکن یہ بات ضرور ہے کہ آج کل طائف میں رہنے والوں کے لئے بڑی دشواری ہے جبکہ جدہ والوں کے لئے کوئی دشواری نہیں، کیونکہ جدّہ میقات ہے، لہٰذا وہاں سے بغیر احرام کے جاسکتے ہیں لیکن مثلاً طائف میں رہنے والے اور آج کل صورت حال یہ ہے کہ لوگ رہتے تو طائف میں ہیں اور نوکری کرتے ہیں مکہ میں یا رہتے ہیں

[۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸] وقد اختلف العلماء في هذا الباب، فقال ابن القصار: واختلف قول مالك والشافعي في جواز دخول مكة بغير احرام لمن لم يرد الحج والعمرة، فقالا مرة: لايجوز دخولها الا بالاحرام لاختصاصها ومبا ينتها جميع البلدان الا الحطابين، ومن قرب منها مثل جدة والطائف وعسفان لكثرة ترددهم اليها، وبه قال أبوحنيفة والليث، وعلى هذا فلا دم عليه، نص عليه في (المدوّنة). وقالا مرة أخرىٰ: دخولها به مستحب لا واجب. قلت: مذهب الزهري والحسن البصري والشافعي في قول، ومالك في رواية، وابن وهب و داؤد بن علي أصحابه الظاهرية: أني لا بأس بدخول الحرم بغير احرام، ومذهب عطاء بن أبي رباح والليث بن سعد والثوري وأبي حنيفة وأصحابه ومالك في رواية، وهي قوله الصحيح، والشافعي في المشهور عنه وأحمد و أبي ثور والحسن بن حي: لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات الى الأمصار أن يدخل مكة الا بالاحرام، فان لم يفعل أساء ولا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور، وعند أبي حنيفة: عليه حجة أوعمرة. عمدة القاري، ج: ۷، ص: ۵۳۵، دارالفكر، بيروت، والتمهيد لابن عبد البر، ج:۶، ص: ۱۶۴، دارالنشر: وزارة عموم الأوقاف والشؤون الاسلامية، مدينة النشر: المغرب ۱۳۸۷هـ، و المدونة الكبرىٰ، ج:۸، ص: ۴۰۴، دارصادر، بيروت، و شرح العمدة، ج: ۲، ص: ۳۵۲، مكتبة العبيكان، الرياض ۱۴۱۳هـ، و بدائع الصنائع، ج: ۲، ص: ۱۶۶، دارالكتاب العربي، بيروت ۱۹۸۲هـ.

[۴۹] التمهيد لابن عبدالبر، ج: ۶، ص: ۱۶۲، والمبسوط للسرخسي، ج: ۴، ص: ۱۶۸، دارالمعرفة، بيروت ۱۴۰۶هـ.

مکہ میں اور نوکری کرتے ہیں طائف میں، اور بس اور ٹیکسی والے دن میں طائف اور مکہ کے درمیان دس چکر لگاتے ہیں اس لئے کہ ایک گھنٹے کا راستہ ہے تو ایسی صورت میں پہلے احرام باندھیں، پھر عمرہ کریں تو اس میں بلاشبہ حرج ہے اور ایسے حرج کے مواقع پر کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کر لینا جائز ہے، بلکہ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے علامہ ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: **"لاأعلم خلافاً بين فقهاء الأمصار في الحطا بين ومن يد من الاختلاف الى مكة ويكثره في اليوم والليلة أنهم لايؤمرون بذلك لما عليهم فيه من المشقة"** نیز امام مالک نے جس قول میں بلا احرام داخل ہونے کو منع کیا ہے، اس میں انہوں نے طائف کے پھل فروشوں کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے۔[50]

۱۸۴۵۔ حدثنا مسلم : حدثنا وهيب : حدثنا ابن طاوس ، عن أبيه ، عن ابن عباس رضي الله عنهما : ان النبي ﷺ وقت لاهل المدينة ذاالحليفة ، ولاهل نجد قرن المنازل ، ولاهل اليمن يلملم ، هن لهن ولكل آتٍ أتى عليهن من غيرهم ممن أراد الحج والعمرة . فمن كان دون ذلك فمن حيث انشأ حتى أهل مكة من مكة . [راجع : ۱۵۲۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے "ذوالحلیفہ" اور اہل نجد کے لئے "قرن منازل" اور اہل یمن کے لئے "یلملم" میقات مقرر کئے یہ وہاں کے رہنے والوں کے بھی اور ان کے لئے بھی میقات ہیں جو ان کے علاوہ دوسری جگہوں سے حج یا عمرہ کے ارادہ سے آئیں اور جو شخص ان جگہوں کے اندر رہنے والا ہو تو وہ وہیں سے احرام باندھ لے، جہاں سے نکلے، یہاں تک کہ اہل مکہ، مکہ سے ہی احرام باندھ کر نکلیں۔

۱۸۴۶۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ دخل عام الفتح وعلى رأسه المغفر، فلما نزعه جاءه رجل فقال: إن ابن خطل متعلق بأستار الكعبة، فقال: ((اقتلوه)). [أنظر: ۳۰۴۴، ۴۲۸۶، ۵۸۰۸]. [51]

---

[50] كذا ذكره العلامة بدر الدين العيني في عمدة القاري ، ج: ۷ ، ص: ۵۳۵.

[51] وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب جواز دخول مكة بغير احرام ، رقم : ۲۴۱۷، وسنن الترمذي كتاب الجهاد عن رسول الله ، باب ماجاء في المغفر ، رقم : ۱۶۱۶ ، وسنن النسائي ، كتاب مناسك الحج ، باب دخول مكة بغير احرام ، رقم : ۲۸۱۸، وسنن أبي داؤد ، كتاب الجهاد ، باب قتل الأسير ولايعرض عليه الاسلام ، رقم : ۲۳۱۰، وسنن ابن ماجه ، كتاب الجهاد ، باب السلاح ، رقم : ۲۷۹۵، ومسند أحمد ، مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۶۲۵، ۱۲۲۲۰، ۱۲۳۸۷، ۱۲۴۶۴ ، باب باقي المسند السابق ، ۱۲۸۶۶، ۱۲۹۳۳، ۱۲۹۵۵، ۱۳۰۳۰، ومؤطامالك ، كتاب الحج ، باب جامع الحج ، رقم : ۸۴۲، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في دخول مكة بغير احرام بغير حج ولاعمرة، رقم : ۱۸۵۷ ، وكتاب السير ، باب كيف دخل النبي مكة ، رقم : ۲۳۴۸.

اس حدیث سے اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے سال داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے سر اقدس پر مغفر تھا، اس کا مطلب ہوا کہ آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے تو چونکہ ارادہ عمرے کا نہیں تھا اس لئے بغیر احرام کے آپ ﷺ تشریف لائے تھے لیکن اس سے استدلال اس لئے تام نہیں ہوتا کہ یہ تو ایک استثناء کا واقعہ تھا اور فتح مکہ کے سال میں پورے حرم کو حلال قرار دے دیا تھا، لہٰذا اس سے استدلال تام نہیں۔

(۱۹) باب : إذا أحرم جاهلاً وعليه قميص

ناواقفیت میں کوئی شخص قمیص پہنے ہوئے احرام باندھ لے

"وقال عطاء: إذا تطيب أو لبس جاهلاً أو ناسياً فلا كفارة عليه".

کوئی شخص جہل یا نسیان کی وجہ سے محظورِ احرام کا ارتکاب کرے تو اس کے اوپر کفارہ نہیں، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ کفارہ ہر صورت میں ہے کیونکہ غلطی تو بھول چوک ہی سے ہوتی ہے اور عام طور پر جو واقعات پیش آتے ہیں وہ جہلاً اور نسیاناً ہی ہوتے ہیں، تعمد سے کرنا تو ایک طرح سے سرکشی ہے۔

حدیث میں وہی واقعہ ہے جو پہلے بھی گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قمیص اتار دو۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ ان سے یہ تو کہہ دیا کہ قمیص اتار دو، لیکن یہ نہیں کہا کہ کفارہ ادا کرنا، کیونکہ تم اب تک پہنے ہوئے تھے تو معلوم ہوا کہ جہلاً پہنے ہوئے تھے اس لئے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ حنفیہ کا کہنا ہے کہ عدمِ ذکر عدمِ شئ کو مستلزم نہیں، یہاں راوی نے یہ ذکر کیا کہ یوں کرلو، باقی کفارہ اور فدیہ وغیرہ کا حکم آپ ﷺ نے دیا ہوگا جو مذکور نہیں۔

۱۸۴۷ـ حدثنا أبو الوليد : حدثنا همام : حدثنا عطاء قال : حدثني صفوان بن يعلى بن أمية ، عن أبيه قال : كنت مع رسول الله ﷺ فأتاه رجل عليه جبة فيه أثر صفرة أو نحوه كان عمر يقول لي : تحب اذا نزل عليه الوحي أن تراه ؟ فنزل عليه ثم سرى عنه فقال ﷺ : ((اصنع في عمرتك ما تصنع في حجك)).[راجع : ۱۵۳۶]

ترجمہ: صفوان بن یعلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا جو چوغہ پہنے ہوئے تھا جس پر زرد خوشبو یا اسی قسم کا چیز کا نشان تھا اور عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے کہتے تھے کیا تم پسند کرتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی اتر رہی ہو تو اس وقت دیکھو، چنانچہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی پھر وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے عمرے میں وہی کام کرو جو تم اپنے حج میں کرتے ہو۔

۱۸۴۸ـ وعض رجل يد رجل ، يعني فانتزع ثنيته فأبطله النبي ﷺ . [أنظر : ۲۲۶۵، ۲۹۷۳، ۴۴۱۷، ۶۸۹۳]

ترجمہ: ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ میں دانت سے کاٹا، اس نے ہاتھ کھینچ لیا تو دوسرے کا دانت اکھڑ گیا، نبی کریم ﷺ نے اس کو باطل قرار دیا یعنی کچھ معاوضہ نہیں دلایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص دفاع میں کوئی کام کرے اور اس سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے تو اس صورت میں ضمان نہیں آتا۔

(۲۰) باب المحرم یموت بعرفة ولم یأمر النبی ﷺ أن یؤدی عنه بقیة الحج

محرم جو عرفات میں مرجائے اور نبی ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا کہ اس کی طرف سے حج کے باقی ارکان ادا کیے جائیں

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنے کے لئے حدیث لائے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں مرگیا اور حج پورا نہیں کر سکا تو اس کا حج بدل کرانا کوئی ضروری نہیں، ورنہ آپ ﷺ یہاں پر اس کا حج بدل کراتے۔[۵۲]

حدیث باب میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض ہوا اور جس سال فرض ہوا اسی سال اس نے حج کرنا بھی شروع کر دیا لیکن پورا کرنے سے پہلے مرگیا تو حج بدل کرانا ضروری نہیں لیکن اگر فرض تو دس سال پہلے ہوا تھا، نو سال تک اس نے فریضہ ادا نہیں کیا، اور پھر دسویں سال اس نے حج کرنا شروع کیا اور ابھی پورا نہیں کیا تھا کہ اس کی وفات ہوگئی ایسی صورت میں حج بدل کی وصیت کرنا اس کے ذمہ واجب ہے، دس سال محض اتفاقاً کہا جا رہا ہے ایک ہی سال گذرا ہو تو بھی حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہے۔

۱۸۴۹ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا حماد بن زید: عن عمرو بن دینار، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس ﷺ قال: بینا رجل واقف مع النبی ﷺ بعرفة إذ وقع عن راحلته فوقصته أو قال: فأقعصته. فقال النبی ﷺ: ((اغسلوه بماءٍ وسدر وکفنوه فی ثوبین، أو قال: ثوبیه، ولا تخمّروا رأسه ولا تحنطوه، فإن الله یبعثه یوم القیامة یلبی)).[راجع: ۱۲۶۵][۵۳]

---

[۵۲] وقال المهلب: هذا دل علی أنه لا یجمع أحد عن أحد لأنه عمل بدنی کالصلاة لا تدخلها النیابة، لو صحت فیها النیابة لأمر النبی ﷺ، باتمام الحج عن هذا. عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۵۴۳، و البحر الرائق، ج: ۳، ص: ۶۵، دار المعرفة، بیروت.

[۵۳] وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مایفعل بالمحرم اذا مات، رقم: ۲۰۹۳، وسنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء فی المحرم یموت فی احرامه، رقم: ۸۷۴، وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب فی کم یکفن المحرم اذا مات، رقم: ۲۸۰۵، وسنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب المحرم یموت کیف یصنع به، رقم: ۲۸۱۹، وسنن ابن ماجه، کتاب المناسک، باب المحرم یموت، رقم: ۳۰۷۵، ومسند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بدایة مسند عبدالله بن العباس، رقم: ۱۷۵۳، ۲۲۶۰، ۲۸۷۳، ۳۰۶۱، وسنن الدارمی، کتاب المناسک، باب فی المحرم اذامات مایصنع به، رقم: ۱۷۷۹.

۱۸۵۰۔ حدثنا سلیمان بن حرب : حدثنا حماد ، عن أیوب ، عن سعید بن جبیر ، عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال : بینا رجل واقف مع النبی ﷺ بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته أو قال : فأوقصته ، فقال النبی ﷺ : ((اغسلوه بماء وسدر وکفنوه فی ثوبین ، و لا تمسوه طیبا ولا تخمروا رأسه ولا تحنطوه ، فان اللّٰہ یبعثه یوم القیامة ملبیاً)).[راجع : ۱۲۶۵]

"اغسلوه بماء وسدر وکفنوه فی ثوبین ، و لا تمسوه طیبا ولا تخمروا رأسه ولا تحنطوه"

آپ ﷺ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور دو ہی کپڑوں میں کفن دو یعنی وہی احرام والے کپڑے اور پر حنوط کی خوشبو نہ لگانا اور ان کے سر پر خمار نہ لگانا یعنی سر مت ڈھکنا۔[۵۴]

(۲۲) باب الحج والنذور عن المیت، والرجل یحج عن المرأة

میت کی طرف سے حج اور نذروں کے پورا کرنے کا بیان اور مرد کا اپنی بیوی کی طرف سے حج کرنے کا بیان

۱۸۵۲۔ حدثنا موسی بن إسماعیل: حدثنا أبو عوانة عن أبی بشر: عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: أن امرأة من جهینة جاءة إلی النبی ﷺ فقالت: إن أمی نذرت أن تحج فلم تحج حتی ماتت ، أفأحج عنها؟ قال؟ ((نعم حجی عنها، أرأیت لو کان علی أمک دین، أکنت قاضیته؟ اقضوا اللّٰہ ، فاللّٰہ أحق بالوفاء)).[أنظر : ۶۶۹۹، ۷۳۱۵] [۵۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، لیکن وہ حج نہ کر سکی اور مرگئی، تو کیا اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس کی طرف سے حج کرا گر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی؟ اللہ ﷻ کا حق تو اور بھی پورا کیے جانے کا مستحق ہے۔

اس ترجمۃ الباب میں تین مسئلے بیان کئے ہیں۔

---

[۵۴] مسئلہ کی تفصیل اور فقہاء کا اختلاف کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری ، ج : ۴، ص: ۳۸۳، کتاب الجنائز ، باب الکفن فی ثوبین، رقم الحدیث : ۱۲۶۵.

[۵۵] وفی سنن النسائی ، کتاب المناسک الحج ، باب الحج عن المیت الذی لم یحج ، رقم : ۲۵۸۶، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بدایة مسند عبداللّٰہ بن العباس ، رقم : ۲۰۳۳، ۲۳۸۷، ۳۰۵۵، وسنن الدارمی ، کتاب النذور والأیمان ، باب الوفاء بالنذور، رقم : ۲۲۲۷.

(۱) الحج عن المیت .

(۲) نذر عن المیت .

(۳) رجل یحج عن المرأۃ .

اس حدیث باب میں ''نیابت فی العبادت'' کا مسئلہ ہے۔مسئلہ نیابت میں سوال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے کوئی عبادت کرسکتا ہے یا نہیں، اس میں یہ تفصیل ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں:

ایک عبادت بدنی جیسے نماز، روزہ۔

دوسرے عبادت مالی جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر۔

تیسرے وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے یعنی اس میں کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے کچھ جسمانی محنت بھی اٹھانی پڑتی ہے، جیسے حج وعمرہ وغیرہ۔

ان تینوں قسم کے احکام یہ ہیں کہ عبادات بدنیہ میں تو ایک کا فرض کوئی دوسرا آدمی مطلقاً ادا نہیں کرسکتا، ایک کی نماز کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، ایک کا روزہ دوسرا نہیں رکھ سکتا۔

اور عبادت مالیہ میں مطلقاً ایک کا فرض دوسرا ادا کرسکتا ہے، اس کا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں اور کوئی دوسرا آدمی اپنے مال سے دوسرے کی زکوٰۃ فرض اس کی اجازت کے ساتھ ادا کرسکتا ہے، اس میں کوئی شرط نہیں۔

تیسری قسم یعنی وہ عبادت جو مالی اور بدنی سے مرکب ہے اس کا حکم یہ ہے کہ خود ادائیگی پر قادر ہونے کی حالت میں تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا، البتہ خود قدرت نہ ہو تو ضرورت کے وقت دوسرا آدمی اس کا فرض ادا کرسکتا ہے، حج اسی قسم میں داخل ہے، کیونکہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت بھی۔ضرورت کے وقت کا مطلب یعنی **"عند العجز"** نیابت درست ہے، یہی تفصیل **"الحج عن المیت"** کا ہے، البتہ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، قاسمؒ اور ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ **"لایحج عن أحد"** یعنی حج میں نیابت درست نہیں۔[۵۶]

امام مالک اور لیث رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حج میں نیابت درست نہیں، البتہ اگر کسی میت پر حج فرض تھا اور وہ اپنی زندگی میں اس فریضہ کو ادا نہ کرسکا تو اس کی طرف سے حج کرنا درست ہے، لیکن وہ حج اس کے فریضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، پھر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر میت نے اپنی جانب سے حج کرنے کی وصیت کی تھی تو اس کی وہ وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی۔[۵۷]

---

۵۶ وقال الطائفة : لایحج أحد عن أحد روی هذا عن ابن عمر والقاسم والنخعی ،عمدة القاری ، ج : ۷، ص: ۵۴۷.

۵۷ وقال مالک واللیث : لایحج أحد عن أحد الا عن میت لم یحج حجة الاسلام ولا ینوب عن فریضه ، فان أوصی المیت بذلک فعند مالک و أبی حنیفة یخرج من ثلثه ، وهو قول النخعی ، عمدة القاری، ج :۷، ص: ۵۴۷ ، و المغنی، ج : ۱۰، ص: ۸۶، ، دارالفکر ، بیروت ، ۱۴۰۵ هـ ، وکتاب الأم، ج : ۲، ص: ۱۱۱ ، دارالمعرفة ، بیروت ، ۱۳۹۳ هـ .

امام شافعی رحمہ اللہ نزدیک **"عندالعجز"** نیابت درست ہے، اگر میت کے ذمہ مین حج فرض تھا یا نذر کی وجہ سے اس کے ذمہ لازم تھا اب اس کی حیثیت دین کی سی ہے جس کی اس کی جانب سے ادائے گی ضروری ہے، لہٰذا وہ وصیت کرے یا نہ کرے بہرصورت اس کی جانب سے حج کرانا ورثہ کے ذمہ لازم ہے خواہ اس حج کرانے میں کل مال خرچ ہو جائے۔[58]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک **"عندالعجز"** نیابت فی الحج میں تفصیل یہ ہے کہ اگر میت نے حج کرانے کی وصیت کی تھی تو اس کی وہ وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی، اگر ثلثِ مال میں سے اس کی جانب سے حج کرانا ممکن ہو تو ورثہ کے ذمہ میں اس وصیت کو پورا کرانا لازم ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ میت کے وطن سے حج بدل کرنے کے لئے کسی کو بھیجا جائے گا، اگر ثلثِ مال میں وطن سے حج کرانا ممکن نہ ہو تو قیاس کے مطابق تو وصیت باطل ہو کر اس ثلث میں بھی میراث جاری ہوگی، لیکن استحساناً میت کو اس فریضہ سے سبکدوش کرنے کے لئے اس جگہ سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجا جائے گا جہاں سے ثلثِ مال حج کے لئے کافی ہو۔[59]

اور اگر میت کے ذمہ حج لازم تھا اور اس نے اپنی جانب سے حج کرانے کی وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ اس کی جانب سے حج کرانا لازم نہ ہوگا اور میت تفویت فرض اور ترک وصیت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، البتہ اگر کوئی آدمی اس پر احسان کر کے اس کی طرف سے حج بدل کر دے تو اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا، لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ نے حدیث کی بناء پر فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کی طرف سے یا کسی اور وارث یا اجنبی نے اپنے مرنے والے عزیز کی طرف سے بغیر اس کے امر اور وصیت کے ہی حج بدل ادا کر دیا تو انشاء اللہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا، انشاء اللہ اس لئے کہا کہ کسی نص صریح سے اس کا ادا ہو جانا یقینی طور پر ثابت نہیں۔[60]

---

[58] وعند الشافعي : من رأس ماله ، وفي (التوضيح) : وفيه أن الحجة لواجبة من رأس المال كالدين ، وان لم يوص. و هو قول ابن عباس و أبي هريرة و عطاء و طاؤس و ابن سيرين و مكحول و سعيد بن المسيب والأوزاعي و أبي حنيفة و الشافعي وأبي ثور .عمدة القاري ، ج :۷، ص:۵۴۷.

[59] قلت : مذهب أبي حنيفة ليس كذالك ، بل مذهبه أن من مات وعليه حجة الاسلام ولم يلزمه الورثة سواء أوصي بأن يحج عنه أو لا ، خلافا للشافعي فان أوصىٰ بأن يحج عنه مطلقاً يحج عنه من ثلث ماله ، فان بلغ من بلده يجب ذلك، وان لم يبلغ أن يحج من بلده فالقياس أن تبطل الوصية . وفي الاستحسان : يحج عنه من حيث بلغ ، وان لم يمكن أن يحج عنه بثلث ماله من مكان بطلت الوصية ويورث عنه ،عمدة القاري ، ج : ۷، ص: ۵۴۷ و جواهر الفقة ، ج: ۱ ، ص:۴۹۷.

[60] وان أحب الوارث أن يحج عنه حج وأرجو أن يجزيه ذلك انشاء الله كذا ذكر أبوحنيفة ......الخ

وأما قران الاستثناء بالأجزاء فلأن الحج كان واجباً على الميت قطعاً والواجب على الانسان قطعاً لايسقط الا بدليل موجب للسقوط قطعاً ، ....

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾..........

(۲) نذر عن المیت ۔ کہ کسی شخص نے نذر مانی تھی کہ میں حج کروں گا اور ابھی کر نہیں پایا تھا کہ انتقال ہو گیا تو ورثاء اس کی طرف سے حج کر سکتے ہیں، لیکن دونوں میں قید یہ ہے کہ اس وقت کر سکتے ہیں جب ثلثِ مال میں حج ادا کیا جا سکتا ہو اور اگر ثلثِ مال سے زائد خرچ ہو تو ورثاء کے ذمے واجب نہیں اور اگر کر دیں تو اچھا ہے بشرطیکہ سب عاقل و بالغ ہوں۔[۶۱]

(۳) تیسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ مرد عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے اور جو حدیث لا رہے ہیں اس میں مرد کی طرف سے عورت کا حج بدل کرنا مذکور ہے تو جب عورت مرد کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے تو مرد بطریق اولیٰ عورت کی طرف سے کر سکتا ہے۔[۶۲]

(۲۳) باب الحج عمن لایستطیع الثبوت علی الراحلة

جو شخص اتنا ضعیف ہو کہ اونٹ پر بیٹھ نہ سکے اس کی طرف سے حج کرنا

۱۸۵۳۔ حدثنا أبو عاصم ، عن ابن جریج ، عن ابن شهاب ، عن سلیمان بن یسار ، عن ابن عباس ، عن الفضل بن عباس رضی الله عنهما : أن امرأة ؛ ح .

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... والموجب لسقوط الحج علی المیت بفعل الوارث بغیر أمره من أخبار الآحاد، وخبر الواحد یوجب علم العمل لا علم الشهادة لاحتمال عدم الثبوت ، وان کان احتمالا مرجوحاً لکن الاحتمال المرجوح یعتبر فی علم الشهادة و ان کان لا یعتبر فی علم العمل فعلق الأجزاء، و السقوط بمشیئة الله تعالیٰ احتراز عن الشهادة علی الله تعالیٰ علم قطعی ، وهذا من کمال الورع والاحتیاط فی دین الله تعالیٰ ، ولأن الظاهر من حال من علیه الحج اذا عجز عن الأداء بنفسه حتی أدرکه الموت وله مال ، أنه یأمر وارثه بالحج عنه تفریغاً لذمته عن عهدة الواجب فکانت الوصیة قوماً دلالة و الثابت دلالة عهدة کالثابت نصاً لکن الحق الاستثناء به لاحتمال العدم ، بدائع الصنائع ، ج :۲، ص: ۲۲۱، دار الکتاب العربی ، بیروت ، ۱۹۸۲ء .

[۶۱] واستدل به علی صحة النذر الحج ممن لم یحج فاذا حج أجزأه عن حجة الاسلام عند الجمهور وعلیه الحج عن النذر ، وقیل یجزئ عن النذر ثم یحج حَجَّة الاسلام ، وقیل یجزئ عنها، کذا ذکره الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله فی فتح الباری ، ج:۴،ص:۶۵، ۶۶.

[۶۲] فیه : جواز حج المرأة عن أمها لأجل الحجة التی علیها بطریق النذر ، وکذا یجوز حج الرجل عن المرأة والعکس أیضاً. ولا خلاف فیه الا للحسن بن صالح فانه قال : لایجوز ، وعبارة ابن التین الکراهة فقط، وهو غفلة وخروج عن ظاهر السنة ، کما قال ابن المنذر ، لأنه ﷺ أمرها أن تحج عن أمها وهو عمدة من أجاز الحج عن غیره ،عمدة القاری، ج :۷، ص:۵۴۷ ، و فتح الباری ج :۴، ص:۶۵ .

۱۸۵۴ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل : حدثنا عبدالعزیز بن أبی سلمة ، عن ابن شهاب ، عن سلیمان بن یسار ، عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما قال : جاء ت امرأۃ من خثعم عام حجة الوداع ، قالت : یا رسول اللہ ، ان فریضة اللہ علی عبادہ فی الحج أدرکت أبی شیخا کبیرا لا یستطیع أن یستوی علی الراحلة فهل یقضی عنه أن أحج عنه ؟ قال : ((نعم)) . [راجع : ۱۵۱۳]

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ زندہ آدمی کی طرف سے بھی جب کہ وہ لنجا، کمزور ہو جو حرکت بھی نہ کرسکے تو اس کی طرف سے دوسرا آدمی حج کرسکتا ہے، البتہ جو شخص حج کرنے پر خود قادر ہے اس کی طرف سے تو فرض حج بالاجماع دوسرے کو کرنا درست نہیں، لیکن نفل حج میں اختلاف ہے۔[۶۳]

(۲۵) باب حج الصبیان

بچوں کا حج کرنا

۱۸۵۶ ۔ حدثنا أبو النعمان : حدثنا حماد بن زید ، عن عبیداللہ بن أبی یزید ، قال سمعت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول : بعثنی ۔ أو قدمنی ۔ النبی ﷺ فی الثقل من جمع بلیل.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرمارہے تھے کہ نبی کریمؐ نے مجھ کو سامان کے ساتھ مزدلفہ سے رات کو منیٰ بھیج دیا۔

۱۸۵۷ ۔ حدثنا اسحاق: أخبرنا یعقوب بن ابراهیم : حدثنا ابن أخی ابن شهاب ، عن عمه : أخبرنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبة بن مسعود : ان عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال : أقبلت وقد ناهزت الحلم أسیر علی أتان لی ورسول اللہ ﷺ قائم یصلی بمنی حتی سرت بین یدی بعض الصف الأول، ثم نزلت عنها فرتعت ، فصففت مع الناس وراء رسول اللہ ﷺ. وقال یونس، عن ابن شهاب: بمنی فی حجة الوداع. [راجع : ۷۶]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر سامنے سے آیا میں اس وقت بالغ ہونے کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے تھے، میں صف اول کے بعض حصوں کے آگے سے گذرا پھر سواری سے اترا پھر وہ چرنے لگی اور میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صف میں شریک ہو گیا۔

۱۸۵۸ ۔ حدثنا عبدالرحمن بن یونس حدثنا حاتم بن اسماعیل ، عن محمد بن

---

[۶۳] باب الحج عمن لایستطیع الثبوت علی الراحلة ـ أی من الأحیاء ، خلافا لمالک فی ذلک ولمن قال لا یحج أحد عن أحد مطلقاً کابن عمر . ونقل ابن المنذر وغیرہ الاجماع علی أنه لا یجوز أن یستنیب من یقدر علی الحج بنفسه فی الحج الواجب ، وأما النفل فیجوز عند أبی حنیفة خلافا للشافعی وعن أحمد روایتان . فتح الباری ، ج : ۴، ص: ۶۶ .

يوسف ، عن السائب بن يزيد قال: حج بی مع رسول اللهﷺ وأنا ابن سبع سنين .

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ مجھ کو نبی کریمؐ کے ساتھ حج کرایا گیا اور میں سات سال کا تھا۔

۱۸۵۹ ــ حدثنا عمرو بن زرارة : أخبرنا القاسم بن مالک ، عن الجعيد بن عبدالرحمٰن قال : سمعت عمر بن عبدالعزيز يقول للسائب بن يزيد ، وكان قد حج به في ثقل النبیﷺ . [أنظر : ۶۷۱۲، ۷۳۳۰]

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت سائب بن یزیدؓ سے کہہ رہے تھے اور حضرت سائبؓ کو نبی کریمﷺ کے سامان کے ساتھ حج کرایا گیا تھا۔

اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ بچہ پر حج فرض نہیں پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ بچہ اگر حج کرے تو درست ہوجاتا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ مسلک منقول ہے کہ ان کے نزدیک بچہ کا حج درست نہیں اور اس کا حج کرنا صرف ایک طرح کا مشق ہے۔

پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ بچہ کا یہ حج نفلی ہوگا جس کا ثواب اس کے ولی کو ملے گا اور بالغ ہونے کے بعد اس کو فریضہ حج مستقلاً ادا کرنا ہوگا۔

پھر اگر صبی نے قبل البلوغ احرام باندھا، پھر طواف کرنے سے پہلے وقوف عرفہ سے پہلے وہ بالغ ہوگیا اور اس نے حج مکمل کرلیا تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کو فریضہ حج مستقلاً ادا کرنا ہوگا، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اسی حج سے وہ فریضہ سے سبکدوش ہوجائے گا، پھر اگر وہ پچھلا احرام ختم کردے اور نئے سرے سے دوبارہ احرام باندھ کر وقوف عرفہ کرلے تو حنفیہ کے نزدیک بھی اس کا فریضہ حج ادا ہوجائے گا۔[۶۴]

(۲۶) باب حج النساء

عورتوں کے حج کرنے کا بیان

۱۸۶۰ ــ وقال لی أحمد بن محمد: حدثنا إبراهيم ، عن أبيه ، عن جده: أذن عمرؓ

[۶۴] قال ابن بطال : أجمع أئمة الفتوى على سقوط الفرض عن الصبى حتى يبلغ ، الا أنه اذا حج به كان له تطوعا عند الجمهور ، وقال أبو حنيفة : لايصح احرامه ولا يلزمه شيء بفعل من محظورات الاحرام ، وانما يحج به على جهة التدريب ، وشذ بعضهم فقال : اذا حج الصبى أجزاه ذلك عن حجة الاسلام ، لظاهر قوله "نعم" فی جواب "ألهذا حج". وقال الطحاوی : لا حجة فيه لذلک ، بل فيه حجة على من زعم أنه لا حج له ، لان ابن عباس راوی الحديث قال : أيما غلام حج به أهله ثم بلغ فعليه أخرى ، ثم ساقه باسناد صحيح ، فتح الباری ، ج:۴،ص:۷۱ ، شرح معانی الآثار للطحاوی ، ، ج : ۲ ، ص: ۲۵۶ ، ، دارالكتب العلمية ، بيروت ، ۱۳۹۹ھ.

لأزواج النبی ﷺ فی آخر حجة حجها فبعث معهن عثمان بن عفان و عبدالرحمٰن .٦٥، ٦٦

١٨٦١ـ حدثنا مسدد: حدثنا عبدالواحد: حدثنا حبیب بن أبی عمرة قال: حدثتنا عـائشة بنت أبی طلحة، عن عائشة أم المؤمنین رضی اللّٰه عنها، قالت: قلت: یا رسول اللّٰه، ألا نغزو أو نجاهد معکم؟ فقال: ((لکن أحسن الجهاد وأجمله الحج، حج مبرور)). فقالت وعائشة :فلا أدع الحج بعد إذ سمعت هذا من رسول اللّٰه ﷺ. [راجع: ١٥٢٠]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ یا جہاد نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے سب سے بہتر اور عمدہ جہاد حج مقبول ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے یہ سننے کے بعد میں حج کو کبھی نہ چھوڑں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شروع میں تردد تھا کہ ازواج مطہرات کو حج کے لئے جانے کی اجازت دیں یا نہ دیں، کیونکہ قرآن کریم میں "**قـرن فـی بیـوتـکـن**" آیا ہے اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعد ازواج مطہرات کو فرمایا تھا "**هـذه ثـم ظهـور الحصیر**" کہ یہ حج تو میں نے تم کو کرادیا اب تم اپنی چٹائیوں کی پشت کو لازم پکڑ لینا یعنی اپنے گھر کی چٹائیوں پر رہنا۔

تو اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تردد تھا کہ ازواج مطہرات حج کے لئے سفر کریں کہ نہ کریں۔ بعد میں پھر مشورہ کے بعد اجازت دے دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کی خدمت کے لئے ساتھ بھیجا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارے لئے سب سے اچھا جہاد حج ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں اب حج نہیں چھوڑوں گی بعد میں جب حج کے لئے گئیں پھر جنگ جمل کا فتنہ پیش آیا تو بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روتی تھیں یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہا کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے جو فرمایا تھا تو ہم نے اس پر عمل نہ کیا تو اسی فتنہ میں مبتلا ہوئیں۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اگرچہ نسباً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محرم نہ تھے، لیکن وہ ام المؤمنین تھیں، اس لئے ان کے ساتھ سفر جائز تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہی توجیہ نقل کی ہے اس کے باوجود یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سفر کے دوران دور رہتے تھے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کسی بھی عورت کے لئے مدت مسافرت کا سفر بغیر کسی محرم اور شوہر کے جائز نہیں اور ان دونوں حضرات میں سے کوئی بھی محرم نہیں تھے۔

---

٦٥ لایوجد للحدیث مکررات.

٦٦ و انفرد به البخاری.

اس کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات بنص قرآنی "وازواجهم امهاتهم" تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، اور محرم کا مطلب یہ ہے کہ جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو اس لئے ساتھ جانے والے دونوں حضرات محرم ہوئے۔ ۶۷

۱۸۶۲ ــ حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا حماد بن زيد عن عمرو عن أبي معبد مولى ابن عباس عن ابن عباس، رضي الله عنهما، قال: قال النبي ﷺ: ((لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم)). فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا وامرأتي تريد الحج! فقال: ((أخرج معها)). [أنظر: ۳۰۰۶، ۳۰۶۱، ۵۲۳۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت صرف ایسے رشتہ دار کے ساتھ سفر کرے جس سے نکاح حرام ہو اور عورت کے پاس کوئی شخص نہ جائے، مگر اس حال میں کہ اس کے پاس کوئی محرم موجود ہو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں فلاں لشکر میں جانا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کو جانا چاہتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی بیوی کے ساتھ جا۔

۱۸۶۳ ــ حدثنا عبدان: أخبرنا يزيد بن زريع: حدثنا حبيب المعلم، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما رجع النبي ﷺ من حجته قال لأم سنان الأنصارية: ما منعك من الحج؟ قالت: أبو فلان ـ تعني زوجها ـ [كان له ناضحان] حج على أحدهما، والآخر يسقي أرضاً لنا، قال: ((فإن عمرة في رمضان تقضي حجة أو حجة معي)). رواه ابن جريج، عن عطاء: سمعت ابن عباس عن النبي ﷺ. وقال عبيد الله، عن عبدالكريم، عن عطاء، عن جابر عن النبي ﷺ. [راجع: ۱۷۸۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے حج سے واپس ہوئے تو ام سنان انصاریہ سے فرمایا تم کو حج سے کس چیز نے باز رکھا؟ اس نے جواب دیا فلاں کے باپ یعنی میرے شوہر نے، اس کے پانی لادنے کے دو اونٹ تھے، ان میں سے ایک پر وہ حج کے لئے گیا اور دوسرا ہماری زمین پر پانی پہنچاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج کے برابر یا میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔

دو باتیں ہوگئیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے اور دوسری

---

۶۷ ولقد أحسن أبو حنيفة في جوابه هذا لأزواج النبي ﷺ كلهن أمهات المؤمنين وهم محارم لهن، لأن المحرم من لا يجوز له نكاحها على التأبيد، فكذالک أمهات المؤمنين حرام على غير النبي ﷺ الى يوم القيامة، عمدة القاري، ج:۷، ص:۵۵۶.

یہ کہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے، تو اگر یہ روایت لی جائے تو رمضان میں عمرہ کرنے کی بڑی ہی زبردست فضیلت ہوتی ہے۔

"تقضی" کے یہ معنی نہیں کہ جیسا فریضہ ادا ہوجاتا ہے، یعنی آدمی جب رمضان میں عمرہ کر لیتا ہے تو چونکہ وہ عمرہ حج کے برابر قرار دیا ہے اس لئے اس پر حج فرض نہ ہوگا، اس لئے یہ وہم نہ کرے کہ وہ اس فریضہ سے سبکدوش ہوجائے گا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ وہ عمرہ حج کے قائم مقام نہ ہوگا، مطلب یہ کہ **"تعادل"** کے معنی میں ہے حج کے ثواب کے برابر ہے۔

۱۸۶۴۔ حدثنا سلیمان بن حرب : حدثنا شعبة ، عن عبدالملک بن عمیر ، عن قزعة مولی زید قال : سمعت أبا سعید وقد غزا مع النبی ﷺ ثنتی عشرة غزوة ، قال : أربع سمعتهن من رسول اللہ ﷺ ۔ أوقال : یحدثهن عن النبی ﷺ ۔ فأعجبننی وآنقننی: ((أن لا تسافر امرأة مسیرة یومین لیس معها زوجها أو ذومحرم . ولا صوم یومین : الفطر و الأضحی . ولا صلاة بعد صلاتین ، بعد العصر حتی تغرب الشمس ، وبعد الصبح حتی تطلع الشمس ، ولاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجدی ، ومسجدالأقصی)).[راجع :۵۸۶]

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ بارہ غزوے کئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ چار باتیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں، یا یہ کہا کہ چار باتیں نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے تھے، مجھے وہ چار باتیں بہت پسند آئیں، اول یہ کہ کوئی عورت دو دن کا سفر اس حال میں نہ کرے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم نہ ہو، دوسرے یہ کہ عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کے دن روزے نہ رکھے، تیسرے یہ کہ دو نمازوں کے نماز نہ پڑھے، یعنی عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب نہ ہوجائے اور فجر کے بعد جب تک آفتاب طلوع نہ ہوجائے۔ چوتھے یہ کہ مسجد حرام اور میری مسجد اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی مسجد کی طرف سامان سفر نہ باندھے۔

مقصد امام بخاریؒ

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حج عورتوں پر بھی فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے مگر عورتوں کو حج کرنے کے لئے ایک شرط زائد ہے کہ خاوند ساتھ ہو یا محرم رشتہ دار میں سے کوئی رشتہ دار ساتھ ہو اس کے بغیر حج نہیں کرسکتی، یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔[۶۸]

---

[۶۸] عمدة القاری ، ج : ۷ ، ص : ۵۵۶.

(۲۷) باب من نذر المشي إلى الكعبة

جس نے کعبہ تک پیدل جانے کی منت مانی

۱۸۶۵۔ حدثنا محمد بن سلام: أخبرنا الفزاری، عن حميد الطويل قال: حدثنی ثابت، عن أنس ﷺ: أن النبی ﷺ رأى شيخاً يهادى بين ابنيه، قال: ((ما بال هذا؟)) قالوا: نذر أن يمشی، قال: ((إن الله أن تعذيب هذا نفسه لغنی))، أمره أن يركب. [أنظر: ۶۷۰۱]. ۶۹

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے ان کے درمیان چل رہا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اس نے کعبہ پیدل جانے کی منت مانی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ بے نیاز ہے یہ اپنے تئیں عذاب دے اور آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے۔

۱۸۶۶۔ حدثنا ابراهيم بن موسى : أخبرنا هشام بن يوسف ان ابن جريج أخبرهم قال : أخبرنی سعيد بن بی أيوب : أن يزيد بن أبی حبيب أخبره : أن أبا الخير حدثه ، عن عقبة بن عامر قال : نذرت أختی أن تمشی الی بيت الله وامرتنی أن أستفتی لها النبی ﷺ فاستفيت النبی ﷺ فقال : ((لتمش ولتركب))، قال : وكان أبو الخير لايفارق عقبة . قال عبدالله : حدثنا عاصم ، عن ابن جريج ، عن يحيى بن أيوب ، عن يزيد ، عن أبی الخير، عن عقبة ، فذكر الحديث .

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر ﷺ نے فرمایا کہ میری بہن نے منت مانی کہ بیت اللہ تک پیدل جائے گی اور مجھے حکم دیا کہ میں اس کے لئے نبی کریم ﷺ سے مسئلہ معلوم کروں۔ چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔

انہوں پیدل حج یا عمرہ کرنے کی نذر مانی تھی، لہذا پیدل چلنا واجب تھا، مگر عمر کی زیادتی کی وجہ سے دو

---

۶۹ وفی صحيح مسلم ، كتاب النذر ، باب من نذر أن يمشی الى الكعبة ، رقم : ۳۱۰۰، وسنن الترمذی كتاب النذور والأيمان عن رسول الله ، باب ماجاء فيمن يحلف بالمشی ولايستطيع ، رقم : ۱۴۵۷ ، وسنن النسائی ، كتاب الأيمان النذور ، باب ما الواجب على من أوجب على نفسه نذرا فعجز عنه ، رقم : ۳۷۹۲، وسنن أبی داؤد، كتاب الأيمان والنذور ، باب من رأى عليه كفارة اذا كان فی معصية ، رقم : ۲۸۷۱، ومسند أحمد ، باقی مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالک ، رقم : ۱۱۵۹۷، ۱۱۶۸۴، ۱۲۲۲۳، وباقی المسند السابق، ۱۲۹۸۳، ۱۳۳۹۳ .

بیٹوں کے سہارے چل رہے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ضرورۃً سوار ہونے کا حکم دیا، یہاں فدیہ مذکور نہیں، مگر دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں ایک بکری قربان کرنی واجب ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

﴿قوله : نذر أن يمشي﴾

﴿قوله : نذرت أختي أن تمشي الى بيت الله﴾

ان احادیث سے تین مسئلے نکلتے ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ **"أن يمشي"** یا **"أن تمشي الى بيت الله"** تو اس نذر کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ نذر مانے تو اس کے ذمہ حج یا عمرہ کرنا واجب ہے۔[۰]

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مان لی، لیکن اب مشقت اور تکلیف یا بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے پیدل چل کر نہیں جا سکتا تو کیا اس کے لئے سوار ہو کر جانا جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس شخص کے لئے سوار ہو کر جانا جائز ہے، اور مذکورہ دونوں حدیثیں اس کی دلیل ہیں کہ ان میں حضور ﷺ نے سوار ہونے کا حکم دیا۔[۱]

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے پیدل جانے کی نذر مانی تھی، اس کے باوجود وہ سوار ہو کر چلا جائے تو اس سواری کرنے کے نتیجے میں اس پر کفارہ وغیرہ آئے گا یا نہیں؟

اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص ایک بکری کا دم دے۔[۲]

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔[۳]

[۰،۱] من نذر المشي الى بيت الله لزمه الوفاء بنذره ، فيجب عليه المشي في أحد النسكين، اما الحج واما العمرة، و يجب عليه أن يمشي ، فان عجز عن المشي جاز له الركوب ، وهذا القدر متفق عليه بين الفقهاء لهذا الحديث، كذا ذكره القاضي المفتي محمد تقي العثماني في : تكملة فتح الملهم ، ج:۲، ص:۱۲۸ .

[۲،۳] أنه يجب عليه الدم، وأقله شاة ، وهو قول الامام أبوحنيفة ، وهو المذهب المشهور المختار عند الشافعية ، كما في مغني المحتاج للشربيني ، ۴: ۳۶۴، ونهاية المحتاج للرملي، ۸: ۲۱۹، وهو رواية عن أحمد ، وبه أفتى عطاء، وابن عباس ، كما في المغني لابن قدامة ، مع الشرح الكبير ، ۱۱: ۳۶۴، وهو المروي عن قتادة ، ومجاهد ، كما أخرج عنهما عبدالرزاق في مصنفه ، ۸: ۴۵۲، ۴۵۳.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف ایک قول یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک اس شخص پر دم نہیں آئے گا، بلکہ وہ شخص کفارہ یمین ادا کرے گا۔[۴]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو وہ شخص سوار ہو کر حج یا عمرہ ادا کر لے، لیکن آئندہ سال دوبارہ اس کے ذمہ عمرہ یا حج کرنا واجب ہوگا، اور اس مرتبہ جتنا فاصلہ پیدل چل کر طے کیا تھا آئندہ سال اتنا فاصلہ سوار ہو کر طے کرے اور پہلی مرتبہ جتنا فاصلہ سوار ہو کر طے کیا تھا، آئندہ سال اتنا فاصلہ پیدل طے کرے۔[۵]

خلاصہ یہ ہے کہ تین مذہب ہو گئے۔

حنفیہ، شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ دم دے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ یمین ادا کرے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اعادہ کرے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اور استدلال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت انس ﷺ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تفصیل دوسری روایات میں اس طرح آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **"فلتركب ولتهد هديا"** یعنی اس عورت کو حکم دو کہ وہ سوار ہو جائے اور ایک ہدی قربان کرے، اور مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن خاتون کا حدیث میں ذکر ہے یہ حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کی بہن تھیں۔[۶]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا استدلال

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اپنے مسلک پر ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں انہی خاتون کو حکم دیا گیا ہے کہ **"ولتصم ثلاثة أيام"** یعنی ان خاتون کو چاہیئے کہ تین دن روزہ رکھے۔

---

[۴] انه يجب عليه كفارة يمين ، وهو المذهب المختار عند الحنابلة ، كما في المغني لابن قدامة ،وغيره، المغني ، ج: ۱۰ ، ص: ۷۴ ، دار الفكر ، بيروت ، ۱۴۰۵ هـ .

[۵] مذهب مالک ، وفيه تفصيل ،وهو أنه ان كانت المسافة المنذور مشيها بعيدة جداً ، كمسافة افريقيا من الحجاز ، فيلزمه الدم بالركوب ، وان كانت المسافة قليلة فان كان الركوب قليلاً ، والمشي أكثر لذمه الدم أيضاً ، وان كان الركوب كثيرا لزمه الرجوع من قابل ماشيا فيما ركبه ، وعليه الدم أيضاً ، هذا ملخص مافي شرح الدردير على مختصر خليل ، مع حاشية للصاوى ، ۲: ۲۵۸ .

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک اور استدلال

امام مالک رحمہ اللہ اپنے مسلک پر حضرت ابن عباس ﷺ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ اس مسئلے میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس شخص کو چاہیئے کہ بعد میں اعادہ کرے، جتنا حصہ پیدل چلا تھا اتنا حصہ اب سواری کرے اور جتنا حصہ سواری کی تھی اتنا حصہ پیدل چلے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے استدلال کا جواب

حنفیہ کی طرف سے اس روایت کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس روایت کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان خاتون نے دو کام کئے تھے، ایک یہ کہ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ میں بیت اللہ پیدل چل کر جاؤں گی، اور دوسری یہ قسم کھائی تھی کہ میں اوڑھنی نہ اوڑھونگی، اب اوڑھنی نہ اوڑھنا اور ننگے سر رہنا عورت کے لئے ناجائز ہے، اس لئے ان خاتون کو ایک حکم تو یہ دیا گیا کہ اوڑھنی اوڑھو، ظاہر ہے اوڑھنی اوڑھے گی تو حانث ہو جائے گی، اور حانث ہونے کے نتیجے میں کفارہ یمین آئے گا، لہٰذا اس روایت میں **"ولتصم ثلاثة أيام"** کا جو حکم دیا گیا اور اوڑھنی اوڑھ کر حانث ہونے کی وجہ سے دیا گیا۔

اور جہاں تک نذر کا تعلق ہے اس کے بارے میں اتنا حکم دے دیا کہ **"ولتهد هديا"** کہ ایک ہدی کا جانور قربان کردو۔

اور امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس ﷺ کے جس اثر سے استدلال فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث موقوف ہے، اور احادیثِ باب احادیث مرفوعہ ہیں اور احادیث مرفوعہ کا مقابلہ احادیث موقوفہ سے نہیں کیا جاسکتا۔[۷۷]

---

[۷۶]،[۷۷] واستدل أهل القول الأول، وهم الحنفية والشافعية، بما أخرجه الحاكم في المستدرك ۳۰۵۴ عن عمران بن حصين قال: ((ماخطبنا الا أمرنا بالصدقة، ونهانا من المثلة، قال: وقال: ان من المثلة أن ينذر أن يحج ماشيا، فمن نذر أن يحج ماشيا فليهد هديا وليركب)) وصححه الحاكم، وأقره عليه الذهبي.

فهذا الحديث دليل على ان جزاء الركوب هو الهدى وعلى أنه واجب، سواء ركب الناذر بعذر، أوبغير عذر، وهو قول الحنفية، وقد حكى ابن قدامة في المغني ۱۱: ۳۴۶، عن الشافعي أنه لايوجب الدم فيما اذا كان الركوب بعذر، ولكن الصحيح المشهور عندهم وجوب الدم في الصورتين جميعاً، كما هو مصرح في مغني المحتاج ونهاية المحتاج.

واستدلوا أيضاً بما أخرجه أبو داؤد في باب النذر بالمعصية، عن ابن عباس: ((أن أخت عقبة بن عامر

نذرت أن يمشي الى البيت ، فأمرها النبي ﷺ أن تركن، و تهدى هديا ، و سكت عليه أبوداؤد ، والمنذري في تلخيصه ،۴: ۳۷۷، رقم : ۳۱۶۳.وأخرجه أحمد في مسنده بلفظ :((أن عقبة بن عامر سأل النبي ﷺ فقال : ان أخته نزرت أن تمشي الى البيت ، شكا اليه ضعفها، فقال النبي ﷺ :ان الله غني عن نذر أختك ، فلتركب ، ولتهد بدنة)) ، وقد ذكر الحافظ رواية أبي داؤد في التلخيص ،۴:۱۷۸ ، وقال :اسناده صحيح)).

واستدلوا أيضاً بما أخرجه البيهقي عن الحسن عن عمران مرفوعاً : ((اذا نذر أحدكم أن يحج ماشيا فليهد هديا ، وليركب)) ذكره الحافظ في الفتح ، ۱۱ : ۵۱۱، وأعله بالانقطاع ، لأن الحسن لم يسمع من عمران ، ولكن رد عليه شيخنا التهانوي في اعلاء السنن ، ۱۱ :۴۴۷، بأن سماعه من عمران ثابت ، وقد أثبته ابن حبان ، والحاكم ، والماردينی ، وغيرهم ، وراجعه للتفصيل .

واستدل الحنابلة بما أخرجه أبوداؤد وغيره عن عقبة بن عامر: ((أنه سأل النبي ﷺ عن أخت له نذرت أن تحج حافية ، غير مختمرة ، فقال :مروها فلتختمر ، ولتركب ، ولتصم ثلاثة أيام وبما أخرجه أبو داؤد عن كريب، عن ابن عباس، قال:جاء رجل الى النبي ﷺ، فقال يا رسول الله ! ان أختي نذرت ـ يعني أن تحج ماشية ـ فقال النبي ﷺ : ان الله لايصنع بشفاء أختك شيئا ، فلتحج راكبة ، وتكفر يمينها))، تكملة فتح الملهم ، ج : ۲، ص: ۱۶۸، ۱۶۹ .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ ـ کتاب فضائل المدینة

امام بخاری رحمہ اللہ کا کتاب الحج کے آخر میں فضائل مدینہ کا عنوان قائم کرنا اس بات کی دلیل معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی حج کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کرنے کے قائل ہیں، ورنہ حج سے اس کا کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے تھا (واللہ اعلم)۔

نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ کو یثرب کہا جاتا تھا، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی جس کا نام یثرب تھا، انہوں نے اس کو آباد کیا تھا اور یہ بالکل شورزمین تھی یعنی یہاں پر کوئی زیادہ آبادی اور زراعت وغیرہ نہیں ہوتی تھی، اس لئے کچھ دنوں تک یہاں آبادی رہی بعد میں یہ آبادی ختم ہوگئی۔

یمن کے جو بادشاہ ہوتے تھے وہ تبع کہلاتے تھے تو ایک تبع کو اللہ ﷻ نے بشارت دی یا اس نے اپنی کتابوں سے سمجھا یا کسی خواب یا کشف کے ذریعے کہ نبی آخری الزماں ﷺ اس بستی میں تشریف فرما ہوں گے تو اس نے آکر یہاں پر آبادی کی اور نہ صرف آبادی کی بلکہ یہاں پر نخلستان لگایا اور یہاں زراعت کا سلسلہ شروع کیا تو کہتے ہیں کہ اس تبع کے زمانے سے یہاں پر یہ نخلستان اور زراعت وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

اور یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے ایک ہزار سال پہلے کا ہے، اس کے بعد پھر آبادی شروع ہوئی تو عربوں میں سے زیادہ تر اوس اور خزرج کے قبیلے اور بنونجار وغیرہ یہاں آباد ہوئے تو پھر اللہ ﷻ نے اس کو نبی کریم ﷺ کا مہجر قرار دیا اور بالآخر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور پھر آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر مدینہ رکھا۔[۱]

(۱) باب حرم المدینة

مدینہ کے حرم ہونے کا بیان

۱۸۶۷ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا ثابت بن يزيد: حدثنا عاصم أبو عبدالرحمٰن الأحول، عن أنس ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((المدينة حرم من كذا إلى كذا. لا يقطع شجرها، ولا يحدث فيها حدث. من أحدث فيها حدثاً فعليه لعنة الله والملائكة والناس

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۵۶۶.

أجمعين)). [أنظر : ۷۳۰۶]. ۲

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلا باب **"باب حرم المدينه"** قائم کیا اور اس میں حضرت انس ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **"المدينة حرم من كذا الى كذا"** یہ مدینہ منورہ کے حرم ہونے کی دلیل ہے۔

یہی جمہور کا قول ہے کہ مدینہ منورہ بھی حرم ہے۔

حنفیہ کی کتابوں میں حرم ہونے کی نفی کی گئی ہے کہ مدینہ منورہ حرم نہیں اور یہ کہنا کہ مدینہ منورہ حرم نہیں یہ ایک بڑی بھدی تعبیر ہے، صحیح بات یہ ہے کہ مدینہ حرم ہے اور آپ دیکھیں گے کہ آگے جو حدیثیں آرہی ہیں ان میں اتنی صراحت کے ساتھ مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے کہ اس کی تاویل اور انکار مشکل ہے اور ساری کی ساری حدیثیں مدینہ کے حرم ہونے پر دلالت کرتی ہیں، تو صحیح بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی مدینہ حرم ہے، البتہ مدینہ منورہ کے حرم کے احکام مکہ مکرمہ کے حرم کے احکام سے مختلف ہیں۔

مکہ مکرمہ کے حرم کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی بغیر احرام کے اس میں داخل نہیں ہوسکتا اور یہاں داخل ہوسکتا ہے، وہاں حکم یہ ہے کہ کوئی جانور حل سے لاکر بھی وہاں پر پکڑ کر نہیں رکھا جاسکتا، کہیں سے پکڑ لائے اور وہاں پر باندھ کر رکھ دیا یہ جائز نہیں، لیکن یہاں حل سے لایا ہوا جانور پکڑ کر رکھا جاسکتا ہے، وہاں درختوں کے کاٹنے کی اجازت اس معنی میں نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کاٹے تو اس کی جزا اور فدیہ واجب ہوگا، مدینہ منورہ میں درخت کاٹنا اگرچہ بلاوجہ جائز نہیں لیکن اگر کاٹ لے تو جزا واجب نہیں ہوتی تو یہ احکام میں بڑا فرق ہے۔

احکام کے فرق کو بعض حنفیوں نے یوں تعبیر کردیا کہ مدینہ حرم نہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ کے بقول بھدی تعبیر ہے اور بعض اوقات تعبیر کا مضمون پر بڑا اثر پڑتا ہے تو یہ تعبیر صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ نصوصِ صریحہ کے خلاف ہے۔

تعبیر یہ ہے کہ مدینہ بھی حرم ہے لیکن حرمِ مدینہ کے احکام حرمِ مکہ سے مختلف ہیں، تعبیر کے فرق سے بڑی گڑبڑ واقع ہو جاتی ہے۔ بریلویوں نے دیوبندیوں کے خلاف جو محاذ قائم کیا تو اس میں بڑی چالاکی سے کام لیا کہ مثلاً یہ تعبیر کی کہ دیوبندی امکانِ کذب کے قائل ہیں کہ اللہ ﷻ جھوٹ بول سکتا ہے حالانکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے یعنی عمومِ قدرت، تو یہ تعبیر تھی اور اس کو امکانِ کذب کردیا، پھر ناواقفیت سے ہم لوگوں نے اسی تعبیر کو اوڑھ لیا اور امکانِ کذب بحث شروع کردی کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے علم کے مثبت ہیں اور دیوبندی علم کے نافی ہیں یہ تعبیر اختیار کی، تو بعض اوقات تعبیر کے بھونڈے ہونے سے خواہ مخواہ انسان

---

۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعا النبي فيها بالبركة وبيان تحريمها و تحريم صيدها وشجرها وبيان حدود حرمها، رقم: ۲۴۲۹، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب باقي المسند السابق، رقم: ۱۲۵۹۰، ۱۳۰۱۲، ۱۳۰۵۱.

اپنے آپ کو ہدفِ ملامت بنالیتا ہے۔

لہٰذا صحیح تعبیر یہ ہے کہ مدینہ منورہ بھی حرم ہے اور نصوصِ صریحہ متواترہ اور متکاثرہ تقریباً ایسی ہیں کہ اس کا انکار مکابرہ ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک طرف تو باب قائم کیا **"باب حرم المدینة"** اور اس کی دوسری حدیث میں واقعہ ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے وہاں کے درختوں کو کٹوایا اور مسجد نبوی تعمیر فرمائی، مکہ مکرمہ میں اگر ایسا ہوتا تو آدمی پر جزا واجب ہو جاتی یہاں جزا واجب نہیں ہوئی تو اس سے پتہ چلا کہ احکام مختلف ہیں لیکن مدینہ حرم ہے۔

"المدینة حرم من کذا إلی کذا" کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک حرم ہے اور پھر اگلی حدیث میں جو حضرت علی ﷺ کی روایت ہے اس میں تعیین فرمائی کہ **"المدینة حرم من بین عائر إلی کذا"** اور **"إلی"** کے بعد جو لفظ ہے وہ یہاں بخاری میں تو آیا نہیں لیکن مسلم کی روایتوں میں ہے **"من بین عائر إلی ثور"** کہ جبل عائر سے لے کر جبل ثور تک، پھر جبل ثور میں لوگوں کو شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ جبلِ ثور تو مکہ مکرمہ میں ہے، مدینہ طیبہ میں جبلِ ثور کے نام سے کوئی پہاڑ مشہور ہے ہی نہیں تو بعض لوگوں نے اس روایت ہی کا انکار کر دیا اور یہ کہا کہ جبلِ ثور والی روایت غلط ہے اور اس میں کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے۔

اصل روایت میں جبلِ احد تھا کسی نے جبلِ ثور کہہ دیا اور لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی **"من بین عائر إلی کذا"** کہا ہے تو اصل روایت میں ثور تھا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ثور کے لفظ کو اس لئے حذف کر دیا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس میں کسی راوی سے یہ غلطی ہوئی ہے، لہٰذا انہوں نے **"ثور"** کو حذف کر کے **"کذا"** کہہ دیا، لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جبلِ احد کے پیچھے **"ثور"** نامی ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے، چنانچہ صاحبِ قاموس فیروز آبادی کہتے ہیں کہ روایتوں میں تو ثور آیا تھا لیکن میں مدت تک بڑا حیران تھا کہ یہ کہاں ہے، مگر مجھے ایک اعرابی نے لے جا کر دکھایا کہ مدینہ منورہ میں احد کے پیچھے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے اس کا نام **"ثور"** ہے اور پھر یہ بات علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد حضرات سے نقل کی ہے کہ وہاں پر ایک پہاڑ تھا جس کا نام ثور تھا، اور مدینہ منورہ کے آثار کے ایک عالم مجھے بھی ایک چھوٹے سے پہاڑ کے پاس لے گئے جو احد کے مشرقی کنارے کے بالکل پیچھے شمال میں واقع تھا، ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے ایک مصری مؤرخ کی کتاب میں جبل ثور کی تصویر دیکھی تھی جو اس کے مطابق تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم، بہر حال آپ نے یہ حدود بیان کیں۔[۳]

۱۸۶۸ ـ حدثنا أبو معمر : حدثنا عبدالوارث ، عن أبی التیاح ، عن أنس ﷺ قال : قدم النبی ﷺ المدینة وأمر ببناء المسجد فقال : ((یا بنی النجار ثامنونی))، فقالوا : لا

---

[۳] عمدة القاری، ج : ۷ ، ص : ۵۶۸.

نطلب ثمنه الا الی اللہ ، فأمر بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت ، وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد . [راجع : ۲۳۴]

ترجمہ: حضرت انس ﷛ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ پہنچے اور مسجد بنانے کا حکم دیا تو فرمایا اے بنی نجار مجھ سے زمین کی قیمت لے لو، انہوں نے کہا کہ ہم اس کی قیمت صرف اللہ ﷻ سے لیں گے، پھر مشرکین کی قبروں کے کھودنے کا حکم دیا، تو وہ کھودی گئیں، پھر ویرانے کے متعلق حکم دیا تو اس کو ہموار کیا اور درختوں کے کاٹنے کا حکم دیا تو وہ کاٹ ڈالے گئے اور مسجد کے قبلہ کی سمت میں صف کے طور پر رکھ دئے گئے۔

۱۸۶۹ ۔ حدثنا إسماعیل بن عبداللہ قال: حدثنی أخی، عن سلیمان ، عن عبیداللہ بن عمر، عن سعید المقبری، عن أبی ھریرة ﷛ أن النبی ﷺ قال: ((حرم ما بین لا بتی المدینة علی لسانی))، قال: وأتی النبی ﷺ بنی حارثه فقال: ((أراکم یا بنی حارثه قد خرجتم من الحرم))، ثم التفت فقال: ((بل أنتم فیه)). [أنظر : ۱۸۷۳]. ؎

ایک مرتبہ آپ ﷺ بنو حارثہ کے ساتھ جا رہے تھے تو ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بنو حارثہ! میرا خیال ہے کہ تم حرم سے نکل گئے ہو، پھر مڑ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں ابھی تم حرم میں ہو، تو شروع میں آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ حدودِ حرم سے نکل گئے ہیں لیکن بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی حرم ہی میں ہیں۔

۱۸۷۰ ۔ حدثنا محمد بن بشار : حدثنا عبدالرحمٰن : حدثنا سفیان ، عن الأعمش، عن ابراھیم التیمی ، عن أبیه ، عن علی ﷛ قال : ما عند نا شیء الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفة عن النبی ﷺ : ((المدینة حرم مابین عائر الی کذا ، من أحدث فیھا حدثا أو آوی محدثا فعلیه لعنة اللہ والملٰئکة والناس أجمعین ، لایقبل منه صرف ولاعدل))، وقال : ((ذمة المسلمین واحدة ،فمن أخفر مسلما فعلیه لعنة اللہ والملٰئکة والناس أجمعین ، لایقبل منه صرف ولا عدل . ومن تولی قوما بغیر إذن موالیه، فعلیه لعنة اللہ والملٰئکة والناس أجمعین ، لا یقبل منه صرف ولا عدل)). قال أبوعبداللہ : عدل: فداء [راجع: ۱۱۱]

ترجمہ: حضرت علی ﷛ نے کہا کہ میرے پاس تو صرف اللہ ﷻ کی کتاب اور نبی ﷺ کا یہ صحیفہ ہے جس

؎ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب فضل المدینة ودعاالنبی فیھا بالبرکة وبیان تحریمھا وتحریم صیدھا وشجرھا وبیان حدود حرمھا ، رقم : ۲۴۳۵، وسنن الترمذی ، کتاب المناقب عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی فضل المدینة ، رقم : ۳۸۵۶، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی ھریرة ، رقم : ۶۹۳۰، ۷۱۶۳، ۷۴۲۷، ۷۵۰۸، ۸۵۳۲، ۹۹۲۶، موطأ مالک ، کتاب الجامع ، باب ماجاء فی تحریم المدینة ، رقم : ۱۳۸۳ .

میں لکھا ہے کہ مدینہ عائر سے لے کر فلاں فلاں مقامات تک حرم ہے جو شخص اس جگہ میں کوئی نئی بات نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ ﷻ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفل اور آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے جو شخص کسی مسلمان کا عہد توڑے، اس پر اللہ ﷻ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ نفل اور جو شخص اپنی مالک کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے سوالات کرے تو اس پر اللہ ﷻ اور اس کے تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کی نہ کوئی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ کوئی نفل عبادت۔

"من تولّى قوماً بغير إذن مواليه" یعنی اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کر دیں یعنی اس قبیلے کی طرف تو **"فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين"** ہے۔

(۲) باب فضل المدينة وأنها تنفي الناس

مدینہ کی فضیلت اور اس کا بیان کہ وہ برے آدمی کو نکال دیتا ہے

۱۸۷۱ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن يحيى بن سعيد قال: سمعت أبا الحباب سعيد بن يسار يقول: سمعة أبا هريرة ﷺ يقول: قال رسول الله ﷺ: ((أمرت بقرية تأكل القرى، يقولون، يثرب، وهي المدينة تنفي الناس كما ينفي الكير خبث الحديد)). [۵، ۶]

حدیث کی تشریح

"أمرت بقرية تأكل القرى" یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے ایسی بستی میں رہنے کا جو ساری بستیوں پر غالب آجائے گی یعنی اس کا حکم ساری بستیوں پر چلے گا، چنانچہ بعد میں مدینہ منورہ دار الخلافہ تھا اور اس نے آدھی دنیا پر حکومت کی **"يقولون يثرب"** لوگ اس کا نام یثرب رکھتے تھے **"وهي المدينة تنفي الناس كما ينفي الكيرُ خبث الحديد"** حالانکہ اب اس کا نام مدینہ ہے اور یہ خبیث لوگوں کو اس طرح دفع کرتا ہے جیسا کہ دھونکنی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوں اور خبث رکھتے ہوں تو مدینہ منورہ ان کو دور کر دیتا ہے۔

---

۵ لايوجد للحديث مكررات.

۶ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب المدينة تنفي شرارها، رقم: ۲۴۵۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۹۳۴، ۷۰۶۶، ۸۶۲۴، ۹۲۹۳، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في سكن المدينة و الخروج منها، رقم: ۱۳۷۸.

اب اس میں بعض لوگوں نے کہا کہ مراد اکثریت ہے ورنہ فی نفسہ مدینہ منورہ میں منافقین کا رہنا اور بعض بداخلاق قسم کے لوگوں کا رہنا بھی ثابت ہے، تو یہاں پر اکثریت کا اعتبار کیا گیا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آخر دور میں ہوگا کہ مدینہ منورہ میں جتنا گند ہے وہ سب نکل جائے گا صرف سچے پکے مسلمان باقی رہ جائیں گے جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ مدینہ منورہ میں تین زلزلے آئیں گے اور ان زلزلوں سے گھبرا کر جو ایسے کچے پکے لوگ ہیں وہ محض پیسہ کمانے کے لئے چلے جائیں گے ان کے دل میں مدینہ منورہ کی کوئی خاص محبت نہیں ہوگی اور وہ زلزلہ سے گھبرا کر بھاگ جائیں گے اور پھر وہی رہے گا جس کو مدینہ سے واقعی محبت ہوگی اور پھر اسی پر اللہ ﷻ اس کو وہاں موت عطا فرمائیں گے۔

(۳) باب : المدينة طابة

مدینہ طابہ ہے

۱۸۷۲ـ حدثنا خالد بن مخلد : حدثنا سليمان قال : حدثني عمرو بن يحيى ، عن عباس بن سهل بن سعد ، عن أبي حميد ﷺ قال : أقبلنا مع النبي ﷺ من تبوک حتى أشرفنا على المدينة فقال :((هذه طابة)). [راجع : ۱۴۸۱]

ترجمہ: حضرت ابو حمید ﷺ نے بیان کیا کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تبوک سے واپس آئے یہاں تک جب مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ طابہ ہے، یعنی مدینہ کا ایک نام طابہ ہے۔

(۴) باب لابتي المدينة

مدینہ کے دونوں پتھریلے میدانوں کا بیان

۱۸۷۳ـ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالک ، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة ﷺ أنه كان يقول: لو رأيت الظباء بالمدينة ترتع ما ذعرتها. قال رسول الله ﷺ :((ما بين لابيتها حرام)). [راجع: ۱۸۶۹]

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میں ہرنوں کو مدینہ منورہ میں چرتے ہوئے دیکھوں تو **"ما ذعرتها"** میں ان کو گھبراؤں گا نہیں یعنی ان کو شکار نہیں کروں گا اور ان کو پکڑوں گا نہیں بلکہ ان کو چرنے دوں گا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **"ما بين لا بتيها حرام"** مدینہ منورہ کے جو دو حرے ہیں یعنی پتھریلی زمین اور کالے کالے پتھر ہیں جن میں ایک قبا کی طرف ہے اور دوسرا احد کی طرف تو ان دونوں کے درمیان جو بستی ہے وہ حرم ہے۔

(۵) باب من رغب عن المدينة

اس شخص کا بیان جو مدینہ سے نفرت کرے

۱۸۷۴ ۔ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني سعيد بن المسيب أن أبا هريرة ﷺ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((تتركون المدينة على خير ما كانت، لا يغشاها إلا العواف ـ يريد عوافي السباع والطير ـ وآخر من يحشر راعيان من مزينة يريدان المدينة، ينعقان بغنمهما فيجدانها وحوشا، حتى إذا بلغا ثنية الوداع خرّا على وجوههما)).[۷،۸]

حدیث کی تشریح

اس حدیث میں آخری زمانے کی خبر ہے اور "يُتْرَكون" اور "تُتْرَكون" دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ دونوں روایتیں ہیں اگر "تتركون" پڑھا جائے تو خطاب کا صیغہ ہے لیکن خطاب صحابہ سے نہیں ہے بلکہ مخاطب عام لوگ ہیں کہ اے لوگو! تم مدینہ منورہ کو چھوڑ دو گے، "علىٰ خير ما كانت" بہترین حالت میں جس میں وہ تھی یعنی مدینہ طیبہ کو بہترین حالات میں کہ آباد ہے، شاداب ہے، تروتازہ ہے، زراعت ہو رہی ہے، بازار لگے ہوئے ہیں، ان سب کے باوجود تم مدینہ چھوڑ کر چلے جاؤ گے، اور اگر "يتركون" ہے تو آخری دور میں لوگ مدینہ اس طرح چھوڑ کر چلے جائیں گے کہ "لا يغشاها إلا العواف" اس میں نہیں آئیں گے مگر کرگس، "عواف ـ عافية" کی جمع ہے اور "عافية" کرگس کو کہتے ہیں جو پرندے مردے کے اوپر آکر گرتے ہیں تو اس میں کرگس ہوں گے۔

"يريد عوافي السباع والطير" کہ مردار کھانے والے پرندے اور درندے بس وہ باقی رہیں گے اور سب مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ "وآخر من يحشر راعيان" اور آخر میں جو دو آدمی مدینہ منورہ میں آئیں گے وہ قبیلہ مزینہ کے دو چرواہے ہوں گے جو مدینہ منورہ کا ارادہ لے کر چلیں گے "ينعقان بغنمهما" اپنی بکریوں کو ہنکاتے ہوئے نکلیں گے اور یہ دونوں جب مدینہ منورہ کے قریب آئیں

---

[۷] لا يوجد للحديث مكررات.

[۸] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب في المدينة حين يتركها أهلها رقم: ۲۴۶۲، ومسند أحمد باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۹۵، وباب باقي المسند السابق، رقم: ۸۶۳۸، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في سكنى المدينة والخروج منها، رقم: ۱۳۸۱.

گے تو مدینہ منورہ کو ویران پائیں گے **"وحوشاً"** یعنی ویران **"حتی إذا بلغا ثنية الوداع"** یہاں تک کہ جب یہ ثنیۃ الوداع پر پہنچیں گے تو **"خرّا علی وجوههما"** اپنے چہرے کے بل گر جائیں گے اور ان کو بھی موت آجائے گی۔

یہ آخر زمانہ کا ذکر ہے، اب یہ واقعہ کس وقت پیش آئے گا (واللہ اعلم) اس کی صحیح تعیین اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، لیکن آگے حدیث میں آرہا ہے کہ تین زلزلے آئیں گے تو شاید یہ تیسرے زلزلے کے بعد کی بات ہے کہ تیسرے زلزلے کے نتیجے میں لوگ وہاں سے چلے جائیں گے۔

اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ دو فرشتے آئیں گے جو ان دونوں چرواہوں کو گھسیٹ کر لے جائیں گے اور پھر یہ وہیں پڑے ہوں گے جہاں اور مردے پڑے ہوں گے۔

۱۸۷۵ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک، عن هشام بن عروة عن أبيه، عن عبداللہ بن الزبير، عن سفيان بن أبي زهير ﷺ أنه قال: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: ((تفتح اليمن فيأتي قوم يبسون فيتحملون بأهليهم ومن أطاعهم، والمدينة خير لهم لو كانوا يعلمون. وتفتح الشام فيأتي قوم يبسون فيتحملون بأهليهم ومن أطاعهم، والمدينة خير لهم لو كانوا يعلمون. وتفتح العراق فيأتي قوم يبسون فيتحملون بأهليهم ومن أطاعهم، والمدينة خير لهم لو كانوا يعلمون)). [۹، ۱۰]

مدینہ طیبہ میں سکونت کی فضیلت

حضرت سفیان بن ابی زہیر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یمن فتح ہوگا تو کچھ لوگ آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو ہنکا کر لے جائیں گے، **"يبسّون ۔ بسّ ۔ يبسّ ۔ بسّا"** کے معنی ہیں مویشیوں کو ہنکا کر لے جانا اور اس کے اصل معنی ہیں بہانا **"أجرىٰ ۔ يجرى ۔ اجراء"** جیسا کہ قرآن شریف میں ہے **"وبسّت الجبال بساً"** جس کے معنی ہیں **"أجريت الجبال جرياً"** جو پہاڑ ٹھوس نظر آرہے ہیں یہ اس وقت پانی کی طرح بہا دیئے جائیں گے۔

تو کہتے ہیں کہ جب یمن فتح ہوگا تو ایک قوم آئے گی جو اپنے مویشیوں کو بہا کر لے جائے گی اور ان کے مطیعین کو اٹھا کر مدینہ سے لے جائے گی۔

---

۹ لایوجد للحدیث مکررات .

۱۰ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الترغيب في المدينة عند فتح الأمصار، رقم: ۲۴۶۰، ومسند أحمد، مسند الأنصار، باب حديث سفيان بن أبي زهير، رقم: ۲۰۹۰۷، ۲۰۹۰۸، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في سكنى المدينة والخروج منها، رقم: ۱۳۸۰.

مطلب یہ ہے کہ جب یمن فتح ہوگا تو لوگوں کو شوق ہوگا کہ یمن بڑی اچھی جگہ ہے وہاں جا کر آباد ہوتے ہیں تو لوگ اپنے مویشی وغیرہ مدینہ منورہ سے اٹھا کر اپنے گھر والوں اور اپنے فرماں برداروں کو اٹھا کر یمن لے جائیں گے **"والمدینة خیر لهم لو کانوا یعلمون"** حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ علم رکھتے اور حقیقت جانتے۔

"وتفتح الشام فیأتی قوم" اس کے بعد فرمایا کہ شام فتح ہوگا تو لوگ آئیں گے اور اسی طرح اپنے مویشی وغیرہ ہنکا کر لے جائیں گے **"وتفتح العراق"** پھر عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ مدینہ کو چھوڑ کر وہاں پر جا کر آباد ہو جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوتا تو حضور اقدس ﷺ خبر دے رہے ہیں کہ بہت سے لوگ مدینہ منورہ کے ساتھ وفاداری نہیں کریں گے اور جب نئے نئے علاقے سامنے آئیں گے تو وہاں جا کر آباد ہونے کے شوق میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر چلے جائیں گے حالانکہ ان کے حق میں بہتر ہوتا کہ وہ مدینہ ہی میں مقیم رہتے، اس سے مدینہ طیبہ کی سکونت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

یہ نکیر آپ ﷺ نے صرف ان لوگوں پر فرمائی جو محض اس وجہ سے جا رہے ہیں کہ وہ علاقہ ہمیں زیادہ زرخیز معلوم ہوتا ہے یا زیادہ اچھا لگتا ہے یا اس علاقہ کی آب و ہوا اچھی ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن اگر کسی دینی مقصد سے گئے جیسے صحابۂ کرام ؓ جہاد کے لئے اطراف واکناف میں جا کر آباد ہوئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے جہاد کی غرض سے قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے جان دی، حضرت حذیفہ بن یمان ؓ وغیرہ مدائن میں مدفون ہیں، تو جہاد کی غرض سے مدینہ طیبہ سے نکلنے کی تو بڑی فضیلت ہے اور یہاں نکیر کسی دنیاوی نفع کے اوپر مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر جانے پر ہے، مدینہ طیبہ کی نبی کریم ﷺ کو بڑی غیرت تھی یہ حضور اقدس ﷺ کا شہر ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں جلال ہے اور مدینہ طیبہ میں جمال ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن جمال کے ساتھ ساتھ مجھے تو مدینہ طیبہ میں بہت ڈر لگتا ہے، مکہ مکرمہ میں تو آدمی لگ لپٹ کر جو کچھ کر گذرے لیکن مدینہ طیبہ میں ؎

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

میں نے اپنے والد ماجد سے سنا، جب پہلی بار مدینہ طیبہ میں حاضری ہوئی تو میں اپنے والد ماجد کے ساتھ تھا تو اس وقت پہلے ہی انہوں نے یہ واقعہ سنایا تا کہ آدمی متنبہ ہو جائے، سنایا کہ ایک بزرگ تھے وہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو کھانے پر کھانا کھا رہے تھے تو دہی آ گئی تو دہی کچھ ان کو پسند نہ آئی تو انہوں نے کہا کہ دہی یہاں کا اچھا نہیں ہوتا، ہمارے ہاں کا اچھا ہوتا ہے انہوں نے یہ بات کی اور رات کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ دہی یہاں کا اچھا نہیں ہوتا تو ایسا کرو کہ جہاں کا دہی اچھا ہوتا ہے وہیں چلے جاؤ۔

مدینہ منورہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس کے بارے میں وہاں رہتے ہوئے قدم قدم پر بڑا احتیاط رہنا چاہئے، یہ مدینۃ النبی ﷺ ہے اس کا ایک ایک ذرہ، ایک ایک چپہ اور ایک ایک جگہ قابل صد احترام ہے، اسی واسطے مدینہ طیبہ کی کسی چیز کے بارے میں ایسا کوئی جملہ وغیرہ بڑی خطرناک بات ہے، اللہ بچائے۔

سوال: حرم مکہ میں درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا جائز نہیں تو کیا فاضل گھاس اور فاضل شاخیں وغیرہ کاٹنا بھی جائز نہیں؟

جواب: یہ جو منع ہے ایک تو وہ خودرو گھاس ہے خواہ وہ فاضل ہو یا جیسی بھی ہو اس کو کاٹنا جائز نہیں اور دوسرا یہ کہ ایسے درخت کو کاٹنا جو کسی کا لگایا ہوا ہو ثمر دار ہو، سایہ دار ہو تو اس کو کاٹنا جائز نہیں اور تہذیب کی غرض سے جو شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں اس کی ممانعت نہیں۔

(٦) باب : الإيمان يأرز الى المدينة

ایمان مدینہ کی طرف سمیٹ آئے گا

١٨٧٦ ۔ حدثنا ابراهيم المنذر : حدثنا أنس بن عياض قال : حدثني عبيدالله ، عن خبيب بن عبدالرحمن ، عن حفص بن عاصم ، عن أبي هريرة رضي الله عنه : ان رسول الله ﷺ قال: ((ان الإيمان ليأرز الى المدينة ، كما تأرز الحية الى جحرها)).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان مدینہ کی طرف سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔

(٧) باب إثم من كاد أهل المدينة

اہل مدینہ سے فریب کرنے والوں کے گناہ کا بیان

١٨٧٧ ۔ حدثنا حسين بن حريث: أخبرنا الفضل، عن جعيد، عن عائشة قالت: سمعت سعداً رضي الله عنه قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((لا يكيد أهل المدينة أحد إلا انماع، كما ينماع الملح في الماء)).[١]

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے سنا کہ اہل مدینہ سے جو شخص بھی فریب کرے گا وہ اس طرح گل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

[١] وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب من أراد أهل المدينة بسوء أذا به الله ، رقم : ٢٤٥٨ ، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب مسند أبي اسحاق سعد من أبي وقاص ، رقم : ١٤٧٦ .

(۸) باب آطام المدينة

مدینہ کے محلوں کا بیان

۱۸۷۸ ۔ حدثنا علی بن عبداللہ : حدثنا سفیان : حدثنا ابن شهاب قال : أخبرنی عروة قال : سمعت أسامة ﷺ قال : أشرف النبی ﷺ علی أطم من آطام المدينة فقال : ((هل ترون ما أرى ؟ انی لأری مواقع الفتن خلال بیوتكم كمواقع القطر)). تابعه معمر وسليمان بن كثير ، عن الزهری . [أنظر : ۲۴۶۷، ۳۵۹۷، ۷۰۶۰]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ مدینہ کے ایک اونچے مکان پر چڑھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کی جگہ دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے قطروں کی گرنے کی جگہ۔

(۹) باب : لا يدخل الدّجّال المدينة

دجال مدینہ میں داخل نہ ہوگا

۱۸۷۹ ۔ حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله قال :حدثنی ابراهيم بن سعد ، عن أبيه ، عن جده ، عن أبی بكرة ﷺ عن النبی ﷺ قال : ((لایدخل المدينة رعب المسيح الدجال ، لها يومئذ سبعة أبواب ، علی كل باب ملكان)) . [أنظر: ۷۱۲۵، ۷۱۲۶]

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ ﷺ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں مسیح دجال کا خوف داخل نہ ہوگا اس زمانہ میں مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ پر دو فرشتے ہوں گے۔

۱۸۸۰ ۔ حدثنا اسماعيل قال :حدثنی مالک ، عن نعيم بن عبدالله المجمّر ، عن أبی هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ :((علی أنقاب المدينة ملائكة لا يدخلها الطاعون ولا الدجال)). [أنظر : ۵۷۳۱، ۷۱۳۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کے دروازوں پر فرشتے ہوں گے وہاں نہ تو طاعون اور نہ دجال داخل ہوگا۔

۱۸۸۱ ۔ حدثنا ابراهيم بن المنذر : حدثنا الوليد : حدثنا أبو عمرو : حدثنا اسحاق : حدثنی أنس بن مالک ﷺ عن النبی ﷺ قال : ((ليس من بلد الا سيطؤه الدجال الا مكة و المدينة ، ليس له من نقابها نقب الا عليه الملائكة صافين يحرسونها ، ثم ترجف المدينة بأهلها ثلاث رجفات فيخرج الله كل كافر و منافق)).
[أنظر : ۷۱۲۴، ۷۱۳۴، ۷۴۷۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس کو دجال پامال نہ کرے گا مگر مدینہ اور مکہ کہ وہاں داخل ہونے کے جتنے راستے ہیں ان پر فرشتے صف بستہ ہوں گے اور ان کی نگرانی کریں گے۔ پھر مدینہ کی زمین مدینہ والوں پر تین بار کانپے گی، اللہ ﷻ ہر کافر اور منافق کو وہاں سے باہر کردے گا۔

۱۸۸۲ ـ حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب قال: أخبرنی عبیداللّٰه بن عبداللّٰه بن عتبة، أنّ أبا سعید الخدری ؓ قال: حدثنا رسول اللّٰه ﷺ حدیثاً طویلاً عن الدّجّال فکان فیما حدثنا به أن قال: ((یأتی الدّجّال۔ و هو محرم علیه أن یدخل نقاب المدینة۔ ینزل بعض السباخ التی بالمدینة، فیخرج إلیه یومئذ رجلٌ هو خیر الناس أو من خیر الناس، فیقول: أشهد أنک الدّجّال الذی حدثنا عنک رسول اللّٰه ﷺ حدیثه، فیقول الدّجّال: أرایت إن قتلت هذا ثم أحییته، هل تشکّون فی الأمر؟ فیقولون: لا، فیقتله ثم یحییه فیقول حین یحییه: و اللّٰه ما کنت قط أشد بصیرةً منی الیوم، فیقول الدّجّال: أقتله فلا یسلط علیه)). [أنظر: ۷۱۳۲] [۱۲]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ؓ نے بیان کیا کہ ہم سے نبی کریم ﷺ نے دجال کے متعلق طویل حدیث بیان کی اس میں یہ بھی بیان کیا کہ دجال مدینہ کی ایک کھاری زمین پر آئے گا اور اس پر مدینہ کے اندر داخل ہونا حرام کر دیا گیا ہے۔ اس دن اس کے پاس ایک شخص آئے گا جو بہترین لوگوں میں سے ہوگا، اور کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی دجال ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے حدیث بیان کی ہے، دجال کہے گا بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو پھر میرے معاملہ میں تمہیں شک تو نہ ہوگا۔ لوگ کہیں گے نہیں۔ چنانچہ وہ اس کو قتل کر دے گا اور پھر زندہ کرے گا جب وہ اس کو زندہ کر دے گا تو وہ شخص کہے گا بخدا آج سے پہلے مجھے اس سے زیادہ حال معلوم نہ تھا، تو وہی دجال ہے پھر دجال کہے گا کہ میں اسے قتل کرتا ہوں لیکن اسے قدرت نہ ہوگی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ صاحب خضر علیہ السلام ہوں گے جو جا کے اس طرح دجال سے بات کریں گے لیکن روایتوں میں کوئی دلیل اس طرح کی نہیں ہے۔

---

[۱۲] وفی صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب فی صفة الدجال وتحریم المدینة علیه وقتله المؤمن، رقم: ۵۲۲۹، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابو سعید الخدری، رقم: ۱۰۸۹۱، ۱۱۳۲۵.

(۱۰) باب: المدينة تنفي الخبث

مدینہ برے آدمی کو دور کردیتا ہے

۱۸۸۳ ۔ حدثنا عمرو بن عباس: حدثنا عبدالرحمن: حدثنا سفيان، عن محمد ابن المنكدر، عن جابر ﷺ قال: جاء أعرابي إلى النبي ﷺ فبايعه على الإسلام. فجاء من الغد محموماً فقال: أقلني، فأبى ثلاث مرار، فقال: ((المدينة كالكير تنفي خبثها، وتنصع طيبها)). [أنظر: ۷۲۰۹، ۷۲۱۱، ۷۲۱۶، ۷۳۲۲]. ۱۳

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام پر بیعت کی "فجاء من الغد محموماً" دوسرے دن آیا تو بخار چڑھا ہوا تھا تو آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ "أقلني" میری بیعت واپس کرو، اب اس کا مطلب کیا ہے؟

بعض نے کہا کہ میں اسلام سے واپس جانا چاہتا ہوں۔ "العیاذ باللہ" لیکن بظاہر یہ مراد نہیں اگر ایسا ہوتا تو مرتد ہو جاتا اور واجب القتل ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ ہجرت پر جو میں نے بیعت کی تھی وہ مجھے واپس دو، "فأبی" تو آپ ﷺ نے انکار فرمایا کہ بیعت واپس نہیں ہوا کرتی، "ثلاث مرار" تین مرتبہ یہ ہوا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا "المدينة كالكير تنفي خبثها" کہ مدینہ دھونکنی کی طرح ہے کہ وہ لوہے کے زنگ کو دور کردیتا ہے اور جو اچھا ہوتا ہے اس کو مانجھ دیتا ہے اور زیادہ اجالا اور سفید بنا دیتا ہے۔

۱۸۸۴ ۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن عدي بن ثابت، عن عبدالله ابن يزيد قال: سمعت زيد بن ثابت ﷺ يقول: لما خرج رسول الله ﷺ إلى أحد رجع ناس من أصحابه فقالت فرقة: نقتلهم، وقالت فرقة: لا نقتلهم. فنزلت: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ [النساء: ۸۸] وقال النبي ﷺ: ((إنها تنفي الرجال كما تنفي النار خبث الحديد)). [أنظر: ۴۰۵۰، ۴۵۸۹] ۱۴

---

۱۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب المدينة تنفي شرارها، رقم: ۲۴۵۳، وسنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب ماجاء في فضل المدينة، رقم: ۳۸۵۵، وسنن النسائي، كتاب البيعة، باب استقالة البيعة، رقم: ۴۱۱۴، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۳۷۶۶، ۱۳۷۸۱، ۱۴۳۰۹، ۱۴۶۸۲، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في سكنى المدينة والخروج منها، رقم: ۱۳۷۷.

۱۴ وفي صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، باب، رقم: ۴۹۸۰، وسنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة النساء، رقم: ۲۹۵۴، ومسند أحمد، مسند الأنصار، باب حديث زيد بن ثابت عن النبي، رقم: ۲۰۶۱۶، ۲۰۶۴۳، ۲۰۶۴۹.

ترجمہ: حضرت زید بن حارث ﷺ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ احد کی طرف روانہ ہوئے، تو آپ ﷺ کی ساتھیوں کی ایک جماعت منافقین واپس ہوگئی، تو کچھ لوگوں نے کہا ہم ان کو قتل کردیں گے اور بعض نے کہا ہم کوان کو قتل نہیں کریں گے، چنانچہ یہ آیت ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ برے آدمیوں کو دور کردیتا ہے جس طرح آگ لوہے کے میل کو دور کردیتی ہے۔

باب:

۱۸۸۵ ۔ حدثنی عبداللہ بن محمد : حدثنا وهب بن جریر : حدثنا أبی، سمعت یونس، عن ابن شهاب، عن أنس ﷺ عن النبی ﷺ قال: ((اللّٰهم اجعل بالمدینة ضعفی ماجعلت بمكة من البركة))، تابعه عثمان بن عمر، عن یونس.

آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ کے مقابلے میں دوگنی برکت عطا فرما، اس وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ پر فضیلت رکھتا ہے اور یہ فضیلت بہر حال مدینہ منورہ کو حاصل ہے ہی کہ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اور ظاہر ہے کہ دعا قبول ہوئی ہوگی تو اس لئے مدینہ طیبہ میں بہت برکات ہیں یہ اور بات ہے کہ مکہ مکرمہ کے حرم میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اور مدینہ طیبہ کی مسجدِ نبوی میں اس کے مقابلے میں کم ہے، لیکن دوسری برکات کے اعتبار سے مدینہ طیبہ کی فضیلت ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ جہاں خود سرکارِ دوعالم ﷺ تشریف فرما ہیں تو وہ جگہ تو عرش وکرسی سے بھی افضل ہے، کیونکہ عرش کی کرسی اللہ جل جلالہ کا مکان نہیں ہے تو جس جگہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوں ساری دنیا میں اس سے زیادہ افضل جگہ نہیں ہوسکتی اس لحاظ سے مدینہ طیبہ کے اس حصے کی فضیلت زیادہ ہے۔[۱۵]

۱۸۸۶ ۔ حدثنا قتیبه: حدثنا إسماعیل بن جعفر، عن حمید، عن أنس ﷺ : أن النبی ﷺ كان إذا قدم من سفر فنظر إلى جدرات المدینة أوضع راحلته، وإن كان على دابة حركها من حبها . [راجع : ۱۸۰۲] [۱۶]

---

[۱۵] ومكة أفضل منها على الراجح الا ماضم أعضاء ه ﷺ فانه أفضل حتى من الكعبة والعرش والكرسی الخ من الدر المختار آخر الكتاب وحاشیة الطحاوی علی مزاقی الفلاح ، ج: ا ،ص: ۴۸۴، والدر المختار ، ج: ۲،ص: ۶۲۶، و عقائد علماء دیوبند ،ص: ۲۱۷، وقال عیاض :اجمعوا على أن موضع قبره ، ﷺ أفضل بقاع الأرض ، عمدة القاری ، ج: ۵،ص: ۵۶۹، وانعام الباری ، ج: ۴،ص: ۳۱۷، كتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة ومدینة ،رقم الحدیث : ۱۱۹۵.

[۱۶] وفی صحیح مسلم ،كتاب الحج ، باب فضل المدینة ودعا النبی فیها با لبركة وبیان، رقم ۲۴۳۲، ومسند أحمد، باقی مسند المكثرین ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۱۱۹۹۹ .

ترجمہ: نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس ہوتے اور مدینہ کی دیواروں کی طرف دیکھتے تو اپنی سواری تیز چلاتے اور اگر کسی دوسرے جانور پر سوار ہوتے تو اس کو مدینہ کی محبت کے سبب اور ایڑ لگاتے۔

(۱۱) باب کراهية النبی ﷺ أن تعری المدينة

مدینہ چھوڑنے کو نبی کریم ﷺ کا ناپسند فرمانے کا بیان

۱۸۸۷ ۔ حدثنی ابن سلام، أخبرنا الفزاری، عن حميد الطويل، عن أنس ﷺ قال: أراد بنو سلمة أن يتحولوا إلى قرب المسجد، فكره رسول الله ﷺ أن تعرى المدينة، وقال: ((يا بنی سلمة، ألا تحتسبون آثاركم؟)) فأقاموا . [راجع :٦٥٥]

آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آبادی مسجد کے آس پاس آجائے اور باہر کے علاقے خالی ہوں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شہر کا بہت زیادہ گنجان ہونا آپ ﷺ کو پسند نہیں تھا بلکہ پھیلا پھیلا ہو، کھلا کھلا ہو، اس سے ٹاؤن پلاننگ کا بھی اصول نکلتا ہے کہ ایک جگہ بستی بالکل گنجان نہ کرنی چاہئے بلکہ بستی پھیلی ہوئی ہو تاکہ لوگوں کو کشادگی محسوس ہو۔

(۱۲) باب

۱۸۸۸ ۔ حدثنا مسدد، عن يحيى، عن عبيد الله بن عمر، قال: حدثنی خبيب بن عبدالرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبی هريرة ﷺ عن النبی ﷺ قال: ((ما بين بيتی ومنبری روضة من رياض الجنة، ومنبری على حوضی)). [راجع : ١١٩٦]

"روضة من رياض الجنة" بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حصہ جنت ہی سے اتر کر آیا جیسا کہ حجر اسود جنت سے اتر کر آیا، ایسا ہو تو بھی اللہ ﷻ کی ذات سے بعید نہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ استعارہ اور مجاز ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہاں پر جو لوگ عبادت کرتے ہیں تو وہ گویا جنت کی کیاری میں بیٹھے ہیں اور بالآخر ان کو جنت کی کیاری نصیب ہوگی انشاء اللہ، سب احتمال ہیں حقیقت کے بھی اور مجاز کے بھی۔

"ومنبری علیٰ حوضی" میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

اس کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا منبر اس وقت جس جگہ ہے وہی قیامت میں حوضِ کوثر ہوگی، بعض حضرات نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ میرا یہ منبر وہاں لے جا کر حوضِ کوثر پر رکھ دیا جائیگا۔

بہرحال یہ وہ چیزیں ہیں جن کو ہم اور آپ اپنے قیاس اور تخمینے اور گمان سے سمجھ نہیں سکتے **"ما لا رأى عين ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر"** اس واسطے اس بارے میں زیادہ قیاس آرائی کی ضرورت نہیں، اللہ ﷻ اپنے فضل وکرم سے وہاں پر پہنچادے تو سب پتہ چل جائے گا۔

۱۸۸۹ ـ حدثنا عبيد بن إسماعيل : حدثنا أبوأسامة ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : لما قدم رسول الله ﷺ المدينة وعک أبو بكر و بلال فكان أبو بكر إذا أخذته الحمّى يقول :

كل امرئ مصبح في أهله والموت أدنى من شراک نعله

وكان بلال إذا أقلع عنه الحمى يرفع عقيرته يقول:

الا ليت شعرى هل أبيتن ليلة بواد وحولي إذخر و جليل

وهل أردن يوماً مياه مجنة وهل يبدون لي شامة وطفيل

قال : اللّٰهم العن شيبة بن ربيعة، وعتبة بن ربيعة، وأمية بن خلف، كما أخرجونا من أرضنا إلى أرج الوباءِ ، ثم قال رسول الله ﷺ : ((اللّٰهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أو أشد، اللّٰهم بارک لنا في صاعنا وفي مدنا، وصححها لنا، وانقل حماها إلى الجحفة)). قالت : وقدمنا المدينة وهي أوبأ أرض الله، قالت: فكان بطحان يجري نجلا، تعني ماءً آجناً. [أنظر : ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲].[۱۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے "وعک ابوبکر وبلال" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخار آگیا اور مدینہ منورہ کا بخار مشہور ہے، پہلے تو بہت ہوتا تھا لیکن بعد میں حضور ﷺ کی دعا سے ختم ہوگیا اور وہاں پر جب لوگوں کو بخار آتا تھا تو بڑا زبردست آتا تھا اور اب بھی جب کسی کو آتا ہے، تو خوب زبردست آتا ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخار آگیا "فکان أبو بکر اذا أخذته الحمیٰ یقول" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب بخار زیادہ چڑھتا تو یہ شعر پڑھتے ؎

كل امرئٍ مصبّح في أهله والموت ادنىٰ من شراک نعله

کہ ہر انسان کو اس کے گھر میں صبح کے وقت میں "أهلاً سهلاً" کہا جاتا ہے۔ "مصبّح" یہ "صبّح ـ يصبّح" سے ہے، جس کے معنی "کسی کو صبح کے وقت میں صبح کی مبارکباد دینا" ہیں جیسے ہر آدمی صبح کے وقت میں جب اپنے گھر میں ہوتا ہے تو اس کو لوگ صبح کی مبارکباد اور دعا دیتے ہیں۔

"والموت ادنىٰ من شراک نعله" جبکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی اس کے زیادہ

---

[۱۷] وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب الترغيب في سكنى المدينة والصبر على لأوائها ، رقم : ۲۴۴۴، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۱۵۳، ۲۳۲۲۴، ۲۳۳۹۱، ۲۴۶۷۲، ۲۴۸۳۷، ۲۵۰۴۰، وموطأ مالک ، كتاب الجامع، باب ماجاء في وباء المدينة ، رقم : ۱۳۸۵.

قریب ہے یعنی اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ شام بھی کروں گا یا نہیں کروں گا، شام تک زندہ رہوں گا یا نہیں رہوں گا، بظاہر تو صبح کے وقت بڑی دعائیں دی جارہی ہیں، مبارکبادی دی جارہی ہے، لیکن کیا پتہ کہ چند لمحوں کے بعد دنیا سے اٹھنے والا ہے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بخار کی حالت میں یہ فرمایا کرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بخار سے بے ہوش پڑے رہتے تھے لیکن جب ذرا بخار سے ہوش آتا تو **"لا یرفع عقیرته"**.

"عقیرة" : اصل میں اس آواز کو کہتے تھے جو کسی کو ذبح کرنے سے نکلے اور اسی لئے **"عقر - یعقر"** کے معنی زخمی کرنے کے ہیں، تو زخمی کرنے کے نتیجے میں جو آواز نکلے اس کو **"عقیرة"** کہتے تھے لیکن بعد میں مطلق آواز کے لئے کہنے لگے تو وہ اپنی آواز بلند کرتے اور یہ شعر پڑھتے

ألا لیت شعری هل ابیتن لیلةً بوادٍ و حولی اذخر و جلیل
وهل أردن یوماً میاه مجنة وهل یبدون یوماً لی شامة وطفیل

اے کیا کوئی مجھے یہ بتائے، **"لیت شعری"** کے یہ معنی ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہو جائے **"شعری"** یہ **"شعور"** سے نکلا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اے کاش! مجھے یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا میں آئندہ کوئی رات گذار سکوں گا ایسی وادی میں جہاں میرے اردگرد اذخر اور جلیل کی گھاس ہوں، اذخر اور جلیل یہ گھاسوں کے دو نام ہیں جو مکہ مکرمہ کی وادیوں میں پائی جاتی ہیں، تو اپنے وطن مکہ مکرمہ کو یاد کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کوئی مجھے یہ بتائے کہ کیا میں کوئی رات گذار سکوں گا ایسی وادی میں کہ میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہوں **"وهل اردن یوماً میاه مجنة"** اور کیا کسی دن میں جا کر مجنہ کے چشموں پر اتروں گا۔ مجنہ یہ بھی مکہ مکرمہ کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے اور کیا کبھی شامہ اور طفیل کے پہاڑ میرے سامنے آئیں گے، شامہ اور طفیل یہ بھی مکہ مکرمہ کے پہاڑ ہیں۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں بھی پہلے پہاڑ سمجھتا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ چشموں کے نام ہیں، بہر حال چشمے ہوں یا پہاڑ ہوں مکہ مکرمہ میں واقع ہیں۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ بخار کی حالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کو یاد کر رہے ہوتے تھے اور یہ کہہ رہے ہوتے تھے کہ کیا کبھی وہ دن آئے گا یا وہ رات آئے گی کہ میں دوبارہ مکہ مکرمہ میں جا کر وہاں کے علاقے سے لطف اندوز ہوں اور ساتھ میں یہ بھی کہتے **"اللّٰهم العن شیبة بن ربیعة، و عتبة بن ربیعة و أمیة بن خلف"** کہ اے اللہ! ان پر لعنت بھیج کہ انہوں نے ہمیں ہماری زمین سے نکال دیا اور اس وباء کی زمین میں بھیج دیا جہاں یہ وباء پھیلی ہوئی ہے۔

یہ سب کچھ حضور اقدس ﷺ نے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا **"اللّٰهم حبّب إلینا المدینة کحبّنا مکة أو أشد، اللّٰهم بارک لنا فی صاعنا وفی مدّنا، وصححها لنا، انقل حمّاها إلی**

"الجحفة" کہ مدینہ کو ہمارے لئے صحت بخش بنا دیجئے اور اس کے بخار کو اٹھا کر جحفہ میں پھینک دیجئے، جحفہ اس وقت نصرانیوں کی آبادی تھی اور وہاں سب بڑے شریر قسم کے لوگ آباد تھے، تو اس واسطے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی، **"قالت وقدمنا المدینة"** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ اس حالت میں آئے کہ اللہ جل جلالہ کی زمین میں سب سے زیادہ وباء یہاں ہوتی تھی اور بخار وغیرہ بہت سخت آیا کرتا تھا۔

"فکان بطحان یجری نجلا" بطحان جو مدینہ منورہ میں ایک وادی ہے وہ سڑے ہوئے پانی کے ساتھ بہا کرتی تھی، نجل کے معنی ہیں پانی اور تفسیر کر دی کہ **"ماءً اجلاً"** یعنی سڑا ہوا اور بدبودار پانی، تو ایسا پانی یہاں ہوتا تھا اور لوگ اسے پیتے تھے تو اس سے بیمار ہوا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے دعائیں فرمائیں اور آپ ﷺ کا وہاں قیام رہا، اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو ایسا صحت افزاء بنا دیا کہ کچھ ٹھکانہ نہیں اور اب تو ماشاءاللہ! مدینہ منورہ کی آب وہوا ایسی ہے کہ آدمی باقاعدہ صحت حاصل کرنے کے لئے جائے، میں ہمیشہ یہاں بیمار ہوتا ہوں تو جب کبھی مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ حاضری ہوتی ہے تو صحت ہو جاتی ہے۔

۱۸۹۰ ۔ حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا اللیث، عن خالد بن یزید، عن سعید بن أبی هلال، عن زید بن أسلم، عن أبیه عن عمر ﷺ، قال: اللّٰهم ارزقنی شهادة فی سبیلک، واجعل موتی فی بلد رسولک ﷺ. وقال ابن زریع، عن روح بن القاسم، عن زید بن أسلم، عن أمه، عن حفصة بنت عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما، قالت: سمعت عمر یقول: نحوه، وقال هشام، عن زید، عن أبیه، عن حفصة: سمعت عمر ﷺ. [۱۸، ۱۹]

اس میں حضرت فاروق اعظم ﷺ کی دعا بتادی کہ وہ یہ دعا کیا کرتے تھے **"اللّٰهم ارزقنی شهادةً فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک"** تو اللہ جل جلالہ نے دونوں دعائیں قبول فرمائیں اور مدینہ طیبہ ہی میں شہید ہو کر وفات ہوئی۔

---

[۱۸] لایوجد للحدیث مکررات.

[۱۹] وفی موطأ مالک، کتاب الجهاد، باب ماتکون فیه الشهادة، رقم: ۸۷۸.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰ - کتاب الصوم

(۱) باب وجوب صوم رمضان،

صوم رمضان کی فرضیت

وقول اللہ تعالی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

[البقرة: ۱۸۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

تشریح

جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ ﷻ نے **"کتب علیکم الصیام"** نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔ ابتداءً یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے روزہ نہ رکھے اور فدیہ دیدے۔ چنانچہ آیتِ کریمہ **أیاما معدودات** کو بعض حضرات نے شہر رمضان پر محمول کیا ہے، لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں اس سے مراد عاشورہ اور ایام بیض کے روزے ہیں جو شروع میں فرض تھے، اس لئے کہ ایام معدودات کا لفظ جو آگے آرہا ہے اس سے مراد ایامِ بیض اور عاشورہ کے روزے ہیں، رمضان کے نہیں، رمضان کی فرضیت کے لئے آگے دوسری آیات آئی ہیں۔[۱]

پھر یہ آیت اتری **"فمن شهد منكم الشهر فليصمه"** تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے، پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو، تندرست ہو بیمار نہ ہو، اس پر روزہ رکھنا ضروری ہوگیا۔ ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا جو روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔ ابتدا میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے جائز تھا، سوگیا تو پھر گو رات ہی کو جاگے لیکن کھانا پینا

---

[۱] فهذا نص في أن تلك الآيات في حق الأيام البيض، وانما افترض صيام رمضان من قوله ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ الخ، ومن ههنا ظهر وجه قوله: ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ فان تلك الصيام كانت في الأمم السالفة أيضاً، بخلاف رمضان، وحينئذ لاحاجة الى التأويل في آية الفداء. فيض الباري، كتاب الصوم، الجزء الثالث، ص: ۱۴۵.

جماع اس کے لئے منع تھا، پھر قیس بن سرمہ نامی ایک انصاری صحابی ﷺ دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے، عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہوگئی، حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا کما سیأتی عند البخاری، ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا ادھر حضرت عمر ﷺ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضور ﷺ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا[۲] جس پر یہ آیت **"أحل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم"** سے **"ثم أتموا الصیام الی اللیل"** تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ حضرت ابن عمر ﷺ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے بھی یہ مروی ہے۔

"وعلی الذین یطیقونه" کا مطلب حضرت معاذ ﷺ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔

حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دیدیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی۔ [۳]

۱۸۹۱ ۔ حدثنا قتیبة بن سعید: حدثنا إسماعیل بن جعفر، عن أبی سهیل، عن أبیه، عن طلحة بن عبید الله: أن أعرابیاً جاء إلی رسول الله ﷺ ثائر الرأس فقال: یا رسول الله ! أخبرنی ماذا فرض الله علیّ من الصلاة؟ فقال: ((الصلوات الخمس إلا أن تطوعا شیئاً)). فقال: أخبرنی بما فرض الله علیّ من الصیام؟ فقال: ((شهر رمضان إلا أن تطوع شیئاً))، فقال: أخبرنی ما فرض الله علیّ من الزکاة. قال: فأخبره رسول الله ﷺ بشرائع الإسلام. قال: والذی أکرمک، لا أتطوع شیئاً ولا أنقص مما فرض الله علیّ شیئاً . فقال رسول الله ﷺ : ((أفلح إن صدق، أو أدخل الجنة إن صدق)). [راجع : ۴۶]

ترجمہ: طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بتائیے کہ ہم پر اللہ نے کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانچ نمازیں لیکن اگر تو نفل پڑھے تو اور بات ہے، پھر اس نے عرض کیا کہ ہمیں بتائیے کہ کتنے روزے اللہ جل جلالہ نے ہم پر فرض کئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماہ رمضان کے روزے، لیکن اگر تو نفلی رکھے تو الگ بات ہے۔ پھر اس

---

[۲] کما رواه أبو الشیخ، فتح الباری، ج:۴، ص: ۱۳۱، باب قول الله تعالیٰ أحل لکم لیلة الصیام:.....الخ.

[۳] تفسیر ابن کثیر ، سورة البقرة، ج : ۱، ص :۳۳۳.

نے عرض کیا کہ ہمیں بتائیے کہ اللہ ﷻ نے ہم پر زکوۃ کتنی فرض کی ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے شرائع اسلام بتادیئے اس شخص نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو باعزت بنایا میں اس سے نہ تو کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس سے کم کروں گا، جو اللہ نے ہم پر فرض کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص کامیاب ہے اگر اپنے قول میں سچا رہا یا یہ فرمایا کہ وہ شخص جنت میں جائے گا اگر سچا ہے۔

۱۸۹۲۔ حدثنا مسدد : حدثنا اسماعیل ، عن أیوب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال : صام النبی ﷺ یوم عاشوراء وأمر بصیامه فلما فُرض رمضان تُرک، وکان عبداللہ لایصومه الا أن یوافق صومه . [أنظر : ۲۰۰۰، ۴۵۰۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا۔ جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے، تو چھوڑ دیا گیا اور عبداللہ اس دن روزہ نہ رکھتے، مگر جب ان کے روزے کے دن آپڑتا تو رکھ لیتے یعنی جس دن ان کو روزہ رکھنے کی عادت ہوتی اگر اس دن پڑ جاتا تو رکھ لیتے۔

۱۸۹۳۔ حدثنا قتیبة بن سعید : حدثنا اللیث ، عن یزید بن أبی حبیب : أن عراک ابن مالک حدثه : ان عروة أخبره ان عائشة رضی اللہ عنها : ان قریشا کانت تصوم یوم عاشوراء فی الجاهلیة ، ثم أمر رسول اللہ ﷺ بصیامه حتی فرض رمضان . وقال رسول اللہ ﷺ : ((من شاء فلیصم و من شاء أفطره)). [راجع : ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کے روزے رکھتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے روزوں کا حکم دیا یہاں تک کہ جب رمضان کے روزے فرض کیئے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

یہ روایت پیچھے گذر چکی ہے۔

(۲) باب فضل الصوم

روزوں کی فضیلت کا بیان

۱۸۹۴۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمة، عن مالک، عن أبی الزناد، عن الأعرج، عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ : أن رسول اللہ ﷺ قال: ((الصیام جُنة فلا یرفث ولا یجهل وإن امرؤ قاتله أو شاتمه فلیقل: إنی صائم۔ مرّتین۔ والذی نفسی بیده ! لخلوف فم الصائم أطیب عند اللہ من ریح المسک. یترک طعامه وشرابه وشهوته من أجلی، الصیام لی وأنا أجزی به.

والحسنة بعشر أمثالها))۔ [أنظر : ۱۹۰۴، ۵۹۲۷، ۷۴۹۲، ۷۵۳۸].؎

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے، اس لئے نہ تو بری بات کرے اور نہ جہالت کی بات کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں، دو بار کہہ دے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ ﷻ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ وہ کھانا، پینا اور اپنی مرغوب چیزوں کو روزوں کی خاطر چھوڑ دیتا ہے اور میں اس کا بدلہ دیتا ہوں اور نیکی دس گنا ملتی ہے۔

"ولا یجھل" لفظی معنی تو جہالت کا کام کرنے کے ہیں، لیکن بکثرت یہ لڑائی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حماسی شاعر کہتا ہے ۔

الا لا یجھلن أحدٌ علینا فنجھل فوق الجاھلینا

"وأنا أجزی به. والحسنة بعشر أمثالها"

یعنی اور نیکیوں کا تو ایک حساب ہے کہ ایک حسنہ دس گنا ہوتی ہے لیکن روزے کے بارے میں اللہ ﷻ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا یعنی اس کا کوئی حساب نہیں، اپنی طرف سے جو چاہوں گا جزا دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ﷻ انشاء اللہ بے حساب جزا عطا فرمائیں گے اور یہ اس لئے ہے کہ ہر عبادت تو اللہ ﷻ ہی کے لئے ہوتی ہے لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اس میں ریا وغیرہ کا احتمال کم ہے بہ نسبت دوسری عبادتوں کے، کیونکہ کسی دیکھنے والے کو پتہ نہیں چل سکتا کہ اس کا روزہ ہے یا نہیں تو جو بھی رکھے گا وہ اللہ ﷻ ہی کے لئے رکھے گا۔

لخلوف فم الصائم۔ خلوف کو اکثر علماء نے بضم الخاء ضبط کیا ہے، اور بعض نے بفتح الخاء، اس کے معنی بدبو ہیں۔

(۳) باب : الصوم كفارة

روزہ گناہوں کا کفارہ ہے

۱۸۹۵۔ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا سفيان : حدثنا جامع ، عن أبي وائل ، عن حذيفة قال : قال عمر ؓ : من يحفظ حديثا عن النبي ﷺ في الفتنة ؟ قال : حذيفة : أنا

؎ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب فضل الصيام ، رقم : ۱۹۴۵ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في فضل الصوم ، رقم : ۶۹۵ ، وسنن النسائي ، كتاب الصيام ، باب ذكر الاختلاف على أبي صالح في هذا الحديث ، رقم : ۲۱۸۵ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب الغيبة للصائم ، رقم : ۲۰۱۶ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في فضل الصيام ، رقم : ۱۶۲۸ ، وكتاب الأدب ، باب فضل العمل ، رقم : ۳۸۱۳ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ۷۰۳۸ ، ۷۱۷۹ ، ۷۳۶۸ ، ۷۵۰۴ ، ۷۷۱۲ ، ۷۷۸۰ ، ۸۳۲۰ ، ۸۸۲۴ ، ۹۵۶۴ ، ۹۵۶۸ ، ۹۶۱۷ ، ۹۷۴۸ ، ۱۰۰۲۴ ، ۱۰۱۴۸ ، ۱۰۲۲۴ ، ۱۰۲۷۳ ، وموطا مالک ، كتاب الصيام ، باب جامع الصيام ، رقم : ۶۰۲ .

سمعته يقول : ((فتنة الرجل فى أهله وماله وجاره تكفّرها الصلاة والصيام والصدقة)). قال : أسال عن ذهِ ، انما أسال عن التى تموج كما يموج البحر . قال حذيفة : وان دون ذلك باباً مغلقا، قال : فيفتح أو يكسر ؟ قال : يُكسر ، قال : ذاک أجدر أن لايغلق الى يوم القيامة . فقلنا لمسروق : سله ، أكان عمر يعلم من الباب ؟ فسأله ، فقال : نعم . كما يعلم أن دون غد الليلة . [راجع : ۵۲۵]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ سے فتنہ کے متعلق حدیثیں کس کو زیادہ یاد ہیں؟ حذیفہ نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ انسان کی آزمائش اس کے بال بچوں اور اس کے مال اور پڑوسی میں ہوتی ہے۔ نماز، روزہ اور صدقہ اس کے لئے کفارہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کے متعلق نہیں پوچھتا ہوں، میں تو اس کے متعلق پوچھ رہا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں مارے گا۔ کہا کہ اس کے آگے ایک دروازہ بند ہے۔ پوچھا! کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ کہا توڑا جائے گا اور یہ اس لائق نہ ہوگا کہ قیامت تک بند ہو۔ ہم لوگوں نے مسروق سے کہا کہ ان سے پوچھو آیا عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟ مسروق نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہاں! جس طرح انہیں کل دن کے رات آنے کا یقین ہے۔ [۵]

(۴) باب : الريان للصائمين

روزہ داروں کے لئے ریان ہے

۱۸۹۶ ۔ حدثنا خالد بن مخلد : حدثنا سليمان بن بلال ، قال : حدثني أبو حازم عن سهل رضی اللہ عنہ عن النبى ﷺ قال : ((ان فى الجنة بابا يقال له : الريان ، يدخل منه الصائمون يوم القيامة ، لايدخل منه أحد غيرهم ، يقال : أين الصائمون ؟ فيقومون لايدخل منه أحد غيرهم، فاذا دخلوا أغلق ، فلم يدخل منه أحد . [أنظر : ۳۲۵۷].

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریان کہا جاتا ہے، قیامت کے دن اس دروازے سے روزہ دار ہی داخل ہوں گے، کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا۔ کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ لوگ کھڑے ہوں گے اس دروازے سے ان کے سوا کوئی داخل نہ ہو سکے گا، جب وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا اور اس میں کوئی داخل نہ ہوگا۔

۱۸۹۷ ۔ حدثنا إبراهيم بن المنذر قال : حدثني معن قال : حدثني مالک ، عن ابن شهاب ، عن حميد بن عبدالرحمٰن ، عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ . أن رسول اللّٰه ﷺ قال : ((من أنفق

[۵] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، جلد: ۳، ص: ۲۷۲، رقم الحدیث: ۵۲۵۔

زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة : يا عبدالله هذا خير. فمن كان من أهل الصلاة دعي من باب الصلاة ، و من كان من أهل الجهاد دعي من باب الجهاد ، و من كان من أهل الصيام دعي من باب الريّان ، و من كان من أهل الصدقة دُعي من باب الصدقة)) . فقال أبو بكر ﷺ بأبي أنت و أمي يا رسول الله! ما على من دُعي من تلك الأبواب من ضرورةٍ ، فهل يدعى أحد من تلك الأبواب كلها ؟ قال : ((نعم ؛ و أرجو أن تكون منهم)).[أنظر : ١٨٤١، ٣٢١٦، ٣٦٦٦] ٤

فرمایا کہ **"من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة"** کہ جس شخص نے اللہ ﷻ کے راستے میں کوئی دو چیزیں صدقہ کیں **"زوجيـــــن"** ایک جوڑا کپڑا، ایک جوڑا جوتا یا دو درہم یا دو دینار وغیرہ تو **"نودي من أبواب الجنة"** تو وہ ابواب جنت کے دروازے کی طرف سے پکارا جائے گا **"يا عبدالله ! هذا خير فمن كان من أهل الصلاة دعي من باب الصلاة"** مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی عبادتوں پر نماز غالب ہو، نفلی نمازیں زیادہ پڑھا کرتا تھا تو باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا اور جو شخص اہل صیام میں سے ہو یعنی اس کی عبادتوں میں روزہ غالب ہو تو وہ باب الریان سے پکارا جائے گا۔

ظاہر ہے یہ سارے اعمال جو بتائے جارہے ہیں یہ ہر مسلمان کو کسی نہ کسی وقت انجام دینے ہیں، نماز بھی، روزہ بھی، جہاد بھی، لیکن مراد یہ ہے کہ جس شخص کی نفلی عبادتوں میں جس عبادت کا غلبہ ہوگا، اس کو اسی باب سے پکارا جائے گا۔

"فقال أبو بكر: بي أبي أنت وأمي يا رسول الله، ما على من دعي من تلك الأبواب من ضرورة" اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ نے پوچھا کہ جب کسی کو جنت کے کسی بھی دروازے سے داخل کر دیا جائے تو مقصد تو حاصل ہے، اب سارے دروازوں سے پکارے جانے کی ضرورت تو ہے نہیں لیکن ضرورت نہ ہونے کے باوجود کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص سارے ہی دروازوں سے پکارا جائے تو اس پر کوئی ضرر تو

---

٤ وفي صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب من جمع الصدقة واعمال البر ، رقم : ١٧٠٥ ، وسنن الترمذي ، كتاب المناقب ، عن رسول الله ، باب في مناقب أبي بكر وعمر كليهما ، رقم : ٣٦٠٧، وسنن النسائي ، كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة ، رقم : ٢٣٩٦، وكتاب الجهاد ، باب فضل من النفق زوجين في سبيل الله عز وجل ، رقم : ٣٠٨٤، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ٧١٣٤، ٧٣١٣، ٨٤٣٥، وموطأ مالك ، كتاب الجهاد ، باب ماجاء في الخيل والمسابقة بينها والنفقة في الغزو ، رقم : ٨٩٢.

نہیں، "ضرورة" معنی میں ضرر کے ہے یعنی اگر کوئی شخص سارے دروازوں سے پکارا جائے تو کوئی ضرر تو ہے نہیں تو کیا کوئی ایسا ہوگا جس کو سارے دروازوں سے پکارا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے صدیق اکبر ؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے آپ کو سارے دروازوں سے پکارا جائے گا، کیونکہ اللہ ﷻ نے ان کو تمام ہی عبادات میں خصوصی حصہ عطا فرمایا تھا۔

(۵) باب: هل يقال: رمضان، أو شهر رمضان؟ ومن رأى كله واسعا،

رمضان کہا جائے یا ماہ رمضان کہا جائے؟

وقال النبي ﷺ: ((من صام رمضان)). وقال: ((لاتقدموا رمضان)).

حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس نے رمضان کے روزے رکھے اور فرمایا کہ رمضان سے آگے روزے نہ رکھو۔

۱۸۹۸ـ حدثنا قتيبة: حدثنا اسماعيل بن جعفر، عن أبي سهيل، عن أبيه، عن أبي هريرة ؓ: ان رسول الله ﷺ قال: ((اذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة)). [أنظر: ۱۸۹۹، ۳۲۷۷]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروزے کھل جاتے ہیں۔

۱۸۹۹ـ وحدثني يحيى بن بكير: حدثني الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني ابن أبي أنس مولى التيميين: أن أباه حدثه: أنه سمع أبا هريرة ؓ يقول: فان رسول الله ﷺ: ((اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء، وغلقت أبواب جهنم، وسلسلت الشياطين)). [راجع: ۱۸۹۸]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کا دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

جنت کے دروازے کھلنے اور جہنم کے دروازے بند ہونے سے حقیقت بھی مراد ہوسکتی ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ ملائکہ کو رمضان کے تقدس کا احساس ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس بات سے کنایہ ہو کہ اس میں دخولِ جنت کے اسباب بڑھ جائے اور دخولِ جہنم کے اسباب گھٹ جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو جکڑنے کا مطلب ان کے اغواء کی صلاحیت سلب کر لینا ہوسکتا ہو۔ بعض روایات میں "مردة الجن" کے الفاظ آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شیاطین قید نہیں ہوتے، لیکن ہوسکتا ہے کہ "مردة الجن" سے تمام شیاطین مراد ہوں اور پھر بھی رمضان میں جو گناہ ہوتے ہو، وہ شیاطین کے بجائے نفس کے اغواء سے ہوتے ہیں۔

۱۹۰۰ـ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثني الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، قال: أخبرني سالم بن عبدالله بن عمر أن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله ﷺ

يقول: ((إذا رأيتموه فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا ، فإن غم عليكم فاقدروا له)).

وقال غيره عن الليث: حدثني عقيل و يونس: لهلال رمضان.[أنظر:١٩٠٦، ١٩٠٧] ٧

ترجمہ: ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم رمضان کا چاند دیکھو تو روزے رکھو اور جب شوال کا چاند دیکھو تو افطار کرو، اگر تم پر بدلی چھائی ہو تو اس کا اندازہ کرو۔

مسئلہ رویتِ ہلال

" إذا رأيتموه فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا".

جب تم چاند کو دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند کو دیکھو تو افطار کرو۔

اس سے علماء کرام نے استدلال کیا ہے کہ ثبوتِ ہلال رؤیت ہی سے ہوگا، حسابات سے ہلال کا ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ اعتبار رؤیت کا ہے، اس لئے کہ حسابات کے نتائج اور آلات رصدیہ سے حاصل شدہ معلومات کو اگر بالکل یقینی سمجھا جائے جب بھی احکام شرعیہ میں ان کا اعتبار نہیں ہے۔

سائنس کی نئی ترقیات اور فن ریاضی وفلکیات کی جدید ترقیات کا آج کی دنیا میں بڑا ہنگامہ ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی نئی تحقیقات نے پرانے فلسفے اور ریاضی کے اصول کی دھجیاں بکھیر دیں اور اس کے خلاف مشاہدہ کرا دیا، لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آج ایک محقق ماہر نے جو کچھ کہہ دیا وہ حرف آخر ہے اس کی تغلیط آئندہ کوئی نہیں کر سکے گا۔ آیندہ کو چھوڑ کر اسی موجودہ دور میں اسی درجہ کے دوسرے ماہرین اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

مثلاً چوتھی صدی ہجری کا مشہور اسلامی فلاسفر اور ماہر نجوم وفلکیات ابو ریحان البیرونی جو شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ایک مدت دراز تک ہندوستان میں بھی رہا اور فنون کا بے نظیر امام مانا جاتا ہے، اسی نئی روشنی اور نئی تحقیقات کے دور میں بھی اس کی امامت سب کے نزدیک مسلّم ہے، روسی ماہرین نے اس کی تحقیقات سے راکٹ وغیرہ کے مسائل میں بڑا کام لیا ہے، ان کی مشہور کتاب **"الآثار الباقية عن القرون الخالية"** ایک

---

٧ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام ، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال ، رقم : ١٧٩٥، وسنن النسائي ، كتاب الصيام ، باب ذكر الاختلاف على الزهري في هذا الحديث ، رقم : ٢٠٩١، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم ، باب الشهر يكون تسعاً وعشرين ، رقم : ١٩٧٥، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ٤٢٥٨، ٤٣٨٢، ٤٦٣٤، ٤٧٧٥، ٤٧٩٦، ٤٩٣٥، ٥٢٧٧، ٥٢٦٨، ٥٨٠١، ٥٨٥٥، ٦٠٣١، وموطأ مالك ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في رؤية الهلال للصوم والفطر في رمضان ، رقم : ٥٥٧، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب الصوم لرؤية الهلال، رقم : ١٦٢٢.

جرمن ڈاکٹرنسی ایڈورڈ سخاؤ کے حاشیہ کے ساتھ لیزک میں چھپ کر شائع ہوئی ہے، اس میں آلات رصدیہ کے ان نتائج کے غیر یقینی ہونے کے مسئلہ کو تمام ماہرین فن اجماعی اور اتفاقی نظریہ بتلایا ہے، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالے ''رؤیت ہلال'' میں ان کی جو عبارت نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

علماء ریاضی و ہیئت اس پر متفق ہیں کہ رؤیت ہلال کے عمل میں آنے کے لئے جو مقدارین فرض کی جاتی ہیں وہ سب ایسی ہیں جن کو صرف تجربہ ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور مناظر کے احوال مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آنکھوں سے نظر آنے والی چیز کے سائز میں چھوٹے بڑے ہونے کا فرق ہوسکتا ہے اور فضائی وفلکی حالات ایسے ہیں کہ ان میں جو بھی ذرا غور کرے گا تو رؤیت ہلال ہونے یا نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ ہرگز نہ کر سکے گا۔

اور '' کشف الظنون '' میں بحوالہ زیج شمس الدین محمد بن علی خواجہ کا چالیس سالہ تجربہ یہی لکھا ہے کہ ان معاملات میں کوئی صحیح اور یقینی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی جس پر اعتماد کیا جاسکتے۔ [۸]

جب یہ ثابت ہوگیا کہ رصد گاہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات بھی رؤیت ہلال کے مسئلہ میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کہلا سکتی بلکہ وہ بھی تجرباتی اور تخمینی معاملہ ہے تو اس اصول کے حکیمانہ اصول ہونے کی اور بھی تائید ہوگئی جو رسول امی ﷺ نے اس معاملہ میں اختیار فرمایا کہ ان کاوشوں اور باریکیوں میں امت کو الجھائے بغیر بالکل سادگی کے ساتھ رؤیت ہونے یا نہ ہونے پر احکام شرعیہ کا مدار رکھ دیا جس پر ہر شخص ہر جگہ ہر حال میں آسانی سے عمل کر سکے۔ [۹]

اب آگے اس میں کلام ہوا ہے کہ رؤیت کا کیا مطلب ہے؟ کیا ہر شخص کا دیکھنا ضروری ہے؟

ظاہر ہے یہ تو مطلب ہے نہیں، تو پھر رؤیت کس حد تک معتبر ہے تو اس میں مشہور یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا اور جہاں مطلع مختلف ہے تو وہاں ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے کافی نہیں ہوگی **''لكل أهل بلد رؤيته''**۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ مذہب صرف امام شافعیؒ کا ہے۔ اور مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب مختار حنفیہ کے مطابق ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت تمام قریب و بعید شہروں کے لئے معتبر

---

۸ کشف الظنون، ج: ۲، ص: ۹۷۹، دار الكتب العلمية، بيروت، سنة النشر: ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۹۹۲ء۔

۹ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے رسالہ ''رؤیت ہلال'' مؤلف مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہے، جیسا کہ بندہ نے اپنی عربی رسالہ **"رؤیة الھلال"** میں اس کے حوالے پیش کئے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت اگر شرعی طریقے سے ثابت ہو جائے تو وہ دوسری جگہ کے لئے بھی حجت ہے، چنانچہ فقہاء حنفیہ نے فرمایا کہ اگر اہل مغرب نے چاند دیکھ لیا تو وہ اہل مشرق کے لئے بھی حجت ہوگا۔

البتہ حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے متأخرین حنفیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار بلادِ نائیہ میں کیا جائے گا اور بلادِ قریبہ میں نہیں کیا جائے گا، یعنی قریب کے شہروں میں نہیں دور کے شہروں میں اعتبار ہوگا۔ دور کا اگر بہت زیادہ فاصلہ ہے تو وہ کہتے ہیں کہ گویا حنفیہ کے نزدیک بھی ائمہ ثلاثہ کے قول پر عمل ہوگا کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے، اور حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ کے حوالے سے قرب وبعد کی یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر وہاں کی رؤیت کا اعتبار کرنے سے مہینہ اٹھائیس دن کا رہ جائے یا اکتیس دن کا ہو جائے تو وہ بعید سمجھا جائے گا، لیکن یہ قول متأخرین کا ہے اور ظاہر الروایہ حنفیہ کی یہی ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے، ساری دنیا میں کسی ایک جگہ بھی چاند دیکھ لیا جائے اور دوسری جگہ اس کا ثبوت شرعی طریقہ پر ہو جائے تو ثبوتِ ہلال ہو جائے گا۔ [۱۰]، [۱۱]

لیکن اصل میں گڑبڑ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اختلافِ مطالع کا مطلب ہی نہیں سمجھتے، جس کی وجہ سے خرابی پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑا اخلجان ہوا ہے۔

اصل میں اختلافِ مطالع کا معتبر نہ ہونا ایک ایسی بدیہی سی حقیقت ہے کہ اس سے انکار کرنا مشکل ہے اور سمجھ لو کہ اختلافِ مطالع ہوتا کیسے ہے؟

اختلافِ مطالع سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جگہ اگر دور ہے تو مطلع مختلف ہوگا اور اگر قریب ہے تو مطلع متحد ہوگا حالانکہ یہ لازمی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی چاند اُفق پر طلوع ہوتا ہے تو وہ اپنے دیکھنے والوں کے حساب سے زمین پر ایک قوس بناتا ہے جو شخص اس قوس کے اندر ہوگا وہ چاند دیکھ سکے گا اور جو قوس سے باہر ہوگا وہ چاند نہیں دیکھ سکے گا، مثال کے طور پر یہ سمجھ لو جیسے چاند طلوع ہوا اور یہ ڈیسک کی طرح

---

[۱۰] هذا اذا كانت المسافة بين البلدين المساجد لاتختلف فيها المطالع فأما اذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. بدائع الصنائع، ج: ۲، ص: ۸۳، دارالنشر: دارالفكر، دارالكتاب العربى، بيروت، سنة النشر: ۱۹۸۲ ھ، وحاشية ابن عابدين، ج: ۲، ص: ۳۹۳، دارالنشر: دارالفكر، بيروت، سنة النشر: ۱۳۸۶ ھ، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج: ۱، ص: ۳۳۶، دارالنشر: مكتبة البابى الحلبى، مصر، سنة النشر: ۱۳۱۸ ھ.

[۱۱] دیکھئے: "رؤیت ہلال" ص: ۶۰، ۶۱، مؤلف: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

جو رقبہ ہے وہ ہے قوس، جس میں کہ چاند دیکھا جا سکتا ہے تو ایک آدمی ڈیسک کے ایک کونے پر کھڑا ہے اور ایک آدمی ڈیسک کے دوسرے کونے پر کھڑا ہے اور دونوں کے درمیان ہزار ہا میل کا فاصلہ ہے مگر دونوں کے لئے مطلع متحد ہے اس واسطے کہ دونوں قوس کے اندر ہیں اور چاند کو دیکھ رہے ہیں اور ایک آدمی یہاں اندر کھڑا ہے اور دوسرا باہر تو دونوں کے درمیان ہو سکتا ہے کہ ایک میل کا بھی فاصلہ نہ ہو لیکن مطلع مختلف ہو گیا۔

اس کی ایک حسّی مثال لیجئے کہ دار العلوم کے باہر ایک اونچی سی ٹنکی لگی ہوئی ہے تو اس کو دیکھتے چلے جائیں یہ دور تک نظر آئے گی اور نظر آتی رہے گی یہاں تک کہ ایک نقطہ ایسا آئے گا کہ نظر آنی بند ہو جائے گی، جہاں وہ آخری بار نظر آئی اور پھر دور قائد آباد (مشرق) کی طرف چلے جائیں تو یہاں بھی دور تک نظر آتی رہے گی اور جہاں آخری بار نظر آئے گی تو یہ دونوں کا مطلع ایک ہے جبکہ دونوں کے درمیان چار پانچ میل کا فاصلہ ہے لیکن جہاں آخری بار نظر آئی اور اس سے آگے جہاں نظر نہیں آرہی تو ان کے درمیان ہو سکتا ہے ایک ہی گز کا فاصلہ ہو لیکن دونوں کا مطلع مختلف ہے تو معلوم ہوا کہ مطلع کے اتحاد اور اختلاف کا تعلق فاصلے کی کمی اور زیادتی پر نہیں بلکہ نظر آنے کی صلاحیت پر ہے، پھر اگر یہ ہوتا کہ دائمی طور پر چاند ایک ہی قوس بناتا کہ جب بھی طلوع ہوتا تو ساری دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا اور ایک حصہ میں نظر آتا اور دوسرے حصے میں نظر نہیں آتا تو بھی معاملہ آسان تھا کہ حساب لگا کر دیکھ لیتے کہ قوس میں کون کون سا ملک آرہا ہے اور کون سا نہیں آرہا، جو آرہا ہے اس کو کہتے کہ اس کا مطلع متحد ہے اور جو نہیں آرہا اس کو کہتے کہ اس کا مطلع مختلف ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہر مرتبہ جب چاند طلوع ہوتا ہے تو وہ زمین پر نئی قوس بناتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو ممالک یا جو علاقے پچھلے مہینے اس قوس میں داخل تھے تو ہو سکتا ہے کہ اس مہینے میں وہ سب خارج ہو گئے ہوں اور نئے علاقے قوس میں آگئے ہوں اور ہر ماہ اسی طرح یہ قوس بدلتی رہتی ہے، لہٰذا کوئی دائمی فارمولہ ایسا وضع نہیں کیا جا سکتا کہ یوں کہا جائے کہ کراچی اور حیدر آباد کا مطلع تو ایک ہے اور کراچی اور لاہور کا مختلف، بلکہ ہر مرتبہ نئی صورتحال پیدا ہوتی ہے، لہٰذا اختلافِ مطالع کو اگر معتبر مانا جائے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں تو عین ممکن ہے کہ کورنگی میں چاند نظر آئے اور صدر میں نظر نہ آئے تو کہنا چاہئے کہ کورنگی اور صدر کا مطلع بھی مختلف ہے اور چونکہ مطلع مختلف ہے اس لئے اگر کورنگی میں چاند نظر آئے تو صدر والوں پر حجت نہ ہونا چاہئے اور صدر میں نظر آئے تو کورنگی والوں پر حجت نہ ہونا چاہئے اور اگر اختلافِ مطالع کو **بالمعنی الحقیقی** معتبر مانا جائے تو ایک شہر میں بھی ایک آدمی کی رؤیت دوسرے کے لئے کافی نہ ہونی چاہئے لیکن یہ حضور اقدس ﷺ کے عمل اور ہدایات کے خلاف ہے۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں واقعہ مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں چاند دیکھا تو نظر نہیں آیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ آج چاند نظر نہیں آیا، اگلے دن عصر کے بعد ایک قافلہ آیا اور اس نے کہا کہ ہم نے کل شام مغرب کے وقت چاند دیکھا تھا تو چوبیس گھنٹے بعد آکر انہوں نے شہادت دی تو چوبیس گھنٹے تک چاند

دیکھنے کے بعد وہ سفر میں رہے تو یہ تقریباً ایک مرحلہ کا سفر ہوگا اور ایک مرحلہ تقریباً سولہ سے بیس میل تک کا فاصلہ ہوتا ہے تو وہاں کی رؤیت کو حضور اکرم ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے حجت قرار دیا، اگر اختلافِ مطالع معتبر ہوتا تو حضور اکرم ﷺ ان کی رؤیت کو اہل مدینہ کے لئے حجت قرار نہ دیتے، تو معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کا عدم اعتبار ہی صحیح مسلک ہے جو حنفیہ نے اختیار کیا اور جو ان کی ظاہر الروایۃ ہے۔[۱۲]

متأخرین حنفیہ نے بلادِ نائیہ اور بلادِ قریبہ کا جو فرق کیا ہے، یہ اختلافِ مطالع کی حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ بلادِ نائیہ اور قریبہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لہٰذا حنفیہ کی ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ ساری دنیا میں کسی ایک جگہ بھی چاند نظر آجائے تو دوسرے اہل دنیا کے لئے وہ حجت ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس کا ثبوت دوسری جگہ شرعی طریقہ سے ہوجائے، اور اگر اس اصول پر آج تمام ممالک متفق ہوجائیں تو پھر مہینہ کے اٹھائیس یا اکتیس دن کے ہونے کا سوال بھی باقی نہ رہے اور مختلف ملکوں میں انتشار بھی ختم ہوجائے۔

ثبوت کا صحیح طریقہ

ایک تو یہ ہے کہ شہادت ہو، آدمی آکر چاند دیکھنے کی شہادت دیں اور آج کل یہ مشکل نہیں رہا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں کا آدمی دیکھ کر گیا اور جا کر امریکہ میں شہادت دے دی، اس واسطے کہ یہاں اور امریکہ میں دس گھنٹے کا فرق ہے اور امریکہ کے بعض علاقوں میں بارہ تیرہ گھنٹے کا فرق ہے تو شہادت کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ شہادت نہ ہو تو شہادت علی الشہادۃ سے بھی رؤیت ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

تیسرا طریقہ یہ کہ شہادت علی القضاء ہو کہ ایک قاضی نے ایک جگہ ثبوت ہلال کا فیصلہ کر دیا، اب کوئی شخص اس بات کی شہادت دے کہ میں گواہی دیتا ہوں کی فلاں جگہ پر قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا ہے۔

چوتھی چیز استفاضۂ خبر ہے تو اس سے بھی رؤیت ہلال کا ثبوت ہوجاتا ہے، اور یہ سب عید کے چاند کی بات ہے، البتہ رمضان کے لئے تو ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے لیکن عید میں استفاضۂ خبر بھی شہادت کے قائم مقام ہوتا ہے۔

استفاضۂ خبر کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے لوگوں کی خبریں آگئیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اور اتنے لوگوں کی خبریں آگئیں کہ ان کے اوپر اطمینان ہوگیا کہ ہاں یہ صحیح بات کہہ رہے ہیں تو اس صورت میں استفاضۂ خبر سے بھی چاند کا ثبوت ہوجاتا ہے۔

اس ساری تشریح سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر سارے مسلمان چاہیں تو ساری دنیا میں ایک دن روزہ اور ایک دن عید ہوسکتی ہے، کیونکہ ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے کافی ہے اور آج کل کے ذرائع مواصلات

---

[۱۲] سنن أبی داؤد، کتاب الصیام، باب فی شهادة الواحد علی رویة هلال رمضان، رقم: ۲۳۴۱، ص: ۱۳۹۷، دار السلام للنشر والتوزیع.

میں یہ بات کوئی مشکل نہیں رہی کہ استفاضۂ خبر کے ذریعے ثبوت دوسری جگہ فراہم کر دیا جائے، ٹیلی فون کا معاملہ یہی ہے، ٹیلی فون پر گواہی تو نہیں ہوتی لیکن اگر ٹیلی فون مختلف اطراف سے اتنی تعداد میں آ جائیں جو اطمینان پیدا کر دیں تو وہ استفاضۂ خبر کے حکم میں آ جاتا ہے اور استفاضۂ خبر کے ذریعے دنیا کے ایک حصے سے دوسرے حصے پر خبر پہنچائی جاسکتی ہے تو ایک ہی دن میں ساری دنیا میں روزہ اور عید ہوسکتے ہیں، لیکن ہوتا کیوں نہیں؟

اور حد یہ ہو جاتی ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب میں دو دو دن کا فرق ہو جاتا ہے حالانکہ دو دن کا فرق عقلاً ممکن ہی نہیں بلکہ مستحیل ہے، زیادہ سے زیادہ اگر فرق ہوسکتا ہے تو ایک دن کا ہوسکتا ہے اور درحقیقت سعودی عرب کے اعلان کی وجہ سے مسئلہ الجھا ہوا ہے، اگر سارے مسلمان متفق ہو جائیں کہ کعبہ جو مرکز اسلام ہے وہ سعودی عرب میں ہے تو وہاں کی رؤیت کو ساری دنیا کے لئے معتبر مان لیں اور ایسا کرنا چاہیں تو بالکل کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی مانع شرعی موجود نہیں ہے لیکن گڑبڑ اس لئے واقع ہوتی ہے کہ سعودی عرب میں رؤیت ہلال کا جو نظام ہے وہ دنیا سے نرالا ہے اور اس کی وجہ سے کافی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ رؤیتِ ہلال حسابات سے ثابت نہیں ہوسکتا، یہ بات تو موجودہ زمانے میں تقریباً اکثر علماء مانتے ہیں۔

لیکن دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا حسابات کے ذریعے سے ہلال کی نفی ہوسکتی ہے؟ یعنی اگر کسی دن حساب کی رو سے چاند کا نظر آنا یا افق پر ہونا عقلاً محال ہو اور پھر بھی کوئی شخص شہادت دے دے کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے تو آیا وہ شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟ مثال کے طور پر یہ بات طے شدہ ہے علمِ فلکیات کی رو سے چاند ولادت کے بعد اٹھارہ گھنٹے تک نظر آنے کے قابل نہیں ہوتا اور ولادتِ ہلال کے اٹھارہ گھنٹے بعد وہ قابل رؤیت ہوتا ہے اور ولادتِ ہلال کے کیا معنی ہیں؟

وہ ہیں سورج اور چاند کا اقتران جو محاق کے وسط میں ہوتا ہے، بہر حال ولادت کے اٹھارہ گھنٹے بعد تک چاند قابلِ رؤیت نہیں ہوتا اور اگر ابھی تک ولادت ہوئی ہی نہ ہو تو پھر قابلِ رؤیت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر چاند کی ولادت ہی نہیں ہوئی اور دو آدمیوں نے آکر گواہی دے دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے، تو آیا یہ شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟

تو سعودی عرب کے علماء کا کہنا یہ ہے کہ ولادتِ ہلال نہ ہونے کے باوجود چونکہ ہمیں شہادت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ہم شہادت پر عمل کرتے ہیں، چاہے حساب کی رو سے اس وقت چاند کا نظر آنا ممکن ہی نہ ہو، اور ہماری فقہ کی کتابوں میں اسی کے مطابق مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ۲۹ تاریخ کی صبح کو چاند نظر آیا، پھر اسی شام کو رؤیت ہلال شہادت آ گئی تو وہ شہادت معتبر ہوگی، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فلکی حساب کا نفی میں بھی اعتبار

نہیں ہے، لیکن اس وقت بہت سے علماءِ عصر کا کہنا یہ ہے کہ جب عقلاً ممکن ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں جو شہادت پیش ہو رہی ہے وہ شہادت متہم ہے اور متہم ہونے کی وجہ سے وہ شہادت معتبر نہیں ہونی چاہئے اور اس کی بنیاد پر فیصلہ بھی نہیں کرنا چاہئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فقہاء حنفیہ نے فرمایا کہ اگر مطلع صاف ہو تو اس وقت ایک یا دو آدمیوں کی شہادت معتبر نہیں جب تک کہ جمِ غفیر شہادت نہ دیدے، اس لئے کہ جب مطلع صاف تھا تو پھر ایک دو آدمیوں کو ہی کیوں نظر آیا بلکہ زیادہ آدمیوں کو نظر آنا چاہئے تھا تو جب صرف دو آدمیوں کو نظر آیا تو ان کی شہادت متہم ہوگئی اور اب صرف ان کی شہادت کا اعتبار نہیں جب تک کہ جمِ غفیر شہادت نہ دیدے، تو محض مطلع صاف ہونے کی صورت میں دوسروں کو نظر نہ آنے کی وجہ سے فقہاء کرام نے جمِ غفیر کی شرط لگا دی تو جہاں بالکل ہی چاند کا نظر آنا ناممکن ہو وہاں پر جمِ غفیر کی شرط بطریق اولیٰ ہونی چاہئے اور صرف دو آدمیوں کی شہادت مقبول نہ ہونی چاہئے اور بہت سے علماءِ عصر کا یہی مؤقف ہے اور ہمارا بھی رجحان اسی طرف ہے۔

لیکن سعودی عرب میں چونکہ مؤقف وہ ہے کہ حساب کا نفی میں بھی اعتبار نہیں ہے، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ وہاں پر بکثرت یہ صورتحال ہوتی ہے کہ چاند ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا اور شہادتیں آگئیں، رمضان شروع ہوگیا اور عید ہوگئی اور سعودی عرب کے مقابلے میں دوسرے ممالک میں دو دو دن کا فرق ہو جاتا ہے اور چونکہ ہم یہ مؤقف صحیح نہیں سمجھتے، اس لئے اس پر عمل نہیں کرتے ورنہ سیدھی سی بات یہ تھی کہ سعودی عرب کے فیصلے پر ہم خود بھی پاکستان میں عمل کرتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ اس مؤقف کو صحیح نہیں سمجھتے تو پھر حج کا کیا ہوگا؟

لوگ حج تو سعودی عرب ہی کے حساب سے کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ چونکہ مجتہد فیہ ہے اس لئے ان کا قول وہاں ان کے اپنے ملک میں تو نافذ ہو جاتا ہے جب وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر حج اور قربانی سب کچھ درست ہو جاتی ہیں، لیکن ہم اپنے ملک میں مختار ہیں کہ چاہیں ان کے قول کو لیں یا نہ لیں، تو اگر ہم ان کے قول کو نہیں لے رہے اس وجہ سے کہ ان کے قول کو درست نہیں سمجھتے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اگر کوئی ان کے قول کو لے تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے خطاء صریح یا گمراہی کا ارتکاب کیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن ملکوں میں خود اپنے طور پر رؤیت ہلال کا انتظام نہیں مثلاً بہت سے مغربی ممالک ایسے ہیں جہاں پر بہت شاذ و نادر ہی چاند نظر آتا ہے، کیونکہ وہاں اکثر بادل چھائے رہتے ہیں تو وہ دوسرے ملکوں کی رؤیت کا اعتبار کرنے پر مجبور ہیں تو وہاں اگر مسلمانوں میں اختلاف ہو رہا ہے تو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے سعودی عرب کو اگر معیار بنایا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر کہہ دیا جائے کہ جب وہاں عید ہوگی اس دن ہم بھی یہاں عید کریں گے تو اس کی گنجائش ہے۔

پاکستان میں رؤیتِ ہلال کمیٹی کا جو انتظام ہے وہ بحیثیتِ مجموعی شریعت کے ضابطے کے مطابق ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ جو کچھ بھی شکایت ہو یا جو کچھ اختلاف ہو تو اس کا اظہار کرے، اس کی کوئی وجہ نہیں کہ رؤیت ہلال کمیٹی کو تو خبر دی نہیں کہ ہمارے ہاں شہادتیں آئی ہیں اور خود اپنا اعلان کر دیا، رؤیتِ ہلال کمیٹی کو جب شہادتیں ملیں تو مرکزی ہلال کمیٹی تک ان شہادتوں کو پہنچانے کا انتظام کیا جائے تا کہ متفقہ طور پر فیصلہ ہو جائے، اب لوگ مرکزی ہلال کمیٹی کو شہادتیں نہیں پہنچاتے اور اپنا اعلان کر دیتے ہیں اس سے شر پیدا ہوتا ہے، البتہ بعض جگہ ایسا بھی سننے میں آیا ہے کہ کسی نے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی تک پہنچانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے پرواہ ہی نہیں کی تو ایسے موقع پر اختلاف مجبوری ہے۔

اکثر جہاں کہیں اختلاف واقع ہوتا ہے تو وہ کسی نہ کسی فریق کی غلطی سے ہوتا ہے یا تو اختلاف کرنے والے کی غلطی سے اور یا مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی غلطی سے لیکن شریعت کے اوپر اس کا کوئی الزام نہیں اس لئے کہ شریعت نے تو سیدھا سادھا راستہ بتا رکھا ہے اس کے مطابق عمل کرے تو کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی شخص یہاں رہتے ہوئے سعودی عرب کے مطابق عمل کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے سعودی عرب کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہاں پر سعودی عرب کے فیصلے کو ولایت حاصل نہیں اور جس کو ولایت حاصل ہے اس نے اس کے مطابق یہاں پر فیصلہ نہیں کیا، یہاں تو یہاں کی ولایت کے مطابق فیصلہ ہوگا، البتہ اگر افغانستان کی حکومت اس فیصلہ کو اپنے ہاں معتبر قرار دے تو اس کی گنجائش ہے لیکن انفرادی طور پر کسی کو دوسرے ملک کے فیصلہ کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں۔

اب اس میں ایک بات یہ کہ مثلاً سعودی عرب میں کوئی شخص رمضان شروع کر کے آیا اور اکثر میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ رمضان شروع ہوا سعودی عرب میں اور ختم ہوا پاکستان میں تو روزے اکتیس، بتیس ہو جاتے ہیں تو وہ ہو جانے چاہئیں، اس واسطے کہ **"من شهد منكم الشهر فليصمه"** وہاں شہودِ شہر پہلے ہو گیا تھا اور یہاں شہودِ شہر دیر میں ختم ہوا، لہٰذا روزے پورے رکھنے چاہئیں خواہ اکتیس ہو جائیں یا بتیس، باقی بعض اوقات اس کے برعکس ہو جاتا ہے کہ پاکستان میں آدمی روزہ شروع کر کے گیا اور ختم سعودی عرب میں کیئے تو اس صورت میں روزے اٹھائیس ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں اس کو ایک روزہ بعد میں رکھ لینا چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی جگہ کے علما نے رؤیتِ ہلال کا فیصلہ کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس فیصلہ کو ایک شہر کی سطح پر تو نافذ سمجھا جائے گا، لیکن شہر سے باہر نہیں۔ کیونکہ ان کو کوئی ولایت حاصل نہیں، لہٰذا دوسرے شہر پر ان کا فیصلہ حجت نہیں اور اگر دوسرے شہر کے لوگ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کریں تو ان کے لئے جائز ہے الاّ یہ کہ اس آدمی کے سامنے شہادتیں گزری ہوں اور اس کو اس فیصلے پر اعتماد ہو تو ان کے قول پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے لیکن علماء کو ایسا نہیں کرنا چاہئے بلکہ علماء کو چاہئے

کہ وہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ساتھ رابطہ کر کے حتی الامکان امت کو خلفشار سے بچائیں، شریعت نے ہر جگہ مسلمانوں کے خلفشار کو بہت برا سمجھا ہے اور ہر قیمت پر اس سے بچنے کی کوشش کی ہے اور اس کا راستہ یہی ہے کہ جب ایک مشروع راستہ موجود ہے تو اس سے رابطہ کرو اور اس کی پرواہ نہ کرو کہ ہلال کمیٹی کا چیئر مین بریلوی ہے، دیوبندی ہے یا فلاں لیکن اس کی فکر کرو کہ امت میں خلفشار پیدا نہ ہو اور حتی الامکان اس کی بھر پور کوشش کرنی چاہئے۔

(٦) باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیة ،

اس شخص کا بیان جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی غرض سے نیت کر کے رمضان کے روزے رکھے

"وقالت عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ :((یبعثون علی نیا تهم))".

حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

١٩٠١ ـ حدثنا مسلم بن ابراهيم : حدثنا هشام : حدثنا يحيى ، عن أبى سلمة ، عن أبى هريرة ﷺ عن النبی ﷺ قال : ((من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ، ومن صام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)) .[راجع : ٣٥]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کھڑا ہو، اس کے اگلے گناہ بخش دئے جاتے ہیں اور جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اسکے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ [۱۳]

(۷) باب : أجود ما كان النبی ﷺ يكون فی رمضان

نبی ﷺ رمضان میں بہت زیادہ سخی ہو جاتے تھے

١٩٠٢ ـ حدثنا موسى بن اسماعيل : حدثنا ابراهيم بن سعد : أخبرنا ابن شهاب ، عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة : أن ابن عباس رضی الله عنهما قال : كان النبی ﷺ أجود الناس بالخير ، وكان أجود مايكون فی رمضان حين يلقاه جبريل ، وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة فی رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه النبی ﷺ القرآن ، فاذا لقيه جبريل عليه السلام كان أجود بالخير من الريح المرسلة . [راجع : ٦]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نفع پہنچانے میں لوگوں میں سب

---

[۱۳] حدیث کی تشریح اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۳۵، جلد: ۱، ص: ۴۸۵۔

سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے تو اور بھی سخی ہو جاتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان میں ہر ایک رات میں ملتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گذر جاتا ہے جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے قرآن پڑھتے تھے، جب جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے تھے تو چلتی ہوا سے بھی زیادہ آپ ﷺ سخی ہو جاتے تھے۔ [۱۴]

(۸) باب من لم يدع قول الزور والعمل به فى الصوم

اس شخص کا بیان جس نے روزے میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا

۱۹۰۳ ـ حدثنا آدم بن أبي اياس : حدثنا ابن أبي ذئب : حدثنا سعيد المقبرى ، عن أبيه ، عن أبي هريرة ﷺ ، قال : قال النبي ﷺ : ((من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه)). [أنظر : ۶۰۵۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ ﷻ کو اس کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۹) باب : هل يقول : انى صائم ، اذا شتم

کسی کو گالی دی جائے تو کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں

۱۹۰۴ ـ حدثنا ابراهيم بن موسى : أخبرنا هشام بن يوسف ، عن ابن جريج قال : أخبرني عطاء ، عن أبي صالح الزيات : أنه سمع أباهريرة ﷺ يقول : قال رسول الله ﷺ : ((قال الله : كل عمل ابن آدم له الا الصيام فانه لى ، و أنا أجزى به ، و الصيام جنة . و اذا كان يوم صوم أحدكم فلايرفث و لا يصخب ، فان سابه أحد أو قاتله فليقل : انى امرؤ صائم . و الذى نفس محمد بيده ! لخلوف فم الصائم أطيب عندالله من ريح المسک . للصائم فرحتان يفرحهما : اذا أفطر فرح ، و اذا لقى ربه فرح بصومه)) . [راجع: ۱۸۹۴]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ انسان کے ہر عمل کا بدلہ ہے مگر روزہ کے وہ خاص میرے لئے ہے اور میں اسکا بدلہ دیتا ہوں۔ اور روزہ ڈھال ہے، جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ شور مچائے اور فحش باتیں کرے اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ

[۱۴] تفصیل ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث: ۶، جلد: ۱، ص: ۲۴۵۔

دار آدمی ہوں۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے روزہ دار کی منہ کی بو اللہ ﷻ کے نزدیک مشک کے خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔

روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں: جب افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو روزہ کے سبب سے خوش ہوگا۔

(۱۰) باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزبة

اس شخص کے روزہ رکھنے کا بیان جو غیر شادی شدہ ہونے کے سبب سے زنا میں مبتلا ہونے سے ڈرے

۱۹۰۵ ۔ حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة قال: بينا أنا أمشي مع عبدالله ﷺ فقال: كنا مع النبي ﷺ فقال: ((من استطاع الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر، و أحصن للفرج، و من لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء)).

[أنظر: ۵۰۶۵، ۵۰۶۶]. ۱۵

ترجمہ: حضرت علقمہ نے کہا کہ میں عبداللہ بن مسعود ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، تو انہوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص مہر ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے اس لئے کہ وہ نگاہ کو نیچی کرتا ہے اور شرم گاہ کو زنا سے محفوظ رکھتا ہے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے اس لئے کہ روزہ اس کو خصی بنا دیتا ہے۔

من استطاع الباءة الباءة میں مختلف لغات ہیں۔ لیکن **الباءة** کی روایت راجح ہے۔ اور اس کے معنی نکاح کے ہیں، اور بعض نے جماع کے معنی بیان کئے ہیں، مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس اتنے وسائل ہوں کہ نکاح کر سکے۔

"وجاء" خصی بنا دینا، مطلب یہ ہے کہ شہوت کو کم کرنے کے لئے روزہ بڑا اکسیر ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب مسلسل روزے رکھے جائیں، شروع کے دو چار دن میں تو یہ اور زیادہ شہوتوں کو بھڑکاتا ہے لیکن جب

۱۵ وفي صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه اليه ووجد مؤنه رقم: ۲۴۸۵، وسنن الترمذي، كتاب النكاح عن رسول الله، باب ماجاء في فضل التزويج والحث عليه، رقم: ۱۰۰۱، وسنن النسائي، كتاب الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث، رقم: ۲۲۰۷، كتاب النكاح، باب حث على النكاح، رقم: ۳۱۵۶، وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب التحريض على النكاح، رقم: ۱۷۵۰، وسنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح، رقم: ۱۸۳۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود، رقم: ۳۴۱۱، ۳۸۱۹، ۳۸۳۰، ۳۹۰۳، ۴۰۵۰، وسنن الدارمي، كتاب النكاح، باب من كان عنده طول فليتزوج، رقم: ۲۰۷۱.

مستقل روزے رکھے جائیں تو پھر روزے شہوت کو روک دیتے ہیں۔[16]

(۱۱) باب قول النبی ﷺ: ((إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا))،

"وقال صلة عن عمار: من صام يوم الشک فقد عصی أبا القاسم ﷺ".

"من صام يوم الشک فقد عصیٰ أبا القاسم" یوم الشک کے بارے میں حنفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ یوم الشک سے مراد وہ دن ہے جس میں مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا تو اب اگلے دن میں روزہ رکھنا ناجائز ہے، گویا حدیث باب کا محمل تیس شعبان کا دن ہے جبکہ انتیس شعبان کو مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آیا ہو لیکن اگر مطلع صاف نہ ہو تو پھر اگلے دن خواص کے لئے نفل کی نیت سے روزہ رکھنا مستحب ہے اگرچہ عوام کو اس کا حکم نہ دیا جائے، یہ ہے اس کا صحیح مطلب اور اس کی تفصیل ہدایہ میں گزر چکی ہے۔[17]

امام ترمذیؒ کے بیان کے مطابق ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں یوم الشک کا روزہ منع ہے۔ ان کے ہاں مطلع صاف ہونے اور نہ ہونے کی کوئی تفصیل نہیں بلکہ ہر حالت میں منع کرتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ البتہ علامہ عینیؒ نے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے بہ نیت نفل جواز کا قول نقل کیا ہے۔[18]

حنفیہ اس کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جب کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آیا ہو، اس لئے کہ دوسری متعدد روایات سے متعدد صحابۂ کرام ﷺ سے یوم الشک میں روزہ رکھنا ثابت ہے تو اس طرح تمام روایات میں تطبیق دی ہے۔[19]

ائمہ ثلاثہ نے آثار کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے اور حدیث مرفوع کے عموم پر عمل کیا ہے۔[20]

---

[16] وفيه : ان الصوم قاطع لشهوة النكاح . واعترض بأن الصوم يزيد في تهييج الحرارة وذلک مما يثير الشهوة . وأجيب : بان ذلک انما يقع في مبدأ الأمر ، فاذا تمادى عليه واعتاده سكن ذلک ، وشهوة النكاح تابعة لشهوة الأكل ، فانه يقوى بقوتها ويضعف بضعفها . وفيه : الأمر بالنكاح لمن استطاع وتاقت نفسه ، وهو اجماع ، لكنه عند الجمهور أمر ندب لايجاب ، وان خاف العنت ، كذا قالوا . عمدة القاري : ج:۸، ص: ۳۸.

[17]،[18]،[19]،[20] وقال أصحابنا: صوم يوم الشک على وجوه :

الأول: أن ينوى فيه صوم رمضان وهو مكروه ، وفيه خلاف أبي هريرة وعمر ومعاوية و عائشة وأسماء ، ثم إنه من رمضان يجزيه وهو قول الأوزاعي والثوري ووجه للشافعية ، وعند الشافعي وأحمد :لايجزيه إلا اذا أخبره به من يثق به من عبد أو إمرأة .

والثاني :أنه إن نوى عن واجب آخر كقضاء رمضان والنذر أو الكفارة وهو مكروه أيضاً إلا أنه دون الأول في الكراهة وإن ظهر أنه من شعبان قيل : يكون نفلاً ، وقيل : يجزيه عن

﴿......بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......﴾

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوم الشک کی تفصیل سمجھنے میں لوگوں کو مغالطہ ہو گیا ہے اور انہوں نے بھی یوم الشک کی وہی تفسیر کی ہے جو حنفیہ نے کی ہے، کہتے ہیں کہ اس تفسیر کے مطابق آثار پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور حدیثِ مرفوع پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔[۲۱]

۱۹۰۶ ــ حدثنا عبداللہ بن مسلمة ، عن مالک ،عن نافع : عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنهما : ان رسول اللہ ﷺ ذکر رمضان فقال : ((لاتصوموا حتی تروا الهلال ، ولا تفطروا حتی تروه ، فان غم علیکم فاقدروا له)). [راجع : ۱۹۰۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور نہ ہی افطار کرو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور اگر ابر چھایا ہوا ہو تو تیس دن پورے کرو۔

۱۹۰۷ ــ حدثنا عبداللہ بن مسلمة : حدثنا مالک ، عن عبداللہ بن دینار ، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما : ان رسول اللہ ﷺ قال : ((الشهر تسع وعشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروه.فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلا ثین)).[راجع:۱۹۰۰]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہینہ انتیس راتوں کا بھی ہوتا ہے اس لئے جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو افطار نہ کرو اور اگر ابر چھایا ہوا ہو تو تیس دن پورے کرو۔

۱۹۰۸ ــ حدثنا ابو الولید : حدثنا شعبة ، عن جبلة بن سحیم قال : سمعت ابن عمر رضی اللہ عنهما یقول : قال النبی ﷺ : ((الشهر هکذا و هکذا))، وخنس الابهام فی الثالثة . [أنظر : ۱۹۱۳، ۵۳۰۲]

﴿......بقیہ حاشیہ......﴾ الذی نواه من الواجب وهو الأصح ، وفی (المحیط): وهو الصحیح .

والثالث : أن ینوی التطوع وهو غیر مکروه عندنا ، وبه قال مالک . وفی (الأشراف) : حکی عن مالک جواز النفل فیه عن أهل العلم ، وهو قول الأوزاعی ، واللیث وابن مسلمة وأحمد وإسحاق ، وفی (جوامع الفقه) : لایکره صوم الشک بنیة التطوع ، والأفضل فی حق الخواص صومه بنیة التطوع بنفسه وخاصته، وهو مروی عن أبی یوسف ، وفی حق العوام التلوم الی أن یقرب الزوال ، وفی (المحیط) : الی وقت الزوال ، فان ظهر أنه من رمضان نوی الصوم وإلا أفطر .

والرابع : أن یضجع فی أصل النیة بأن ینوی أن یصوم غداً إن کان من رمضان ، ولا یصومه إن کان من شعبان، وفی هذا الوجه لایصیر صائماً .

والخامس : أن یضجع فی وصف النیة بأن ینوی إن کان غداً من رمضان یصوم عنه ، وإن کان من شعبان فعن واجب آخر فهو مکروه .

والسادس: أن ینوی عن رمضان إن کان غداً منه ، وعن التطوع إن کان من شعبان یکره .کذا ذکره العلامة بدرالدین العینیؒ فی عمدة القاری ، ج:۸،ص: ۳۹، ۴۰، والمبسوط للسرخسی ، ج:۳،ص: ۶۱، دار المعرفة ، بیروت ، ۱۴۰۶ھ .

[۲۱] کتب ورسائل وفتاویٰ ابن تیمیة فی الفقة ، ج: ۲۵،ص: ۱۲۴ .

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا مہینے اتنے اتنے دنوں کا ہوتا ہے۔ اور انگلیوں کے اشارے سے وضاحت فرمادی کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے۔

۱۹۰۹۔ حدثنا آدم : حدثنا شعبة : حدثنا محمد بن زياد قال : سمعت أبا هريرة ﷺ يقول : قال النبي ﷺ ۔ أو قال: قال أبو القاسم ﷺ ۔ : ((صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته، فان غبي عليكم فاكملوعدة شعبان ثلا ثين)).

"فان غبي عليكم فاكملوعدة شعبان ثلا ثين".

"اگر تم پر ابر چھا جائے تو تیس دن شمار کر کے پورے کرو"۔

اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں: غَبِیَ **(بفتح الغين و كسر الباء)** بصیغۂ معروف جس کے معنی ہیں کہ وہ پہچان میں نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ **فلانٌ غبي عليّ. أي لم أعرفه**۔ اور دوسرا طریقہ غُبِّیَ **(بضم الغين وتشديد الباء)** بصیغۂ مجہول یعنی آسمان کے غبار کی وجہ سے وہ تم پر مخفی ہو جائے۔

۱۹۱۰ ۔ حدثنا أبو عاصم ، عن ابن جريج ،عن يحيى بن عبدالله بن صيفي ، عن عكرمة بن عبدالرحمن ، عن أم سلمة رضي الله عنها : ان النبي ﷺ آلى من نسائه شهرا ، فلما مضى تسعة وعشرون يوما غدا أو راح فقيل له : انک حلفت أن لاتدخل شهرا ، فقال : ((ان الشهر يكون تسعة وعشرين يوما)). [أنظر : ۵۲۹۲]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ تک صحبت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ جب انتیس دن گذر گئے تو صبح یا شام کے وقت آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک داخل نہ ہونے کی قسم کھائی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

۱۹۱۱ ۔ حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله : حدثنا سليمان بن بلال ، عن حميد ، عن انس ﷺ قال :آلى رسول الله ﷺ من نسائه وكانت انفكت رجله فأقام في مشربة تسعا وعشرين ليلة ثم نزل . فقالوا : يارسول الله ،آليت شهرا ، فقال : ((ان الشهر يكون تسعا وعشرين)). [راجع : ۳۷۸]

"وكانت انفكت رجله فأقام في مشربة تسعا وعشرين ليلة ثم نزل".

آپ ﷺ کے پاؤں میں موچ آگئی تھی، آپ ﷺ انتیس راتوں تک بالا خانہ میں رہے پھر اترے۔[۲۲]

(۱۲) باب: شهرا عيدٍ لا ينقصان،

عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے

"قال أبوعبدالله: قال إسحاق : وإن كان ناقصاً فهو تام. وقال محمد: لا يجتمعان، كلاهما ناقص".

---

[۲۲] مزید تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری ،جلد :۳،ص: ۹۸، کتاب الصلاة ، رقم الحديث : ۳۷۸.

۱۹۱۲۔ حدثنا مسدد: حدثنا معتمر قال: سمعت إسحاق ـ يعني ابن سويد ـ عن عبدالرحمٰن بن أبي بكرة، عن أبيه عن النبي ﷺ ؛ ح :

وحدثني مسدد قال: حدثنا معتمر، عن خالد الحذاءِ قال: أخبرني عبدالرحمٰن بن أبي بكرة، عن أبيه ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((شهران لا ينقصان، شهرا عيدٍ، رمضان و ذوالحجة)). [۲۳]، [۲۴]

تشریح

"شهران لا ينقصان" دو مہینے کم نہیں ہوتے۔

اس کے ایک معنی امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کئے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر رمضان کم ہوگا تو ذی الحجہ پورا ہوگا یعنی رمضان اگر انتیس کا ہوا تو ذی الحجہ تیس کا ہوگا اور اگر ذی الحجہ کم ہوا تو رمضان پورا ہوگا، اگر یہی معنی مراد لئے جائیں تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے، کیونکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دونوں انتیس کے ہوگئے یا دونوں تیس کے ہوگئے۔

اس کی زیادہ صحیح تفسیر وہ ہے جو شروع میں امام بخاریؒ نے حضرت اسحاقؒ سے نقل کی ہے، اور وہی تفسیر اکثر علماء نے اختیار کی ہے کہ ان دو مہینوں کے اجر میں نقص واقع نہیں ہوتا، چاہے رمضان انتیس دن کا ہو جائے لیکن اجر انشاء اللہ پورے تیس روزوں کا ملے گا اور ذی الحجہ کے اندر اگر چہ پورے مہینے کی کوئی عبادت نہیں ہے سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ قربانی پورے ذی الحجہ کے مہینے میں کی جاسکتی ہے تو مراد یہ ہے کہ اس مہینہ میں جو بھی آدمی عمل کرے گا تو اس کے اجر میں نقص واقع نہیں ہوگا۔ [۲۵]

واضح رہے کہ یہ تفسیر امام بخاریؒ نے **قال اسحٰق** کہکر نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسحاق بن راہویہؒ ہیں۔ اور علامہ عینیؒ نے علامہ مغلطائیؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ اس سے مراد اسحاق بن سویدؒ ہیں جو خود اس حدیث کے راوی ہیں۔

(۱۳) باب قول النبي ﷺ : ((لا نكتب ولا نحسب))

حضور ﷺ کا فرمانا کہ ہم لوگ حساب کتاب نہیں جانتے

۱۹۱۳۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا الأسود بن قيس: حدثنا سعيد بن عمرو: أنه

---

[۲۳] لايوجد للحديث مكررات.

[۲۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان معنى قوله شهراً عيد لاينقصان، قم: ۱۸۲۲، وسنن الترمذي، كتاب الصوم عن رسول الله، باب ماجاء شهراً لاينقصان، رقم: ۶۲۸، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب الشهر يكون تسعاً وعشرين، رقم: ۱۹۷۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ماجاء في شهري العيد، رقم: ۱۶۴۹، ومسند أحمد، أول مسند البصريين، بابحديث أبي بكرة نفيع بن الحارث بن كلدة، رقم: ۱۹۵۰۴، ۱۹۵۷۷، ۱۹۶۰۶.

[۲۵] عمدة القاري، ج: ۸، ص: ۴۵.

سمع ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی ﷺ، أنه قال: ((إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب. الشهر هكذا وهكذا))، يعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين. [راجع :۱۹۰۸]

"إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لا نكتب ولا نحسب" آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگ ان پڑھ قوم ہیں لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتے یعنی ہم نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں اور سیدھی سی بات ہے کہ مہینہ یا انتیس دن کا ہے یا تیس کا ہے۔

(۱۴) باب : لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين

رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے

۱۹۱۴ ۔ حدثنا مسلم بن إبراهيم: حدثنا هشام : حدثنا يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ ، أنه قال: ((لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين ، إلا أن يكون رجل كان يصوم صوماً ، فليصم ذلک اليوم)). [۲۶]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھے مگر وہ شخص جو اس دن برابر روزہ رکھتا تھا تو وہ اس دن روزہ رکھ لے۔

"إلا أن يكون رجل كان يصوم صوماً" یعنی پہلے سے مثلاً وہ پیر کے دن روزہ رکھا کرتا تھا اور پیر ہی کے دن آخری شعبان آگیا تو اب اس میں روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۵) باب قول الله جل ذكره:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾

[البقرة : ۱۸۷]

۱۹۱۵ ۔ حدثنا عبيدالله بن موسىٰ، عن إسرائيل ، عن أبي إسحاق ، عن

---

[۲۶] وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب لا تقدموا رمضان بصوم ولا يومين ، رقم : ۱۸۱۲ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء لا تقدموا الشهر بصوم ، رقم : ۶۲۱ ، وسنن النسائي ، كتاب الصيام ، باب ذكر الاختلاف على يحيى بن أبي كثير ومحمد بن عمرو على أبي سلمة فيه ، رقم : ۲۱۴۴ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب فيمن يصل شعبان برمضان ، رقم : ۱۹۸۸ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في النهي عن أن يتقدم رمضان بصوم الا من صام صوماً فوافقه ، رقم : ۱۶۴۰ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ۶۹۰۲، ۸۲۲۱، ۸۹۱۹، ۹۲۷۷، ۹۷۹۴، ۱۰۰۴۷، ۱۰۰۲۴۸، ۱۰۳۳۷ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب النهي عن التقدم في الصيام قبل الرؤية ، رقم : ۱۶۲۷ .

البراء رضی اللہ عنہ قال : كان أصحاب محمد ﷺ إذا كان الرجل صائماً فحضر الإفطار فنام قبل أن يفطر لم يأكل ليلته و لا يومه حتى يمسي ، و إن قيس بن صرمة الأنصاری كان صائماً فلما حضر الإفطار أتى امرأته فقال لها : أعندک طعام ؟ قالت : لا ، و لكن أنطلق فأطلب لک ـ و كان يومه يعمل فغلبته عيناه ـ فجاء ته امرأته فلما رأته قالت : خيبة لک ، فلما انتصف النهار غشی عليه فذكر ذلک للنبی ﷺ فنزلت هذه الآية : ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ﴾ ففرحوا بها فرحاً شديداً . و نزلت :﴿ وكُلُوا و اشْرَبُوا حتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الخَيطُ الأَبْيَضُ مِنَ الخَيطِ الأَسْوَدِ﴾ [البقرة : ۱۸۷] . [أنظر : ۴۵۰۸] [۲۷]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں جب کوئی صائم ہوتا اور افطار کے وقت میں افطار کرنے سے پہلے سو جاتا تو پھر ساری رات کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے، سو گئے تو سو گئے اب بیدار ہو کر کھانا جائز نہیں، نہ رات میں نہ دن میں، **"و إن قيس بن صرمة الأنصاری كان صائما فلمّا حضر الإفطار اتیٰ امرأته فقال لها: اعندک طعام ؟"** قیس بن صرمہ انصاری ایک بار روزے سے تھے جب افطار کا وقت آیا تو اپنے بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ کچھ کھانا ہے؟ تو بیوی نے جواب دیا کہ نہیں لیکن میں جاتی ہوں کہیں سے تمہارے لئے کچھ تلاش کرتی ہوں، اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ وہ کھجور کھاتے کھاتے اُکتا گئے تھے، اور کھجور ہی باہر لائے تھے، اس لئے بیوی سے کہا کہ اس کا گرم طحینہ بنا دو، وہ بنانے کیلئے لے گئیں۔ [۲۸]

"وكان يومه يعمل" دن میں تو بیچارے کام کیا کرتے تھے **"فغلبته عيناه"** کھانے کی انتظار میں لیٹے تو آنکھ لگ گئی، **"فجاء ته امرأته"** بیوی کھانا لے کر آئی **"فلمّا راته قالت خيبةً لک"** تو دیکھا سو گئے ہیں تو بڑا افسوس کیا کہ میں کھانا لے کر آئی لیکن تم سونے کی وجہ سے اب کھا نہیں سکتے، **"فلما انتصف النهار غشی عليه"** بھوک کی شدت سے اگلے دن جب آدھا دن ہوا تو غشی طاری ہونے لگی، نبی کریم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو یہ آیت اتری کہ روزوں کی رات میں تمہارے لئے اپنے بیویوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے بہت خوش ہوئے اور یہ آیت اتری کہ کھاتے پیتے رہو جب تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر نہ ہو جائے۔

---

[۲۷] وفی سنن الترمذی ، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ، باب ماجاء فی صفة أنهار الجنة ، رقم : ۲۸۹۴، وسنن النسائی، كتاب الصيام ، باب تأويل قول الله تعالى و كلوا واشربوا حتى يتبين لكم ، رقم : ۲۱۳۹ ، وسنن أبی داؤد ، كتاب الصوم ، باب مبدا فرض الصوم ، رقم : ۱۹۷۰ ، ومسند أحمد ، أول مسند الكوفيين ، باب حديث البراء بن عازب ، رقم : ۱۷۸۷۰ ، وسنن الدارمی ، كتاب الصوم ، باب متى يمسک المتسحر عن الطعام والشراب ، رقم : ۱۶۳۱ .

[۲۸] فتح الباری، ج:۴، ص:۱۳۱

(۱۶) باب قول اللّٰہ تعالی: ﴿وَكُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾

[البقرة: ۱۸۷]

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیئو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔

"فيه البراء عن النبی ﷺ".

۱۹۱۶ ـ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا هشيم قال: أخبرني حصين ابن عبدالرحمن، عن الشعبي، عن عدي بن حاتم ﷺ قال: لما نزلت: ﴿حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ عمدت الى عقال أسود والى عقال أبيض، فجعلتهما تحت وسادتي، فجعلت انظر في الليل فلا يستبين لي. فغدوت على رسول الله ﷺ فذكرت له ذلك فقال: ((انما ذلك سواد الليل وبياض النهار)). [أنظر: ۴۵۰۹، ۴۵۱۰]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم ﷺ سے روایت ہے کہ جب آیت "حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" نازل ہوئی تو ہم نے سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی رسیاں لے کر تکیہ کے نیچے رکھ لیں، میں رات کو دیکھتا رہا لیکن اس کا رنگ ظاہر نہ ہو سکا صبح کے وقت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور میں نے یہ حال بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔

۱۹۱۷ ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم: حدثنا ابن أبي حازم، عن أبيه، عن سهل بن سعد؛ ح:

و حدثني سعيد بن أبي مريم: حدثنا أبوغسان محمد بن مطرف قال: حدثني أبوحازم، عن سهل بن سعد قال: أنزلت: ﴿حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ و لم ينزل ﴿من الفجر﴾ فكان رجال اذا أرادوا الصوم ربط أحدهم في رجليه الخيط الأبيض و الخيط الاسود، و لايزال يأكل حتى يتبين له رؤيتهما. فانزل الله بعد: ﴿من الفجر﴾ فعلموا انه انما يعني الليل والنهار. [أنظر: ۴۵۱۱]

فانزل الله بعد: ﴿من الفجر﴾ فعلموا انه انما يعني الليل والنهار".

اللہ ﷻ نے **"من الفجر"** کا لفظ نازل فرمایا اب لوگوں نے جان لیا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔یعنی جیسے رات بھر میں مجامعت کی اجازت دی گئی اسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے اور پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک۔

(۱۷) باب قول النبی ﷺ: ((لا یمنعنکم من سحور کم أذان بلال))

آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے

۱۹۱۸، ۱۹۱۹ ـ حدثنا عبید بن إسماعیل، عن أبی أسامة، عن عبیداللّٰه، عن نافع، عن ابن عمر، و القاسم بن محمد، عن عائشة رضی اللّٰه عنها: أن بلالاً کان یؤذن بلیل، فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((کلوا و اشربوا حتی یؤذن ابن أم مکتوم فإنه لا یؤذن حتی یطلع الفجر)). قال القاسم: و لم یکن بین أذانهما إلا أن یرقی ذا و ینزل ذا. [راجع: ۶۱۷]

تشریح

قاسم بن محمد فرماتے ہیں کو دونوں کی اذانوں میں زیادہ وقفہ نہیں ہوتا تھا صرف اتنا کہ یہ چڑھے اور وہ اترے **"ولم یکن من اذانهما الا أن یرقی ذا وینزل ذا"** کا یہ مطلب ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر اتنا ہی وقفہ ہوتا تھا تو پھر دو اذانوں کی حاجت کیا تھی، کیونکہ رات کی اذان کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ لوگ بیدار ہوں اور سحری کھائیں اور تہجد کی نماز پڑھیں اور پھر فجر ہو تو دوسری اذان دی جائے تو اگر اتنا ہی وقفہ ہوتا تھا کہ یہ چڑھے اور وہ اترے اور بیچ میں دو چار منٹ کا وقفہ ہے تو اس میں کیا آدمی سحری کھائے گا یا نماز پڑھے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں ہوتا یہ تھا جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو جب اذان دیتے تھے تو اذان دینے کے بعد وہیں بیٹھ کر خوب لمبی لمبی دعائیں کیا کرتے تھے اور پھر جب فجر طلوع ہونے کے قریب ہوتا تو وہ اتر رہے ہوتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اسی وقت اذان دینے کے لئے اوپر آرہے ہوتے تھے تو اس طرح صورت یہ ہو جاتی تھی کہ یہ اتر رہے ہیں اور وہ چڑھ رہے ہیں، لیکن فی نفسہ دونوں اذانوں میں معقول وقفہ ہوتا تھا جس میں آدمی بیدار ہو کر سحری کھا سکے اور نماز پڑھ سکے، البتہ یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ وہاں کھانا ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا ہمارا ہوتا ہے کہ دسترخوان لگ رہا ہے، دیگیں اتر رہی ہیں اور پلیٹیں لگ رہی ہیں اور دھوس مار کر کھا رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کھانا مختصر اور سادہ ہوتا تھا اور اس میں بہت زیادہ دیر بھی نہیں لگتی تھی۔ [۲۹]

[۲۹] انظر: انعام الباری، جلد: ۳، ص: ۳۷۴، کتاب الأذان، باب أذان الأعمیٰ اذا کان له من یخبره، رقم الحدیث: ۶۱۷.

(۱۸) باب تعجیل السحور

سحری میں جلدی کرنے کا بیان

بعض نسخوں میں ترجمۃ الباب "باب تاخیر السحور" ہے، اور یہ نسخہ راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جو حدیث اس میں لائے ہیں وہ سحری میں تاخیر کرنے پر دلالت کرتی ہے۔

۱۹۲۰ ـ حدثنا محمد بن عبید اللہ : حدثنا عبدالعزیز بن أبی حازم، عن أبیه أبی حازم، عن سهل بن سعد ﷺ قال: كنت أتسحر فی أهلی، ثم تكون سرعتی أن أدرك السحور مع رسول اللہ ﷺ . [راجع : ۵۷۷].

"ثم تكون سرعتی أن أدرك السحور" کا مطلب

چنانچہ حضرت سہل بن سعد ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں سحری کر کے پھر حضور ﷺ کے پاس آنے کیلئے جلدی کرتا تھا، تاکہ سحری میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوں۔ اور بعض روایتوں میں یہاں "سحور" کے بجائے "سجود" کا لفظ ہے، یعنی جلدی اس لئے کرتا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ سجود میں یعنی نماز فجر میں شریک ہوسکوں، اور یہ روایت راجح ہے، کیونکہ پیچھے مواقیت میں "ان أدرك صلاة الفجر" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

(۱۹) باب قدر كم بین السحور وصلاة الفجر؟

سحری اور فجر کی نماز میں کس قدر فصل ہوتا تھا

۱۹۲۱ ـ حدثنا مسلم بن ابراهیم : حدثنا هشام : حدثنا قتادة ، عن أنس ، عن زید ابن ثابت ﷺ قال : تسحرنا مع النبی ﷺ ثم قام الی الصلاة ، قلت : كم كان بین الأذان والسحور؟ قال : قدر خمسین آیة . [راجع : ۵۷۵]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ انس کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا اذان اور سحری کے رمیان کس قدر فصل تھا؟ انہوں نے کہا کہ پچاس آیتیں پڑھنے کے برابر۔

(۲۰) باب بركة السحور من غیر إیجاب

سحری کی برکت کا بیان مگر یہ کہ واجب نہیں

"لأن النبی ﷺ وأصحابه واصلوا ولم یذكر السحور".

اس لئے کہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پے درپے روزے رکھے اور اس میں سحری کا تذکرہ نہیں ہے۔

۱۹۲۲۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا جويرية، عن نافع، عن عبدالله ﷺ: أن النبي ﷺ واصل فواصل الناس فشق عليهم فنهاهم. قالوا: إنک تواصل، قال: ((لست كهيئتكم، إني أظل أطعم وأسقى)). [أنظر: ۱۹۶۲]. ۳۰

ترجمہ: حضور ﷺ نے پے در پے روزے رکھے تو لوگوں نے بھی پے در پے روزے رکھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم لوگوں کی طرح نہیں ہوں مجھے تو کھلایا پلایا جاتا ہے۔

۱۹۲۳۔ حدثنا آدم بن أبي إياس: حدثنا شعبة: حدثنا عبدالعزيز بن صهيب قال: سمعت أنس بن مالک ﷺ قال: قال النبي ﷺ: ((تسحروا فإن في السحور بركة)).

حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

یعنی سحری کھانا برکت کی چیز ہے اور سنت ہے لیکن واجب نہیں، کیونکہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے صحابہ ﷺ نے صوم وصال رکھا اور صومِ وصال میں سحری نہیں ہوتی، اگر سحری واجب ہوتی تو صوم وصال آپ نہیں رکھتے۔

(۲۱) باب: إذا نوى بالنهار صوماً،

روزے کی نیت دن کو کر لینے کا بیان

"وقالت أم الدرداء: كان أبو الدرداء يقول: عندكم طعام؟ فإن قلنا: لا، قال: فإني صائم يومي هذا. وفعله أبو طلحة وأبو هريرة وابن عباس وحذيفة ﷺ".

ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو درداء ﷺ پوچھتے کہ تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ اگر میں جواب دیتی کہ نہیں تو وہ کہتے کہ آج میرا روزہ ہے۔ ابوطلحہ، ابو ہریرہ، ابن عباس اور حذیفہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا ہے۔

۱۹۲۴۔ حدثنا أبو عاصم، عن يزيد بن أبي عبيد، عن سلمة بن الأكوع ﷺ: أن النبي ﷺ بعث رجلاً ينادي في الناس يوم عاشوراء: ((إن من أكل فليتم أو فليصم، ومن لم يأكل فلا يأكل)). [أنظر: ۲۰۰۷، ۷۲۶۵]. ۳۱

---

۳۰ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب عن الوصال في الصوم، رقم: ۱۸۴۴، وسنن أبي داؤد م كتاب الصوم، باب في الوصال، رقم: ۲۰۱۳، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمر الخطاب، رقم: ۴۴۹۱، ۵۵۳۳، ۵۸۵۱، ۶۰۱۷، ۶۱۲۵، وموطأ مالک، كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصيام، رقم: ۵۹۰.

۳۱ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب من أكل في عاشوراء فليكف بقية يومه، رقم: ۱۹۱۸، وسنن النسائي، كتاب الصيام، باب اذا لم يجمع من الليل هل يصوم ذلک اليوم من التطوع، رقم: ۲۲۸۲، ومسند أحمد، أول مسند المدنيين أجمعين، باب حديث سلمة بن الأكوع، رقم: ۱۵۹۱۰، ۱۵۹۱۵، ۱۵۹۲۹، وسنن الدارمي، كتاب الصوم، باب في الصيام يوم عاشوراء، رقم: ۱۶۹۶.

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عاشورہ کے دن ایک شخص کو بھیجا تا کہ اعلان کردے کہ جس نے کھانا کھالیا ہے وہ شام تک نہ کھائے اور روزہ رکھ لے اور جس نے نہیں کھایا وہ اب نہ کھائے۔

رمضان میں نیت کی حیثیت

دن کے وقت میں روزہ کی نیت کرنا، یہ اس مشہور مسئلہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ آیا روزہ کے لئے صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے یا صبح صادق کے بعد بھی نیت کی جاسکتی ہے، یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔[۳۲]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر روزہ کے لئے رات کو نیت کرنا ضروری ہے اور استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے **"من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له"** جو رات کے وقت میں پکا ارادہ نہ کرلے اس کا روزہ نہیں ہوتا۔

فرض روزوں کے بارے میں یہی مسلک امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ہے۔ البتہ نفل روزوں میں وہ دن میں نیت کرنے کو بھی جائز کہتے ہیں۔[۳۳]

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رات سے نیت دو چیزوں میں ضروری ہے:

ایک قضاء کے روزے میں۔

دوسرے نذرِ غیر معین کے روزے میں، اس کے علاوہ جتنے روزے ہیں اس میں رات سے نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ صبح کو بھی کرسکتا ہے جب تک کہ دن کا اکثر حصہ نہ گذرا ہو، چنانچہ رمضان اور نفلی روزے میں یہی صورت ہوتی ہے کہ دن میں نیت کافی ہے اور یہی حال نذرِ معین کا ہے، نذرِ معین اور رمضان میں اس لئے

---

۳۲ وقد اختلف العلماء فيمن نوى الصوم بعد طلوع الفجر الصادق ، فقال الأوزاعي ومالك والشافعي وأحمد بن حنبل واسحاق : لايجوز صوم رمضان الا بنية من الليل ، وهو مذهب الظاهرية ، وقال النخعي والثوري وأبوحنيفة و أبويوسف ومحمد وزفر : تجوز النية في الصوم رمضان ، والنذر المعين ، وصوم النفل الى ماقبل الزوال . عمدة القاري ، ج: ۸،ص: ۷۲ .

۳۳ واحتج الجمهور لاشتراط النية في الصوم من الليل بما أخرجه أصحاب السنن من حديث عبدالله بن عمر عن أخته حفصة : أن النبي ﷺ قال : ((من لم يبيت الصيام من الليل فلا صيام له)) لفظ النسائي ، ولأبي داؤد والترمذي : ((من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له)) ، عمدة القاري ، ج : ۸ ، ص :۷۵ ، و سنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ ، باب ماجاء لاصيام لمن لم يعزم من الليل ، رقم : ۷۳۰، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب النية في الصيام ، رقم: ۲۴۵۴ ،ج: ۲،ص: ۳۲۹ ، دارالفكر ، بيروت ، وسنن النسائي ، كتاب الصيام ، باب ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة في ذلك ، رقم : ۲۳۳۱ ، ج : ۴، ص: ۱۹۶ ، مكتب المطبوعات الاسلامية ، حلب ، ۱۴۰۶ھ .

کہ شارع کی جانب روزے کے لئے وہ دن متعین ہو گیا، جب وہ پہلے سے متعین ہے تو اب رات سے نیت کرنے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ مطلق صوم کی نیت کافی ہے اور وہ دن کے وقت میں بھی کر سکتے ہیں، اور نفل کے اندر بھی یہی ہے کہ چونکہ قضا اور نذرِ معین کے علاوہ باقی تمام ایام نفل روزے کے لئے ہیں، لہٰذا اس میں بھی تعیین کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث میں یہاں تو حضرت ابو الدرداء ﷺ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ابو الدرداء ﷺ حضرت ام الدرداء ﷺ سے پوچھتے کہ کیا تمہارے پاس کھانا ہے **"فإن قلنا لا"** ام الدرداء ﷺ فرماتی ہیں کہ اگر ہم کہتے کہ نہیں **"قال فإني صائم يومي هذا"** تو ابوالدرداء ﷺ فرماتے کہ آج میرا روزہ ہے تو یہ روزہ کب رکھا، جب صبح ہو گئی اور بیوی نے بتایا کہ گھر میں کھانا نہیں ہے۔

یہی واقعہ دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کی طرف بھی منسوب ہے کہ آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ کی نیت دن میں بھی کی جا سکتی ہے اور رمضان اور نذرِ معین کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ متعین من جانب الشارع ہیں اور **"من لم يجمع"** والی حدیث قضاء اور نذرِ غیر معین پر محمول ہے۔

"ينادي في الناس يوم عاشوراء" اس وقت روزہ عاشورہ میں فرض تھا روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ منادی بنو اسلم کے پاس بھیجا تھا کہ ان کو صوم عاشوراء کی اہمیت بتائی جائے، اور اگر انہوں نے اس دن روزہ نہ رکھا ہو تو رکھ لیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کھانا وغیرہ کچھ کھا لیا ہو تب تو وہ اپنا روزہ بغیر کچھ کھائے ویسے ہی پورا کر لے اور جس نے ابھی تک کچھ نہ کھایا ہو تو وہ نہ کھائے یعنی روزہ کی نیت کر لے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے دن میں نیت کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اس وقت عاشوراء کا روزہ فرض تھا، لہٰذا وہ دن فرض روزے کے لئے متعین تھا۔ [۳۴]

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ رمضان میں نیت کی کیا حیثیت ہے، اگر بغیر نیت کے روزہ رکھے تو قضا لازم ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ نیت تو ضروری ہے، نیت اگر نہیں ہوگی تو یقیناً قضا لازم ہوگی، کیونکہ بغیر نیت کے روزہ ہوتا ہی نہیں، لیکن نیت کے معنی وہ الفاظ نہیں جو پڑھے جاتے ہیں بلکہ نیت کے معنی ہیں دل کا ارادہ کہ میں روزہ رکھ رہا ہوں بس نیت ہو گئی اور یہ جو الفاظ وغیرہ لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور اس کو بہت ضروری سمجھ لیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۲۲) باب الصائم يصبح جنباً

جنابت کی حالت میں روزہ دار کے صبح کو اٹھنے کا بیان

۱۹۲۵، ۱۹۲۶ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن أملك عن سمي مولى أبي بكر

[۳۴] عمدة القاری، ج: ۸، ص: ۷۶.

ابن عبدالرحمٰن بن الحارث بن هشام بن المغيرة. أنه سمع أبا بكر بن عبدالرحمٰن قال: كنت أنا وأبي حتى دخلنا على عائشة وأم سلمة ؛ ح :

اب یہ باب قائم کیا کہ روزہ دار اس حالت میں صبح کرے کہ وہ جنابت کی حالت میں ہو، یہ مسئلہ شروع میں مختلف فیہ تھا، حضرت ابو ہریرہ ﷛ یہ فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے رات کو جماع کیا اور صبح صادق سے پہلے غسل نہ کر سکا یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی۔ اس حالت میں کہ جنبی ہے تو روزہ ہوگا ہی نہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ **"من أدركه الصبح جنبا فلا صوم له"** جو جنابت کی حالت میں صبح کرے اس کا روزہ نہیں۔[۳۵]

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ اگر چہ بہتر یہی ہے کہ اگر آدمی جنبی ہے تو صبح صادق سے پہلے غسلِ جنابت کر لے لیکن بالفرض اگر نہ کر سکا اور دن شروع ہوگیا تو محض اس بات سے کہ وہ صبح کے وقت جنبی تھا روزہ فاسد نہیں ہوگا بلکہ روزہ ہو جائے گا۔

حدیث باب اسی پر دلالت کر رہی ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ حضور ﷺ بھی بعض اوقات صبح کے وقت میں جنبی ہوتے تھے اور بعد میں غسل فرماتے تھے۔[۳۶، ۳۷]

اور جو حدیث **"من أصبح جنبا فلا صيام له"** ہے، اول تو اس کی سند پر کلام ہے لیکن اگر وہ معتبر بھی ہو تو اس کی توجیہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے یہ کی ہے کہ **"فلا صيام له"** کے معنی یہ ہیں کہ جنابت کی حالت صوم کی پاکیزہ حالت کے منافی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح جنابت کی حالت میں ہو تو وہ ایسا ہے جیسے روزے کا کوئی فائدہ اس نے حاصل نہیں کیا۔

اس لئے کہ روزہ کا فائدہ تزکیۂ نفس اور تزکیۂ باطن ہے اور آدمی روزہ شروع ہی ایسی حالت میں کر رہا

---

[۳۵] وقد رواه عبدالرزاق في (مصنفه) عن معمر عن الزهري عن أبي بكر بن عبدالرحمٰن قال : سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ : ((من أدركه الصبح جنبا فلا صوم له)) . عمدة القاري ، ج :۸ ، ص:۷۸، ومصنف عبدالرزاق ، كتاب الصيام ، باب من أدركه الصبح جنبا ، رقم : ۷۳۹۶، ج: ۴، ص: ۱۷۹، المكتب الاسلامي ، بيروت ، ۱۴۰۳ھ.

[۳۶] أن الصوم حال الجنابة مكروه ، ولم أره في غيرها ، ولعل المراد منها الكراهة بحسب الحقيقة ، دون الكراهة عندالشرع ، كيف ! وقد ثبت عن النبي ﷺ أنه أصبح جنبا، وصام ، وقد استدل عليه محمد في "موطئه" من قوله تعالىٰ ﴿فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم﴾ الخ ، حيث رخص فيه بالجماع وغيره الى طلوع الفجر، ومن لوازمه صومه مع الجنابة ، فانه لايغتسل اذن الا بعد الفجر ، والشرع لم يكلفه بالغسل قبله . فيض الباري على صحيح البخاري ، ج :۳، ص: ۱۵۹ .

[۳۷] وقال القرطبي : في هذا فائدتان : أحدهما : أنه كان يجامع في رمضان ويؤخر الغسل الى بعد طلوع الفجر بيانا للجواز . عمدة القاري ، ج:۸، ص: ۷۹ .

ہے کہ حالتِ جنابت میں ہے جو ناپاکی کی حالت ہے تو اس سے اس کے باطن کی اصلاح کیسے ہوگی، لہٰذا حتی الامکان کوشش یہی کرو کہ صبح سے پہلے پہلے غسل کرلو۔ ۳۸

و حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرني أبو بكر ابن عبدالرحمٰن بن الحارث بن هشام : أن أباه عبدالرحمٰن أخبر مروان : أن عائشة و أمّ سلمة أخبرتاه : أن رسول الله ﷺ كان يدركه الفجر ، و هو جنب من أهله ، ثم يغتسل و يصوم . و قال مروان لعبدالرحمٰن بن الحارث : أقسم بالله لتقرعن بها أباهريرة ، و مروان يومئذ على المدينة ، فقال أبو بكر : فكره ذلك عبد الرحمٰن ثم قدرلنا أن نجتمع بذي الحليفة و كانت لأبي هريرة هنالك أرض ، فقال عبدالرحمٰن لأبي هريرة : إني ذاكر لك أمرا و لولا مروان أقسم علي فيه لم أذكره لك ، فذكر قول عائشة و أمّ سلمة فقال : كذلك حدثني الفضل بن عباس و هو أعلم . و قال همام و ابن عبدالله بن عمر عن أبي هريرة : كان النبي ﷺ يأمر بالفطر ، و الأول أسند . [الحديث : ١٩٢٥ ،] [أنظر : ١٩٣٠ ، ١٩٣١] ؛ [الحديث : ١٩٢٦ ، أنظر : ١٩٣٢] ۳۹

حدیث کا مطلب

۳۸ قلت : ورد فيه النهي باسناد قوي ((من أصبح جنبا فلا صيام له)) ، مع أنه قد ثبت عن النبي ﷺ أنه أصبح صائما وهو جنب ؛ وجوابه يقتضي تمهيد مقدمة ، وهي أن الطهارة مطلوبة عندي في العبادات كلها ، أما في الصلاة فهي من شرائطها ، عندالأئمة كلهم ، وأما في الحج فهي من الواجبات ، على ما مر ، بقي الصوم ، فأدعي من قبل نفسي أنها مطلوبة فيه أيضاً ، فان التلبس بالنجاسات مكروه عامة ، فكيف في حال العبادة ؟ فمن يصبح جنباً ، فلعله يدخل نقيصة في صيامه في النظر المعنوي ، وان تم حساً ، أعني به أن للصوم حكماً وحقيقة ، كما أن للايمان حقيقة وحكما ، والتي جئ بها عند شق صدره ﷺ في طست ملئت ايمانًا وحكمة ، كانت هي الحقيقة ، وتلك الحقيقة تنقص وتزيد ، كما مر في "باب الايمان" وهكذا للصوم حقيقة ، وهذه تنتقص عند التلبس بالنجاسات ، فليست تلك النقيصة حكما من الشرع ، بل بحسب حقيقته ، فيض الباري على صحيح البخاري ، ج : ۳ ، ص : ۱۵۸ .

۳۹ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب ، رقم : ۱۸۶۶ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في الجنب يدركه الفجر وهو يريد الصوم ، رقم : ۷۱۰ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب المناسك ، باب الحلق والتقصير ، رقم : ۱۶۹۴ ، وكتاب الصوم ، باب فيمن أصبح جنباً في شهر رمضان ، رقم : ۲۰۴۰ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۳۳ ، ۲۲۹۴۵ ، ۲۲۹۷۵ ، ۲۳۲۹۲ ، ۲۳۵۴۰ ، ۲۳۵۶۴ ، ۲۳۶۶۲ ، ۲۳۶۷۲ ، ۲۴۱۹۹ ، ۲۴۳۹۳ ، ۲۴۴۹۳ ، ۲۴۶۲۷ ، وموطا مالک ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في صيام الذي يصبح جنباً في رمضان ، رقم : ۵۲۵ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب فيمن يصبح جنباً وهو يريد الصوم ، رقم : ۱۶۶۲ .

جب مروان نے یہ حدیث سنی کہ حضرات امہات المؤمنین یہ بیان فرماتی ہیں تو عبدالرحمٰن ابن حارث سے کہا کہ تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جا کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سنا کر گھبراؤ، کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ روزہ نہیں ہوتا تو وہ سنیں گے تو گھبرائیں گے کہ دیکھو یہ کیا حدیث آگئی ہے۔

"ومروان یو مئذ علی المدینة فقال أبو بکر فکره ذلک عبدالرحمن" تو عبدالرحمٰن کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ جا کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معارضہ اور مناظرہ شروع کر دیں تو معلوم ہوا کہ بڑوں کے ساتھ اس طرح مناظرہ اور مجادلہ اچھی بات نہیں۔

انہوں نے کہا کہ موقع ہوگا تو ان کے سامنے ذکر کر دیں گے لیکن مناظرہ کرنا مناسب نہیں، **"ثم قدر لنا أن نجتمع بذی الحلیفة"** بعد میں اللہ جل جلالہ نے یہ مقدر فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ہمارا اجتماع ہوگیا **"وکانت لأبی ھریرة ھناک أرض"** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہاں ذوالحلیفہ میں ایک زمین تھی، **"فقال عبدالرحمن لأبی ھریرة"**.

عبدالرحمٰن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا **"انی ذاکر لک أمرا"** میں آپ سے ایک بات کرنا چاہ رہا ہوں **"ولولا أن مروان اقسم علیّ فیه لم أذکره لک"** اگر مروان نے قسم دے کر مجھ سے یہ بات نہ کہی ہوتی تو میں آپ سے ذکر نہ کرتا۔

"فذکر قول عائشة وأم سلمة" ان کو وہ سنایا **"فقال کذالک حدثنی فضل بن عباس وھو أعلم"** تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے تو فضل بن عباس نے اسی طرح حدیث سنائی تھی یعنی وہ حدیث جو میں روایت کرتا ہوں کہ **"من أصبح جنبا فلا صیام له"** تو مجھے فضل بن عباس نے سنائی تھی اور اس کی حقیقت وہی زیادہ جانتے ہیں یعنی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہے بلکہ فضل بن عباس پر ہے کیونکہ حدیث انہوں نے ہی سنائی تھی۔

"وقال ھمام و ابن عبداللہ بن عمر عن أبی ھریرة: "کان النبی ﷺ یأمر بالفطر" انہوں نے یہ روایت کی تھی کہ حضور اقدس ﷺ ایسے آدمی کو افطار کا حکم دیا کرتے تھے جو صبح کو جنبی ہو، نسائی وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ بعد میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی احادیث ان کو مل گئیں تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا تھا۔

تقبیل اور مباشرت حالتِ صوم میں جائز ہے بشرطیکہ اس بات کا اطمینان ہو کہ آدمی آگے نہیں بڑھے گا۔

(۲۳) باب المباشرة للصّائم

روزہ دار کے مباشرت کرنے کا بیان

"وقالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا: یحرم علیه فرجھا".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ روزہ دار پر عورت کی شرمگاہ حرام ہے۔

۱۹۲۷۔ حدثنا سليمان بن حرب : عن شعبة ، عن الحكم عن إبراهيم ،عن الأسود، عن عائشةؓ قالت: كان النبي ﷺ يقبل ويباشر وهو صائم وكان أملككم لإربه.

وقال: قال ابن عباس : ﴿مَآرِبُ﴾ : حاجة. قال طاؤس: ﴿غَيرِ أُولِي الإِرْبَةِ﴾ [النور: ۳۱] الأحمق، لا حاجة له في النساء. وقال جابر بن زيد: إن نظر فامنى يتمّ صومه. [أنظر: ۱۹۲۸] ۴۰

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ تم میں سب سے زیادہ اپنے نفس کی حاجت پر قابو رکھنے والے تھے، لہٰذا وہ یہ کر لیتے تھے ہر ایک آدمی کو یہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہر آدمی اپنے آپ پر اتنا قابو یافتہ نہیں ہوتا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ متجاوز ہو جائے۔

"أرب" کا لفظ چونکہ آ گیا تھا تو اس کی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے **"غير أولي الإربة"** کی تفسیر بھی کر دی کہ **"غيــــر أولـــي الإربة"** کے لفظی معنی ہیں حاجت نہ رکھنے والا یعنی شہوت نہ رکھنے والا، **"الأحمق"** احمق سے یہاں بے وقوف والا احمق مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کو شہوت نہ ہو۔

(۲۴) باب القبلة للصائم

روزہ دار کو بوسہ دینا

۱۹۲۸۔ حدثنا محمد بن المثنى : حدثني يحيى ، عن هشام قال : أخبرني أبي ،عن عائشة عن النبي ﷺ . ح ؛

وحدثنا عبدالله بن مسلمة . عن مالك عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها قالت: ان كان رسول الله ليقبل بعض أزواجه وهو صائم ، ثم ضحكت. [راجع : ۱۹۲۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے اس حال میں کہ روزہ دار ہوتے، پھر ہنس دیں۔

---

۴۰ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب بيان أن القبلة في الصوم ليست محرمة على من لم تحرك شهوته ، رقم : ۱۸۵۵ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في مباشرة الصائم ، رقم : ۶۶۰ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب القبلة للصائم ، رقم : ۲۰۳۴ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في المباشرة للصائم ، رقم : ۱۶۷۷ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۰۰۰ ، ۲۳۰۲۵ ، ۲۳۰۴۵ ، ۲۳۸۰۲ ، ۲۳۸۱۷ ، ۲۴۰۷۱ ، ۲۴۴۷۳ ، ۲۴۶۳۱ ، ۲۴۷۴۲ ، ۲۵۰۹۶ ، وموطأ مالك ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في الرخصة في القبلة للصائم ، رقم : ۵۶۹ ، وسنن الدارمي ، كتاب الطهارة ، باب المباشرة للصائم ، رقم : ۷۲۲ ، وكتاب الصوم ، باب الرخصة في القبلة للصائم ، رقم : ۱۶۵۹ .

۱۹۲۹ ـ حدثنا مسدد : حدثنا يحيى ، عن هشام بن أبى عبدالله : حدثنا يحى بن أبى كثير ، عن ابى سلمة ، عن زينب ابنة أم سلمة ، عن أمها رضى الله عنهما قالت : ((بينما أنا مع رسول الله ﷺ فى الخميلة اذ حضت فانسللت فأخذت ثياب حيضتى ، فقال : ((مالك ؟ أنفست؟)) قلت : نعم فدخلت معه فى الخميلة و كانت هى ورسول الله ﷺ يغتسلان من اناء واحد و كان يقبلها وهو صائم .[راجع : ۲۹۸]

ترجمہ: حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی ماں سے روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک چادر میں تھی، تو مجھے حیض آنے لگا، میں نے اپنے حیض کے کپڑے پکڑے اور چپکے سے نکل گئی۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تجھے حیض آنے لگا؟ میں نے کہاہاں، پھر میں آپ ﷺ کے ساتھ چادر میں چلی گئی اورام سلمہ اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے غسل کرتے اور آپ ﷺ روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے۔

(۲۵) باب اغتسال الصائم،

روزہ دار کے غسل کرنے کا بیان

"وبَلَّ ابن عمر رضى الله عنهما ثوباً فألقى عليه وهو صائم. ودخل الشعبى الحمّام وهو صائم. وقال ابن عباس: لا بأس أن يتطعّم القدر أو الشيءَ. وقال الحسن: لا بأس بالمضمضة والتبرّد للصّائم . وقال ابن مسعود: إذا كان يوم صوم أحدكم فليصبح دهيناً مترجلاً. وقال أنس: إن لى أبزن أتقحم فيه وأنا صائم ، ويذكر عن النبى ﷺ أنه استاک وهو صائم . وقال ابن عمر: يستاک أول النهار وآخره [ولايبلع ريقه] . وقال عطاء: إن ازدرد ريقه لا أقول: يفطر. وقال ابن سيرين: لا بأس بالسواک الرّطب . قيل: له طعم، قال: والماء له طعم وأنت تمضمض به. ولم ير أنس والحسن وإبراهيم بالكحل للصّائم بأساً".

"وبَلّ ابن عمر رضى الله عنهما ثوباً فألقى عليه وهو صائم".

صائم کے لئے غسل کرنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک کپڑا بھگویا اور روزہ کی حالت میں وہ ان پر ڈالا گیا، سخت گرمی ہوگی تو اس گرمی سے بچنے کے لئے وہ کپڑا اتر کر کے ڈالا، تو معلوم ہوا کہ یہ عمل بھی جائز ہے، یہ ان حضرات کی تردید کر رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ روزہ میں غسل مکروہ ہے، کیونکہ حالتِ صوم میں غسل کرنا یہ ایک طرح سے بے صبری کی علامت ہے، لہٰذا غسل نہ کرنا چاہئے تو ان کی تردید کر رہے ہیں کہ نہیں ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر ﷺ نے کپڑا اتر کر کے اپنے اوپر ڈالا۔

"ودخل الشعبى الحمام وهو صائم ، وقال ابن عباس لا باس أن يتطعّم القدر أ و الشيء".

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ دیگ میں سے زبان پر کچھ لگا کر چکھ لے یہ دیکھنے کے لئے کہ نمک ہے یا نہیں یا کوئی اور چیز چکھ لے یعنی حلق میں نہ لے جائے صرف زبان سے چکھ لے تو یہ جائز ہے اور اسی کی بنیاد پر حنفیہ نے کہا ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر بڑا جلالی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ سالن وغیرہ چکھ لے۔

”وقال الحسن: لا بأس بالمضمضة والتبرّد للصّائم. وقال ابن مسعود: إذا كان يوم صوم أحدكم فليصبح دهيناً مترجلاً“.

کہ جب روزہ کا وقت ہو تو چاہئے کہ صبح میں آدمی نے تیل بھی لگایا ہوا ہو اور کنگھی بھی کی ہو تو معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں تجمل کا کوئی قدم اٹھانا بھی جائز ہے اس میں تیل لگانا بھی داخل ہے اور کنگھی کرنا بھی داخل ہے۔

”وقال أنس ان لی أبزن اتقحم فيه وأنا صائم“.

”ابزن“ فارسی کا لفظ ہے، جیسے آج کل ٹب ہوتا ہے اسی قسم کا بڑا برتن ہوتا تھا لگن، تو اس میں پانی ڈال کر لوگ نہانے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک ابزن ہے، میں روزہ کی حالت میں اس میں گھس جاتا ہوں تو معلوم ہوا کہ یہ سب جائز ہے۔

”وكان ابن عمر يستاك أول النهار وآخره“.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسواک کرتے تھے دن کے شروع حصہ میں بھی اور آخری حصہ میں بھی، مطلب یہ ہے کہ دونوں میں جائز ہے، اس سے امام شافعی رحمہ اللہ پر رد ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ آخرِ نہار میں مسواک جائز نہیں یا مکروہ ہے۔

”وقال عطاء: إن ازدرد ريقه لا أقول: يفطر“.

عطاء نے کہا کہ اگر تھوک نگل جائے تو میں نہیں کہوں گا کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

”وقال ابن سيرين لا بأس بالسواك الرطب“.

تر مسواک میں بھی کوئی حرج نہیں، اس سے ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خشک مسواک جائز ہے اور رطب جائز نہیں۔ تو فرمایا کہ ابن سیرین نے کہا کہ رطب بھی جائز ہے **”قيل له طعم“** ان سے کہا گیا کہ اگر رطب ہو تو اس میں ذائقہ ہوتا ہے تو **”قال والماء له طعم وأنت تمضمض به“** تو جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

”ولم ير أنس والحسن وإبراهيم بالكحل للصائم بأسا“.

انس، ابراہیم اور حسن رحمہم اللہ نے روزہ دار کے سرمہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔

اس حدیث پر پہلے بھی کلام آچکا ہے، لیکن آگے جو **”قال أبو جعفر“** ہے یہ ابوجعفر امام بخاری رحمہ اللہ کے وراق ہیں

اور فربری کے شاگرد ہیں تو ان کا یہ مقولہ ہے اور اس مقولہ پر انشاء اللہ آگے کلام کروں گا۔

۱۹۳۰۔ حدثنا أحمد بن صالح : حدثنا ابن وهب : حدثنا یونس ، عن ابن شهاب، عن عروة و أبی بکر ، قالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها : کان النبی ﷺ یدرکه الفجر جنبا فی رمضان من غیر حلم فیغتسل ویصوم .[راجع : ۱۹۲۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کو رمضان میں بغیر احتلام کے یعنی جماع سے نہانے کی ضرورت ہوئی اور صبح ہوتی تو آپ ﷺ غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔

۱۹۳۱۔ حدثنا اسماعیل قال : حدثنی مالک ، عن سمی مولی أبی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام بن المغیرة : انه سمع أبا بکر بن عبدالرحمن : کنت أنا و أبی فذهبت معه حتی دخلنا علی عائشة رضی الله عنها قالت : أشهد علی رسول الله ﷺ ان کان لیصبح جنبا من جماع غیر احتلام ، ثم یصومه . [راجع : ۱۹۲۵]

۱۹۳۲۔ ثم دخلنا علی أم سلمة فقالت مثل ذلک [راجع : ۱۹۲۶]

ترجمہ: حضرت ابو بکر عبدالرحمن نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد چلے یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا میں رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتی ہوں کہ آپ ﷺ احتلام کے سبب سے نہیں بلکہ جماع کے سبب سے حالت جنابت میں صبح کرتے پھر روزہ رکھتے، پھر ہم لوگ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھی اسی طرح بیان کیا۔

(۲۶) باب الصائم اذا أکل أو شرب ناسیا،

روزہ دار کے بھول کر کھانے یا پینے کا بیان

”و قال عطاء : ان استنثر فدخل الماء فی حلقه لابأس به ان لم یملک ، و قال الحسن : ان دخل حلقه الذباب فلاشیء علیه . و قال الحسن و مجاهد : ان جامع ناسیا فلا شیء علیه“.

۱۹۳۳۔ حدثنا عبدان : أخبرنا یزید بن زریع : حدثنا هشام : حدثنا ابن سیرین ، عن أبی هریرة ﷺ عن النبی ﷺ قال : ((اذا نسی فأکل وشرب فلیتم صومه ، فانما أطعمه الله وسقاه)).[أنظر : ۶۶۶۹] [۱۴]

[۱۴] وفی صحیح مسلم ، کتاب الصیام ، باب أکل الناسی وشربه وجماعه لایفطر ، رقم : ۱۹۵۲ ، وسنن الترمذی ، کتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء فی الصائم یأکل أو یشرب ناسیاً ، رقم : ۶۵۴ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصوم ، باب من أکل ناسیاً، رقم : ۲۰۴۶ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الصیام ، باب ماجاء فیمن أفطر ناسیاً ، رقم : ۱۶۶۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۸۷۷۳ ، ۹۱۲۵ ، ۹۹۵۵ ، ۹۹۷۴ ، ۹۹۹۲ ، ۱۰۲۵۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصوم ، باب فیمن أکل ناسیاً، رقم : ۱۶۶۳ .

روزہ دار اگر بھول کر کھا پی لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

تو جہاں تک بھول (نسیان) کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ مجمع علیہ ہے کہ بھول کر اگر کوئی چیز کھا پی لی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

" وقال عطاء :ان استنثر فدخل الماء فی حلقه لاباس به ان لم يملک".

کہ اگر استنثار کیا اور پانی حلق میں چلا گیا تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کو لوٹانا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خطاء اور نسیان میں کوئی فرق نہیں، جس طرح نسیان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اسی طرح خطاء سے بھی فاسد نہیں ہوتا۔

نسیان اور خطا میں فرق

نسیان اور خطاء میں فرق یہ ہے کہ نسیان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو یاد نہیں رہا کہ میں روزہ سے ہوں اور خطاء کے معنی یہ ہیں کہ روزہ یاد ہے لیکن کچھ غلط عمل کر لیا مثلاً کلی کرتے ہوئے غلطی سے بغیر ارادہ کے حلق میں پانی چلا گیا، تو حنفیہ کے نزدیک خطاء اور نسیان میں فرق ہے۔ خطا سے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن نسیان سے نہیں ٹوٹتا۔

حنفیہ کا استدلال اس واقعہ سے ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر روزہ افطار کر لے کہ غروب آفتاب ہو گیا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا حالانکہ اس کے ارادے کو روزہ توڑنے میں دخل نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ روزے کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے میں ارادے کا دخل نہیں اگر بغیر ارادے کے بھی کوئی چیز کھا لے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لئے یہ اثر حنفیہ کے خلاف ہے اور حنفیہ اس کے قائل نہیں۔

"و قال الحسن : ان دخل حلقه الذباب فلاشیء علیه".

اگر مکھی حلق میں چلی جائے تو کوئی حرج نہیں، یہ حنفیہ بھی مانتے ہیں کیونکہ مکھی کے حلق میں چلے جانے پر اکل کا اطلاق نہیں ہوتا۔

"قال الحسن ومجاهد إن جامع ناسياً فلا شئ عليه".

اگر بھول کر جماع کر لے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

(۲۷) باب سواک الرّطب والیابس للصّائم،

روزہ دار کو تر اور خشک مسواک کرنے کا بیان

" ویذکر عن عامر بن ربیعة قال : رأیت النبی ﷺ یستاک و هو صائم مالا أحصی أوأعد".

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو روزہ کی حالت میں اتنی بار مسواک کرتے

ہوئے دیکھا کہ میں شمار نہیں کرسکتا۔

"وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ : ((لو لا أن أشق على امتي لأمرتهم بالسواک عند كل وضوء)). ويروى نحوه عن جابر وزيد بن خالد عن النبي ﷺ . ولم يخص الصائم من غيره . وقالت عائشة عن النبي ﷺ : ((السواک مطهرة للفم ، مرضاة للرب)). وقال عطاء وقتادة : يبتلع ريقه".

"وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ : ((لو لا أن أشق على امتي لأمرتهم بالسواک عند كل وضوء)).

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ اگر میں اپنی امت کے لئے دشوار نہ سمجھتا تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا، اسی طرح جابر اور زید بن خالد نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں اور اس میں روزہ دار اور غیر روزہ دار کی تخصیص نہ فرمائی۔

وقالت عائشة عن النبي ﷺ : ((السواک مطهرة للفم ، مرضاة للرب)).

اور عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ مسواک منہ کے پاک کرنے اور رب کی رضا کا سبب ہے۔

"وقال عطاء وقتادة : يبتلع ريقه".

عطا اور قتادہ رحمہما اللہ نے کہا کہ روزہ دار اپنا تھوک نگل سکتا ہے۔

۱۹۳۴ ۔ حدثنا عبدان : أخبرنا عبدالله أخبرنا معمر قال: حدثنا الزهري، عن عطاء بن يزيد، عن حمران قال : رأيت عثمان ؓ توضأ فأفرغ على يديه ثلاثاً. ثم مضمض واستنثر، ثم غسل وجهه ثلاثاً، ثم غسل يده اليمنى إلى المرفق ثلاثاً. ثم غسل يده اليسرى إلى المرفق ثلاثاً، ثم مسح برأسه، ثم غسل رجله اليمنى ثلاثاً. ثم اليسرى ثلاثاً، ثم قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ نحو وضوئي هذا ، ثم قال: ((من توضأ وضوئي هذا ثم يصلي ركعتين لا يحدث نفسه فيهما بشيء غفر له ما تقدم من ذنبه)). [۴۲]

اس حدیث کا بظاہر باب سے کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا، اس واسطے کہ اس میں مسواک کا کہیں ذکر نہیں ہے، لیکن بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ اس لئے لائے ہیں کہ اس میں حضرت عثمانؓ نے حضور اکرم ﷺ کا پورا

[۴۲] وفي صحيح مسلم ، كتاب الطهارة ، باب صفة الوضوء وكماله ، رقم : ۳۳۱، وسنن النسائي ، كتاب الطهارة ، باب المضمضة والاستنشاق ، رقم : ۸۳، وسنن ابي داؤد ، كتاب الطهارة ، باب صفة وضوء النبي ، رقم : ۹۲، وسنن ابن ماجه ، كتاب الطهارة وسننها ، باب ثواب الطهور ، رقم : ۲۸۱، ومسند احمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب مسند عثمان بن عفان ، رقم : ۳۸۳، ۴۲۹، ۴۴۸، ۴۸۵، وسنن الدارمي ، كتاب الطهارة ، باب الوضوء ثلاثاً ، رقم : ۶۹۰.

وضو کر کے دکھایا، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انہوں نے مسواک نہ کیا ہو، لہٰذا اس سے مسواک کی سنت ثابت ہوئی ہے اور اس میں صائم اور غیر صائم کی کوئی تفریق نہیں۔

(۲۸) باب قول النبی ﷺ : ((إذا توضأ فليستنشق بمنخره الماءَ)) ، ولم يميز بين الصائم وغيره،

نبی کریم کا فرمانا کہ جب وضو کرے تو اپنے نتھنوں میں پانی ڈالے اور روزہ دار اور غیر روزہ دار کی کوئی تفریق نہیں کی

"وقال الحسن: لا بأس : بالسعوط للصائم إن لم يصل إلى حلقه، ويكتحل. وقال عطاء: إن تمضمض ثم أفرغ ما في فيه من الماءِ لايضره إن لم يَزْدَرِدْ ريقه، وما ذا بقي في فيه، ولا يمضغ العلك فإن اِزْدَرَدَ ريق العلك لا أقول: إنه يفطر ولكن ينهى عنه، فإن استنثر فدخل الماءُ حلقه لا بأس لأنه لم يملك".

"إذا توضأ فليَستنشق بمنخره الماءَ)) ، ولم يميّز بين الصائم وغيره".

حضور اکرم ﷺ نے وضو کے اندر استنشاق کا حکم دیا اور صائم اور غیر صائم کے درمیان تمیز نہیں کی یعنی صائم کو بھی استنشاق کرنا چاہئے اور غیر صائم کو بھی، تو معلوم ہوا کہ استنشاق حالتِ صوم میں جائز ہے، یہاں تک تو بات ٹھیک تھی کہ استنشاق دونوں صورتوں میں کرنا چاہئے لیکن اس مسئلہ کو جو آگے بڑھا دیا اور وہ یہ کہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" وقال الحسن: لا بأس : بالسعوط للصائم إن لم يصل إلى حلقه، ويكتحل".

روزہ دار کے لئے سعوط میں کوئی حرج نہیں ہے اور سعوط کے معنی ہیں وہ دوا جو ناک کے ذریعے چڑھائی جائے، تو کہتے ہیں کہ سعوط اگر حلق تک نہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سعوط اگر حلق تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہی ہوگیا لیکن اگر حلق تک نہ پہنچی تب بھی ایسی دوا اختیار کرنا جو ناک کے ذریعے چڑھائی جاتی ہے حالتِ صوم میں جائز نہیں، اس لئے کہ حلق تک پہنچ جانے کا بہت بڑا خطرہ ہے، اور استنشاق پر اس کو قیاس کرنا اس لئے درست نہیں کہ استنشاق سنتِ وضو ہے اور سعوط کوئی سنت نہیں، اور استنشاق میں پانی حلق تک پہنچنے کا اتنا خطرہ نہیں جتنا سعوط میں ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

"ویکتحل" سرمہ لگانے کی حد تک بھی بات ٹھیک ہے اور یہ حنفیہ بھی مانتے ہیں لیکن اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ آنکھ سے حلق تک ایک سوراخ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر آنکھ میں کوئی دوائی وغیرہ ڈالی جائے تو اس کا اثر حلق میں پہنچتا ہے، لہٰذا اس سے روزہ ٹوٹنا چاہئے، تو خوب سمجھ لیں کہ آنکھ کے اندر جو سوراخ

ہے وہ اتنا خفیف ہے جو حکم میں مسامات کے ہے اور مسامات کے ذریعے اگر کوئی چیز جسم میں داخل ہو تو وہ مفسدِ صوم نہیں ہوتی، ہاں جسم میں جو مخارقِ اصلیہ ہیں اور ان کا راستہ جوف تک ہے جیسے ناک مخارق اصلیہ میں سے ہے تو ان میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہوا کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ نہ ٹوٹنا چاہئے، جب کہ ہمارے ہاں سب فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اب تمام تشریحِ اعضاء کے لوگوں کا اتفاق ہے کہ کان سے حلق میں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے، لہٰذا مدار چونکہ آنکھ کان کے ذریعے حلق تک چیز کے پہنچنے پر ہے اور وہ تحقیق غلط ثابت ہوگئی تو اس لئے اب بہت سے علمائے عصر کا رجحان یہی ہے کہ اس سے روزہ نہ ٹوٹے گا، البتہ اگر کوئی احتیاط کرے تو بہتر ہے۔

"وقال عطاء: إن تمضمض ثم أفرغ ما فی فیه من الماءِ لایضره إن لم یَزْدَرِدْ ریقه، وما ذا بقی فی فیه"

کہ اگر کسی نے کلی کی پھر منہ میں جو کچھ پانی تھا وہ انڈیل دیا تو اب اگر اپنے تھوک یا تھوک کے ساتھ پانی کے ملے ہوئے اثرات ہوں جو باقی رہ گئے ہوں وہ اگر حلق میں لے جائے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوگا اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"ولا یمضغ العلک فإن إزْدَرَدَ ریق العلک لا أقول: إنه یفطر ولکن ینهی عنه، فإن استنثر فدخل الماءُ حلقه لا بأس لأنه لم یملک"

"علک" نہیں چبانا چاہئے، **"علک"** کے معنی ہیں گوند، اور یہ عورتیں زچگی وغیرہ کے عالم میں زیادہ استعمال کرتی ہیں تو اس کو نہیں چبانا چاہئے اور اگر علک کا لعاب نگل لیا تو **"لا اقول انه یفطر"** میں نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا **"ولکن ینهی عنه"** لیکن اس سے روکا جائے گا کہ یہ بری بات ہے نہیں کرنا چاہئے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر علک کے اثرات ریق کے اندر آگئے اور پھر ریق کو آدمی نگل لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ہاں اگر علک کو منہ سے نکال کر پھینک دیا اور کلی وغیرہ کر کے منہ صاف کر دیا، اس کے باوجود باقی اثرات رہ گئے جو تھوک کے ساتھ اندر چلے گئے تو وہ جائز ہے، اسی سے نسوار کا حکم معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں نسوار کا استعمال جائز نہیں اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس کے جو اثرات ہیں وہ ریق میں شامل ہو جاتے ہیں اور ریق اندر جاتا ہے، لہٰذا نسوار سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

(۲۹) باب : إذا جامع في رمضان،

کوئی شخص رمضان میں جماع کرلے

"ویذکر عن أبي هريرة رفعه: ((من أفطر يوماً من رمضان من غير علةٍ ولا مرض لم يقضه صيام الدهر وإن صامه)). وبه قال ابن مسعود. وقال سعيد بن المسيب، والشعبي، وسعيد بن جبير، وإبراهيم، وقتادة، وحمّاد: يقضي يوماً مكانه".

یہ حدیث یہاں پر یہ بیان کرنے کے لئے لائے ہیں کہ جماع کی صورت میں کفارہ آئے گا لیکن قضا نہیں ہوگی کیونکہ ساری عمر بھی اگر قضا روزے رکھتا ہے تو تلافی نہیں ہوگی، **"وبه قال ابن مسعود"** اور یہی بات ابن مسعود ﷺ نے بھی کہی ہے کہ ساری عمر بھی روزے رکھتا ہے تو بھی قضا ادا نہیں ہوتی۔

"وقال سعيد بن المسيب والشعبي وابن جبير و إبراهيم و قتادة و حمّاد ايقضي يوماً مكانه" ان حضرات نے بے شک یہ کہا ہے کہ ایک دن کی قضا کرلے، اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اختلاف کے طور پر ذکر کردیا ہے، ورنہ ان کا اپنا مسلک یہ ہے کہ قضا نہیں ہوگی۔

رمضان کے دن میں اگر کوئی جماع کرے تو بالا جماع اس پر کفارہ ہوگا۔ اعرابی کا مشہور واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے روایت کیا ہے، جماع کے ذریعے روزہ توڑنے پر کفارے کے وجوب پر تمام فقہاء کا اجماع ہے، اور اگر کسی اور ذریعہ سے روزہ توڑا یعنی کھا پی کر روزہ توڑا تو اس پر کفارے کے وجوب میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ واجب ہے اور قضاء بھی واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں صرف قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفارہ خلافِ قیاس مشروع ہوا ہے، لہٰذا اپنے مورد پر منحصر رہے گا اور مورد وہی اعرابی کا واقعہ ہے جس میں ہے کہ اس کا روزہ جماع سے ٹوٹا تھا، لہٰذا کفارہ اور صورتوں کی طرف متجاوز نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تنقیح المناط کے لحاظ سے کفارہ کا حکم جماع کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ روزہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے ہے اور روزہ کا ٹوٹ جانا جس طرح جماع میں ہے اسی طرح اکل وشرب میں بھی ہے، لہٰذا بطور تنقیح المناط کے یا بطورِ دلالۃ النص کے نہ کہ بطورِ قیاس، اس کا وہی حکم ہوگا جو جماع کا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ غیر معقول الامر میں قیاس نہیں کرسکتے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ ہم قیاس نہیں کررہے، بلکہ دلالۃ النص اور تنقیح المناط پر عمل کررہے ہیں اور اس کی تائید

دارِ قطنی کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں فرمایا **"من أفطر يوما من رمضان من غير مرض ولا رخصة لم يقض عنه صيام الدهر كله"** تو اس میں کفارے کے وجوب کو **"من أفطر"** کے ساتھ معلق کیا گیا، پھر افطار چاہے جماع سے ہو یا اکل وشرب سے، ہر صورت میں کفارہ آئے گا۔ یہ حدیث صاحب ہدایہ نے بھی بار بار نقل کی ہے، یہ دارِ قطنی کی حدیث ہے جو سند کے اعتبار سے ذرا متکلم فیہ ہے لیکن بخاری کی بعض روایتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔[۴۳]

یہ تو اختلاف ہے کہ ایک طرف حنفیہ اور مالکیہ ہیں اور دوسری طرف شافعیہ اور حنابلہ، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب میں کیا مذہب ہے؟ آیا جماع کے علاوہ میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

ان کا مذہب سمجھنے میں شراح کو بڑا خلط واقع ہوا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں بظاہر دیکھنے میں تعارض سا نظر آتا ہے، اوپر جو **"قال أبو جعفر"** آیا ہے اس میں اور یہاں بڑا تضاد سا لگتا ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب طے کرنے میں شراح کو بڑا اخلجان ہوا، لیکن تفصیلات میں جائے بغیر بہت ادھیڑ بن کے بعد جو صحیح بات ہے وہ یہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بھی طرح روزہ توڑ دے تو قضا اس کے اوپر کبھی آتی ہی نہیں اور روزے کی قضا ہے ہی نہیں، البتہ اگر جماع سے روزہ توڑا تو صرف کفارہ آئے گا، قضا نہیں ہوگی اور اگر اکل وشرب سے روزہ توڑا تو نہ قضاء ہے اور نہ کفارہ۔ خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک قضا کسی صورت میں بھی نہیں اور قضاء کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے جس میں ہے کہ **"من افطر يوماً من رمضان مرضٍ ولا رخصة لم يقض عنه صيام الدهر كله"** کہ اگر کوئی شخص ایک دن بغیر کسی عذر کے روزہ توڑ دے اور پھر ساری عمر بھی روزہ رکھتا ہے تو قضا نہیں ہوگا، کیونکہ قضا ہو ہی نہیں سکتی اور یہ خطرناک بات ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے چھٹی کر دی لیکن یہ تو زیادہ سنگین بات ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب روزہ کی تلافی کا کوئی راستہ ہے ہی نہیں، اور کفارہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جماع کے بارے میں کفارہ نص سے ثابت ہے اور یہ روزہ کی تلافی نہیں بلکہ تعزیر ہے، یہ اس کی سزا ہے کہ تو نے روزہ کیوں توڑا؟ اور اس کی تلافی چونکہ ہو ہی نہیں سکتی اس لئے اس کی قضا بھی نہیں ہے اور تعزیر چونکہ امر غیر معقول ہے، لہٰذا وہ صرف مورِدِ نص یعنی جماع پر منحصر رہے گی، اکل وشرب میں

---

[۴۳] من أفطر يوما من رمضان مرض و لا رخصة لم يقض عنه صيام الدهر كله، سنن الدار قطني، ج: ۲، ص: ۲۱۱، دار المعرفة، بيروت، ۱۳۸٦هـ.

چونکہ کوئی نص نہیں آئی اس لئے اس میں کفارہ بھی نہیں، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

اب ذرا اوپر والی بات ملاحظہ فرمائیں کہ **"قال أبو جعفر سالت أبا عبدالله "** ابوجعفر جوفر بری کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ میں نے امام سے پوچھا، **"اذا أفطر يكفر"** کہ اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے کھاپی کر تو کیا وہ مجامع کی طرح کفارہ دے گا؟ **"قال: لا "** امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہیں دے گا، کیا وہ حدیث تم نے نہیں دیکھی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ قضاء نہیں ہوتی اگر چہ ساری عمر روزہ رکھتا رہے تو قضاء تو اس وجہ سے نہیں اور کفارہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ تعزیر ہے اور اکل وشرب میں کفارہ پر کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔

۱۹۳۵ ۔ حدثنا عبدالله بن منير : سمع يزيد بن هارون : حدثنا يحيى : أن عبدالرحمٰن بن القاسم أخبره عن محمد بن جعفر بن الزبير بن العوام بن خويلد، عن عباد بن عبدالله بن الزبير أخبره : أنه سمع عائشة رضى الله عنها تقول : إن رجلاً أتى النبى ﷺ فقال : إنه احترق . قال : ((ما لک؟)) قال : أصبت أهلى فى رمضان ، فأتى النبى ﷺ بمكتل يدعى العرق ، فقال : ((أين المحترق؟)) قال : أنا ، قال: ((تصدّق بهذا)) . [أنظر: ۶۸۲۲]. ۴۴

ترجمہ: ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جل گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں اپنی بیوی کے پاس رمضان میں چلا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تھیلا کھجور کا آیا جیسے عرق کہا جاتا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہاں ہے جلنے والا؟ اس شخص نے کہا میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو خیرات کر دے۔

(۳۰) باب : اذا جامع فى رمضان ولم يكن له شیء فتصدق عليه فليكفر

جب کوئی شخص رمضان میں جماع کرلے اور اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو پھر اس کے پاس صدقہ آئے وہی کفارہ دیدے

۱۹۳۶ ۔ حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب ، عن الزهرى قال : أخبرنى حميد بن عبدالرحمٰن أن أبا هريرة ﷺ قال : بينما نحن جلوس عند النبى ﷺ اذ جاءه رجل فقال: يارسول الله ، هلكت . قال : ((مالک ؟)) قال : وقعت على امرأتى وأنا صائم. فقال

۴۴ وفى صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب تغليظ تحريم الجماع فى نهار رمضان على الصائم ، رقم :۱۸۷۳، وسنن أبى داؤد ، كتاب الصوم ، باب كفارة من أتى أهله فى رمضان ، رقم :۲۰۴۴، ومسند أحمد ، باقى مسند الأنصار ، باب باقى المسند السابق ، رقم : ۲۳۹۴۰، وسنن الدارمى ، كتاب الصوم ،باب فى الذى يقع على امرأته فى شهر رمضان نهاراً ، رقم : ۱۶۵۵ .

رسول اللہ ﷺ : ((هل تجد رقبة تعتقها ؟)) قال : لا ، قال : ((فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين ؟)) قال : لا. قال : ((فهل تجد اطعام ستين مسكينا ؟)) قال : لا. قال : فمكث عند النبي ﷺ . فبينا نحن على ذلك أتى النبي ﷺ بعرق فيها تمر ۔ و العرق : المكتل ۔ قال : ((أين السائل ؟)) فقال : أنا ، قال : ((خذ هذا فتصدق به)) . فقال : الرجل : على أفقر مني يا رسول الله ؟ فوالله مابين لابيتها ۔ يريد الحرتين ۔ أهل بيت أفقر من أهل بيتي . فضحك النبي ﷺ حتى بدت أنيابه ، ثم قال : ((أطعمه أهلك)) .

[أنظر : ۱۹۳۷ ، ۲۶۰۰ ، ۵۳۶۸ ، ۶۰۸۷ ، ۶۱۶۴ ، ۶۷۰۹ ، ۶۷۱۰ ، ۶۷۱۱ ، ۶۸۲۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو ہلاک ہوگیا آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ میں نے اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی غلام ہے جسے تم آزاد کرسکو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر ٹھہرے ہم اسی حال میں تھے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تھیلا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں اور عرق سے مراد مکتل ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے لے جا اور خیرات کردے۔ اس شخص نے پوچھا کیا اس کو دوں جو مجھ سے زیادہ محتاج ہے یا رسول اللہ ﷺ، مدینہ کے دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیان کوئی گھر والا ایسا نہیں جو میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج ہو، نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے اگلے دانت کھل گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا جا اپنے گھر والوں کو کھلا۔

(۳۱) باب المجامع في رمضان، هل يطعم أهله من الكفارة إذا كانوا محاويج؟

کیا رمضان میں قصداً جماع کرنے والا اپنے گھر والوں کو کفارہ کا کھانا کھلا سکتا ہے جب کہ وہ سب سے زیادہ محتاج ہو

۱۹۳۷ ۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة: حدثنا جرير، عن منصور، عن الزهري، عن حميد بن عبدالرحمٰن، عن أبي هريرة ﷺ : جاءَ رجل إلى النبي ﷺ فقال: إن الآخر وقع على امرأته في رمضان، فقال: ((أتجد ما تحرر رقبة؟)) قال: لا، قال: ((أفتستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟)) قال : لا، قال : ((أفتجد ماتطعم به ستين مسكينا؟))قال : لا. قال: فأتى النبي ﷺ بعرق فيه تمر، وهوالزبيل، قال:((أطعم هذا عنک)). قال: على أحوج

منا؟ ما بین لا بیتها أهل بیت أحوج منا. قال: ((فأطعمه أهلک)). [راجع : ۱۹۳۶].

یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ جب کفارہ دے رہا ہے تو کیا اپنے گھر والوں کو کفارے میں سے کھلا سکتا ہے جب کہ وہ محتاج ہوں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ کفارہ میں سے اپنے گھر والوں کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن یہ مذہب جمہور کا نہیں ہے، اس واسطے کہ جس طرح زکوٰۃ شوہر بیوی کو نہیں دے سکتا، بیوی شوہر کو نہیں دے سکتی، باپ بیٹے کو نہیں دے سکتا، بیٹا باپ کو نہیں دے سکتا، اس لئے کہ وہ گویا اپنے ہی کو کھلانا ہوا تو اس واسطے کفارہ بھی اپنی زوجہ یا اولاد کو نہیں دے سکتا۔

اب یہ جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاکر اپنے گھر والوں کو کھلا دو تو اس کا معنی یہ نہیں کہ اس سے تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انسان کے ذمہ پہلا فریضہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کو کھلائے، باقی بچے تو کفارہ ادا کرے، تو اس وقت چونکہ تمہارے گھر میں کھانے کو کچھ ہے ہی نہیں، تو اس واسطے جاکر پہلے بچوں کو کھلا دو اور پھر جب کبھی استطاعت ہو تو بعد میں کفارہ ادا کر دینا۔

(۳۲) باب الحجامة والقیءِ للصّائم

روزہ دار کے پچھنے لگوانے اور قے کرنے کا بیان

"وقال لی یحیی بن صالح : حدثنا معاویة بن سلام: حدثنا یحیی، عن عمر بن الحکم بن ثوبان: سمع أبا هریرة ﷺ: إذا قاءَ فلا یفطر، إنما یخرج ولا یولج. ویذکر عن أبی هریرة أنه یفطر والأول أصح. وقال ابن عباس وعکرمة: الصوم مما دخل ولیس مما خرج . وکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما یحتجم وهو صائم، ثم ترکه، فکان یحتجم باللیل. واحتجم أبو موسیٰ لیلاً. ویذکر عن سعد وزید بن أرقم وأم سلمة أنهم احتجموا صیاما. وقال بکیر، عن أم علقمة: کنّا نحتجم عند عائشة فلا ننحی. ویروی عن الحسن عن غیر واحد مرفوعاً : ((أفطر الحاجم والمحجوم)). وقال لی عیاش: حدثنا عبدالأعلی: حدثنا یونس، عن الحسن مثله. قیل له: عن النبی ﷺ؟ قال: نعم. ثم قال: اللہ أعلم".

۱۹۳۸ ـ حدثنا معلی بن أسد : حدثنا وهیب، عن أیوب، عن عکرمة، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما : أن النبی ﷺ احتجم وهو محرم واحتجم وهو صائم. [راجع : ۱۸۳۵]

"وقال لی یحیی بن صالح : حدثنا معاویة بن سلام: حدثنا یحیی، عن عمر بن

الحکم بن ثوبان: سمع أبا هريرة ﷺ: إذا قاء فلا يفطر، إنما يخرج ولا يولج".

اس ترجمۃ الباب میں پہلے حجامت اور پھر قے کا ذکر کیا ہے کہ ان کا روزے کی حالت میں کیا حکم ہے؟ تو یحیی بن صالح حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ **"إذا قاء فلا يُفطر"** اگر کسی کو قے آجائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، چنانچہ جمہور بلکہ تقریباً سب کا مذہب یہی ہے۔

"ويُذكر عن أبي هريرة أنه يفطر و الأول أصح"

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا پہلا مذہب زیادہ صحیح ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"وقال ابن عباس وعكرمة: الصوم مما دخل وليس مما خرج"

کہ چیز کے داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے، خارج ہونے سے نہیں ٹوٹتا، یہاں تک قے کا مسئلہ ہوگیا، آگے حجامت کی بات ہے۔

"كان ابن عمر يحتجم وهو صائم"

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ روزہ کی حالت میں حجامت کیا کرتے تھے، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ، ان تینوں حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حجامت سے روزہ نہیں ٹوٹتا، نہ حجامت کرنے والے کا اور نہ کرانے والے کا، الّا یہ کہ غلطی سے حلق میں خون کا کوئی قطرہ چلا جائے تو حنفیہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حجامت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے یہاں روایت کی ہے کہ **"أن النبي ﷺ احتجم وهو محرم واحتجم وهو صائم"** آپ نے حالتِ احرام میں حجامت کی اور حالتِ صوم میں بھی حجامت فرمائی، تو معلوم ہوا کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

نیز سنن ترمذی میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ **"ثلاث لا يفطرن الصائم الحجامة والقيء والاحتلام"** تو یہ قولی حدیث بھی موجود ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں تعلیقاً نقل فرمائی ہے کہ **"أفطر الحاجم والمحجوم"** حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔

جمہور کی طرف سے اس حدیث کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں، سب سے بہتر جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت نبی کریم ﷺ نے دو مخصوص آدمیوں کے لئے یہ ارشاد فرمایا تھا اور اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ گذر رہے تھے تو ایک آدمی دوسرے کی حجامت کر رہا تھا، حجامت

بھی ہورہی ہے اور ساتھ ساتھ کسی کی غیبت بھی ہورہی ہے تو آپ ﷺ نے اس حاجم اور محجوم کے بارے میں فرمایا تھا کہ **"افطر الحاجم والمحجوم"** اور روزہ ٹوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کا ثواب ان کو نہ ملا، کیونکہ یہ لوگ روزہ کی حالت میں غیبت کررہے ہیں اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر روایت بھی پیش کی ہے کہ یہ لوگ غیبت کررہے تھے جن کے بارے میں آپ ﷺ نے **"افطر الحاجم والمحجوم"** فرمایا تھا۔

"وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما يحتجم وهو صائم، ثم تركه"

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بعد میں چھوڑ دیا تھا اور پھر رات کے وقت میں حجامت کیا کرتے تھے، ہوسکتا ہے کہ آپ احتیاط پر عمل کرتے ہوں تاکہ جھگڑا ہی نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اب تو حاجم اور محجوم کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ احتیاط یہ ہے کہ رات میں کریں۔

"واحتجم ابو موسىٰ ليلاً" ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے بھی رات کو حجامت کی۔

"ويذكر ان سعيد و زيد بن ارقم وأمّ سلمة احتجموا صياماً"

ان حضرات سے منقول ہے کہ انہوں نے حالتِ صوم میں حجامت کروائی۔

"وقال بكير عن أمّ علقمة كنا نحتجم عند عائشة فلا ننهى"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حجامت ہوتی تھی تو وہ ہمیں نہیں روکتی تھیں۔

"و يُروىٰ عن الحسن عن غير واحد: مرفوعاً افطر الحاجم و المحجوم، وقال لي عياش: حدثنا عبدالأعلى: حدثنا يونس عن الحسن مثله، قيل له عن النبى ﷺ؟ قال نعم".

شروع میں انہوں نے پوچھا کہ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ **"افطر الحاجم والمحجوم"** تو یہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرکے کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں! حضور ﷺ سے روایت کررہا ہوں، **"ثم قال: الله أعلم"** بعد میں اللہ اعلم کہہ دیا، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے مرفوع ہونے میں تھوڑا سا تردد ہے، تو اس وجہ سے بھی یہ روایت قابل استدلال نہ ہوئی۔

"افطر الحاجم والمحجوم" کا بعض لوگوں نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ **"افطر الحاجم والمحجوم"** کا معنی ہے **"كاد أن يفطر"** کہ اگر ان کو کمزوری لاحق ہوگئی تو اندیشہ ہے کہ پھر وہ روزہ توڑنے پر مجبور نہ ہوں۔

۱۹۳۹۔ حدثنا أبو معمر: حدثنا عبدالوارث: حدثنا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: احتجم النبى ﷺ و هو صائم. [راجع: ۱۸۳۵]

۱۹۴۰۔ حدثنا آدم بن أبى أياس: حدثنا شعبة قال: سمعت ثابتا البنانى قال: سئل أنس بن مالك ﷺ: أكنتم تكرهون الحجامة للصائم؟ قال: لا، الّا من أجل

الضعف. وزاد شبابة : حدثنا شعبة : على عهد النبی ﷺ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے یہ بات پوچھتے ہوئے سنا کہ کیا آپ لوگ روزہ دار کے لئے پچھنے لگوانے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، مگر کمزوری کے سبب سے اس کو برا سمجھتے تھے۔

(۳۳) باب الصوم فی السفر والافطار

سفر میں روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے کئی ابواب سفر کے اندر روزہ رکھنے کے بارے میں قائم فرمائے ہیں، اس میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں، لیکن روزہ رکھنا افضل ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ تینوں کا مسلک یہی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔

ایک روایت جو ان کے ہاں مفتی بہ اور معتمد ہے وہ یہ ہے کہ سفر کے اندر افطار کرنا افضل ہے، اور ابن حزم کے نزدیک سفر میں افطار کرنا واجب ہے۔ یہ دونوں حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو آگے آرہی ہے کہ **"لیس من البر الصیام فی السفر"** یعنی سفر کے اندر روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

جمہور کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے جس میں سفر کی حالت **"فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ"** کے بعد فرمایا کہ **"وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ"** تو اس سے پتہ چلا کہ سفر کے اندر بھی روزہ رکھنا افضل ہے، اور آگے جو حدیثیں آرہی ہیں ان میں حضور اکرم ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا ثابت ہے اور اس وقت امام بخاری رحمہ اللہ یہاں جو حدیث لا رہے ہیں تو اس میں بھی آپ سفر کے اندر روزہ کی حالت میں تھے، اگر روزہ نہ رکھنا افضل یا واجب ہوتا تو آپ افطار فرماتے۔

"لیس من البر الصیام فی السفر" والی حدیث کے بارے میں خود آگے حدیث میں وضاحت آرہی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اس صورت میں ارشاد فرمایا تھا جب کہ ایک صاحب سفر کے اندر شدید مشقت لاحق ہونے کی وجہ سے بالکل دم بلب ہوگئے تھے، چنانچہ آگے حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سفر کے اندر ایک ہجوم دیکھا، اور اس میں لوگوں نے کسی شخص کے اوپر سایہ کیا ہوا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے سفر میں روزہ رکھا تھا اور اب اس حالت تک پہنچ گئے ہیں۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"لیس من البر الصیام فی السفر"**۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جب سفر کی حالت میں شدید مشقت کا اندیشہ ہو تو اس وقت روزہ رکھنا افضل نہیں ہے لیکن عام حالات میں جب غیر معمولی مشقت کا اندیشہ نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔[۴۵]

۴۵ اس پر حاشیہ ۴۹ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۴۱ ـ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا سفيان ، عن أبي إسحاق الشيباني: سمع ابن أبي أوفى رضي الله عنهما قال : كنّا مع رسول الله ﷺ في سفر فقال لرجل: ((انزل فاجدح لي))، قال : يا رسول الله ! الشّمس ، قال : ((أنزل فاجدح لي)) ، قال : يا رسول الله ! الشّمش ، قال : ((انزل فاجدح لي)) ، فنزل فجدح له فشرب ثم رمى بيده هٰهنا ، ثم قال : ((إذا رأيتم الليل أقبل من هاهنا فقد أفطر الصائم)).

تابعه جرير و أبو بكر بن عياش ، عن الشيباني ، عن ابن أبي أوفى ، قال : كنت مع النبي ﷺ في سفر .[أنظر : ۱۹۵۵ ، ۱۹۵۶ ، ۱۹۵۸ ، ۵۲۹۷] [۴۶]

سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے

اس حدیث سے آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل مستنبط کئے ہیں، حضرت عبداللہ بن اوفی ؓ فرماتے ہیں کہ **"كنّا مع رسول الله ﷺ في سفر"** ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے **"فقال لرجل أنزل فاجدح لي"** تو آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ اتر جاؤ اور میرے لئے ستو تیار کرو۔ **"جدَح ۔ يجدَحُ ۔ جدَحاً"** یہ سویق کے لئے آتا ہے، عام طور پر **"جدح السويق"** کے معنی ہیں اس کو پانی میں ملا کر ستو کا شربت تیار کرنا، تو میرے لئے ستو تیار کرو، تو انہوں نے کہا **"يا رسول الله الشمس"** کہ یا رسول اللہ ابھی تو دھوپ موجود ہے، آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ **"أنزل فاجدح لي"** انہوں نے پھر کہا کہ **"يا رسول الله الشمش"** پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ **"أنزل فاجدح لي"** ۔ **"فجدح له"** تو انہوں نے حضور ﷺ کے لئے ستو تیار کیا، **"فشرب"** تو آپ ﷺ نے وہ پی کر روزہ افطار فرمایا، **"ثم رمى بيده ههنا"** پھر اپنا ہاتھ مشرق کی طرف کرتے ہوئے فرمایا **"اذا رأيتم الليل أقبل من ههنا فقد افطر الصائم"** کہ جب رات کو تم دیکھو کہ مشرق کی طرف سے آرہی ہے تو بس روزہ افطار کا وقت ہو جاتا ہے۔

صورتِ حال یہ تھی کہ جس وقت آپ ﷺ نے ان صاحب سے فرمایا تھا کہ اتر کر ستو تیار کرو، اس وقت اگرچہ سورج غروب ہو چکا تھا لیکن روشنی ابھی باقی تھی، اسی لئے وہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ ابھی روزہ افطار کرنے کا وقت نہیں ہوا تو انہوں نے کہا کہ **"الشمس"** یعنی اس روشنی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ابھی دھوپ باقی ہے، لیکن حقیقت میں چونکہ سورج غروب ہو چکا تھا اگرچہ اجالا تھا، انہوں نے سمجھا کہ جبتک روشنی ہے، رات کا اطلاق نہیں ہوگا، اور قرآن کریم میں **"أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ"** آیا ہے، چنانچہ آگے اسی واقعے کی دوسری روایت میں حضرت

---

[۴۶] وفي صحيح مسلم ،كتاب الصيام ، باب بيان وقت انقضاء الصوم وخروج النهار ، رقم : ۱۸۴۲ ، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم ، باب وقت فطر الصائم ، رقم : ۲۰۰۵ ، ومسند أحمد ، أول مسند الكوفيين ، باب حديث عبدالله بن ابي أوفى ، رقم : ۱۸۵۸۳ ، ۱۸۵۹۸ .

عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کا یہ قول مروی ہے کہ "**ان علیک نهارا**" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سورج غروب ہونے کے بعد بھی روشنی کی وجہ سے دن سمجھ رہے تھے۔تو آپ نے فرمایا کہ وقت ہوگیا ہے، اسی لئے یہ بھی فرمایا کہ جب مشرق کی طرف سے دیکھو کہ رات آرہی ہے تو چاہے مغرب کی طرف ابھی روشنی ہو، اس لئے کہ سورج غروب ہونے کے بعد کچھ دیر تک مغرب کی طرف روشنی رہتی ہے تو وہ روشنی اگرچہ ہو پھر بھی افطار کا وقت ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ سفر میں روزہ سے تھے اور سورج غروب ہونے کے بعد آپ نے روزہ کھولا، تو معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے، خلاف اولیٰ یا ناجائز نہیں۔

۱۹۴۲ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا یحیی ، عن هشام قال : حدثنی أبی ، عن عائشة : ان حمزة بن عمر الأسلمی قال : یارسول اللہ انی أسرد الصوم . [أنظر : ۱۹۴۳]

"یارسول اللہ انی أسردُ الصوم".

اے اللہ کے رسول! میں متواتر روزے رکھتا ہوں۔

۱۹۴۳ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن هشام بن عروة ، عن أبیه ، عن عائشة رضی اللہ عنها زوج النبی ﷺ ان حمزة بن عمر الأسلمی قال للنبی ﷺ : أصوم فی السفر ؟ وکان کثیر الصیام ، فقال : ((ان شئت فصم ، وان شئت فأفطر)) . [راجع : ۱۹۴۲]

ترجمہ: حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں سفر میں روزے رکھتا ہوں اور وہ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو افطار کرلے۔

(۳۴) باب : إذا صام أیّاماً من رمضان ثم سافر

رمضان کے چند روزے رکھ کر سفر کرنے کا بیان

۱۹۴۴ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن ابن شهاب ، عن عبید اللہ ابن عبداللہ بن عتبة، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: أن رسول اللہ ﷺ خرج إلی مکة فی رمضان فصام حتی بلغ الکدید أفطر فأفطر الناس.

قال أبو عبداللہ : والکدید ماءٌ بین عسفان وقُدید. [أنظر : ۱۹۴۸، ۲۹۵۳،

۴۲۷۵، ۴۲۷۶، ۴۲۷۷، ۴۲۷۸، ۴۲۷۹ [۴۷.

اس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے اور بظاہر یہ فتح مکہ کا سفر ہے، کیونکہ فتح مکہ کا سفر رمضان میں ہوا تھا، تو آپ ﷺ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ کدید کے مقام پر پہنچ کر روزہ افطار فرمایا اور پھر دوسرے لوگوں نے بھی افطار کیا۔ **کدید** بفتح الکاف وکسر الدال ہے۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص رمضان کی ابتدا میں مسافر ہونے کے باوجود روزے رکھتا رہا ہو تب بھی اس کے لئے جائز ہے کہ سفر کی حالت میں جب چاہے روزہ رکھنا چھوڑ دے۔ یہ باب اس لئے قائم کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ **"من استهل عليه رمضان في الحضر ثم سافر بعد ذلك فليس له أن يفطر"** کہ اگر کسی نے رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد سفر شروع کیا تو اب اس کو افطار کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ روزہ ہی رکھے گا۔ ۴۸

تو امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، قابل عمل نہیں اور اس باب کی حدیث بتا رہی ہے کہ اگرچہ رمضان حالتِ حضر میں شروع ہوا تھا اور آپ نے شروع میں روزے رکھے تھے اس کے باوجود آپ نے کدید پہنچ کر افطار کیا تو معلوم ہوا کہ اثنائے رمضان میں بھی سفر ہو تو روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

(۳۵) باب

۱۹۴۵ـ حدثنا عبدالله بن يوسف: حدثنا يحيى بن حمزة، عن عبدالرحمٰن بن يزيد بن جابر: أن إسماعيل بن عبيد الله: حدثه عن أمّ الدرداء، عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ في بعض أسفاره في يوم حار حتى يضع الرجل يده على رأسه من شدة الحر وما فينا صائم إلا ما كان من النبي ﷺ وابن رواحة. ۴۹، ۵۰

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، سخت گرمی کا موسم تھا یہاں

---

۴۷ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر في غير، رقم: ۱۸۷۵، وسنن النسائي، كتاب الصيام، باب الرخصة للمسافر أن يصوم بعضاً ويفطر بعضاً، رقم: ۲۲۷۴، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب الصوم في السفر، رقم: ۲۰۵۲، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب بداية عبد الله بن العباس، رقم: ۱۷۹۴، ۱۹۵۳، ۲۰۷۶، ۲۲۳۳، ۲۲۴۵، ۲۵۲۰، ۲۷۳۳، ۲۸۳۹، ۲۹۲۶، ۳۰۱۰، ۳۰۸۸، ۳۱۰۹، وموطأ مالك، كتاب الصيام، باب ماجاء في الصيام في السفر، رقم: ۵۷۶، وسنن الدارمي، كتاب الصوم، باب الصوم في السفر، رقم: ۱۶۴۶.

۴۸ فتح الباري، ج: ۴، ص: ۱۸۰. ۴۹ لايوجد للحديث مكررات. ۵۰ حاشیہ اگلے صفحہ پر

تک کہ آدمی شدت حر کی وجہ سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھتا تھا، نبی کریم ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہم میں سے کوئی بھی روزہ دار نہیں تھا۔

یہ سفر کون سا تھا؟ اس کی تعیین مشکل ہے، لیکن اس میں تمام صحابہ کا افطار کرنا اور حضور اکرم ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا روزہ رکھنا ثابت ہے، تو معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

(۳۶) باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیه واشتد الحر :

((لیس من البر الصیام فی السفر))

نبی کریم ﷺ کا اس شخص سے جس پر گرمی کی زیادتی کے سبب سے سایہ کیا گیا تھا یہ فرمانا کہ سفر میں روزہ رکھنا بہتر نہیں

۱۹۴۶ ۔ حدثنا آدم : حدثنا شعبة : حدثنا محمد بن عبدالرحمٰن الأنصاری قال : سمعت محمد بن عمرو بن الحسن بن علی عن جابر بن عبداللّٰه رضی الله عنه قال : کان رسول اللّٰه ﷺ فی سفر فرأی زحاما و رجلا قد ظلل علیه فقال : ((ماهذا ؟)) فقالوا : صائم فقال : ((لیس من البر الصوم فی السفر)).

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے آپ ﷺ نے لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا، جس پر سایہ کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا روزہ دار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھی بات نہیں ہے۔

(۳۷) باب: لم یعب أصحاب النبی ﷺ بعضهم بعضاً فی الصوم والإفطار

نبی کریم ﷺ کے اصحاب ایک دوسرے کو روزہ رکھنے اور افطار کرنے پر عیب نہیں لگاتے تھے

۱۹۴۷ ۔ حدثنا عبداللّٰه بن مسلمة ، عن مالک ، عن حمید الطّویل ، عن أنس بن مالک قال : کنا نسافر مع النبی ﷺ فلم یعب الصائم علی المفطر و لا المفطر علی الصائم.[۵۱]

[۵۰] وفی صحیح مسلم ، کتاب الصیام ، باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر ، رقم : ۱۸۹۲ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصوم ، باب من اختار الصیام ، رقم : ۲۰۵۷ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الصیام ، باب ماجاء فی الصوم فی السفر ، رقم: ۱۶۵۳ ، ومسند أحمد ، مسند الأنصار ، باب باقی حدیث أبی الدرداء ، رقم : ۲۰۷۰۷ ، ومن مسند القبائل ، باب من حدیث أبی الدرداء عویمر ، رقم : ۲۶۲۳۲ .

[۵۱] وفی صحیح مسلم ، کتاب الصیام ، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر فی غیر معصیة الخ ، رقم : ۱۸۸۴ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصوم ، باب الصوم فی السفر ، رقم : ۲۰۵۳ ، وموطأ مالک ، کتاب الصیام ، باب ماجاء فی الصیام فی السفر ، رقم : ۵۷۸ .

یعنی سب روزہ رکھتے تھے تو نہ روزہ رکھنے والوں پر کوئی ملامت کی جاتی تھی اور نہ افطار کرنے والوں پر۔

(۳۸) باب من أفطر فی السّفر لیراه الناس

اس شخص کا بیان جس نے سفر میں افطار کیا تا کہ لوگوں کو دکھائے

۱۹۴۸ ـ حدثنا موسی بن إسماعیل: حدثنا أبو عوانة، عن منصور، عن مجاهد، عن طاؤس، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: خرج رسول اللہ من المدینة إلی مکة فصام حتی بلغ عسفان، ثم دعا بماءٍ فرفعه إلی یده لیراه الناس فأفطر حتی قدم مکة، وذلک فی رمضان.

وکان ابن عباس یقول: قد صام رسول اللہ ﷺ وأفطر فمن شاءَ صام ومن شاءَ أفطر. [راجع: ۱۹۴۴].

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ جب آپ ﷺ عسفان پہنچے تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے ہاتھ کی طرف اٹھایا تا کہ لوگوں کو دکھا دیں پھر آپ ﷺ نے خود افطار فرمایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور یہ رمضان کی بات تھی۔

یہاں بھی آپ ﷺ نے سفر کی حالت میں روزہ رکھ لیا تھا اور پھر عسفان کے مقام پر پہنچ کر دن کے وقت میں افطار فرمایا۔

اس سے امام شافعیؒ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ اگر حالتِ سفر میں کسی شخص نے روزہ رکھ لیا ہو تو وہ جب چاہے اس روزے کو ختم کر کے افطار کر سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جب شروع کر دیا تو اب افطار کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ بہت سخت مشقت کا اندیشہ نہ ہو اور یہاں حضور ﷺ نے جو پانی منگا کر پیا اور افطار فرمایا تو وہ یہی صورت تھی کہ شدید مشقت کا اندیشہ تھا۔

سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی وغیرہ کی روایتوں میں اس کی تصریح آئی ہے کہ **"بلغ بالناس الجهد"** کہ لوگوں کو بہت مشقت پیش آ گئی تھی اور مشقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اسی روایت میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی منگا کر پیا، اب آدمی جب صبح سے عصر تک روزہ رکھ چکا ہو تو عصر کے بعد دو ڈھائی گھنٹے کی بات ہے تو اس میں افطار کرنا اسی وقت ممکن ہے جب بہت ہی مشقت کی حالت ہو گئی ہو، تو اس واسطے حنفیہ نے اس کو مشقتِ شدیدہ پر محمول کیا ہے اور حنفیہ کی دلیل وہی ہے کہ

"لاتبطلوا أعمالكم" کہ جو عمل تم نے شروع کر دیا اس کو باطل نہ کرو۔ ۵۲

(۳۹) باب: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ [البقرة: ۱۸۴]

ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے

قال ابن عمر وسلمة بن الأكوع: نسختها: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ﴾ إلى قوله ﴿عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

وقال ابن نمير: حدثنا الأعمش: حدثنا عمرو بن مرة: حدثنا ابن أبي ليلى: حدثنا أصحاب محمد ﷺ: نزل رمضان فشق عليهم فكان من أطعم كل يوم مسكينا ترك الصوم ممن يطيقه، ورخص لهم في ذلك فنسختها: ﴿وأَنْ تَصُومُوا خَيرٌ لَّكُمْ﴾ فأمروا بالصوم.

۱۹۴۹۔ حدثنا [عياش]: حدثنا عبدالأعلى: حدثنا عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: قرأ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ﴾ قال: هي منسوخة. [أنظر: ۴۵۰۶] ۵۳

ترجمہ: ہم سے اصحاب محمد ﷺ نے بیان کیا کہ رمضان کا حکم نازل ہوا تو ان پر دشوار گزرا۔ چنانچہ جو لوگ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے تھے اور روزہ کی طاقت رکھتے تھے انہوں نے روزہ چھوڑ دیا اور انہیں اس کی اجازت بھی دی گئی تھی۔ پھر آیت ﴿وأَنْ تَصُومُوا خَيرٌ لَّكُمْ﴾ نے اس کو منسوخ کر دیا اور ان لوگوں کو روزے کا حکم دیا گیا۔

﴿يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جو نور الانوار وغیرہ میں مذکور ہے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ قول اختیار فرمایا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ تھے کہ جن کو روزہ رکھنے کی طاقت ہو ان کے لئے بھی جائز ہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے دیں، یعنی ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ رمضان کے روزوں میں اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دینا

---

۵۲ وذهب اكثر العلماء ومنهم مالك والشافعي وأبوحنيفة الى ان الصوم افضل لمن قوى عليه ولم يشق عليه، وقال كثير منهم الفطر افضل عملا بالرخصة وهو قول الاوزاعي واحمد واسحاق، وقال آخرون هو مخير مطلقا، وقال آخرون افضلهما أيسر هما لقوله تعالىٰ (يريد الله بكم اليسر) فان كان الفطر أيسر عليه فهو أفضل في حقه وإن كان الصيام أيسر كمن يسهل عليه حينئذ ويشق عليه قضاؤه بعد ذلك فالصوم في حقه أفضل وهو قول عمر بن عبد العزيز واختاره ابن المنذر، والذى يترجح قول الجمهور، ولكن قد يكون الفطر أفضل لمن اشتد عليه الصوم وتضرر به، فتح الباری، ج:۴، ص: ۱۸۳، وعون المعبود، ج: ۷، ص: ۲۹، دارالكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۵ هـ، والمبسوط للسرخسي، ج: ۳، ص: ۹۲، وحاشية ابن عابدين، ج: ۲، ص: ۴۲۳.

۵۳ أنفرد به البخاري.

چاہے باوجودیکہ اس کے روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو ایسا کرنا جائز تھا، بعد میں یہ حکم آ گیا کہ "**فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ**" تو اس کے بعد روزہ رکھنا فرض ہو گیا اور جس کو روزہ رکھنے کی طاقت ہو اس کے لئے فدیہ کی ادائیگی جائز نہ رہی، یہی قول امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اختیار کیا ہے اور اسی کی روایت میں تائید ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ "**حدثنا ابن أبي ليلى: حدثنا أصحاب محمد ﷺ: نزل رمضان فشق عليهم فكان من أطعم كل يوم مسكينا ترك الصوم ممن يطيقه، ورخص لهم في ذلك**" اس کی رخصت ان کو دی گئی ہے، **فنسختها: ﴿وأَنْ تَصُومُوا خَيرٌ لَكُمْ﴾ فأمروا بالصوم.**

دوسرا قول یہ ہے کہ "**يطيقونه**" جو بابِ افعال سے ہے اس میں ہمزہ سلب کا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر فدیہ ہے، اس صورت میں یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہے، آج بھی اس کا حکم باقی ہے کہ شیخ فانی وغیرہ اگر روزہ رکھنے کے بجائے ایک آدمی کے طعام کا فدیہ ادا کر دیں تو جائز ہے۔

(۴۰) باب: متى يُقضى قضاءُ رمضان؟

رمضان کے روزے کب پورے کئے جائیں

"**متى يقضى قضاء رمضان**" کہ رمضان کے قضاء روزے کب رکھے جائیں، اس سے درحقیقت ان روایتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رمضان کے قضاء روزے "**متتابعاً**" پے در پے رکھنا ضروری ہیں کہ نہ ان میں تاخیر جائز ہے اور نہ تفریق جائز ہے یعنی جونہی آدمی کو روزہ رکھنے پر قدرت ہو فوراً رکھنے ضروری ہیں اور جب رکھنے شروع کرے تو پے در پے رکھے، یہ حکم مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور بعض اہل ظاہر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو اس باب میں آ رہی ہے وہ اس پر صریح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضاء روزے تاخیر سے رکھتی تھی۔

وقال ابن عباس: لا بأس أن يفرق لقول الله تعالىٰ: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ وقال سعيد بن المسيب في صوم العشر: لا يصلح حتى يبدأ برمضان، وقال إبراهيم: إذا فرط حتى جاء رمضان آخر يصومهما . ولم ير عليه اطعاما. ويذكر عن أبي هريرة مرسلا، وعن ابن عباس: أنه يطعم. ولم يذكر الله تعالىٰ الأطعام إنما قال: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ .

وقال ابن عباس: لا بأس أن يفرق لقول الله تعالىٰ: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ روزے متفرق کر کے رکھے جائیں "**لقول الله تعالىٰ ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾**" کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ اور دنوں میں گنتی پوری کر لو اور اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ متتابعات ہونے چاہئیں۔

"وقال سعيد بن المسيب في صوم العشر: لا يصلح حتى يبدأ برمضان".

حضرت سعید بن المسیب ﷺ نے عشرۂ ذی الحج کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہیں جب تک کہ رمضان کو شروع نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے رمضان کے روزے فوت ہو گئے تھے تب اس کے لئے ذی الحجہ کے عشرہ میں نفلی روزے رکھنا جائز نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ رمضان کے روزے قضا کرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے، بلکہ یہ افضل کا بیان ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں **"عن سعيد أنه كان لا يرى بأسا أن يقضي رمضان في العشر كما نقله العيني رحمه الله"** اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ **"لا بأس"** کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

"وقال إبراهيم: إذا فرط حتى جاء رمضان آخر يصومهما . ولم ير عليه اطعاما".

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے قضا روزوں کے بارے میں کوتاہی کی اور نہیں رکھے یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا تو **"يصومهما"** کہتے ہیں کہ دونوں روزے رکھے یعنی اس رمضان کے بھی اور گزشتہ رمضان کے بھی رکھے، **"ولم ير عليه اطعاماً"** لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اس پر طعام کا فدیہ نہیں ہوگا، اس سے ان فقہاء کی تردید کر دی جو یہ کہتے ہیں کہ اگر اگلا رمضان آ گیا اور گذشتہ رمضان کے قضاء روزے نہیں رکھے تو پھر روزے بھی رکھنا ہوں گے اور ایک ایک فدیہ بھی ادا کرنا ہوگا۔

ويذكر عن أبي هريرة مرسلا ، وعن ابن عباس : أنه يطعم. ولم يذكر الله تعالى الأطعام إنما قال: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾.

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مرسلاً اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایسا آدمی تاخیر کرنے کی وجہ سے کھانا کھلائے یعنی کفارہ ادا کرے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کرتے ہیں کہ **"ولم يذكر الله الاطعام"** اللہ جل جلالہ نے قضاء روزوں کے بارے میں اطعام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ **﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قضاء واجب ہے اطعام واجب نہیں۔

"يذكر" کا صیغہ استعمال کر کے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے اثر کی تضعیف کی طرف اشارہ کر دیا، کیونکہ وہ **"مجاهد عن أبي هريرة"** کے طریق سے مروی ہے، اور مجاہد کا سماع حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے نہیں ہے، اور دار قطنی نے اسی حدیث کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، لیکن خود اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ علامہ عینیؒ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول حضرت عطاءؒ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے اور ان کا سماع حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی قول دار قطنی وغیرہ میں موصولاً مروی ہے۔

۱۹۵۰۔ حدثنا أحمد بن يونس: حدثنا زهيرٌ عن يحيى، عن أبي سلمة قال: سمعت عائشة رضي الله عنها تقول: كان يكون علي الصوم من رمضان فما أستطيع أن

أقضيه إلا في شعبان. قال يحيى: الشغل من النبي ، أو بالنبي ﷺ .۵۴

امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب سے ان حضرات کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمارہی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں میرے جو روزے قضاء ہو جایا کرتے تھے تو میں اگلے سال شعبان میں رکھا کرتی تھی، کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مشغول رہتی تھی، اسی لئے مجھے اور دنوں میں وقت نہیں ملتا تھا تو میں شعبان میں قضاء کرتی تھی، تو معلوم ہوا کہ تاخیر بھی جائز ہے اور تفریق بھی جائز ہے۔

(۴۱) باب الحائض تترک الصوم والصلاة

حائضہ نماز اور روزہ چھوڑ دے

وقال أبو الزناد : ان السنن ووجوه الحق لتأتي كثيرا على خلاف الرأى ، فما يجد المسلمون بداً من اتباعها ، من ذلك أن الحائض تقضي الصيام ولا تقضي الصلاة .

ابوالزناد رحمہ اللہ نے کہا کہ سنتیں اور حق کے طریقے اکثر رائے اور عقل کے خلاف ہیں، لیکن مسلمانوں کو اس پر پیروی کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے انہی امور میں سے یہ بھی ہے کہ حائضہ روزے کی قضا کرے اور نماز کی قضا نہ کرے۔

۱۹۵۱ ـ حدثنا ابن أبي مريم : حدثنا محمد بن جعفر قال : حدثني زيد ، عن عياض ، عن أبي سعيد ﷺ قال : قال النبي ﷺ : ((أليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم ؟ فذلك من نقصان دينها)) [راجع : ۳۰۴]

ترجمہ: ابوسعید خدری ﷺ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب حائضہ ہو جاتی ہے تو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑ دیتی اور یہی اس کے دین کی کمی سے ہے۔

(۴۲) باب من مات وعليه صوم،

اس شخص کا بیان جو مر جائے اور اس پر روزے واجب ہوں

"وقال الحسن ، إن صام عنه ثلاثون رجلاً يوماً واحداً جاز".

''حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تیس آدمی اس کی طرف سے ایک ہی دن روزہ رکھ لیں تو کافی ہے''۔

---

۵۴ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب قضا رمضان في شعبان ، رقم : ۱۹۳۳ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في تأخير قضا رمضان ، رقم : ۷۱۴ ، وسنن النسائي ، كتاب الصيام ، باب وضع الصيام عن الحائض ، رقم : ۲۲۸۰ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب تأخير قضا رمضان ، ۲۰۴۷ ، سنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب ماجاء في قضا رمضان ، رقم : ۱۶۵۹ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۷۸۱ ، ۲۳۸۵۰ ، ۲۴۲۸۹ ، وموطأ مالک ، كتاب الصيام ، باب جامع قضا الصيام ، رقم : ۶۰۰ .

یہ باب قائم کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو کیا اس کا کوئی وارث یا کوئی بھی شخص اس کی طرف سے نیابۃً روزے رکھ سکتا ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ روزہ میں نیابت ہو سکتی ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ روزے واجب تھے اور وہ رکھے بغیر مر گیا تو دوسرا شخص اس کی طرف سے رکھ سکتا ہے بلکہ یہاں حضرت امام بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اس کی طرف سے تیس آدمی ایک دن میں روزہ رکھ لیں تو بس پورے رمضان کے روزے ہو گئے۔

۱۹۵۲۔ حدثنا محمد بن خالد: حدثنا محمد بن موسیٰ بن أعين: حدثنا أبي، عن عمرو بن الحارث، عن عبيد اللّٰه بن أبي جعفر: أن محمد بن جعفر حدثه عن عروة عن عائشة رضي اللّٰه عنها: أن رسول اللّٰه ﷺ قال: ((من مات وعليه صيام صام عنه وليه)). [۵۵]

"تابعه ابن وهب عن عمرو، و رواه يحيى بن أيوب عن ابن أبي جعفر".

ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ **"من مات وعليه صيام صام عنه وليّه"** اور اگلی حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے۔

۱۹۵۳۔ حدثنا محمد بن عبدالرحيم: حدثنا معاوية بن عمرو: حدثنا زائدة عن الأعمش، عن مسلم البطين، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما، قال: جاءَ رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول اللّٰه، إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، فأقضيه عنها؟قال: ((نعم))، ((فدين اللّٰه أحق أن يقضى)).

قال سليمان: فقال الحكم وسلمة: ونحن جميعاً جلوس حين حدث مسلم بهذا الحديث. قالا: سمعنا مجاهداً يذكر هذا عن ابن عباس ويذكر عن أبي خالد: حدثنا الأعمش، عن الحكم، ومسلم البطين وسلمة بن كهيل، عن سعيد بن جبير وعطاءٍ ومجاهد، عن ابن عباس: قالت امرأة للنبي ﷺ: إن أُختي ماتت. وقال يحيى وأبو معاوية، عن الأعمش، عن مسلم عن سعيد، عن ابن عباس: قالت امرأة للنبي ﷺ: ان أمي ماتت. وقال عبيد اللّٰه بن عمرو، عن زيد بن أبي أُنيسة، عن الحكم، عن سعيد، عن ابن عباس، قالت امرأة للنبي ﷺ: ان أُمي ماتت وعليها صوم نذر. وقال أبو حريز: حدثنا عكرمة عن

[۵۵] وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، رقم: ۱۹۳۵، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب فيمن مات وعليه صيام، رقم: ۲۰۴۸، وكتاب الأيمان والنذور، باب ماجاء فيمن مات وعليه صيام صام عنه وليه، رقم: ۲۸۷۹، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۲۶۵.

ابن عباس: قالت امرأة للنبی ﷺ : ماتت أمی وعلیها صوم خمسة عشر یوماً. ۵۶

نیابۃً روزہ کا حکم

ایک خاتون نے عرض کیا کہ میری بہن کا انتقال ہوگیا ہے، دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کے ذمے روزے تھے تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں؟ تو فرمایا کہ **"صومی عنھا"** تو روزہ رکھنے کی اجازت دی، یہ حدیثیں بظاہر امام احمد بن حنبل اور امام بخاری رحمہما اللہ کے مسلک پر صریح معلوم ہوتی ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے نیابۃً روزہ رکھ سکتا ہے۔ ۵۷

جمہور کا مسلک

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں کہ عباداتِ بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی، لہٰذا ایک کا دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا جائز نہیں۔

جمہور کا استدلال

ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام نسائی رحمہ اللہ نے سنن کبریٰ میں روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ **" لا یصلي أحد عن أحدٍ ولا یصوم أحد عن أحدٍ" ذکرہ الزیلعی کما فی فیض الباری.** کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اور ایک شخص دوسرے کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا، اسی طرح ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ **"من مات وعلیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین"** کہ جس شخص کے اوپر روزے ہوں اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا ولی ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے یعنی فدیہ ادا کرے۔ ۵۸

---

۵۶ وفي صحیح مسلم ،کتاب الصیام ، باب قضأ الصیام عن المیت ، رقم : ۱۹۳۶ ، وسنن الترمذی ،کتاب الصوم عن رسول اللّٰه ، باب ماجاء فی الصوم عن المیت ، رقم : ۶۵۰ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الأیمان والنذور ، باب فی قضأ النذر عن المیت ، رقم : ۲۸۷۶ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الصیام ، باب من مات وعلیه صیام من نذر ، رقم : ۱۷۴۸ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بدایة مسند عبداللّٰه بن العباس ، رقم : ۱۸۶۸، ۱۹۰۱، ۲۲۲۰، ۲۹۷۱، ۳۲۴۵.

۵۷،۵۸ وحجة أصحابنا الحنفیة ومن تبعهم فی هذا الباب ، فی أن : من مات وعلیه صیام لاصوم عنه أحد ، ولکنه أن أوصی به أطعم عنه ولیه کل یوم مسکینا نصف صاع من بر أوصاعا من تمر أوشعیر ، مارواه النسائی ((عن ابن عباس : أن رسول اللّٰه ﷺ قال : لایصلی أحد عن أحد ، ولکن یطعم عنه)) . وعن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما، قال : قال رسول اللّٰه ﷺ : ((من مات وعلیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین)). عمدة القاری ، ج:۸،ص: ۱۵۴ ، وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، ج : ۱ ، ص: ۴۵۳، مکتبة البابی الحلبی ، مصر ، ۱۳۱۸ھ ، والمبسوط للسرخسی ، ج : ۳، ص: ۸۹، ج: ۷، ص: ۱۹ ، ج: ۸، ص: ۱۵۷ ، وسنن الترمذی ، باب ماجاء من الکفارة ، رقم : ۷۱۸.

اس حدیث کو امام زیلعیؒ نے حسن قرار دیا ہے، **کما فی عمدة القاری،** اگرچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے ضعف کو ترجیح دی ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم میں نیابت جائز نہیں، رہی وہ حدیثیں جن میں آپ ﷺ نے دوسرے کو روزہ رکھنے کی اجازت دی کہ **"صام عنه وليّه"** یا **"صومی عنها"** ان کی تاویل بعض حنفیہ نے یوں کی ہے کہ **"صام عنه وليّه"** کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی طرف سے فدیہ ادا کرے، **"صام"** معنی میں فدیہ ادا کرنے کے ہے لیکن یہ تاویل بہت بعید معلوم ہوتی ہے الفاظِ حدیث میں فدیہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ باقاعدہ طور پر روزے رکھنے کا حکم ہے۔

میرے نزدیک سب سے بہتر توجیہ وہ ہے جو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری میں فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ یہاں پر **"صام عنه وليه"** کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کی طرف سے قضاء کرسکتا ہے بلکہ یہاں ایصالِ ثواب مراد ہے اور جہاں تک میت کے ذمہ سے وجوب ساقط ہونے کا تعلق ہے تو وہ اطعام سے ہوگا، لیکن ولی کو چاہئے کہ روزہ رکھ کر میت کے لئے ایصالِ ثواب کرے اور روزہ رکھ کر ایصالِ ثواب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہاں یہ حدیثیں اسی پر محمول ہیں۔ [۵۹]

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ ابتدائے اسلام میں نیابت جاری ہونے کا حکم تھا بعد میں منسوخ ہوگیا **"لا يصلي أحد عن أحدٍ ولا يصوم أحد عن أحدٍ"** سے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ طحاوی میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کی شاگرد عمرہ نے پوچھا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، ان پر رمضان کے روزے واجب تھے، میں کیا کروں؟ اس کے

---

۵۹ قوله [صام عنه وليه] ، وأوله الحنفية بأن معناه أطعم عنه وليه ؛ قلت : ومن أوله بذلک ، فله ما أخرجه الترمذی فی "باب ماجاء فی الكفارة" عن ابن عمر مرفوعا ، قال : قال من مات وعليه صيام شهر ، فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا، اه ، الا ان الترمذی لم يحسنه ، وحسنه القرطبی ، كما نقله العينی ؛ قلت : والظاهر أن الحديث ليس قابلا للتحسين ، لأن فی اسناده محمداً ، وهو ابن ابی ليلی ، كما صرح به الترمذی فی "جامعه" ثم رأيت التصريح به فی "السنن الكبریٰ" فی موضعين، وابن أبی ليلی اثنان : الأول : عبدالرحمن بن أبی ليلی ، وهو ثقة؛ والثانی محمد بن عبدالرحمن بن أبی ليلی ، ويقال له أيضا : ابن أبی ليلی ، وهذا الذی اختلفوا فيه ، وقد حسن البخاری حديثه ، فی "أبواب السفر"، كما عند الترمذی ، وفی "تذكرة الحفاظ" أنه من رواة الحسان ، قلت : وقد جربت منه التغيير فی المتون والأسانيد ، فهو ضعيف عندی ، كما ذهب اليه الجمهور . وبالجملة من حسن الحديث المذكور ظن أن محمدا هو ابن سيرين ، وإذن تحسين القرطبی غير مقبول عندی ، الا أن يكون عنده اسناده غير هذا؛ أما الجواب عندی فلا أقول : ان المراد من الصوم هو الاطعام ، وانما عبر بالصوم مشاكلة ، بل أقول : انه أن ينبغی يصام عنه اثابة ، ويطعم مكان كل يوم مسكينا أيضا ، قضاء مما عليه . فيض الباری ، ج : ۳ ، ص : ۱۶۷ ـ ۱۶۹ .

جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا **"صام عنه وليه"** حدیث کی راوی ہیں اور راوی کا اپنی روایت کے برخلاف فتویٰ دینا روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے اور **"لا يصوم أحد عن أحد"** والی روایت اس لئے بھی راجح ہے کہ یہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کررہی ہے جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ جزئیات ہیں اور **"حكاية أحوال لا عموم لها"** کے قبیل سے ہیں اور **"لا يصلي أحد عن أحدٍ ولا يصوم أحد عن أحد"** یہ ایک ضابطہ کلیہ بیان کررہا ہے تو جو حدیث ضابطہ کلیہ بیان کررہی ہو وہ اولیٰ ہوتی ہے بہ نسبت واقعاتِ جزئیہ کے۔[٦٠]

اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے روایتوں کا اختلاف بیان کیا ہے کہ بعض روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے کہا کہ میری بہن کا انتقال ہوگیا ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ ماں کا انتقال ہوگیا ہے، اسی طرح بعض میں ایک مہینے کے روزوں کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں پندرہ دن کے روزوں کا ذکر ہے، سنداً روایتیں سب صحیح ہیں اس لئے کہ عام طور سے رواۃِ حدیث واقعہ کے مرکزی مفہوم کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور جو جزوی تفصیلات ہوتی ہیں جن کے ساتھ کسی حکمِ شرعی کا تعلق براہِ راست نہیں ہوتا تو ان کو اتنا محفوظ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، اسی واسطے اس میں کسی راوی کو وہم بھی ہوجاتا ہے لیکن اس وہم کی وجہ سے جو اصل حدیث ہے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اصل بات یہ تھی کہ اس عورت نے اپنی کسی رشتہ دار کے بارے میں یہ بتایا کہ اس کے ذمہ کچھ روزے ہیں اور آیا اس کے لئے اس کی طرف سے روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اصل مسئلہ یہ تھا اب وہ عورت جس کے اوپر روزے تھے وہ اس کی ماں تھی یا بہن تھی اور روزوں کی تعداد کیا تھی اس کا مرکزی مفہوم سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس سے کسی حکمِ شرعی میں کوئی فرق آتا ہے اس واسطے راویوں نے اس کو محفوظ نہیں رکھا۔

(۴۳) باب: متى يحل فطر الصائم؟

روزہ دار کے لئے کس وقت افطار کرنا درست ہے

"وأفطر أبو سعيد الخدري ﷺ حين غاب قرص الشمس".

---

[٦٠] قال الطحاوي: ((حدثنا روح بن الفرج حدثنا يوسف بن عدى حدثنا عبيد بن حميد عن عبدالعزيز بن رفيع عن عمرة بنت عبدالرحمن قلت لعائشة: ان أمي توفيت وعليها صيام رمضان، ايصلح ان اقضي عنها؟ فقالت: لا، ولكن تصدقي عنها مكان كل يوم على مسكين خير من صيامك)) و هذا سند صحيح . عمدة القاري، ج: ٨، ص: ١٥٥، و المحلى، ج: ٧ ص: ۴.

۱۹۵۴ ــ حدثنا الحميدی : حدثنا سفيان : حدثنا هشام بن عروة قال : سمعت أبی يقول : سمعت عاصم ابن عمر بن الخطاب ، عن أبيه ﷺ ، قال: قال رسول الله ﷺ : ((اذا اقبل الليل من هاهنا وأدبر النهار من هاهنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم)).

۱۹۵۵ ــ حدثنا اسحاق الواسطی : حدثنا خالد ، عن الشيبانی ، عن عبدالله بن أبی أوفی ﷺ قال : ((كنا مع النبی ﷺ فی سفر وهو صائم ، فلما غابت الشمس قال لبعض القوم : ((يافلان ، قم فاجدح لنا)) ،فقال : يارسول الله لو أمسيت ، قال : ((انزل فاجدح لنا)) ، قال : يارسول الله فلو أمسيت ، قال : ((أنزل فاجدح لنا))، قال : ان عليک نهارا . قال : ((أنزل فاجدح لنا)) ، فنزل فجدح لهم فشرب رسول الله ﷺ قال : ((اذا رأيتم الليل قد اقبل من هاهنا فقد افطر الصائم)). [راجع : ۱۹۴۱]

روزہ دار کے لئے کس وقت افطار کرنا درست ہے، تو ابوسعید خدری ﷺ نے افطار کیا جس وقت سورج کی ٹکیہ ڈوب گئی۔ دونوں حدیثوں کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

(۴۴)باب: يفطر بما تيسّر من الماءِ أو غيره

پانی وغیرہ جو آسانی سے مل جائے اس سے افطار کرے

یہ باب قائم کر کے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ افطار کے لئے کوئی خاص چیز مخصوص نہیں اور اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **"من وجد تمرا فليفطر عليه ومن لا فليفطر علی ما ء، فان الماء طهور"** جس کے پاس کھجور ہو تو کھجور سے افطار کرے، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ کھجور سے افطار کرنا واجب ہے، ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے، بلکہ کھجور ہو تو کھجور سے افطار کر لے اور کوئی چیز ہو تو اس سے بھی افطار کر سکتا ہے۔ [۶۱]

۱۹۵۶ ــ حدثنا مسدد : حدثنا عبدالواحد : حدثنا الشيبان سليمان قال : سمعت عبدالله بن أبی أوفی ﷺ قال : سرنا مع رسول الله ﷺ وهو صائم فلما غربت الشمس قال: ((أنزل فاجدح لنا)) قال : ((يارسول الله لوأمسيت ، قال : ((أنزل فاجدح لنا)) ، قال: يارسول الله ان عليک نهارا ، قال : ((أنزل فاجدح لنا)) . فنزل فجدح . ثم قال : ((اذا رأيتم الليل أقبل من هاهنا فقد أفطر الصائم))، وأشار بأصبعه قبل المشرق . [راجع : ۱۹۴۱]

[۶۱] سنن الترمذی ، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ ، باب ماجاء ما يستحب عليه الافطار، رقم: ۶۹۴، ج :۳، ص:۷۷، دارأحياء التراث العربی ، بيروت . ومسند أحمد ، ج: ۴،ص: ۲۱۵ ، مؤسسة قرطبة ،مصر .

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ رات اس طرف سے آگئی تو روزہ دار کے افطار کا وقت آگیا اور اپنی انگلیوں سے مشرق (پورب) کی طرف اشارہ کیا۔

(۴۵) باب تعجیل الافطار

افطار میں جلدی کرنے کا بیان

۱۹۵۷ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف :أخبرنا مالک ، عن أبی حازم ، عن سهل بن سعد : ان رسول اللہ ﷺ قال :((لایزال الناس بخیر ماعجلو الفطر)).

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔

(۴۶) باب : إذا أفطر فی رمضان ثم طلعت الشّمش

اگر کوئی شخص رمضان میں افطار کرلے پھر سورج طلوع ہوجائے

۱۹۵۹ ـ حدثنا عبداللہ بن أبی شیبة: حدثنا أبو أسامة، عن هشام ابن عروة، عن فاطمة عن أسماء بنت أبی بکر رضی اللہ عنهما قالت : أفطرنا علی عهد النبی ﷺ یوم غیم ثم طلعت الشّمش. قیل لهشام : فأمروا بالقضاء ؟ قال: بد من قضاء ؟ وقال معمر : سمعت هشاماً یقول: لا أدری أقضوا أم لا. ۶۲

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ افطار کرلیا یومِ غیم جب کہ وہ دن ابر آلود تھا تو ہم یہ سمجھے کہ دن ختم ہوکر سورج غروب ہوگیا ہے اس کی وجہ سے افطار کر لیا "**ثم طلعت الشمس**" بعد میں سورج نکل آیا یعنی معلوم ہوا کہ جس وقت ہم نے افطار کیا تھا اس وقت غروب نہیں ہوا تھا۔

ہشام بن عروہ نے یہ واقعہ بیان کیا تو ان کے شاگردوں نے ہشام سے کہا "**فأمروا بالقضاء؟**" یعنی سوال کیا کہ جب انہوں نے طلوعِ شمس سے پہلے روزہ افطار کرلیا تھا تو بعد میں ان کو قضاء کا حکم دیا گیا؟ **قال "بدّ من قضاء"** یعنی قضاء کرنے سے کوئی چارہ تھا؟ مطلب یہ ہے کہ قضاء کرنے سے کوئی چارہ نہیں تھا اس میں ہمزہ استفہامِ انکاری کا محذوف ہے یعنی "**أبُدّ من قضاء؟**".

"**وقال معمر**" اوپر والی روایت تو ابو اسامہ کی تھی، یہاں معمر بن راشد کہتے ہیں کہ میں نے ہشام کو سنا کہ وہ کہتے تھے "**لا أدری أقضوا أم لا**" کہ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے قضا کی یا نہیں کی، یعنی اس روایت میں تو یہ ہے کہ انہوں نے اس بات پر جزم کیا کہ ضرور قضاء کی ہوگی، لیکن دوسری مرتبہ میں انہوں نے روایت

۶۲ وفی سنن أبی داؤد ، کتاب الصوم ، باب الفطر قبل غروب الشمس ، رقم : ۲۰۱۲ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الصیام ، باب ماجاء فیمن أفطر ناسیاً ، رقم : ۱۶۶۴ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حدیث أسماء بنت أبی بکر ، رقم : ۲۵۶۹۰ .

کرتے ہوئے یہ کہا کہ پتہ نہیں قضا کی تھی یا نہیں، گویا روایت میں نہیں ہے کہ قضاء کی تھی لیکن انہوں نے اپنے طور پر جزم کرتے ہوئے کہا تھا اس وقت کی قضا کی ہوگی اور یہی قیاس کا مقتضٰی بھی ہے اور ائمہ اربعہ اس بات کے قائل ہیں اگر کوئی آدمی غروبِ آفتاب سے پہلے افطار کر لے تو اس کو قضاء کرنی ہی ہوگی۔ چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے افطار کیا، بعد میں سورج نظر آ گیا تو انہوں نے فرمایا: **"الخطب يسير نقضي يوماً"**۔

چنانچہ امام بیہقیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے افطار کرلیا تھا بعد میں پتہ چلا کہ سورج باقی تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قضاء کا حکم دیا۔ **ذكره العينيؒ**۔

یہی حنفیہ کی دلیل ہے اس بارے میں کہ اگر خطأً افطار کرلیا جائے تو اس میں قضاء واجب ہوتی ہے لیکن نسیاناً افطار کرنے میں قضاء واجب نہیں ہوتی۔ [۶۳]

(۴۷) باب صوم الصّبيان

بچوں کے روزہ رکھنے کا بیان

"وقال عمر رضي الله عنه لنشوان في رمضان: ويلك، وصبياننا صيام ! فضربه".

اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بچوں کا روزہ رکھنا جائز ہے اور ان سے رکھوانا بھی چاہئے تا کہ ان کو عادت پڑے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ ان کے زمانے میں ایک شخص نے رمضان میں نشہ کرلیا تھا، شراب پی لی تھی "**نشوان**" کے معنی ہیں "سکران" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تھا "**ويلك، وصبياننا صيام فضربه**" تیرے اوپر افسوس ہمارے بچے روزے سے ہیں اور تو نہ صرف روزہ توڑ رہا ہے بلکہ شراب بھی پی رہا ہے "**فضربه**" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی پٹائی کی، حد لگائی تو اس سے پتہ چلا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بچے بھی روزہ رکھ لیا کرتے تھے، اس سے ترجمۃ الباب پر استدلال فرمایا۔

۱۹۶۰۔ حدثنا مسدد : حدثنا بشر بن المفضل عن خالد بن ذكوان ، عن الربيع بنت معوذ قالت : أرسل النبي ﷺ غداة عاشوراء الى قرى الأنصار: ((من أصبح مفطرا فليتم بقية يومه ، ومن أصبح صائما فليصم)) قالت : فكنا نصومه بعد نُصَوِّم صبيا ننا ونجعل لهم اللعبة من العهن ، فاذا بكى أحدهم على الطعام أعطيناه ذلك حتى يكون عند الافطار.

---

[۶۳] دل الحديث على أن من افطر وهو أن الشمس قد غربت فاذا هي لم تغرب امسك بقية يومه ، وعليه القضاء ولا كفارة عليه ، و به قال ابن سيرين و سعيد بن جبير والأوزاعي والثوري ومالك واحمد والشافعي واسحاق ، وأوجب أحمد الكفارة في الجماع . عمدة القاري ، ج : ۸ ، ص : ۱۶۲ ، والمجموع ، ج : ۶ ، ص : ۳۱۸ ، دار الفكر ، بيروت ، ۱۴۱۷ هـ ، وسنن البيهقي الكبرى ، باب من أكل وهو يرى أن الشمس قد غربت ثم بان أنها لم تغرب ، ج : ۴ ، ص : ۲۱۷ ، رقم : ۷۸۰۶ .

عاشورہ کے دن آپ ﷺ نے انصار کی بستیوں میں اعلان فرمایا کہ جس نے افطار کی حالت میں صبح کی ہوتو وہ اپنا باقی روزہ پورا کرلے اور جو شروع سے روزہ سے ہوں تو وہ روزہ رکھیں۔ بظاہر یہ صورت ہوئی تھی کہ اس دن رؤیت ہلال میں شک تھا کہ آیا ہلال نظر آیا کہ نہیں آیا بعد میں شہادت ایسے وقت آگئی، جب کہ عاشورہ شروع ہو چکا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ روزے سے ہوں تو وہ روزہ پورا کرلیں اور جو روزہ سے نہ ہوں وہ اب روزہ کی نیت کرلیں بشرطیکہ صبح سے کچھ نہ کھایا ہو۔

یہاں پر جو مقصود ہے وہ یہ کہ فرماتے ہیں کہ ہم بعد میں عاشورہ کا روزہ رکھ لیا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھوایا کرتے تھے۔

اس حدیث کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ رؤیت ہلال کا مسئلہ نہیں بلکہ فرضیت عاشوراء کی ابتداء کا بیان ہے کہ اس سے پہلے عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا جب عاشورہ کے روزے کی فرضیت کا حکم آیا تو وہ ایسے وقت آیا جب عاشوراء کا دن شروع ہو چکا تھا اس پر آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ جنہوں نے کچھ کھایا ہو وہ کھانے سے پرہیز کرکے دن پورا کریں اور جنہوں نے روزہ نہ رکھا ہو اور صبح سے کچھ کھایا بھی نہ ہو تو وہ اب روزے کی نیت کرلیں، کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں سے روزہ رکھوایا کرتے تھے **"ونجعل لهم اللعبة من العهن"** اور بچوں کے لئے ایک کھلونا بنا رکھا تھا کہ اگر کوئی بچہ کھانے کے لئے ضد کرتا اور روتا تو وہ کھلونا دے دیتے تھے کہ اس سے کھیلتے رہو **"حتى يكون عند الإفطار"** یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا، تو بچے اس میں مشغول ہو کر کھانا بھول جاتے۔

(۴۸) باب الوصال

متواتر روزے رکھنے کا بیان

"ومن قال: ليس في الليل صيام قال الله عز وجل: ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرة: ۱۸۷]. ونهى النبي ﷺ عنه لهم وابقاء عليهم وما يكره من التعمق".

جو اس کے قائل ہیں کہ رات کو روزہ نہیں اس لئے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا روزے رات تک پورے کرو اور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو مہربانی اور ان پر شفقت کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا اور عبادت میں شدت اختیار کرنے کی کراہت کی وجہ سے۔

۱۹۶۱۔ حدثنا مسدد قال: حدثني يحيى، عن شعبة قال: حدثني قتادة عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((لا تواصلوا)). قالوا: انك تواصل. قال: ((لست كاحد منكم، اني أطعم واسقى، وانى أبيت أطعم وأسقى)). [أنظر: ۷۲۴۱]

۱۹۶۲۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال: نهى رسول الله ﷺ عن الوصال، قالوا: إنك تواصل: قال: ((إني

لست مثلكم، إني أطعم وأسقى)).[راجع : ۱۹۲۲]

صومِ وصال یہ ہے کہ آدمی ایک کے بعد دوسرا روزہ رکھتا چلا جائے اور رات کے وقت بھی روزہ سے رہے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

وصال کی ایک صورت یہ ہے کہ افطار کیا ہی نہیں اور پھر روزہ شروع کر دیا اور اگلے دن مغرب تک جاری رہا۔ یہ وہ صورت ہے جو حضور ﷺ اختیار فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے دوسروں کو اس سے منع فرمایا کہ تم نہ کیا کرو، تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں اور فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں رات گذارتا ہوں اس حال میں کہ کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ چنانچہ بالاتفاق یہ وصال مکروہ ہے۔

وصال کی دوسری صورت یہ ہے کہ افطار کے وقت سحری تک کچھ نہ کھایا، اور پھر سحری کھائی، گویا ایک سحری سے دوسری سحری تک روزہ رکھا۔ اس دوسری صورت کی حنفیہ کے ہاں اگر چہ کوئی روایت نہیں لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک یہ مستحب ہے اور امام بخاریؒ نے **باب الوصال الی السحر** میں اس کا جواز بیان کیا ہے۔ اور حدیث میں جواز مذکور ہے، اس لئے اس میں اتنی تشدید نہیں۔

۱۹۶۳۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: حدثنا الليث: حدثنا ابن الهاد، عن عبدالله ابن خباب، عن أبي سعيد ﷺ، أنه سمع النبي ﷺ يقول: ((لا تواصلوا فأيكم أراد أن يواصل فليواصل حتى السحر)). قالوا: فإنك تواصل يا رسول الله ؟ ! قال: ((إني لستُ كهيئتكم. إني أبيت لي مطعم يطعمني، وساقٍ يسقين)). [أنظر : ۱۹۶۷] [۶۴]

تم لوگ وصال نہ کرو اور اگر تم میں سے کوئی شخص وصال کرنا چاہے تو صرف سحری تک کرے، یہ دوسرے قسم کے وصال کی بات ہو رہی ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

۱۹۶۴۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة ومحمد قالا : أخبرنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت : نهى رسول الله ﷺ عن الوصال رحمة لهم، فقالوا : انك تواصل، قال : ((انی لست كهيئتكم، انی يطعمنی ربی ويسقين)).

قال أبو عبدالله لم يذكر عثمان : رحمة لهم.

ترجمہ: حضور ﷺ نے صوم وصال سے لوگوں پر مہربانی کے سبب سے منع فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ تو صوم وصال رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

---

[۶۴] وفي سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب في الوصال، رقم : ۲۰۱۴، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي سعيد الخدري، رقم : ۱۰۶۳۳، ۱۰۸۲۱، ۱۱۱۲۱، ۱۱۱۴۳، ۱۱۱۶۹، ۱۱۳۹۵، وسنن الدارمي، كتاب الصوم، باب النهي عن الوصال في الصوم، رقم : ۱۶۴۳.

(۴۹) باب التنكيل لمن أكثر الوصال،

"رواه أنس عن النبي ﷺ".

۱۹۶۵ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمٰن: أن أبا هريرة ﷺ قال: نهى رسول الله ﷺ عن الوصال في الصوم. فقال له رجلٌ من المسلمين: إنک تواصل يا رسول الله، قال: ((وأيّكم مثلي؟ إني أبيت يطعمني ربّي ويسقين)). فلمّا أبوا أن ينتهوا عن الوصال واصل بهم يوماً ثم يوماً ثم رأوا الهلال، فقال: ((لو تأخّر. لزدتُكم))، كالتنكيل لهم حين أبوا أن ينتهوا. [أنظر: ۱۹۶۶، ۶۸۵۱، ۷۲۴۲، ۷۲۹۹]۶۵

بعض صحابہ ﷺ نے جب آپ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود وصال نہ چھوڑا تو آپ ﷺ نے ان کو ذرا سبق دینے کے لئے لمبا وصال کیا یعنی کئی دن گذر گئے افطار ہی نہیں فرمایا، پھر اتفاق سے بیچ میں چاند نظر آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاند نظر نہ آتا تو میں اور لمبا وصال کرتا تا کہ تمہیں پتہ چلتا کہ کیسے وصال کیا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے ان کو سبق دینے کے واسطے ایسا فرمایا۔

اور ان صحابہ کرام ﷺ نے حضور ﷺ کی ممانعت کا مطلب بظاہر یہ سمجھا کہ آپ ﷺ شفقت کی وجہ سے منع فرما رہے ہیں، ورنہ وصال افضل ہے، اس لئے انہوں نے وصال جاری رکھا۔

۱۹۶۶ ـ حدثنا يحيى: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام: أنه سمع أبا هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((اياكم والوصال)) ـ مرتين ـ قيل: انک تواصل، قال: ((أني ابيت يطعمني ربي ويسقين، فاكلفوا من العمل ماتطيقون)). [راجع: ۱۹۶۵]

"فاكلفوا من العمل ماتطيقون".

آپ ﷺ نے فرمایا میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے، تم عمل میں اتنی ہی مشقت اٹھاؤ جس قدر طاقت ہو۔

---

۶۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصوم، رقم: ۱۸۴۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۶۵، ۶۹۳۱، ۷۰۲۸، ۷۱۲۸، ۷۱۸۲، ۷۲۳۳، ۷۴۵۴، ۷۸۳۴، ۸۱۹۰، ۸۵۴۸، ۱۰۰۲۹، ۱۰۲۷۶، وموطأ مالک، كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصيام، رقم: ۵۹۱، وسنن الدارمي، كتاب الصوم، باب النهي عن الوصال في الصوم، رقم: ۱۶۴۴.

(۵۱) باب من أقسم علی أخیه لیفطر فی التطوّع، ولم یر علیه قضاءً إذا کان أوفق له

کوئی شخص اپنے بھائی کو نفل روزہ توڑنے کے لئے قسم دے اور اس پر قضا واجب نہیں ہے جب کہ روزہ نہ رکھنا اس کے لئے بہتر ہو

اگر کوئی بھائی کسی دوسرے بھائی پر قسم کھائے کہ تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم روزہ افطار کرلو، اگر نفلی روزہ ہو تو ایسا آدمی اگر افطار کرلے تو افطار کرنا جائز ہے اور اس پر قضا بھی واجب نہیں ہے، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں قضاء واجب ہوگی اور قضاء واجب ہونے کی دلیل وہ حدیث جو ترمذی میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں روزے سے تھیں، نفلی روزہ رکھا ہوا تھا اتنے میں کوئی اچھا سا کھانا آگیا، کھانا کھانے کو دل چاہا تو انہوں نے کھا کر افطار کر دیا اور روزہ توڑ دیا، بعد میں سوچا کہ پتہ نہیں ہم نے صحیح کیا یا غلط کیا، توڑنا جائز تھا یا نہیں اور جب توڑ دیا تو اس کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

چنانچہ حضور ﷺ سے پوچھنے کا مشورہ ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پوچھنے کے لئے دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس گئیں **"وکانت ابنة ابیها"** اپنے باپ کی بیٹی تھیں تو جلدی سے جا کر مجھ سے پہلے ہی مسئلہ پوچھ لیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم روزہ رکھ رہی تھیں تو کیا کسی روزے کی قضا تھی، تو انہوں نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! قضا نہیں تھی بلکہ نفلی روزہ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"فاقضیا یوماً آخر مکانه"** اس کے بدلے دوسرا روزہ قضاء کا رکھ لو، تو آپ نے قضاء کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نفلی روزہ بھی توڑ دے تو اس کے ذمہ اس کی قضاء واجب ہے اور جن روایتوں سے امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ استدلال فرمارہے ہیں ان میں صرف اتنا ہے کہ قضاء کا ذکر نہیں لیکن عدمِ ذکر سے عدمِ شئی لازم نہیں آتا، مثلاً اگلی حدیث کا واقعہ ہے۔

**۱۹۶۸ ـ حدثنا محمد بن بشّار: حدثنا جعفر بن عون: حدثنا أبو العمیس. عن عون بن أبی جحیفة، عن أبیه قال: آخی النبی ﷺ بین سلمان وأبی الدرداء، فزار سلمان أبا الدرداء، فرأی أُمّ الدرداء متبذلة، فقال لها: ما شأنک؟ قالت: أخوک أبو الدرداء لیس له حاجة فی الدنیا. فجاء أبو الدرداء فصنع له طعاماً فقال له: کل، قال: فإنّی صائم، قال: ما أنا بآکل حتی تأکل. قال: فأکل، فلمّا کان اللّیل ذهب أبو الدرداء یقوم، قال: نم. فنام ثم ذهب یقوم فقال: نم. فلمّا کان من آخر اللّیل قال سلمان: قم الآن، فصلّیا. فقال له سلمان: إن لربّک علیک حقاً، ولنفسک علیک حقاً، ولأهلک علیک حقاً. فأعط کل ذی حق حقّه، فأتی النبی ﷺ فذکر ذلک له، فقال له النبی ﷺ: ((صَدَقَ

سَلْمان)). [أنظر: ۶۱۳۹] [۶۶]

یہاں پر یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت سلمان ﷺ اور حضرت ابوالدرداء ﷺ کے درمیان مؤاخاۃ قائم فرمائی تھی، حضرت سلمان فارسی ﷺ نے دیکھا کہ ابوالدرداء ﷺ کی اہلیہ ایسے میلے کچیلے کپڑوں میں رہتی ہیں اور ایسی نہیں رہتی ہیں جیسے عام طور پر ایک شوہر والی عورت رہتی ہے اور زیب وزینت کرتی ہے، تو انہوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے بھائی ابوالدرداء ﷺ کو دنیا کے کسی کام سے رغبت ہی نہیں، دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھتے ہیں، جب انہیں دنیا سے کوئی رغبت ہی نہیں تو میں کس کے لئے زیب وزینت کروں۔ پھر جب حضرت ابوالدرداء ﷺ آئے تو حضرت سلمان ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے اور وہ اس وقت بھی روزہ سے تھے، حضرت سلمان ﷺ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ روزہ افطار کرو، چنانچہ انہوں نے روزہ افطار کرلیا، بعد میں جب حضور ﷺ سے یہ بات ذکر کی گئی تو آپ نے حضرت سلمان ﷺ کی تصدیق کی۔

بے شک اس واقعہ میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابوالدرداء ﷺ نے روزہ توڑ دیا لیکن قضا کیا یا نہیں کیا؟ اس میں اس کا ذکر نہیں ہے اور عدمِ ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ قضا بھی واجب نہیں۔

(۵۲) باب صوم شعبان

شعبان کے روزے کا بیان

۱۹۶۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن أبی النضر ، عن أبی سلمة، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت : کان رسول اللہ ﷺ یصوم حتی نقول : لا یفطر ویفطر حتی نقول : لایصوم . وما رأیت النبی ﷺ استکمل صیام شهر الا رمضان وما رأیته أکثر صیاما منه فی شعبان .[أنظر: ۱۹۷۰، ۶۴۶۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ روزہ رکھتے جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے اب روزہ نہیں رکھیں گے اور میں نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کے سوا کسی مہینہ میں پورے روزے رکھے ہوں اور نہ شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی مہینہ میں آپ ﷺ کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔

۱۹۷۰ ۔ حدثنا معاذ بن فضالة : حدثنا هشام ، عن یحیی ، عن أبی سلمة : أن عائشة رضی اللہ عنها حدثته قال : لم یکن النبی ﷺ یصوم شهرا أکثر من شعبان ،[فانه

[۶۶] وفی سنن الترمذی ، کتاب الزهد عن رسول اللہ ، باب منه ، رقم : ۲۳۳۷.

كـان يـصـوم شـعبان كله] وكان يقول:((خذو من العمل ما تطيقون ، فان الله لايمل حتى تـملوا)) وأحب الصلاة الى النبی ﷺ مـادووم عـليه وان قلّت ، وكان اذا صلى صلاة داوم عليها .[راجع : ۱۹۶۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ شعبان کے پورے مہینہ میں روزے رکھتے اور فرماتے تھے کہ اتنا ہی عمل اختیار کرو جتنے کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ جل جلالہ نہیں اکتا تا جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ اور سب سے محبوب نماز نبی کریم ﷺ کے نزدیک وہ تھی جس پر مدامت کی جائے اگر چہ کم ہی ہو اور جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر مدامت کرتے۔

"كلّه" یہ تغلیباً کہا یعنی اکثر حصہ میں روزہ رکھتے تھے۔

(۵۳) باب ما يذكر من صوم النبی ﷺ وإفطاره

حضور ﷺ کے روزے اور افطار کے متعلق جو روایتیں مذکور ہیں

۱۹۷۱ ۔ حدثنا موسىٰ بن إسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن أبی بشر، عن سعيد ابن جبير، عن ابن عباس قال: ما صام النبی ﷺ شهراً كاملاً قط غير رمضان. ويصوم حتى يقول القائل: لا، والله الا يفطر، ويفطر حتى يقول القائل: لا والله لا يصوم. [۶۷]

"ويصوم حتى يقول القائل" کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ روزہ رکھنا شروع کرتے تو اس طرح روزہ رکھتے چلے جاتے کہ ہم سمجھتے کہ آپ افطار نہیں کریں گے اور بعض اوقات افطار کرتے تو اتنا لمبا افطار کرتے کہ گویا آپ مسلسل افطار ہی فرما رہے ہیں تو ہم سوچتے کہ شاید آپ روزہ ہی نہیں رکھیں گے۔

۱۹۷۲ ۔ حدثنی عبدالعزيز بن عبدالله قال :حدثنی محمد بن جعفر ، عن حميد انه سمع أنسا ﷺ يقول : كان رسول الله ﷺ يفطر من الشهر حتى نظن أن لا يصوم منه ، ويصوم حتى أن لا يفطر منه شيئا . وكان لاتشاء تراه من الليل مصليا الا رأيته ، ولا نائما الا رأيته . وقال سليمان ، عن حميد : أنه سأل أنسا فی الصوم .[راجع : ۱۱۴۱]

"وكان لاتشاء تراه من الليل مصليا الا رأيته ، ولا نائما الا رأيته".

---

[۶۷] وفی صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، رقم : ۱۹۵۹ ، وسنن النسائی ، كتاب الصيام ، باب صوم النبی بأبی هو وأمی وذكر اختلاف الناقلين ، رقم : ۲۳۰۶ ، وسنن أبی داؤد ، كتاب الصوم ، باب فی الصوم المحرم ، رقم : ۲۰۷۵ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب ماجاء فی صيام النبی ، رقم : ۱۷۰۱ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۱۸۹۳ ، ۱۹۴۲ ، ۲۰۴۴ ، ۲۳۲۲ ، ۲۶۰۱ ، ۲۷۹۵ ، ۲۸۵۴ ، وسنن الدارمی ، كتاب الصوم ، باب فی صيام النبی ، رقم : ۱۶۷۹ .

اور رات میں اگر کوئی نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا اور سونے کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا۔

۱۹۷۳ ۔ حدثنی محمد : أخبرنا أبو خالد الأحمر : أخبرنا حمید قال : سألت أنسا ﷺ عن صیام النبی ﷺ فقال : ماکنت أحب أن راه من الشهر صائما الا رأیته ، ولا مفطراً الا رأیته . ولا من اللیل قائما الا رأیته ، ولا نائما الا رأیته . ولا مسست خزة ولا حریرة ألین من کف رسول اللّٰه ﷺ ، ولا شممت مسکة ولا عبیرة أطیب رائحة من رائحة رسول اللّٰه ﷺ . [راجع : ۱۱۴۱]

"ولا شممت مسکة ولا عبیرة أطیب رائحة من رائحة رسول اللّٰه ﷺ".

اورکوئی خزیا حریر ریشمیں کپڑے بھی حضور ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم و نازک نہیں دیکھا اور نہ مشک اور عنبر کی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے پاکیزہ اور بہتر ہو۔

(۵۴) باب حق الضّیف فی الصّوم

روزے میں مہمان کا حق ادا کرنے کا بیان

۱۹۷۴ ۔ حدثنا إسحاق: أخبرنا هارون بن إسماعیل: حدثنا علی: حدثنا یحیی قال: حدثنی أبو سلمة قال: حدثنی عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللّٰه عنهما قال: دخل علی رسول اللّٰه ﷺ فذکر الحدیث، یعنی: ((إنّ لزورک علیک حقاً ، وإن لزوجک علیک حقا)) فقلت: وما صوم داؤد؟ قال: ((نصف الدّهر)). [راجع: ۱۱۳۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷺ نے بیان کیا کہ میرے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پوری حدیث بیان کی یعنی تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ میں نے پوچھا داؤد علیہ السلام کا روزہ کیسا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

(۵۵) باب حق الجسم فی الصّوم

روزے میں جسم کے حق کا بیان

۱۹۷۵ ۔ حدثنا ابن مقاتل: أخبرنا عبداللّٰه : أخبرنا الأوزاعی قال: حدثنی یحیی بن أبی کثیر، قال: حدثنی أبو سلمة بن عبدالرحمٰن قال: حدثنی عبداللّٰه بن عمرو العاص رضی اللّٰه عنهما : قال لی رسول اللّٰه ﷺ :((یا عبداللّٰه، الم أخبر أنک تصوم النهار

وتقوم الليل؟)) فقلت: بلى يا رسول الله ، قال: فلا تفعل، صم وأفطر، وقم ونم، فإن لجسدك عليك حقاً، وإن لعينيك عليك حقاً، وإن لزوجك عليك حقاً، وإن لزورك عليك حقاً. وإن بحسبك أن تصوم من كل شهر ثلاثة أيام فإن لك بكل حسنة عشر أمثالها ، فإذن ذلك صيام الدهر كله))، فشددت فشدد عليّ قلت: يا رسول الله ، إني أجد قوة ، قال: ((فصم صيام نبي الله داؤد عليه السلام، ولا تزد عليه)). قلت: وما كان صيام نبي الله داؤد عليه السلام ؟ قال: ((نصف الدهر)). وكان عبدالله يقول بعد ما كبر: ياليتني قبلت رخصة النبي ﷺ . [راجع: ۱۱۳۱]

اس میں آپ نے یہ فرمایا کہ "**إن لزورک علیک حقاً**" تمہارے ملنے جلنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ترجمۃ الباب پر استدلال کیا ہے کہ روزے میں مہمان کا بھی حق ہے کہ گھر میں اگر کوئی مہمان آیا ہوا ہے تو آپ کو چاہئے کہ نفلی روزہ نہ رکھیں تا کہ اس کو کھانے میں کوئی تکلیف وغیرہ نہ ہو اور دوسری طرف مہمان کو بھی چاہئے کہ وہ روزہ نہ رکھے کہ میزبان اسی کے لئے کھانا وغیرہ تیار کر کے رکھے اور وہ حضرت روزے سے آئیں یہ بھی ٹھیک نہیں تو اسلام میں دونوں کا حق ایک دوسرے پر ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے شروع میں ان کو فرمایا تھا کہ صرف تین دن روزہ رکھ لو، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو صومِ داؤدی رکھ لیا کرو۔

وہ یہ کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اسی پر عمل کیا کرتے تھے، جب آخر میں بوڑھے ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ "**یالیتنی قبلت رخصة النبی ﷺ**" کاش میں حضور اکرم ﷺ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرتا اور اس کو قبول کر لیتا یعنی کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو اور میں صومِ داؤدی رکھتا رہا، لیکن اب بوڑھا ہونے کے بعد اس میں بہت مشقت معلوم ہو رہی ہے اور معمول کو ترک کرنا اچھا نہیں لگتا، اگر چہ ترک کرنا جائز تھا لیکن صحابۂ کرام ﷺ کسی معمول کو شروع کرتے تو اس کو ترک کرنا ان پر بہت شاق گذرتا تھا، تو فرما رہے ہیں کہ اگر میں حضور اکرم ﷺ کی رخصت پر عمل کرتا تو مہینے میں صرف تین دن روزہ رکھنے کا معمول ہوتا اور معمول باقی رکھنے میں کوئی مشقت نہ ہوتی، اب یا تو معمول کو توڑ دوں اور اگر معمول پر عمل کروں تو مشقت بہت معلوم ہوتی ہے۔

(۵۶) باب صوم الدهر

ہمیشہ روزہ رکھنے کا بیان

۱۹۷۶ ۔ حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرني سعيد بن

المسيب وأبو اسلمة بن عبدالرحمن : أن عبدالله بن عمرو قال : أخبر رسول الله ﷺ انى أقول : والله ! لأصومن النهار ولأقومن الليل ما عشت . فقلت له : قد قلته بأبى أنت وأمى. قال : ((فانك لا تستطيع ذلك فصم وأفطر ، وقم ونم ، وصم من الشهر ثلاثة أيام فان الحسنة بعشر أمثالها ، ذلك مثل صيام الدهر)) . قلت انى أطيق أفضل من ذلك قال : ((فصم يوما وافطر يومين)) . قلت : انى أطيق أفضل من ذلك قال : ((فصم يوما وافطر يوما ، فذلك صيام داؤد عليه السلام وهو أفضل الصيام)) . فقلت انى أطيق أفضل من ذلك ، فقال النبى ﷺ : ((لا أفضل من ذلك)) [راجع : ۱۱۳۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو میرے متعلق معلوم ہوا کہ میں کہتا ہوں کہ بخدا جب تک میں زندہ رہوں گا دن کو روزہ رکھوں گا اور رات کو کھڑا رہوں گا، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے ایسا کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو ان کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے تو روزہ رکھ اور افطار بھی کر اور رات کو عبادت کے لئے کھڑا ہو اور سو بھی جا، اور ہر مہینے میں تین دن روزے رکھ اس لئے کہ ہر نیکی کا دس گنا اجر بھی ملتا ہے اور یہ عمر بھر روزے رکھنے کے برابر ہے۔

میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ایک روزہ رکھ دو دن افطار کر، میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن افطار کر، یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ تمام روزوں سے افضل ہے۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس سے افضل کوئی روزہ نہیں۔

صوم الدھر کی تین صورتیں

الف: پورے سال اس طرح روزے رکھنا کہ جس میں ایام منہیہ بھی داخل ہوں یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

ب: ایام منہیہ کو چھوڑ کر سال کے باقی ایام میں روزے رکھنا، یہ جمہور کے نزدیک جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

ج: ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا یعنی صوم داؤد علیہ السلام، یہ بالاتفاق افضل اور مستحب ہے۔[۶۸]

(۵۷) باب حق الأهل فى الصوم

روزے میں بیوی بچوں کا حق ہے

"رواه أبو حنيفة عن النبى ﷺ".

---

۶۸ فتح البارى، ج: ۴، ص: ۲۲۰.

۱۹۷۷ ـ حدثنا عمرو بن علي : أخبرنا ابو عاصم ، عن ابن جريج ، سمعت عطاء أن أبا العباس الشاعر أخبره : أنه سمع عبدالله بن عمر و رضي الله عنهما يقول : بلغ النبي ﷺ اني اسرد الصوم ، وأصلي الليل . فاما أرسل الى واما لقيته فقال : ((ألم اخبر انك تصوم ولا تفطر وتصلي ؟ فصم وافطر وقم ونم . فان لعينيك عليك حظا ، وان لنفسك وأهلك عليك حظا)). قال : اني لأقوى لذلك ، قال : ((فصم صيام داود عليه السلام)) . قال : وكيف ؟قال : ((كان يصوم يوما ويفطر يوما ، ولا يفر اذا لاقى)) . قال : من لي بهذه يا نبي الله ؟ قال عطاء : لاأدري كيف ذكر صيام الابد؟ قال النبي ﷺ : ((لاصام من صام الابد)) مرتين .[راجع : ۱۱۳۱]

"وكيف ؟قال : ((كان يصوم يوما ويفطر يوما، ولا يفر اذا لاقى)) . قال : من لي بهذه يا نبي الله ؟ قال عطاء : لاأدري كيف ذكر صيام الابد؟ قال النبي ﷺ : ((لاصام من صام الابد)) مرتين" .

آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو پیچھے نہ ہٹتے۔

حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ میری طرف سے اس کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ یعنی اگر میں حضرت داؤد علیہ السلام جیسے روزے رکھوں تو اس بات کی ذمہ داری کون لیگا کہ میں بھی جنگ میں نہیں بھاگوں گا۔ عطا نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا تذکرہ کس طرح کیا؟ یعنی مجھے یاد نہیں کہ صیام الابد کا تذکرہ کس طرح اس قصے میں آیا، لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے ہمیشہ روزے رکھے اس نے گویا روزے نہیں رکھے۔ یعنی اگر ایامِ منہیہ میں بھی روزے رکھتا رہا تو روزے کا کوئی ثواب نہیں ہے۔

(۵۸) باب صوم يوم وافطار يوم

ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کرنے کا بیان

۱۹۷۸ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر : حدثنا شعبة ، عن مغيرة قال : سمعت مجاهدا، عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما عن النبي ﷺ قال : ((صم من الشهر ثلاثة أيام)). قال : أطيق أكثر من ذلك ، فما زال حتى قال : ((صم يوما وأفطر يوماً))، فقال : (اقرأ القرآن في كل شهر))، قال : اني أطيق أكثر ، فما زال حتى قال : ((في ثلاث)) . [راجع : ۱۱۳۱]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مہینے میں تین دن روزے رکھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، اسی طرح گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار

کرو۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن ہر مہینہ میں ایک بار ختم کرو۔

عبداللہ نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین دن میں ایک بار قرآن ختم کرو۔

(۵۹) باب صوم داؤد علیہ السلام

داؤد علیہ السلام کے روزوں کا بیان

۱۹۷۹۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا حبيب بن أبي ثابت قال: سمعت أبا العباس المكّي، وكان شاعراً، وكان لا يتّهم في حديثه، قال: سمعت عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما قال: قال لي النبي ﷺ: ((إنك لتصوم الدّهر، وتقوم الليل؟)) فقلت: نعم. قال: ((إنك إذا فعلت ذلك هجمت له العين، ونفهت له النّفس. لا صام من صام الدّهر، صوم ثلاثة أيّام صوم الدّهر كله))، قلت: فإني أطيق أكثر من ذلك. قال: ((فصم صوم داؤد علیہ السلام، كان يصوم يوماً ويفطر يوماً، ولا يفرّ إذا لاقى)). [راجع: ۱۱۳۱]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام ایک روز روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور پھر آگے فرمایا کہ **"ولا يفر إذا لاقى"** جب کسی دشمن سے مقابلہ ہوتا تو پھر داؤد علیہ السلام بھاگتے نہیں تھے، اس کا ماقبل سے تعلق غالباً اس طرح ہے کہ جب ایک دن روزہ رکھا اور ایک دن افطار کیا تو اس سے ان کی قوت برقرار رہی، پھر جب کبھی دشمن سے مقابلہ کی نوبت آتی تو بھاگنے کی نوبت نہیں آتی تھی، تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"من لي بهذه يا نبي الله"** میں کہاں اس خصلت پر عمل کرسکتا ہوں یعنی میں ایسی شجاعت اور ایمان کہاں سے لاؤں جو حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔

"لا صام من صام الدّهر" جو ساری عمر روزہ رکھے اس نے روزہ نہیں رکھا، یہاں یہ تفصیل ہے کہ صوم الدہر کی ایک صورت بالاجماع حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ ایام منہیہ کو بھی نہ چھوڑے ان میں بھی روزہ رکھے، البتہ اگر ایام منہیہ چھوڑ کر باقی دنوں میں مسلسل روزے رکھے تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما پر ایک قسم کی نکیر فرمائی، اس کو حرام تو نہیں کہا، لیکن ان کو منع فرمایا، اس کی بناء پر اہل ظاہر اس کو بھی ممنوع کہتے ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ مستحب کہتے ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے **"سنن الكجي"** کے حوالے سے حضرت ابوتمیمہ **هجيمي** رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے **"من صام الدهر ضيقت عليه جهنم هكذا"** نیز ابن ماجہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے علاوہ سارے سال روزے رکھتے تھے، نیز حضرت عمر، حضرت ابن

عمر، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت ابوامامہ ﷺ سے منقول ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھتے تھے۔ ٦٩

"لا صام من صام الأبد" یا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو ایام منہیہ میں بھی روزہ نہیں چھوڑتا تو اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں یعنی گناہ گار ہوا اور اگر اس کو دوسرے معنی پر محمول کیا جائے کہ ایام منہیہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مسلسل روزے رکھ رہا ہے تو مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے اب اس کی عادت بن گئی ہے، عادت بن جانے سے آدمی کے اوپر مشقت باقی نہیں رہتی تو گویا کہ اس نے روزہ رکھا ہی نہیں، کیونکہ یہ اس کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے۔

"هجمت له العين" ایسا کرو گے تو آنکھ حملہ کرے گی یعنی نیند آنے لگے گی، **"ونفهت له النفس"** اور نفس تھک جائے گا **"نَفِهَ"** کے معنی **"تَعِبَ"** ہیں۔

۱۹۸۰ ـ حدثنا اسحاق بن شاهين الواسطي : حدثنا خالد بن عبدالله ، عن خالد الحذاء ، عن أبي قلابة قال : أخبرني أبو المليح قال : دخلت مع أبيک على عبدالله ابن عمرو ، فحدثنا أن رسول الله ذكر له صومي ، فدخل عليّ فألقيت له وسادة من أدم حشوها ليف فجلس على الأرض ، وصارت الوسادة بيني وبينه . فقال : ((أم يكفيک من كل شهر ثلاثة أيام ؟)) قال : قلت : يارسول الله ، قال : ((خمسا)) . قلت : يا رسول الله ، قال : ((سبعا)) ، قلت : يارسول الله ، قال : ((تسعا)) ، قلت : يارسول الله ، قال ((أحدى عشرة)) . ثم قال النبي ﷺ : ((لاصوم فوق صوم داؤد عليه السلام ، شطر الدهر صم يوما وأفطر يوما)) . [راجع : ۱۱۳۱]

ترجمہ: **أبو المليح** نے ابوقلابہ سے بیان کیا کہ میں تیرے والد کے ساتھ عبداللہ بن عمرو کے پاس گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے میرے روزے کا تذکرہ ہوا، آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں نے آپ ﷺ کے لئے چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی بچھا دیا۔ آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ہر مہینے میں تین روزے کافی نہیں ہیں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ یعنی لجاجت کے ساتھ آپ ﷺ سے درخواست کی کہ کچھ اور رکھنے کی اجازت دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا پانچ روزے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ اور، آپ ﷺ نے فرمایا سات روزے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ اور، آپ ﷺ نے فرمایا نو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ اور، آپ ﷺ نے فرمایا گیارہ، پھر نبی ﷺ نے فرمایا داؤد کے روزوں سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔

٦٩ عمدة القاري ، باب صوم الدهر ، رقم : ۱۹۷٦ ، ج : ۸ ، ص : ۱٦۹ .

(٦۰) باب صيام البيض ثلاث عشرة، وأربع عشرة، وخمس عشرة

ہر مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو روزے رکھنے کا بیان

۱۹۸۱ــ حدثنا أبو معمر : حدثنا عبدالوارث : حدثنا أبو التياح قال : حدثني أبو عثمان ، عن أبي هريرة ﷺ قال : أوصاني خليلي ﷺ بثلاث : صيام ثلاثة أيام من كل شهر ، وركعتي الضحى ، وان أوتر قبل ان أنام .[راجع : ۱۱۷۸]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا، چاشت کے دو رکعتیں پڑھنا اور سونے سے پہلے وتر کی وصیت فرمائی۔

(٦۱) باب من زار قوماً فلم يفطر عندهم

اس شخص کا بیان جو کسی کی ملاقات کو جائے اور وہاں اپنا روزہ نفلی نہ توڑے

۱۹۸۲ــ حدثنا محمد بن المثنیٰ قال : حدثني خالد ـ هو ابن الحارث ـ: حدثنا حميد ، عن أنس ﷺ : دخل النبي ﷺ على أمّ سليم ، فأتته بتمر و سمن قال : ((أعيدوا سمنكم في سقائه، وتمركم في وعائه فانّي صائم))، ثم قال إلى ناحية من البيت فصلّى غير المكتوبة، فدعا لأم سليم وأهل بيتها ، فقالت أمّ سليم: يا رسول الله ، إنّ لي خويصة ، قال: ((ما هي؟)) قالت: خادمک أنس، فما ترک خير آخرةٍ ولادنيا إلا دعا لي به قال: ((اللّٰهم ارزقه مالاً وولداً و بارک له)) فإني لمن أكثر الأنصار مالاً. وحدثتني ابنتي أمينة أنه دفن لصلبي مقدم الحجاج البصرة بضعٌ وعشرون ومائة)). قال ابن أبي مريم: أخبرنا يحيى بن أيوب قال: حدثني حميد: سمع أنسا ﷺ عن النبي ﷺ . [أنظر: ٦۳۳۴، ٦۳۴۴، ٦۳۷۸، ٦۳۸۰]. ۷۰

خدمت ودعا کی برکت

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا یعنی میری والدہ کے پاس

۷۰ وفي صحيح مسلم ،كتاب المساجد وموضع الصلاة ، باب جواز الجماعة في النافلة والصلاة على حصير و خمرة ، رقم : ۱۰۵۵ ، وكتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل أنس بن مالک ، رقم : ۴۵۲۹، ۴۵۳۱،وسنن الترمذي ، كتاب المناقب عن رسول الله ، باب مناقب أنس بن مالک ، رقم : ۳۷٦۳، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالک، رقم : ۱۱٦۱۱، ۱۲۴۸۵.

تشریف لائے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس ﷺ کی والدہ ہیں، **"فأتته بتمر وسمن"** حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی تواضع کے لئے آپ کے پاس کچھ کھجور اور کچھ گھی لے کر آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"اعیدوا سمنکم فی سقائه وتمرکم فی وعائه"** اپنا گھی اس کے مشکیزہ میں رکھو جس میں تھا اور اپنی کھجوریں اس کے برتن میں رکھو کیونکہ میں روزے سے ہوں۔

اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے **"من زار قوما فلم یفطر عندھم"** کوئی شخص مہمان ہو کر گیا تو ضروری نہیں ہے کہ وہاں افطار کرے بلکہ کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اس لئے میں نہیں کھا سکتا ہوں۔

"ثم قام إلى ناحية من البيت فصلّى غير المكتوبة، فدعا لأم سليم وأهل بيتها"

آپ ﷺ نے نماز پڑھ کر دعا فرمائی۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا **"یا رسول اللہ إن لی خویصة"** یہ شاذ کلمہ ہے، اس میں التقاء ساکنین گوارا کیا گیا ہے۔ **"خاصّة"** کی تصغیر ہے، یعنی میرا چھوٹا سا خاص معاملہ ہے یا خاص آدمی مراد ہے، **"قال: ماهی؟ قالت: خادمک أنس"** یعنی میں انس ﷺ کو آپ ﷺ کی خدمت میں دینا چاہتی ہوں کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں رہے۔

"فما ترک خیر آخرۃ ولا دنیا إلا دعا لی به"

دنیا اور آخرت کی ایسی کوئی بھلائی نہ تھی جس کی آنحضرت ﷺ نے مجھے دعا نہ دی ہو، یعنی ہر طرح کی دعا دی۔

"قال: (اللّٰهم ارزقه مالا وولداً بارک له) فإنی لمن أكثر الأنصار مالاً"

اس دعا کی یہ برکت ہے کہ انصار میں سب سے زیادہ مال میرے پاس ہے اور آپ ﷺ نے اولاد میں برکت کی دعا دی تھی تو میری بیٹی امینہ نے مجھے بتایا ہے کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری جو صلبی اولاد دفن کی جا چکی ہے اس کی تعداد ایک سو بیس سے کچھ زیادہ ہے، یعنی جس سال حجاج بصرہ آیا تھا اس وقت تک میرے ایک سو بیس سے زائد بیٹوں کا انتقال ہو چکا تھا اور جو زندہ ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

(۶۲) باب الصّوم من آخر الشّهر

آخر مہینہ میں روزے رکھنے کا بیان

۱۹۸۳۔ حدثنا الصّلت بن محمد: حدثنا مهدی، عن غیلان، ح:

و حدثنا أبو النعمان: حدثنا مهدی بن میمون: حدثنا غیلان بن جریر، عن مطرف، عن عمران ابن حصین رضی اللہ عنهما عن النبی أنه ساله او سال رجلاً وعمران یسمع فقال:

((يا أبا فلان ، أمّا صمت سرر هذا الشّهر؟)) قال: أظنّه قال: يعني رمضان. قال الرجل: لا يا رسول اللّه، قال: ((فإذا أفطرت فصم يومين)). لم يقل الصّلت: أظنّه يعني رمضان. قال أبوعبدالله: وقال ثابت، عن مطرف، عن عمران عن النبی ﷺ : ((من سرر شعبان)). ا ے

تشریح

حضرت عمران بن حصین ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا یا کسی اور شخص سے پوچھا اور یہ ہے تھے "يا أبا فلان أما صمت سرر هذا الشّهر؟" اے ابوفلان! کیا تم نے اس مہینے کے آخر میں روزے نہیں رکھے۔

"سرر الشهر"سرر [بفتحتين وقيل بضم السين] مہینہ کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ بعض نے وسط الشہر اور بعض نے اول الشہر سے بھی اس کی تفسیر کی ہے، لیکن یہاں حدیث میں آخر شہر ہی مراد ہے۔

"قال: أظنه قال" یعنی رمضان، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ میرے استاد نے بھی کہا تھا کہ "سرر الشهر " سے رمضان کا آخری حصہ مراد ہے۔ لیکن یہ راوی کا وہم ہے، دوسری روایات میں صراحت ہے کہ شعبان کا آخری حصہ مراد ہے، اور رمضان کا آخری حصہ قرار دیں تو معنی صحیح نہیں بنتے کیونکہ رمضان کا تو سارا مہینہ روزے رکھنے ہوتے ہیں۔

اس شخص نے کہا "لا، يا رسول الله، قال: فإذا أفطرت فصم يومين " آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم افطار کرلو یعنی رمضان کے روزے ختم ہوجائیں تو تم دوروزے رکھ لینا۔

اصل صحیح روایت یہ ہے کہ اس سے شعبان کے آخری روزے مراد ہیں اور جہاں تک رمضان کا لفظ ہے وہ بظاہر راوی کا وہم ہے۔

قال أبو عبدالله:وقال ثابت، عن مطرف، عن عمران عن النبی ﷺ : ((من سرر شعبان))

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعبان والی روایت ہی صحیح ہے۔

صورت حال یہ تھی کہ جن صاحب سے یہ سوال کیا جارہا تھا ان کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر مہینے کے آخر میں دوروزے رکھا کرتے تھے، انہوں نے یہ سنا کہ حضور ﷺ نے شعبان کے آخری روزوں سے منع فرمایا ہے تاکہ آدمی رمضان کے لئے مکمل طور پر تیار ہو، وہ یہ سمجھے کہ ان دودنوں میں روزہ رکھنا منع ہے اس لئے اپنے معمول کو ترک کر کے وہ روزے چھوڑ دئے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں چھوڑنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ ممانعت اس شخص کے لئے تھی جس کا معمول نہ ہو اور جس کا معمول ہو وہ ان دنوں میں اپنا معمول پورا کرسکتا ہے، اس لئے کہ

ا ے وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب صوم سرر شعبان ، رقم : ۱۹۸۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب في التقدم، رقم : ۱۹۸۳ ، ومسند أحمد ، أول مسند البصريين ، باب حديث عمران بن حصين ، رقم : ۱۸۹۹۷، ۱۹۰۳۶، ۱۹۰۵۰، ۱۹۱۰۰، ۱۹۱۲۰، ۱۹۱۲۸، ۱۹۱۵۵، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب الصوم من سرر الشهر ، رقم : ۱۶۷۸ .

روزہ رکھنا جائز ہے، چنانچہ فرمایا کہ اب تم ایسا کرنا کہ عید الفطر کے بعد بطور تلافی دو روزے رکھ لینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے معمول میں نفلی عبادت داخل ہو جائے اور کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو اگر چہ اس کی قضا واجب تو نہیں ہے، لیکن اس کو بالکل ترک کر دینے کے مقابلے میں کسی اور وقت اس کی تلافی کے طور پر اس کو انجام دینا بہتر ہے۔

(۶۳) باب صوم يوم الجمعة، وإذا أصبح صائماًيوم الجمعة فعليه أن يفطر

جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا بیان اگر کوئی جمعہ کا روزہ رکھے تو اس پر واجب ہے کہ افطار کرے

۱۹۸۴ ۔ حدثنا أبو عاصم، عن ابن جريج، عن عبدالحميد بن جبير ابن شيبة، عن محمد بن عباد قال: سألت جابراً ﷺ : أنهى النبي ﷺ عن صوم يوم الجمعة؟ قال : نعم . زاد غير أبي عاصم : يعني: أن ينفرد بصومه. ۲ے

۱۹۸۵ ۔ حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا أبو صالح، عن أبي هريرة ﷺ قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((لا يصوم أحدكم يوم الجمعة إلا يوماً قبله أو بعده)). ۳ے

اس میں جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت مذکور ہے۔ ابن حزم نے اس کی وجہ سے کہا کہ تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، اگر رکھنا ہو تو اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے مختلف اقوال مروی ہے، لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک اصح کراہت ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ ابتدا میں یہ نہی تھی بعد میں منسوخ ہوگئی اور ابتدا میں بھی اس لئے تھی کہ کہیں لوگ جمعہ کی اس طرح تعظیم نہ شروع کر دیں جیسے یہودیوں نے یوم السبت کی شروع کر دی تھی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جمعے کے دن بہت کم روزہ افطار فرماتے تھے، **رواه الترمذي وقال حديث حسن ، وصححه ابن حبان۔**

اس سے پتہ چلا کہ ممانعت اسی مذکورہ وجہ سے تھی، چنانچہ نہی یوم السبت بھی وارد ہوئی ہے کہ یوم السبت میں روزہ نہ رکھو، لیکن یوم السبت میں روزہ رکھنا خود حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

۲ے۳ے وفي صحيح مسلم ، كتاب الصيام ،باب كراهة صيام يوم الجمعة منفرداً ، رقم : ۱۹۲۸ ، ۱۹۲۹ ، ۱۹۳۰ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في كراهية صوم يوم الجمعة وحده ، رقم : ۶۷۴ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب في صيام يوم الجمعة ، رقم: ۱۷۱۳ ، ۱۷۱۴ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب النهي أن يخص يوم الجمعة بصوم ، رقم : ۲۰۶۷ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم: ۷۰۸۳ ، ۷۶۸۲ ، ۸۷۳۵ ، ۱۳۶۳۸ ، ۱۳۸۳۳ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب في النهي عن الصيام يوم الجمعة ، رقم : ۱۶۸۳ .

اس کے بارے میں تمام علماء یہ کہتے ہیں کہ اس ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ لوگ یہودیوں کے ساتھ مشابہت سے محفوظ رہیں، بعد میں اس کی اجازت دی گئی، ایسے ہی جمعہ کا معاملہ بھی ہے۔[۴]

۱۹۸۶۔ حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن شعبة ؛ ح:

وحدثنی محمد: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أبی أیوب، عن جویریة بنت الحارث رضی اللہ عنہا: أن النبی ﷺ دخل علیها یوم الجمعة وهی صائمة فقال: ((أصمت أمس؟)) قالت: لا، قال: ((تریدین أن تصومی غداً؟)) قالت: لا، قال: ((فأفطری)). وقال حمّاد بن الجعد سمع قتادة: حدثنی أبو أیوب أن جویریة حدثته فأمرها فأفطرت. [۵]

آپ ﷺ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمعہ کے دن آئے، وہ روزے سے تھیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کل روزہ رکھا تھا یعنی یوم الخمیس کو؟ انہوں نے فرمایا، نہیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ کل رکھنے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "افطری" روزہ نہ رکھو۔ یہ اسی زمانہ کی بات ہے جب علیحدہ روزہ رکھنے کی ممانعت تھی۔

(۶۴) باب هل یخص شیئا من الأیام؟

کیا روزے کے لئے کوئی دن مخصوص کرسکتا ہے

۱۹۸۷۔ حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن سفیان، عن منصور، عن ابراهیم عن علقمة: قلت لعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: هل کان رسول اللہ ﷺ یختص من الأیام شیئا؟ قالت: لا، کان عمله دیمة، و أیکم یطیق ماکان رسول اللہ ﷺ یطیق؟.

[أنظر: ۶۴۶۶]

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کسی دن کو روزے کے لئے مخصوص کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کے عمل میں مداومت ہوتی تھی (یعنی جب کسی عمل کے لئے کسی وقت کو مخصوص کر لیتے تو اس کی پابندی فرماتے، لیکن روزوں میں اس طرح کی

---

[۴] عمدۃ القاری، ج:۸، ص:۲۱۵۔

[۵] وفی سنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب الرخصة فی ذلک، رقم: ۲۰۶۹، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبداللہ من عمرو بن العاص، رقم: ۶۴۸۲، وباقی مسند الأنصار، باب حدیث جویریة بنت الحارث بن أبی ضرار زوج النبی، رقم: ۲۵۵۳۰.

پابندی کسی خاص دن میں نہیں فرماتے تھے) اور تم میں سے کون شخص رسول اللہ ﷺ کے برابر طاقت رکھتا ہے۔

(۶۵) باب صوم یوم عرفة

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا بیان

۱۹۸۸ ـ حدثنا مسدد : حدثنا یحیی ، عن مالک ، قال : حدثنی سالم قال : حدثنی عمیر مولی أم الفضل ان أم الفضل حدثته ؛ ح :

وحدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن أبی النضر مولی عمر بن عبیداللہ ، عن عمیر مولی عبداللہ بن عباس ، عن أم الفضل بنت الحارث : أن ناسا تماروا عندها یوم عرفة فی الصوم النبی ﷺ فقال بعضهم : هو صائم ، وقال بعضهم : لیس بصائم فأرسلت الیه بقدح لبن وهو واقف علی بعیره فشربه .[راجع : ۱۶۵۸]

ترجمہ: حضرت ام فضل بنت حارث سے روایت ہے کہ کچھ لوگ ان کے عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزے کے متعلق اختلاف کرنے لگے، بعض نے کہا آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہے، بعض نے کہا روزہ نہیں رکھا ہے، ام فضل نے دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے آپ ﷺ نے اس کو پی لیا۔

۱۹۸۹ ـ حدثنا یحیی بن سلیمان : أخبرنی ابن وهب ـ أو قرئ علیه ـ قال : أخبرنی عمرو ، عن بکیر ، عن کریب ، عن میمونة رضی اللہ عنها : ان الناس شکوا فی الصیام النبی ﷺ یوم عرفة فأرسلت الیه بحلاب وهو واقف فی الموقف ، فشرب منه والناس ینظرون .

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی ﷺ کے روزے کے متعلق عرفہ کے دن شک کیا، حضرت میمونہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں دودھ بھیجا، اس حال میں کہ آپ ﷺ عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اس میں سے پی لیا اور لوگ دیکھ رہے تھے۔

مسئلہ: بعض روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے یوم عرفہ کی ترغیب بیان فرمائی ہے اس وجہ سے اس دن کا روزہ مستحب ہے۔ البتہ حاجی کے لئے بہتر یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے تا کہ روزہ کی وجہ سے حج کے افعال میں خلل

نہ آئے، نبی کریم ﷺ نے بھی امت پر آسانی کے لئے حج کے موقعہ پر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا۔ ۷۶

(٦٦) باب صوم يوم الفطر

عیدالفطر کے دن روزہ رکھنے کا بیان

١٩٩٠ - حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن أبي عبيد مولى ابن أزهر قال: ((شهدت العيد مع عمر بن الخطاب ﷺ فقال: هذان يومان نهى رسول الله ﷺ عن صيامهما، يوم فطركم من صيامكم، واليوم الآخر تأكلون فيه من نسككم. قال أبو عبدالله: قال ابن عيينة: من قال: مولى ابن أزهر فقد أصاب، ومن قال: مولى عبدالرحمن بن عوف فقد أصاب. [أنظر: ٥٥٧١] ۷۷

ترجمہ: ابوعبید روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں عید کے دن عمر بن خطاب ﷺ کے ساتھ حاضر تھا، انہوں نے بیان کیا کہ ان دونوں دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے ایک تو روزہ افطار کرنے کا دن ہے اور دوسرا وہ دن ہے جس میں اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔

۷۶ واستدل بهذين الحديثين على استحباب الفطر يوم عرفة بعرفة، وفيه نظر لأن فعله المجرد لايدل على نفي الاستحباب اذ قد يترك الشئي المستحب لبيان الجواز ويكون في حقه أفضل لمصلحة التبليغ، نعم روى أبوداؤد والنسائي وصححه ابن خزيمة والحاكم من طريق عكرمة أن أبا هريرة حدثهم ((أن رسول الله ﷺ نهى عن صوم يوم عرفة بعرفة، وأخذ بظاهره بعض السلف فجاء عن يحيى بن سعيد الأنصاري قال: يجب فطر يوم عرفة للحاج، كذا ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني في فتح الباري، ج:٤، ص:٢٣٨، وصحيح ابن خزيمة، ج: ٣، ص: ٢٩٢، رقم: ٢١٠١، وسنن أبي داؤد، باب في صوم عرفة بعرفة، رقم: ٢٤٤٠، وسنن النسائي، باب النهي عن صوم يوم عرفة، رقم: ٣٠٠٤، والمستدرك على الصحيحين، ج: ١، ص: ٦٠٠، رقم: ١٥٨٧.

۷۷ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم يوم الفطر ويوم الأضحى، رقم: ١٩٢٠، وكتاب الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد، رقم: ٣٦٣٩، وسنن الترمذي، كتاب الصوم عن رسول الله، باب ماجاء في كراهية الصوم يوم الفطر والنحر، رقم: ٧٠٢، وسنن النسائي، كتاب الضحايا، باب النهي عن الأكل من لحوم الأضاحي بعد ثلاث وعن امساكه، رقم: ٤٣٤٨، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب في صوم العيدين، رقم: ٢٠٦٣، وسنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في النهي عن صيام يوم الفطر والأضحى، رقم: ١٧١٢، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ١٥٨، ٢١٩، ٢١٠، ٢٦٩، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الأمر بالصلاة قبل الخطبة في العيدين، رقم: ٣٨٦.

"**من قال مولی**" چونکہ یہ دونوں کے غلام تھے اوران دونوں کوان کی ولاء مشترک طور پر حاصل ہوئی، اس لئے مولیٰ ابن ازہر کہنا بھی درست ہے اور مولیٰ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنا بھی درست ہے۔

۱۹۹۱ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل : وهيب : عن عمرو بن يحيى ، عن أبيه ، عن ابن سعيد رضی اللہ عنہ قال : نهى رسول الله ﷺ عن صوم يوم الفطر والنحر وعن الصماء ، وان يحتبي الرجل في الثوب الواحد . [راجع : ۳۶۷]

۱۹۹۲ ۔ وعن صلاة بعد الصبح والعصر . [راجع : ۵۸۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا اور صماء اور ایک کپڑے میں احتباء کرنے سے اور فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۶۷) باب صوم يوم النحر

قربانی کے دن روزہ رکھنے کا بیان

۱۹۹۳ ۔ حدثنا ابراهيم بن موسى : أخبرنا هشام ، عن ابن جريج قال : أخبرني عمرو بن دينار ، عن عطاء بن ميناء قال : سمعته يحدث عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : ينهى عن صيامين وبيعتين : الفطر و النحر ، والملامسة والمنابذة . [راجع : ۳۶۸]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ دو قسم کے روزے اور دو قسم کی خرید وفروخت منع ہے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا اور بیع ملامسہ اور بیع منابذہ منع ہے۔

۱۹۹۴ ۔ حدثنا محمد بن المثنى : حدثنا معاذ : أخبرنا ابن عون ، عن زياد بن جبير قال : جاء رجل الى ابن عمر رضي الله عنهما فقال رجل : نذر أن يصوم يوماً ، قال : أظنه قال : الاثنين فوافق ذلك يوم عيد ، فقال ابن عمر : أمر الله بوفاء النذر ، ونهى النبي ﷺ عن صوم هذا اليوم . [أنظر : ۶۷۰۵، ۶۷۰۶]

ترجمہ: ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ ایک دن روزہ رکھے گا اور اس نے بیان کیا کہ میرا گمان ہے کہ وہ پیر کا دن ہے، اور اتفاق سے وہ عید کا دن پڑ گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے نذر پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر پر اس سوال کا حتمی جواب واضح نہیں ہوا، اس لئے تردد کا اظہار فرمایا۔ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں یوم النحر میں روزہ نہ رکھے بعد میں رکھے۔

۱۹۹۵ ۔ حدثنا حجاج بن منهال : حدثنا شعبة : حدثنا عبدالملک بن عمير قال :

سمعت قزعة قال : سمعت أبا سعيد الخدری ﷺ وكان غزا مع النبی ﷺ ثنتی عشرة غزوة، قال: سمعت أربعا عن النبی ﷺ فأعجبننی قال : ((لاتسافر المرأة مسيرة يومين الاومعها زوجها أوذومحرم . ولا صوم فی يومين : الفطر والاضحی ، ولا صلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس ، ولا بعد العصر حتی تغرب . ولا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجد الأقصی ، ومسجدی هذا)) . [راجع : ۵۸۶]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بارہ غزوہ کئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے چار باتیں نبی کریم ﷺ سے سنیں جو مجھے بہت پسند آئیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت دودن کا سفر نہ کرے، مگر اس حال میں کہ اس کا کوئی رشتہ دار ایسا ساتھ ہو، جس سے نکاح حرام ہے یا اس کا شوہر اس کے ساتھ ہو اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں روزہ نہ رکھے اور نہ فجر کے بعد نماز پڑھے جب تک آفتاب طلوع نہ ہو اور نہ عصر کے نماز پڑھے جب تک غروب آفتاب نہ ہو جائے اور تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کے لئے سامان سفر نہ باندھے وہ تین مسجدیں یہ ہیں مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی۔

(۶۸) باب صيام أيّام التشريق

ایام تشریق کے روزوں کا بیان

۱۹۹۶ ـ قال أبو عبدالله: قال لی محمد بن المثنی: حدثنا يحيی، عن هشام قال: أخبرنی أبی : كانت عائشة رضی الله عنها تصوم أيّام منی وكان أبوها يصومها.

یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کو بیان کرنے کے لئے قائم فرمایا ہے کہ اگرچہ جمہور کے نزدیک عیدین کے دنوں میں روزہ رکھنا حرام اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا ناجائز ہے، لیکن بعض فقہاء کرام کا مذہب یہ ہے کہ ایک خاص صورت میں ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ حج کے اندر قربانی تھی، مثلاً اس نے حج تمتع کیا اور اس پر قربانی آگئی لیکن وہ قربانی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ قربانی کے بجائے دس دن روزہ رکھے **"فمن لم يجد فثلثة أيام فی الحج وسبعة إذا رجعتم"** تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اپنے گھر واپس آکر رکھے۔

اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ تین روزے یوم عرفہ تک پورے کرے مثلاً ۶، ۷، ۸ کو رکھے، لیکن اگر کوئی شخص غفلت سے یا عذر سے یہ روزے شروع میں نہ رکھ سکا، تو اب اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزہ رکھے۔

حضرت عائشہؓ کی طرف یہ مذہب منسوب ہے اور بعض حضرات نے اس کو دوسرے بعض صحابہ ﷺ سے

بھی نقل کیا ہے اور امام مالک، امام اوزاعی اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کی طرف بھی یہی مذہب منسوب ہے۔

جمہور کا کہنا یہ ہے جن میں حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ سب شامل ہیں کہ اس شخص کے لئے ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے، پہلے رکھے، اگر پہلے نہ رکھ سکا تو بعد میں رکھے لیکن ایامِ تشریق میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ۷۸

یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اور وہ مطلق ہیں، لہٰذا ہر شخص کے لئے یہی حکم ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے **"کانت عائشة تصوم أيام منى"** وہ منیٰ کے ایام میں روزہ رکھا کرتی تھیں، **"وكان أبوه يصومها"** حضرت ہشام بن عروہؓ کے والد یعنی حضرت عروہ بن زبیرؓ بھی ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ جمہور اس کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ ان حضرات تک ممانعت نہیں پہنچی تھی۔ لیکن چونکہ خود حضرت عروہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اگلی حدیث میں روایت کیا ہے کہ ان دنوں میں روزہ صرف اس کے لئے جائز ہے جو ھدی پر قادر نہ ہو، اس لئے بظاہر ان کا روزہ رکھنا یا تو ھدی نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے، یا پھر **تصوم** اور **یصوم** سے مراد صوم کی اجازت دینا ہوسکتا ہے۔ اور یہ اجازت بھی اس متمتع یا قارن کو جس کے پاس قربانی کی استطاعت نہ ہو۔

۱۹۹۷، ۱۹۹۸ ۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة: سمعت عبدالله بن عيسى، عن الزهرى، عن عروة، عن عائشة، وعن سالم، عن ابن عمر ﷺ قالا: لم يرخص فى أيّام التشريق أن يصمن إلا لمن لم يجد الهدى. ۷۹

ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی رخصت نہیں ہے مگر اس شخص کو جس کے پاس قربانی کرنے کے لئے ہدی نہ ہو۔ یہ ان کا ذاتی مذہب ہے، ورنہ جمہور اس سے اتفاق نہیں کرتے ہیں۔ ۸۰

---

۷۹ وفى موطأ مالک، كتاب الحج، باب صيام التمتع، رقم: ۸۴۸.

۷۸، ۸۰ واختلفوا فى صيام أيام التشريق على أقوال: أحدهما: انه لايجوز صيامها مطلقاً وليست قابلة للصوم، ولا للمتمتع الذى لم يجد الهدى ولا لغيره، وبه قال على بن أبى طالب والحسن وعطاء، وهو قول الشافعى فى الجديد، وعليه العمل والفتوىٰ عند أصحابه، وهو قول الليث بن سعد وابن علية وابى حنيفة وأصحابه، قالوا: اذا نذر صيامها وجب عليه قضاؤها. والثانى: أنه يجوز لاصيام فيها مطلقاً، وبه قال أبو اسحاق المروزى من الشافعية، وحكاه ابن عبدالبر فى (التمهيد) عن بعض أهل العلم، وحكى ابن المنذر وغيره عن الزبير بن العوام وأبى طلحة من الصحابة الجواز مطلقاً. والثالث: أنه يجوز للمتمتع الذى لم يجد الهدى ولم يصم الثلاث فى أيام العشر، وهو قول عائشة وعبدالله بن عمر وعروة ابن الزبير وبه قال مالک والأوزاعى واسحاق ابن راهويه، وهو قول الشافعى فى القديم، وقال المزنى: انه رجع عنه. عمدة القارى، ج:۸، ص:۲۲۷، والمبسوط للسرخسى، ج:۳، ص:۹۲.

(۶۹) باب صوم يوم عاشوراء

عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا بیان

۲۰۰۴ ۔ حدثنا أبو معمر : حدثنا عبدالوارث : حدثنا أيوب : عن عبدالله بن سعيد بن جبير ، عن أبيه ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : قدم النبي ﷺ المدينة فرأى اليهود تصوم يوم عاشوراء فقال : ((ماهذا ؟)) قالوا : يوم صالح ، هذا يوم نجى الله بني اسرائيل من عدوهم ، فصامه موسى ، قال : ((فأنا أحق بموسى منكم))، فصامه ، وأمر بصيامه .[أنظر : ۳۳۹۷، ۳۹۴۳، ۴۶۸۰، ۴۷۳۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ بہتر دن ہے اسی دن اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دلائی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ہم تمہارے اعتبار سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

۲۰۰۵ ۔ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا أبو أسامة ، عن أبي عميس ، عن قيس ابن مسلم ، عن طارق بن شهاب عن أبي موسى ﷺ قال : كان يوم عاشوراء تعده اليهود عيداً، قال النبي ﷺ : ((فصوموه انتم)). [أنظر : ۳۹۴۲]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ﷺ نے بیان کیا کہ یہودی عاشوراء کے دن کو عید سمجھتے تھے، نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ ﷺ سے فرمایا کہ تم بھی اس دن روزہ رکھو۔

مسئلہ: اس پر اتفاق ہے کہ صوم یوم عاشوراء مستحب ہے پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ صیام رمضان کی فرضیت سے پہلے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت یہ روزہ فرض تھا بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف استحباب باقی رہ گیا۔[۸۱]

---

[۸۱] اتفق العلماء على أن صوم يوم عاشوراء سنة وليس بواجب ، واختلفوا في حكمه أول الاسلام ، فقال أبو حنيفة : كان واجباً ، واختلف أصحاب الشافعي على وجهين : اشهر هما : أنه لم يزل سنة من حين شرع ولم يك واجباً قط في هذه الأمة ، ولكنه كان يتاكد الاستحباب ، فلما نزل صوم رمضان صار مستحبا دون ذلک الاستحباب . والثاني : كان واجبا كقول أبي حنيفة ، وقال عياض : كان بعض السلف يقول : كان فرضاً وهو باقي على فرضيته لم ينسخ ، قال : وانقرض القائلون بهذا ، وحصل الاجماع على أنه ليس بفرض ، انما هو مستحب ، عمدة القاري ، ج:۸،ص:۲۲۳ ، المجموع ، ج : ۶ ، ص : ۴۰۷، والتمهيد لابن عبد البر ، ج : ۷، ص: ۲۰۴ ، ، وشرح معاني الآثار ، ج : ۲، ص: ۷۵.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۱ ۔ کتاب صلاۃ التراویح

(۱) باب فضل من قام رمضان

رمضان میں قیام کرنے والوں کی فضیلت کا بیان

۲۰۰۸ ۔ حدثنا یحیی بن بکیر : حدثنا اللیث ، عن عقیل ، عن ابن شھاب قال : أخبرنی أبو سلمة أن أبا ھریرة ﷺ قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لرمضان : ((من قامه ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)) . [راجع : ۳۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص جو رمضان کی راتوں میں ایمان کی ساتھ ثواب کی نیت سے قیام کیا (تراویح پڑھا) اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۲۰۰۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن ابن شھاب ؛ عن حمید بن عبدالرحمٰن ، عن أبی ھریرة ﷺ: أن رسول اللہ ﷺ قال: ((من قام رمضان إیماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه)). قال ابن شھاب: فتوفی رسول اللہ ﷺ والنّاس علی ذلک. ثم کان الأمر علی ذلک فی خلافة أبی بکر، وصدراً من خلافة عمر رضی اللہ عنھما. [راجع : ۳۵]

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **"من قام رمضان ایماناً "** جس نے ایمان رکھ کر ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کیا یعنی تراویح کی نماز پڑھی اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

"احتساب" کے معنی ہیں طلب ثواب۔

"قال ابن شھاب: فتوفی رسول اللہ ﷺ والنّاس علی ذلک. ثم کان الأمر علی ذلک فی خلافة أبی بکر، وصدراً من خلافة عمر رضی اللہ عنھما"

ابن شہاب زہری جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ **کی وفات ہوئی تو** معاملہ اسی پر تھا۔

معاملہ اسی پر تھا کے معنی یہ ہیں کہ تراویح کی باقاعدہ ایک جماعت نہیں ہوا کرتی تھی ، بلکہ لوگ اپنے اپنے طور پر پڑھا کرتے تھے، کوئی منفرداً، کوئی دو آدمی مل کر پڑھتے تھے۔

" ثم کان الأمر علی ذلک فی خلافة أبی بکر، وصدراً من خلافة عمر"

پھر حضرت ابوبکر ﷺ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر ﷺ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔

۲۰۱۰ ۔ وعن ابن شھاب، عن عروة بن الزبیر عن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری أنّه

قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ﷺ ليلةً في رمضان إلى المسجد فإذا النّاس أوزاعٌ متفرقون، يصلّي الرّجل فيصلّي بصلاته الرّهط، فقال عمر: إنّي أرى لو جمعت هؤلاء على قارى واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب. ثم خرجت معه ليلةً اخرى والنّاس يصلّون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه، والتي ينامون عنها أفضل من الّتي يقومون، يريد آخر الليل. وكان النّاس يقومون أوّله. [1، 2]

یہ دوسری روایت ابن شہاب نے ذکر کی ہے **"عن عبد القاریّ"** یاء کی تشدید کے ساتھ قبیلہ ''قارہ'' کی طرف منسوب ہیں۔

"خرجت مع عمر بن الخطاب ﷺ ليلةً في رمضان إلى المسجد"

میں (یعنی عبدالرحمٰن) حضرت عمر ﷺ کے ساتھ مسجد میں آیا، دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں **"يصلّي الرّجل لنفسه"** کوئی اپنی ذات کے لئے پڑھ رہا ہے یعنی منفرداً **"فيصلّي بصلاته الرّهط"** کوئی آدمی تنہا پڑھ رہا ہے اور اس کے ساتھ تین چار آدمی ملکر چھوٹی سی جماعت بن گئی ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا **"انّي أرى لو جمعت هؤلاء على قاري واحد لكان أمثل"** اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کردوں جوان کو امامت کرے تو یہ افضل ہوگا، **"ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب"** پھر ان سب کو ابی بن کعب کا مقتدی بنا دیا یعنی جن کو حضور اقدس ﷺ نے اقرأ الصحابہ ﷺ قرار دیا تھا، **"ثم خرجت معه"** اس کے بعد پھر میں ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، جب حضرت ابی بن کعب ﷺ سے کہہ دیا کہ آپ نماز پڑھایا کریں تو فرماتے ہیں ایک رات میں دوبارہ حضرت عمر ﷺ کے ساتھ نکلا، **"والناس يصلون بصلاة قارئهم"** لوگ اس وقت حضرت ابی ابن کعب ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، **"قال عمر: نعم البدعة هذه"** آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک اچھی بدعت ہے **"والتي ينامون"** یہ جو تہجد کی نماز سے سوجاتے ہیں افضل ہے اس نماز سے جو تم کھڑے ہوکر پڑھتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ تم تراویح پڑھنے کا تو اہتمام کرتے ہو لیکن تہجد پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے اور تہجد کی نماز پڑھنا یہ تراویح پڑھنے سے افضل ہے۔

"يريد آخر الليل" یعنی ان کی مراد یہ تھی کہ آخر اللیل میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے جبکہ لوگ اوّل شب میں تراویح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

یہ ایک معروف واقعہ ہے اور اس میں کئی باتیں قابل ذکر ہیں۔

---

[1] لايوجد للحديث مكررات.

[2] وفي موطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب ماجاء في قيام رمضان، رقم: ۲۳۱.

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ فرمایا کہ ایک قاری پر سب کو جمع فرمایا یہ چونکہ ایک خلیفۂ راشد کا فیصلہ تھا اور صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں تھا کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، لہٰذا یہ بھی سنت میں داخل ہے اور **"علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی"** کے مصداق میں شامل ہے، اس لئے اس پر اجماع ہے کہ اس طریقہ سے تراویح کی جماعت بدعت نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس کے لئے جو بدعت کا لفظ استعمال فرمایا کہ **"نعم البدعة هذه"** اس سے بعض اہل بدعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ۔ [۳]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہاں بدعت کا لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال کیا ہے اور ظریفانہ جملہ کہا ہے کہ **"یہ اچھی بدعت ہے"** اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں، اصطلاحی معنی کے لحاظ سے بدعت صرف سیئہ ہی ہے، بدعت حسنہ کوئی نہیں۔

بدعت کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو حضور ﷺ یا حضرات خلفاء راشدین اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت نہ ہو اور اس بات کو دین کا حصہ بنائے تو یہ بدعت کہلاتی ہے۔

اگر وہ بات فی الجملہ حضور ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہو تو اس بات یا عمل کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

اس لئے حضرت عمرؓ نے جو بدعت کا لفظ استعمال فرمایا وہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہے، اصطلاحی معنی کے اعتبار سے وہ عمل بدعت کی تعریف میں نہیں آتا، البتہ اس کے ساتھ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ تراویح کی نماز اگرچہ سنت ہے لیکن اس کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت نہیں ہوتا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کو سنت مؤکدہ کیوں کہا جاتا ہے؟

دراصل تراویح کی سنت نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے **"إن اللّٰہ افترض علیکم صیامه وسننت لکم قیامه"** اس حدیث میں حضورؐ نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ **"سننت لکم قیامه"**۔

اس کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ نے جس اہتمام اور مداومت کے ساتھ تراویح پر عمل کیا وہ بھی تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ سنت مؤکدہ میں خلفاء راشدینؓ کی سنت بھی شامل ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد **"علیکم بسنتی وسنة الخلفاء المهدیین الراشدین"** اس پر دال ہے۔

البتہ اس کی جماعت سنت مؤکدہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص تنہا پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، بلکہ فقہاء

---

[۳] وانما دعاها بدعة لأن رسول اللّٰہ ﷺ، فیها بقوله : لم یسنها لهم ، ولا کانت فی زمن أبی بکر، ؓ ورغب رسول اللّٰہ ﷺ، فیها بقوله : نعم . لیدل علی فضلها ، ولئلایمنع هذا اللقلب من فعلها . والبدعة فی الأصل احداث أمر لم یکن فی زمن رسول اللّٰہ ﷺ . ثم البدعة علی نوعین : ان کانت مما یندرج تحت مستحسن فیا لشرع فهی بدعة حسنة ، وان کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی بدعة مستقبحة . عمدة القاری ، ج:۸،ص: ۲۴۵ .

نے تو یہ کہا ہے کہ حافظ کے لئے بہ نسبت جماعت سے پڑھنے کے تنہاء پڑھنا افضل ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ **"مما یعرف ولا یعرف"** اس مسئلہ کو سمجھنا تو چاہیئے لیکن اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ لوگ جماعت بالکل چھوڑ دیں گے۔

تراویح کی جماعت اگرچہ سنتِ غیر مؤکدہ ہے لیکن رمضان کا زمانہ فضیلت کا زمانہ ہے، لہٰذا کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جماعت قضاء نہ ہو۔

دوسری بات جو اس روایت سے معلوم ہو رہی ہے وہ بڑی اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ نمازِ تراویح اور تہجد دونوں الگ الگ چیزیں ہیں **"التی ینامون"** سے مراد تہجد اور **"التی تقومون"** سے مراد تراویح ہے، تو صاف پتہ چلا کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، تہجد آخر اللیل میں ادا کی جاتی ہے اور تراویح اوّل اللیل میں ادا کی جاتی ہے۔

۲۰۱۲ ــ وحدثني يحيى بن بكير : حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب : أخبرني عروة : أن عائشة رضي الله عنها أخبرته :أن رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل ، فصلى في المسجد وصلى رجال بصلاته ، فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أكثر منهم فصلى فصلوا معه .فأصبح الناس فتحدثوا فكثر أهل المسجد من الليلة الثالثة ، فخرج رسول الله ﷺ فصلى بصلاته . فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله حتى خرج لصلاة الصبح فلما قضى الفجر أقبل على الناس فتشهد . ثم قال : ((أما بعد ، فانه لم يخف على مكانكم ، ولكني خشيت أن تفرض عليكم فتعجزوا عنها)). فتوفي رسول الله ﷺ والأمر على ذلك .[راجع : ۸۲۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی ایک درمیانی رات میں نکلے، آپ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے پڑھی۔ صبح کو لوگوں نے ایک دوسرے پر چرچا کیا، دوسرے دن اس سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر صبح ہوئی تو لوگوں نے ایک دوسرے سے بیان کیا، تیسری رات میں اس سے بھی زیادہ آدمی جمع ہو گئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی جب چوتھی رات آئی تو مسجد میں لوگوں کا سمانا دشوار ہو گیا لیکن آپ ﷺ صبح کی نماز کے لئے نکلے جب صبح کی نماز ادا کی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اما بعد! مجھ سے تم لوگوں کی موجودگی پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے خوف ہوا کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حالت یہی رہی۔

۲۰۱۳ ــ حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالك ، عن سعيد المقبري ، عن أبي سلمة ابن عبدالرحمن أنه سأل عائشة رضي الله عنها : كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ

فی رمضان ؟ فقالت : ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ، یصلی أربعا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ،ثم یصلی أربعافلا تسأل عن حسنھن و طولھن، ثم یصلی ثلاثا . فقلت : یارسول اللہ ، أتنام قبل أن توتر ؟ قال : ((یاعائشۃ ، ان عینی تنامان ولاینام قلبی)) . [راجع : ۱۱۴۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز رمضان میں کیسی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ رمضان میں اور غیر رمضان میں اور اس کے علاوہ دنوں میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ بڑھتے تھے، چار رکعتیں پڑھتے تھے، ان کے طول وحسن کو نہ پوچھو، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے، جن کے طول وحسن کا کیا کہنا، پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا قلب نہیں سوتا۔

اس حدیث سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی چیز ہے اور وہ مذکورہ حدیث کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ "**ما کان یزید رسول اللہ ﷺ فی رمضان ولا فی غیرہ علی أحدی عشرۃ رکعۃ**" اس سے استدلال کرتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعت ہیں۔

لیکن یہ استدلال اس سے باطل ہو گیا، کیونکہ حضرت عائشہؓ جس نماز کی بات کر رہی ہیں وہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جا رہی ہے اور وہ تہجد کی نماز ہے جس میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور جو نماز رمضان کے ساتھ خاص ہے یعنی تراویح کی نماز، اس کا حدیث عائشہ میں ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس سے تراویح کی آٹھ رکعت پر استدلال درست نہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح کی کم از کم بیس رکعت ہے۔

البتہ امام مالک سے ایک روایت میں چھتیس اور ایک میں اکتالیس رکعتیں مروی ہیں، جب کہ ان کی تیسری روایت جمہور ہی کے مطابق ہے۔

تراویح کی یہ بیس رکعتیں حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی تھیں اس وقت صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی ان میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کی اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس پر عمل کیا اور اس کے بعد تمام صحابہؓ اور تابعین اسی پر عمل کرتے چلے آئے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیس رکعت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع منعقد ہو گیا تھا، اور "**علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء المھدیین الراشدین**" حضرت عمرؓ کے عمل کے قابل تقلید ہونے کی دلیل ہے۔

اگر بالفرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی غلطی ہوتی تو حضور ﷺ کی سنت پر جان دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو کیسے گوارا کرتے؟ یقیناً ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس نبی کریم ﷺ کی کوئی فعل یا قول موجود تھا جس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت سے ہوتی ہے: "**أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر**" ۔ **ذکرہ الحافظ فی المطالب العالیۃ عن ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید**، اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے، مگر تعامل اُمت سے مؤید ہونے کی بنا پر قابل قبول ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۲ ـ کتاب فضل لیلة القدر

(۱) باب فضل لیلة القدر

شب قدر کی فضیلت کا بیان

وقال الله تعالیٰ:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ إلى آخر السورة.

قال ابن عيينة: ما كان في القرآن ﴿وَمَا أَدْرَاكَ﴾ فقد أعلمه. وما قال: ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾ [الأحزاب: ۶۳، الشورىٰ: ۱۷، عبس: ۳] فإنه لم يعلم.

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں **"وَمَا أَدْرَاكَ"** آیا ہے اللہ ﷻ نے اس بات کا علم نبی کریم ﷺ کو دے دیا ہے اور جہاں **"وَمَا يُدْرِيكَ"** آیا ہے اس کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی نہیں دیا جیسے **"وما يدريك لعلّ الساعة"** یہاں نبی کریم ﷺ کو ساعۃ کا علم نہیں دیا، اور **"وما أدراك ما ليلةُ القدر"** یہاں لیلۃ القدر کا علم دے دیا ہے۔

قرآن سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان شریف میں ہے **"شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن"** اور حدیث صحیح میں بتلایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں خصوصاً عشرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرنا چاہیئے، پھر طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہوا ہے، واللہ اعلم۔

بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ "شب قدر" ہمیشہ کے لئے کسی ایک رات مین متعین نہیں، ممکن ہے ایک رمضان میں کوئی رات ہو دوسرے میں دوسری۔

۲۰۱۴ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان قال: حفظناه ـ وأيما حفظ ـ من الزهرى، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((من صام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه)). تابعه سليمان بن كثير عن الزهرى. [راجع: ۳۵]

حضورِ اکرم ﷺ نے قیام لیلۃ القدر کے لئے جو الفاظ استعمال کئے وہی الفاظ قیام رمضان اور صوم رمضان کے لئے بھی استعمال فرمائے کہ جب یہ عبادتیں انجام دے رہے ہو تو اس وقت میں خاص استحضار کرو کہ میں یہ کام کرنے جا رہا ہوں احتساب کے لئے یعنی اللہ ﷻ سے اجر و ثواب طلب کرنے کی خاطر۔

اس سے اس عبادت کی نورانیت اور اس کے آثار و برکات میں اضافہ ہوگا۔ اگر ویسے ہی بطور عادت پڑھ لی تو وہ نورانیت حاصل نہ ہوگی جو استحضار سے حاصل ہوتی ہے اگرچہ فریضہ ادا ہو جائے گا اور ان شاء اللہ ثواب بھی ملے گا اس لئے کہ ابتداء میں نیت کر لی گئی تھی اور جب تک اس کے معارض کوئی نیت سامنے نہ آئے تو وہ نیت اللہ ﷻ کے لئے ہی ہوگی۔

اس لئے ہر مرتبہ تجدید نیت کیا کرو، استحضار کیا کرو (اس بات کا) کہ میں یہ کام اللہ ﷻ کے لئے کر رہا ہوں اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہوں تو اس کی نورانیت میں اضافہ ہوگا۔ تو جو یہ کام کرے فرمایا **"غفرله ماتقدم من ذنبه"** اس کے پچھلے گناہ (تھے وہ) معاف ہو جاتے ہیں۔[1]

(۲) باب التماس لیلة القدر فی السبع الأواخر

شب قدر کو رمضان کی آخری سات راتوں میں ڈھونڈنے کا بیان

۲۰۱۵ ـ حدثنا عبدالله بن یوسف: أخبرنا مالک، عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما: أن رجالاً من أصحاب النبی ﷺ أروا لیلة القدر فی المنام فی السبع الأواخر. فقال رسول الله ﷺ: ((أری رؤیاکم قد تواطأت فی السبع الأواخر، فمن کان متحریها فلیتحرها فی السبع الأواخر)). [راجع: ۱۱۵۸]

ترجمہ: حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں چند لوگوں کو شب قدر خواب میں آخری سات راتوں میں دکھائی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں متفق ہو گئے اس لئے جو شخص اس کا تلاش کرنے والا ہے، اسے آخری سات راتوں میں ڈھونڈے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عشرہ اخیرہ کی پہلی سات راتیں ہیں، جو اکیس سے لے کر ستائیس تک ہوتی ہیں، پھر چونکہ دوسری روایات میں **" عشر اواخر"** بھی آیا ہے، اس لئے انتیسویں شب بھی اس میں شامل ہوگی۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد رمضان کی آخری سات راتیں ہیں، جن میں اکیسویں اور تیئسویں راتیں شامل نہیں ہیں، لیکن یہ بات صرف اس سال کے ساتھ خاص تھی، بعد میں عام حکم عشرہ اخیرہ کی تمام طاق راتوں میں تلاش کرنے کا آ گیا۔ علامہ ابن عبدالبر نے بھی یہی توجیہ فرمائی ہے۔[2] لیکن یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ **"السبع الأواخر"** سے مراد آخری سات طاق راتیں ہیں، اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اگلے باب میں آ رہی ہے **"تحروا لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر"**۔

---

[1] مزید تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، جلد: ۱، ص: ۴۸۷۔

[2] کمافی لامع الدراری وعمدة القاری، ج:۸، ص:۲۵۲

۲۰۱٦ ۔ حدثنا معاذ بن فضالة : حدثنا هشام ، عن يحيى ، عن أبى سلمة قال : سألت أبا سعيد ۔ وكان لى صديقا ۔ فقال : اعتكفنا مع النبى ﷺ العشر الأوسط من رمضان، فخرج صبيحة عشرين فخطبنا وقال : ((انى أريت ليلة القدر ثم انسيتها ۔ أو نسيتها ۔ فالتمسوها فى العشر الأواخر فى الوتر ، وانى رأيت انى أسجد فى ماء وطين ، فمن كان اعتكف معى فليرجع)) . فرجعنا وما نرى فى السماء قزعة فجائت سحابة فمطرت حتى سال سقف المسجد وكان من جريد النخل ، وأقيمت الصلاة فرأيت رسول الله ﷺ يسجد فى الماء والطين حتى رأيت أثر الطين فى جبهته . [راجع : ٦٦٩]

ترجمہ: ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ جو کہ ابوسعید کے دوست تھے، ان سے میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا، آپ ﷺ بیس کی صبح کو باہر نکلے اور ہم لوگوں کو خطبہ دیا، فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی پھر میں اسے بھول گیا یا یہ فرمایا کہ بھلا دیا گیا، اس لئے اس کو آخری عشرے میں طاق راتوں میں تلاش کرو۔

اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کررہا ہوں اس لئے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے واپس ہو جائے اور آسمان میں بدلی کا کوئی ٹکڑا بھی ہم کو نظر نہیں آرہا تھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بارش ہونے لگی، یہاں تک کہ مسجد کی چھت سے پانی بہنے لگا۔ جو کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھی اور نماز پڑھی گئی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کی پیشانی میں کیچڑ کا اثر دکھائی دیا۔

(۳) باب تحرى ليلة القدر فى الوتر من العشر الأواخر،

شب قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ڈھونڈنے کا بیان

۲۰۱۷ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد : حدثنا اسماعيل بن جعفر : حدثنا أبو سهيل ، عن أبيه عن عائشة رضى الله عنها : أن رسول الله ﷺ قال : ((تحروا ليلة القدر فى الوتر من العشر الأواخر من رمضان)) . [أنظر : ۲۰۱۹، ۲۰۲۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

۲۰۱۸ ۔ حدثنا ابراهيم بن حمزة قال : حدثنى ابن أبى حازم والدراوردى ، عن يزيد ، عن محمد بن ابراهيم ، عن أبى سلمة ، عن أبى سعيد الخدرى ﷺ قال : كان

رسول الله ﷺ یجاور فی رمضان العشر ألتی فی وسط الشهر ، فاذا کان حین یمسی من عشرین لیلة تمضی ویستقبل احدی وعشرین رجع الی مسکنه ، ورجع من کان یجاور معه . وأنه أقام فی سهر جاور فیه اللیلة التی کان یرجع فیها فخطب الناس فأمرهم ماشاء الله ثم قال : ((کنت أجاور هذه العشر ، ثم قد بدا لی أن أجاور هذه العشر الأواخر ، فمن کان اعتکف معی فلیثبت فی معتکفه ، وقد أریت هذه اللیلة ثم أنسیتها فابتغوها فی العشر الأواخر ، وابتغوها فی کل وتر ، وقد رأیتنی أسجد فی ماء وطین)) . فاستهلت السماء فی تلک اللیلة فامطرت فوکف المسجد فی مصلی النبی ﷺ لیلة أحدی وعشرین فبصرت عینی رسول الله ﷺ ونظرت الیه ،انصرف من الصبح ووجهه ممتلئ طینا وماء .[راجع : ۶۶۹]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، جب بیسویں رات گزر جاتی اور اکیسویں رات آجاتی تو اپنے گھر کو واپس آتے اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف میں ہوتے وہ بھی واپس آجاتے، ایک مرتبہ رمضان میں آپ ﷺ اس رات میں اعتکاف میں رہے جس میں آپ ﷺ واپس ہو جاتے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور جو کچھ اللہ ﷻ نے چاہا اس کا آپ ﷺ نے حکم دیا پھر فرمایا میں اس عشرے میں اعتکاف کرتا تھا، مگر اب آشکارا ہوا ہے کہ اس آخری عشرے میں اعتکاف کروں، اس لئے جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف میں ہیں وہ اپنے اعتکاف کی جگہ میں ٹھہرے رہیں اور مجھے خواب میں شب قدر دکھائی گئی، پھر وہ مجھ سے بھلا دی گئی۔

اس لئے اسے آخری عشرے اور ہر طاق راتوں تلاش کرو اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں، اشارہ یہ تھا کہ جس رات شب قدر ہوگی اس رات آپ ﷺ پانی اور کیچڑ میں سجدہ فرمائیں گے۔ پھر رات میں آسمان سے پانی برسا اور نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ میں مسجد ٹپکنے لگی وہ اکیسویں رات تھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز صبح سے فارغ ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرہ کیچڑ اور پانی سے بھرا ہوا تھا۔

شروع میں آپ ﷺ کا خیال یہ تھا کی لیلۃ القدر رمضان کے دوسرے عشرے میں ہوگی اس واسطے خود بھی اعتکاف فرمایا اور صحابۂ کرام ﷺ سے بھی کروایا، لیکن جب وہ عشرہ ختم ہونے لگا تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ﷺ سے فرمایا کہ اعتکاف جاری رکھو، اب پتہ چلا ہے کہ لیلۃ القدر عشرۂ اخیرہ میں ہوگی۔

۲۰۲۰ ۔ وحدثنی محمد: أخبرنا عبدة عن هشام بن عروة ، عن أبیه ، عن عائشة، قالت : کان رسول الله ﷺ یجاور فی العشر الأواخر من رمضان یقول : ((تحروا لیلة القدر فی العشر الأواخر من رمضان)). [راجع : ۲۰۱۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔

۲۰۲۱ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل : حدثنا وهیب : حدثنا أیوب ، عن عکرمة ، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما : ان النبی ﷺ قال : ((التمسوها فی العشر الأواخر من رمضان لیلة القدر، فی تاسعة تبقی، فی سابعة تبقی ، فی خامسة تبقی)) . [أنظر : ۲۰۲۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو، اور شب قدر ان راتوں میں، جب نو یا سات یا پانچ (راتیں) باقی رہ جائیں۔ (چونکہ آخری عشرے میں یقینی طور پر تو نو ہی راتیں ہوتی ہیں، دسویں رات کا ہونا نہ ہونا مشکوک ہوتا ہے، اس لئے نو راتیں یقینی طور پر اکیسویں شب میں باقی ہوتی ہیں، اس لئے اسے **تاسعة تبقی** سے تعبیر فرمایا ہے۔)

تشریح

لیلۃ القدر کو حاصل کرنے کے لئے رمضان کے آخری عشرے کی کچھ راتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ ان راتوں میں عبادت اور ذکر و تلاوت میں مشغولی اختیار کیا جائے تا کہ لیلۃ القدر ان میں سے جس شب میں بھی آئے اس کی سعادت حاصل ہو جائے۔ اس حدیث میں راتوں کی ترتیب کے سلسلے میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس ترتیب سے مراد اکیسویں، تیئسویں اور پچیسویں شب ہے۔

۲۰۲۲ ۔ حدثنا عبداللہ بن أبی الأسود: حدثنا عبدالواحد: حدثنا عاصم، عن أبی مجلز وعکرمة قالا: قال ابن عباس رضی اللہ عنهما: قال رسول اللہ ﷺ : ((هی فی العشر والأواخر، هی فی تسع یمضین، أو فی سبع یبقین))، یعنی لیلة القدر تابعه عبدالوهاب، عن أیوب وعن خالد عن عکرمة، عن ابن عباس : ((التمسوا فی أربع وعشرین)). راجع: ۲۰۲۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (شب قدر) آخری عشرے میں سے جب نو راتیں گزر جائیں (یعنی انتیسویں شب) یا سات راتین باقی رہیں (یعنی تیئسویں شب)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر چوبیسویں میں تلاش کرو۔

بعض لوگوں نے اس سے چوبیسویں شب سمجھا حالانکہ اس پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ چوبیسواں روزہ اور پچیسویں شب مراد ہو۔

(۴) باب رفع معرفة لیلة القدر لتلاحی الناس

لوگوں کے جھگڑنے کی وجہ سے شب قدر کی معرفت اٹھائے جانے کا بیان

۲۰۲۳ ۔ حدثنا محمد بن المثنی : حدثنا خالد بن الحارث : حدثنا حمید : حدثنا

أنس ، عن عبادة بن الصامت قال : خرج النبی ﷺ لیخبرنا بلیلة القدر ، فتلاحی رجلان من المسلمین فقال : ((خرجت لأخبرکم بلیلة القدر فتلاحی فلان وفلان فرفعت وعسیٰ أن یکون خیرا لکم ، فالتمسوها فی التاسعة والسابعة والخامسة)). [راجع : ۴۹]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ باہر تشریف لائے تا کہ ہم کو شب قدر بتائیں (کہ کس رات میں ہے) دو مسلمان آپس میں جھگڑنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لئے نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر بتاؤں لیکن فلاں فلاں شخص جھگڑنے لگے اس لئے اس کا علم (شب قدر کا تعیین) مجھ سے اٹھالیا گیا اور شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہو اس لئے اس کو آخری عشرے کی نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔

بات دراصل یہ ہے کہ تکوینی طور پر اللہ ﷻ کو یہی منظور تھا کہ لیلۃ القدر کو خفیہ رکھا جائے ، لیکن اس کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا گیا کہ تعیین فرما کر بھلا دی گئی ، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مسلمانوں کے درمیان جھگڑا کتنی بری بات ہے اور بے برکتی کا سبب ہے کہ اس کی وجہ سے شب قدر جیسی فضیلت کی چیز کی تعیین بھلا دی گئی۔

شب قدر کا علم اور اس کا نسیان

شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی — شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں اشخاص کے جھگڑنے کی وجہ سے شب قدر کی تعیین کا علم میرے ذہن سے محو کر دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں جھگڑنا اور منافرت ودشمنی اختیار کرنا بہت بری بات ہے، اس کی وجہ سے آدمی خیر و برکات اور بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہو ۔ شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہو کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر کے بارے میں جو متعین طور پر مجھے بتادی گئی تھی اور وہ اب بھلا دی گئی ہے اگر میں تمہیں بتا دیتا تو تم لوگ صرف اسی شب پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے اب اس کے تعیین کا علم نہ ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ تم لوگ اسے پانے میں بہت زیادہ سعی و کوشش کرو گے بلکہ عبادات وطاعت میں زیادتی بھی ہوگی جو ظاہر ہے کہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ [۳]

(۵) باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان

رمضان کے آخری عشرے میں زیادہ کام کرنے کا بیان

۲۰۲۴ ۔ حدثنا علی بن عبداللہ : حدثنا ابن عیینة ، عن أبی یعفور ، عن أبی الضحی ، عن مسروق ، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت : کان النبی ﷺ اذا دخل العشر شد مئزره وأحیی لیلة و أیقظ أهله .

---

[۳] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، جلد:۱، ص:۵۵۳، کتاب الایمان، رقم الحدیث : ۴۹.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی کریم ﷺ اپنا تہبند کس لیتے، رات کو زندہ کرتے اور اپنے اہل وعیال کو جگاتے۔

تہبند کس لیتے — یہ دراصل کسی کام کیلئے مستعد ہونے کے لئے بولا جاتا ہے اور یہاں اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرہ میں اپنی عادت اور اپنے معمول سے بھی بہت زیادہ عبادت ومجاہدہ کیا کرتے تھے، یا یہ اس بات سے بھی کنایہ ہوسکتا ہے کہ اس عشرہ میں آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات سے الگ رہتے تھے یعنی صحبت ومباشرت سے اجتناب فرماتے تھے۔

رات کو زندہ کرنے — کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کے اکثر حصہ میں یا پوری رات نماز، ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔

اپنے اہل وعیال کو جگاتے — اور اپنے اہل وعیال کو جگاتے یعنی آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات، صاحبزادیوں، لونڈیوں اور غلاموں کو آخری عشرہ کی بعض راتوں میں شب بیداری کی تلقین فرماتے اور انہیں عبادت خداوندی میں مشغول رکھتے تاکہ لیلۃ القدر کی سعادت انہیں بھی حاصل ہوجائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۳ - كتاب الإعتكاف

(۱) باب الإعتكاف في العشر الأواخر،

آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کا بیان

"والاعتكاف في المساجد كلها"

لقوله تعالىٰ :

﴿وَلاَ تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلاَ تَقْرَبُوْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة : ۱۸۷]

ترجمہ: اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ، اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں۔[1]

۲۰۲۵۔ حدثنا اسماعيل بن عبدالله قال : حدثني ابن وهب : عن يونس : أن نافعا أخبره عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ يعتكف العشر الأواخر من رمضان .

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔

۲۰۲۶ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف : حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب ، عن عروة بن الزبير ، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ : ان النبي ﷺ كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله تعالىٰ ، ثم اعتكف أزواجه من بعده .

[1] یعنی روزہ میں تو رات کی مباشرت کی اجازت ہے مگر اعتکاف میں رات دن کسی وقت عورت کے پاس نہ جائے۔ روزہ اور اعتکاف کے متعلق جو حکم در بارۂ حلت و حرمت مذکور ہوئے یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں، ان سے ہرگز باہر نہ ہونا بلکہ ان کے قریب بھی نہ جانا یا یہ مطلب ہے کہ اپنی رائے یا کسی حجت سے ان میں سرِ مو تفاوت نہ کرنا۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۷، فائدہ: ۵، ۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اٹھالیا پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بھی اعتکاف کرتی تھیں۔

۲۰۲۷ ـ حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالک ، عن يزيد بن عبدالله بن الهاد ، عن محمد بن ابراهيم بن الحارث التيمي ، عن أبي سلمة بن عبدالرحمن ، عن أبي سعيد الخدري ﷺ : ان رسول الله ﷺ كان يعتكف في العشر الأوسط من رمضان ، فاعتكف عاما حتى اذا كان ليلة احدى وعشرين ـ وهي الليلة التي يخرج من صبيحتها من اعتكافه ـ قال :((من كان اعتكف معي فليعتكف العشر الأواخر ، فقد أريت هذه الليلة ثم انسيتها ، وقد رأيتني أسجد في ماءٍ وطين من صبيحتها ، فالتمسوها في العشر الأواخر ، والتمسوها في كل وتر)). فمطرت السماء تلک الليلة ، وكان المسجد على عريش فوكف المسجد فبصرت عيناي رسول الله ﷺ على جبهته أثر الماء والطين من صبح أحدى وعشرين . [راجع : ٦٦٩]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے ایک سال آپ ﷺ نے اعتکاف کیا جب اکیسویں کی رات آئی اور یہ وہ رات تھی جس کی صبح میں آپ ﷺ اعتکاف سے باہر ہو جاتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے، اس کو چاہیئے کہ آخری عشرے میں اعتکاف کرے، اس لئے کہ یہ رات مجھے خواب میں دکھلائی گئی پھر مجھ سے بھلادی گئی اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی اور کیچڑ میں اس رات کی صبح کو سجدہ کر رہا ہوں، اس لئے اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور طاق راتوں میں تلاش کرو، پھر اسی رات کو بارش ہوئی اور مسجد کی چھت کھجور کی تھی اس لئے مسجد ٹپکنے لگی، میری دونوں آنکھوں نے اکیسویں صبح کو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرے پر پانی اور کیچڑ کے نشان تھے۔

(۲)باب الحائض ترجل رأس المعتكف

اعتکاف والے مرد کے سر میں حائضہ کے کنگھی کرنے کا بیان

۲۰۲۸ـ حدثنا محمد بن المثنى: حدثنا يحيى، عن هشام، قال: أخبرني أبي، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي ﷺ يصغي إلى رأسه، وهو مجاورٌ في المسجد فأرجله وأنا حائض. [راجع:۲۹۵].

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنا سر میری طرف جھکا دیتے، اس حال

میں کہ آپ ﷺ مسجد میں معتکف ہوتے اور میں اس میں کنگھی کر دیتی درآنحالیکہ میں حائضہ ہوتی۔

معلوم ہوا کہ غیر واجب غسل کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں اور جمعہ کے غسل کے لئے بھی جانا جائز نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ ہر سال اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور ہر سال جمعہ بھی آتا تھا لیکن کہیں منقول نہیں کہ آپ ﷺ جمعہ کے غسل کے لئے جاتے ہوں بلکہ سر دھلوایا اور وہ بھی اس طرح کہ خود مسجد میں رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسجد کے باہر سے سر دھویا۔ اور اگر غسل واجب ہو تو اس کے لئے نکلنا جائز ہے۔

''مجاور'' کے معنی ''معتکف'' کے آتے ہیں۔

(۳) باب لایدخل البیت الاّ لحاجة

اعتکاف کرنے والا بغیر کسی ضرورت کے گھر میں داخل نہ ہو

۲۰۲۹ ـــ حدثنا قتیبة : حدثنا لیث ، عن ابن شهاب ، عن عروة وعمرة بنت عبدالرحمن : أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی ﷺ قالت : وان کان رسول اللہ ﷺ لیدخل علیّ رأسه وهو فی المسجد فأرجله ، وکان لایدخل البیت الا لحاجة اذا کان معتکفا . [أنظر : ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۴۱، ۲۰۴۵]

حدیث کی تشریح

آنحضرت ﷺ خود تو مسجد میں ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں ہوتیں، آپ ﷺ سر کو ذرا سا مسجد سے باہر نکال کر حضرت عائشہ سے کنگھی کروا لیتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سر دھلواتے وقت آپ ﷺ کے اور حضرت عائشہ کے درمیان صرف دروازہ کی چوکھٹ حائل ہوتی تھی۔

روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ سر دھونے یا یا کنگھی کرتے وقت حضرت عائشہ حیض کی حالت میں بھی ہوتی تھی، اس طرح اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ معتکف کے لئے کنگھی کرنا اور سر دھونا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ خود مسجد میں رہیں اور پانی مسجد سے باہر گرے۔

۲۔ دوسرے شخص سے بھی یہ کام کرائے جاسکتے ہیں اور ایسے شخص سے بھی جو مسجد سے باہر ہو، عورت سے بھی یہ کام کرایا جاسکتا ہے خواہ حائضہ ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ معتکف کے بدن کا کچھ حصہ اگر مسجد سے باہر نکل جائے تو اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ جسم کا صرف اتنا حصہ باہر ہو کہ دیکھنے والا پورے آدمی کو مسجد سے باہر نکلا ہوا نہ دیکھے۔

۴۔ قضاء حاجت کے لئے معتکف اپنے گھر میں جاسکتا ہے۔

(۴) باب غسل المعتكف

معتکف کے غسل کا بیان

۲۰۳۰ ۔ حدثنا محمد بن يوسف : حدثنا سفيان ، عن منصور ، عن ابراهيم ، عن الأسود ، عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان النبیﷺ يباشرنى وأنا حائض.[راجع : ۲۹۵]

۲۰۳۱ ۔ وكان يخرج رأسه من المسجد وهو معتكف فأغسله وأنا حائض . [راجع : ۲۹۵]

معتکف کے غسل میں یہ تفصیل ہے کہ معتکف کو صرف احتلام ہوجانے کی صورت مین غسل جنابت کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے، اس میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اگر مسجد کے اندر رہتے ہوئے غسل کرنا ممکن ہو مثلاً کسی بڑے برتن میں بیٹھ کر اس طرح غسل کرسکتا ہو کہ پانی مسجد میں نہ گرے تا باہر جانا جائز نہیں، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یا سخت دشوار ہو تو غسل جنابت کے لئے باہر جا سکتا ہے۔

اور اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر مسجد کا کوئی غسل خانہ موجود ہے تو اس میں جا کر غسل کریں، لیکن اگر مسجد کا کوئی غسل خانہ نہیں ہے یا اس میں غسل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہیں یا سخت دشوار ہے تو اپنے گھر جا کر بھی غسل کر سکتے ہیں۔

غسل جنابت کے سوا کسی اور غسل کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، جمعہ کے لئے غسل یا ٹھنڈک کی غرض سے غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، اس غرض سے مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، البتہ جمعہ کا غسل کرنا یا ٹھنڈک کے لئے نہانا ہو تو اس کی ایسی صورت اختیار کی جا سکتی ہے جس سے پانی مسجد میں نہ گرے، مثلاً کسی تب میں بیٹھ کر نہالیں، یا مسجد کے کنارے پر اس طرح غسل کرنا ممکن ہو کہ پانی مسجد سے باہر گرے تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسنون اعتکاف میں جمعہ کے غسل ٹھنڈک کی خاطر غسل کے لئے مسجد سے باہر نہیں جانا چاہیئے ، ہاں نفلی اعتکاف میں ایسا کر سکتے ہیں ، اس صورت میں جتنی دیر غسل کے لئے باہر رہیں گے اتنی دیر کا اعتکاف معتبر نہیں ہوگا۔[۲]

البتہ بعض علماء نے یہ اجازت دی ہے کہ قضاء حاجت کے لئے باہر جائے تو مختصر وقت میں جلدی سے غسل کر کے آجائے ، تاہم احتیاط بہتر ہے۔

(۵) باب الإعتكاف ليلاً

رات کو اعتکاف کرنے کا بیان

۲۰۳۲ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى بن سعيد ، عن عبيد الله : أخبرنى نافع، عن

---

[۲] مسائل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: رسالہ ''احکام اعتکاف'' شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب، حفظہ اللہ تعالیٰ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما : أن عمر سأل النبی ﷺ قال: کنت نذرت فی الجاهلية أن أعتكف ليلةً فی المسجد الحرام، قال : ((أوف بنذرك)). [أنظر: ۲۰۴۳، ۳۱۴۴، ۴۳۲۰، ۶۶۹۷][۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں نے جاہلیت کے زمانے میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

"أن أعتكف ليلةً فی المسجد الحرام"

بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رات کا اعتکاف بھی ہوسکتا ہے، نفلی اعتکاف ہر وقت ہوسکتا ہے، آدمی جس وقت بھی نیت کرے اور مسجد میں چلا جائے۔

اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے دوسرا استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں کیونکہ رات میں روزہ نہیں ہوتا۔

حنفیہ کہتے ہیں نفل اعتکاف کے لئے تو روزہ شرط نہیں لیکن اعتکاف مسنون کے لئے روزہ شرط ہے۔

حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتکاف کے سلسلے میں اس کے علاوہ جو اور روایتیں منقول ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دن رات دونوں کی نذر مانی تھی اور آپ ﷺ نے روزے کا بھی حکم دیا تھا، چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں **"ليلة"** کے بجائے **"اعتكف يوماً"** کا لفظ مروی ہے، نیز سنن نسائی کی روایت میں آپ ﷺ کی طرف سے روزہ رکھنے کا حکم بھی وارد ہوا ہے۔

اس حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت میں نذر مانی

---

[۳] وفی صحیح مسلم ، کتاب الأيمان ، باب نذر الكافر ومايفعل فيه اذا أسلم ، رقم : ۳۱۲۸، وسنن الترمذی ، كتاب النذور والأيمان عن رسول الله ، باب ماجاء فی وفاء النذر ، رقم : ۱۴۵۹ ، وسنن النسائی ، كتاب الأيمان والنذور ، باب اذا نذر أسلم قبل أن يفی ، رقم : ۳۷۶۰، وسنن أبی داؤد ، كتاب الأيمان والنذور ، باب من نذر فی الجاهلية ثم أدرك الاسلام ، رقم : ۲۸۸۹، وسنن ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب فی اعتكاف يوم أو ليلة ، رقم : ۱۷۶۲ ، وكتاب الكفارات ، باب الوفاء بالنذر ، رقم : ۲۱۲۰ ، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب أول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۲۴۷ ، ومسند المكثرين ، من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۳۴۹، ۴۴۷۵، ۵۲۸۰، وسنن الدارمی ، كتاب النذور والأيمان ، باب الوفاء بالنذور ، رقم : ۲۲۲۸.

تھی، حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ **"الإسلام یهدم ما کان قبله"** اس لئے اس نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں تھا لیکن حضور ﷺ نے پھر بھی اس کے پورا کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ ایک نیک ارادہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے بہتر سمجھا کہ اسے پورا کیا جائے۔ جبکہ امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں اگر کوئی ایسی نذر مانی ہو جو اسلام کے احکام کے مطابق ہو تو اسلام لانے کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے، وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

"لیلة" کا معنی صرف رات نہیں ہے بلکہ کلام الناس میں اس کا اطلاق دن رات پر ہوتا ہے اور یہی مراد ہے۔

(۶) باب اعتکاف النساء

عورتوں کے اعتکاف کرنے کا بیان

۲۰۳۳ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حمّاد بن زید: حدثنا یحیی، عن عمرة، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: کان النبی ﷺ یعتکف فی العشر الأواخر من رمضان، فکنت أضرب له خباءً فیصلی الصبح ثم یدخله. فاستأذنت حفصة عائشة أن تضرب خباءً فأذنت لها فضربت خباءً. فلمّا رأته زینب بنت جحش ضربت خباءً آخر. فلمّا أصبح النبی ﷺ رأی الأخبیة فقال: ((ما هذا؟)) فأُخبر، فقال النبی ﷺ: ((آلبرّ ترون بهنّ؟)) فترک الاعتکاف ذلک الشهر، ثم اعتکف عشراً من شوال. [راجع: ۲۰۲۹]

(۷) باب الاخبیة فی المسجد

مسجد میں خیمہ لگانے کا بیان

۲۰۳۴ ۔ حدثنا عبداللّٰه بن یوسف: أخبرنا مالک، عن یحیی بن سعید، عن عمرة بنت عبدالرحمن، عن عائشة رضی اللہ عنها: ان النبی ﷺ اراد أن یعتکف فلما انصرف الی المکان الذی أراد أن یعتکف. اذا أخبیة، خباء عائشة وخباء حفصة، وخباء زینب، فقال: ((آلبر تقولون بهن؟)) ثم انصرف یعتکف حتی اعتکف عشراً من شوال. [راجع: ۲۰۲۹]

مسجد میں خیمے اور عورتوں کا اعتکاف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے **"فکنت أضرب له خباء"** میں آپ ﷺ کے لئے مسجد میں اعتکاف کے لئے ایک خیمہ ڈال دیا کرتی تھی، آپ ﷺ صبح نماز پڑھ کر اس میں داخل ہو جاتے تھے، اس لئے کہ اکیسویں شب مسجد میں عبادت میں گذارتے، معتکف میں جانے کی نوبت نہیں آتی تھی، لہٰذا فجر کے بعد اس میں داخل ہوتے۔

"فاستأذنت حفصة عائشة" حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگی کہ وہ بھی اعتکاف کرنے کے لئے ایک خیمہ لگائیں، انہوں نے اجازت دے دی، **"وضربت خباءً"** انہوں نے بھی خیمہ لگالیا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ان کو دیکھا کہ بہت سارے خیمے لگے ہوئے ہیں تو پوچھا **" ما هذا ؟ "**.

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مانگی پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہانے، ان کو دیکھ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی خیمہ لگالیا تو اس طرح بہت سارے خیمے ہوگئے۔

آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا **"آلبرّ ترون بهنّ؟"** دوسری روایت میں آتا ہے **"آلبر يردن؟"** کیا وہ اس طرح نیکی کرنا چاہتی ہیں، کیا تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر نیکی کا خیال ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ ساری عورتیں خیمے لگا کر مسجد کے اندر اعتکاف کریں، آپ ﷺ نے اس مہینے اعتکاف کرنا چھوڑ دیا، پھر دس دن شوال میں اعتکاف فرمایا۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں واقعہ یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اس لئے اجازت دے دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بالکل مسجد سے متصل تھا، اگر ان کو کسی حاجت کے لئے حجرہ جانا پڑتا تو مسجد سے نہیں گذرنا پڑتا تھا، پھر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مانگی تو ان کا حجرہ بھی مسجد سے متصل تھا۔

اب جب دوسری ازواج نے خیمے لگانے شروع کئے تو ان کے حجرے مسجد سے متصل نہیں تھے، اعتکاف کرنے کی صورت میں ان کا بکثرت مسجد میں آنا جانا اور مردوں سے اختلاط کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ سب اس طرح کریں۔

جب دوسری ازواج کو منع کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی منع کرنا پڑا، ورنہ اوروں کو یہ خیال ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو اجازت دے دی اور اوروں کو منع کر دیا، جب عائشہ رضی اللہ عنہا کو منع کیا تو خود بھی نہ کیا تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور پھر شوال میں قضا کر کے اس کی تلافی فرمائی۔

(۸) باب : هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد؟

کیا اعتکاف کرنے والا اپنی ضرورتوں کے لئے مسجد کے دروازے تک آسکتا ہے

۲۰۳۵ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني علي بن الحسين رضي الله عنهما: أن صفية زوج النبي ﷺ أخبرته أنها جاءت إلى رسول الله ﷺ تزوره في اعتكافه في المسجد في العشر الأواخر من رمضان، فتحدثت عنده ساعةً ثم قامت تنقلب، فقام النبي ﷺ معها يقلبها حتى إذا بلغت باب المسجد عند باب أمّ سلمة

مرّ رجلان من الأنصار فسلّما علی رسول اللہ ﷺ، فقال لهما النبی ﷺ: ((علی رسلکما، إنّما هی صفیة بنت حییّ))، فقالا: سبحان اللہ یا رسول اللہ، وکبر علیهما. فقال النبی ﷺ: ((إن الشّیطان یبلغ من ابن آدم مبلغ الدّم، وإنّی خشیت أن یقذف فی قلوبکما شیئاً)). [أنظر: ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۳۱۰۱، ۳۲۸۱، ۶۲۱۹، ۷۱۷۱]. [۴۳]

ترجمہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ملاقات کی غرض سے آئیں، اس وقت آپ ﷺ مسجد میں رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف میں تھے، آپ ﷺ کے نزدیک تھوڑی دیر گفتگو کی، پھر چلنے کو کھڑی ہوئیں تو نبی کریم ﷺ بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے، تاکہ ان کو پہنچادیں یہاں تک کہ باب ام سلمہ کے پاس مسجد کے دروازے تک پہنچیں، دو انصاری مرد گزرے ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم دونوں ٹھہرو، یہ صفیہؓ بنت حیی یعنی میری بیوی ہے، دونوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے متعلق کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے، ان دونوں پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا شاق گزرا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا شیطان خون کے پہنچنے کی طرح انسان کے جسم میں پھرتا ہے اور مجھے خوف ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کرے۔

یہ حدیث بہت سے عظیم فوائد پر مشتمل ہے:

۱۔ اول تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حالت اعتکاف میں کوئی ملنے والا آجائے تو اس سے بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اعتکاف کی حالت میں فضول بات چیت سے پرہیز لازم ہے۔

۲۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص ملنے کے لئے آئے تو اسے دروازہ تک پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جانا جائز ہے، لیکن مسجد سے باہر نہ نکلے۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کے پاس چونکہ حضرت صفیہ نکل کر گئی تھیں اور پردے میں ہونے کی وجہ سے اجنبیوں کے لئے جان پہچان مشکل تھی، اس لئے آپ ﷺ نے انصاری صحابہ ؓ کو بتادیا کہ یہ نکل کر جانے والی حضرت صفیہ ہیں۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے بارے میں کسی بدگمانی کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، لیکن اپنے عمل سے آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ کوئی شخص کتنے بڑے مرتبہ کا ہو، اسے تہمت کے مقامات سے پرہیز کرنا چاہیئے اور ہر اس موقع پر بات واضح کردینی چاہیئے جہاں اس کے بارے میں کسی بدگمانی کا شائبہ ہوسکتا ہو۔

[۴۳] وفی صحیح مسلم، کتاب السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رئی خالیاً بامرأة وکانت زوجته أومحرماً الخ، رقم: ۴۰۴۱، وسنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب المعتکف یدخل البیت لحاجته، رقم: ۲۱۱۳، وکتاب الأدب، باب فی حسن الظن، رقم: ۴۳۴۲، وسنن ابن ماجه، کتاب الصیام، باب فی المعتکف یزوره أهله فی المسجد، رقم: ۱۷۶۹، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث صفیة أم المؤمنین، رقم: ۲۵۶۳۰، وسنن الدارمی، کتاب الصوم، باب اعتکاف النبی، رقم: ۱۷۱۴.

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی طرف سے بدگمانی دور کرنے کے لئے کوئی بات کہے تو یہ نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خاص طور سے علمائے کرام اور مقتداؤں کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے، اس لئے کہ اگر عوام کے دل میں ان کی طرف سے بداعتقادی یا بدگمانی پیدا ہوگئی تو وہ ان سے دینی فائدہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔ ۵

۴۔ اس حدیث سے ازواج مطہرات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسن سلوک بھی واضح ہوتا ہے کہ اعتکاف جیسی حالت میں بھی آپ ﷺ ان کی دلداری کے لئے دروازے تک پہنچانے تشریف لے گئے۔ ۶

(۹) باب الإعتكاف وخروج النبی ﷺ صبيحة عشرين

اعتکاف کا بیان اور نبی ﷺ بیسویں کی صبح کو اعتکاف سے نکلتے

۲۰۳۶ ـ حدثنی عبدالله بن منير : سمع هارون بن اسماعيل : حدثنا علی بن المبارک قال : حدثنی يحيی بن أبی كثير قال : سمعت أبا سلمة بن عبدالرحمن قال : سالت أبا سعيد الخدری ﷺ قلت : هل سمعت رسول الله ﷺ يذكر ليلة القدر؟ قال: نعم، اعتكفنا مع رسول الله ﷺ العشر الوسط من رمضان ، قال : فخرجنا صبيحة عشرين، قال : فخطبنا رسول الله صبيحة عشرين فقال : ((انی أريت ليلة القدر وانی نسيتها ، فالتمسوها فی العشر الأواخر فی وتر فانی رأيت أنی أسجد فی ماء وطين ، و من كان اعتكف مع رسول الله ﷺ فليرجع ، فرجع الناس الی المسجد ، وما نری فی السماء قزعة، قال : فجائت سحابة فمطرت وأقيمت الصلاة فسجد رسول الله ﷺ فی الطين والماء ، حتی رأيت الطين فی أرنبته وجبهته . [راجع : ۶۶۹]

شب قدر کی ترغیب وفضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں اعتکاف کا اصلی فائدہ شب قدر کی فضیلت کا حصول ہے، چنانچہ جب تک آنحضرت ﷺ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ شب قدر آخری عشرے میں ہے، اس وقت تک آپ ﷺ

۵ قال ابن دقيق العيد : وهذا متاكد فی حق العلماء ومن يقتدی به فلا يجوز لهم أن يفعلوا فعلاً يوجب سوء الظن بهم وان كان لهم فيه مخلص لأن ذلک سبب الی ابطال الانتفاع بعلمهم ، ومن ثم قال بعض العلماء :ينبغی للحاكم أن يبين للمحكوم عليه وجه الحكم اذا كان خافيا نفيا للتهمة .ومن هنا يظهر خطاء من يتظاهر بمظاهر السوء ، ويعتذر بأنه يجرب بذلک علی نفسه ، وقد عظم البلاء بهذا الصنف والله أعلم ،كذا ذكره الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ فی فتح الباری، ج:۴،ص:۲۸۰.

۶ ماخوذ از ۔ ''احکام اعتکاف'' شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ۔

شب قدر کی تلاش میں پہلے دوسرعشرے کا اعتکاف فرماتے رہے اور جب آپ ﷺ کو یہ بتا دیا گیا کہ شب قدر آخری عشرے میں آئے گی تو آپ ﷺ نے آخری عشرے کا مزید اعتکاف خود بھی فرمایا اور دوسرے حضرات کو بھی اس کی ترغیب دی۔

اس سال آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ شب قدر وہ رات ہوگی جس کی صبح کو آپ ﷺ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کریں گے، یعنی بارش کی وجہ سے زمین بھیگی ہوئی ہوگی، چنانچہ اکیسویں شب میں بارش ہوئی اور صبح کی نماز میں آپ ﷺ نے اسی گیلی زمین پر سجدہ فرمایا، اس طرح متعین ہوگیا کہ شب قدر اس سال اکیسویں شب میں آئی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ بھی ہمیشہ اکیسویں شب ہی میں شب قدر ہوگی، بلکہ راجح قول یہی ہے کہ شب قدر عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں بدل بدل کر آتی رہتی ہی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدہ کرتے وقت پیشانی کو مٹی یا کیچڑ سے بچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، تھوڑی بہت مٹی یا کیچڑ اگر پیشانی کو لگ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور حدیث میں اصل غور طلب بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اگرچہ گناہوں سے پاک تھے اور آپ ﷺ کے درجات انتہائی بلند تھے، اس کے باوجود شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ نے اس قدر محنت اٹھائی کہ پورا مہینہ اعتکاف کی حالت میں گزار دیا، ہم لوگ تو اس فضیلت کے کہیں زیادہ محتاج ہیں، اس لئے ہمیں اس کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

(۱۰) باب اعتکاف المستحاضة

مستحاضہ کے اعتکاف کرنے کا بیان

۲۰۳۷ ـ حدثنا قتیبة: حدثنا یزید بن زریع، عن خالد عن عکرمة، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: اعتکف مع رسول اللہ ﷺ امرأة مستحاضة من أزواجه فکانت تری الحمرة و الصّفرة، فرُبّما وضعنا الطّست تحتها وهی تصلّی. [راجع: ۳۰۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ایک بیوی نے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا اور وہ سرخی اور زردی دیکھتی تھیں اکثر ہم لوگ ان کے نیچے ایک طشت رکھ دیتے تھے اور وہ نماز پڑھتی تھیں۔

مستحاضہ اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے

اس حدیث کو نقل کرنے اور اسی کا ترجمۃ الباب قائم فرمانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ استحاضہ کی حالت میں عورت اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے کیونکہ استحاضہ کی حالت میں اس کے اوپر حیض کے احکام جاری نہیں ہوتے لہٰذا حیض

کی حالت میں تو مسجد میں داخل ہونا منع ہے لیکن استحاضہ کی حالت میں داخل ہونا منع نہیں ہے اور اعتکاف بھی کرسکتی ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ جب عورت مستحاضہ ہو تو ساری ساری کی عبادتیں انجام دے سکتی ہیں، ان میں اعتکاف بھی داخل ہے اور یہ خون جو مستقل جاری ہے اس کی وجہ سے معذور کے حکم میں ہے اور معذور کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ وقت کی ابتدا میں وضو کرلے تو سارے وقت میں جو اس کو حدث لاحق ہوتا رہتا ہے اس سے وہ ایک وضو کافی ہو جائے گا۔

معلوم ہوا کہ عورت کے لئے حالتِ استحاضہ میں اعتکاف کرنا درست ہے، کیونکہ حالتِ استحاضہ میں عورت طاہرہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

(۱۳) باب زيارة المرأة زوجها في اعتكافه

عورت کا اپنے شوہر سے اس کے اعتکاف کی حالت میں ملاقات کرنے کا بیان

۲۰۳۸ ۔ حدثنا سعيد بن عفير قال : حدثني الليث قال : حدثني عبدالرحمٰن بن خالد، عن ابن شهاب ، عن علي بن الحسين : أن الصفية زوج النبي ﷺ أخبرته . ح ؛

وحدثني عبدالله بن محمد : حدثنا هشام بن يوسف : أخبرنا معمر ، عن الزهري، عن علي بن حسين : كان النبي ﷺ في المسجد وعنده أزواجه فرحن . فقال لصفية بنت حيي: ((تعجلي حتى أنصرف معك)) ۔ وكان بيتها في دار أسامة ۔ فخرج النبي ﷺ : معها فلقيه رجلان من الأنصار فنظرا الى النبي ﷺ ثم أجازا . فقال لهما النبي ﷺ : ((تعاليا ، انها صفية بنت حيي)) فقالا : سبحان الله يارسول الله . قال : ((ان الشيطان يجري من الانسان مجرى الدم ، واني خشيت أن يلقى في أنفسكما شيئا)). [راجع : ۲۰۳۵]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ معتکف سے ملنے کے لئے گھر کی کوئی عورت مسجد میں آئے تو اس کی بھی اجازت ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اول تو پردے کا مکمل اہتمام ہو، دوسرے ایسے وقت میں آئے جب مردوں کا سامنا ہونے کا امکان کم سے کم ہو، بے پردہ، بے حیائی سے بے محابا مسجد میں آنے کا کوئی جواز حدیث سے نہیں ملتا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف اعتکاف کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بات کرسکتا ہے، لیکن جو کام میاں بیوی کے مخصوص کام ہیں وہ کرنا جائز نہیں۔

(۱۴) باب الإعتكاف في شوال

شوال میں اعتکاف کرنے کا بیان

۲۰۴۱ ۔ حدثنا محمد : أخبرنا محمد بن فضيل بن غزوان ، عن يحيى بن سعيد ، عن عمرة بنت عبدالرحمن ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : كان رسول الله ﷺ يعتكف

في كل رمضان فاذا صلى الغداة دخل مكانه الذى اعتكف فيه . قال : فاستأذنته عائشة ان تعتكف فأذن لها ، فضربت فيه قبة . فسمعت بها حفصة فضربت قبة ، وسمعت زينب بها فضربت قبة أخرى . فلما انصرف رسول الله ﷺ من الغد أبصر أربع قباب فقال : ((ماهذا ؟)) فأخبر خبرهن فقال : ((ماحملهن على هذا ؟ آلبر؟ انزعوها فلا أرها))، فنزعت. فلم يعتكف في رمضان حتى اعتكف في آخر العشر من شوال))۔ [راجع : ۲۰۳۹]

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اعتکاف کے لئے پردہ وغیرہ لگا کر کوئی جگہ گھیر لینا جائز ہے، البتہ یہ جگہ گھیرنا اس وقت جائز ہے جب دوسرے مصلیوں یا معتکفین کو اس سے تکلیف نہ ہو، ورنہ کوئی جگہ گھیرے بغیر اعتکاف کرنا چاہیئے۔

چنانچہ بعض علماء نے ازواج مطہرات کے خیمے اٹھوانے کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ خیموں کی کثرت سے مسجد کے تنگ پڑنے کا اندیشہ تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہیئے اور اگر ایسا کرے تو شوہر کو اعتکاف ختم کرانے کا بھی حق ہے، نیز اگر شوہر اجازت دے چکا ہو پھر مصلحت اعتکاف نہ کرنے میں معلوم ہو تو سابقہ اجازت سے رجوع کرنا بھی جائز ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اس طرح اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑنے سے اس دن کے اعتکاف کی قضاء واجب ہوگی جس دن کا اعتکاف توڑا ہے، ہاں اگر اعتکاف شروع نہ کیا ہو تو پھر قضا واجب نہیں اور حدیث مذکور میں ظاہر یہی ہے کہ ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف شروع نہیں کیا تھا۔

یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خواتین کو مسجد میں اعتکاف نہیں کرنا چاہیئے، لیکن اگر کوئی عورت جس کا مکان مسجد سے بالکل متصل ہو اس طرح پردے کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کرے کہ اسے مسجد میں باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہو اور آس پاس بھی مرد نہ ہوں تو اپنے شوہر کے ساتھ اعتکاف کرسکتی ہے، لیکن افضل بہر صورت یہی ہے کہ گھر میں اعتکاف کرے۔ ے

(۱۵) باب من لم یر علیه اذا اعتکف صومًا

ان لوگوں کا بیان جنہوں نے اعتکاف کرنے والے پر روزہ ضروری نہیں سمجھا

۲۰۴۲ ـ حدثنا اسماعيل بن عبدالله ، عن أخيه ، عن سليمان ، عن عبيدالله بن

ے واجاز الحنفية للمرأة أن تعتكف في مسجد بيتها وهو المكان المعد للصلاة فيه ، وفيه قول للشافعي قديم ، وفي وجه لأصحابه والمالكية يجوز الرجال والنساء لأن التطوع في البيوت أفضل ، وذهب أبو حنيفة وأحمد الى اختصاصه بالمساجد التي تقام فيها الصلوات ، فتح الباري ، ج:۴،ص:۲۷۲ ، وعمدة القاري ، ج:۸،ص:۲۶۸ ، المغني ، ج :۳، ص: ۶۷ ، والتمهيد لابن عبدالبر ، ج : ۱۱ ، ص: ۱۹۵ .

عمر عن نافع، عن عبداللہ بن عمر، عن عمر بن الخطاب ﷺ أنه قال: يا رسول اللہ انی نذرت فی الجاهلية ان اعتكف ليلة فی المسجد الحرام، فقال له النبی ﷺ: ((أوف نذرک))، فاعتكف ليلة. [أنظر: ۲۰۴۳، ۳۱۴۴، ۴۳۲۰، ۶۶۹۷، ۲۰۳۲]

(۱۶) باب: اذا نذر فی الجاهلية أن يعتكف ثم أسلم

کوئی شخص جاہلیت کے زمانہ میں اعتکاف کی نذر مانے پھر مسلمان ہوجائے

۲۰۴۳۔ حدثنا عبيد بن اساعيل: حدثنا أبو أسامة، عن عبيداللہ، عن نافع، عن ابن عمر: أن عمر ﷺ نذر فی الجاهلية أن يعتكف فی المسجد الحرام۔ قال: أراه ليلة۔ فقال له رسول اللہ ((أوف بنذرک)). [راجع: ۲۰۳۲]

عام اصول یہ ہے کہ کفر کی حالت میں کسی نے کوئی منت مانی ہو تو اسلام لانے کے بعد اسے پورا کرنا واجب نہیں ہوتا، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ ایک کار خیر تھا اور اگرچہ وہ واجب نہ ہو لیکن موجب ثواب ضرور تھا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کفر کی حالت کی ہوئی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اسلام کی حالت میں کوئی شخص اعتکاف کی نذر کرلے تو اس کا پورا کرنا اور زیادہ ضروری ہوگا، چنانچہ اس حدیث سے نذر کے اعتکاف کی اصل نکلتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن کے اعتکاف کی نذر بھی درست ہے۔ والحديث تكرر ذكره بحسب وضع التراجم.

(۱۷) باب الإعتكاف فی العشر الأوسط من رمضان

رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کرنے کا بیان

۲۰۴۴۔ حدثنا عبداللہ بن أبی شيبة قال: حدثنا أبو بكر، عن أبی حصين، عن أبی صالح، عن أبی هريرة ﷺ قال: كان النبی ﷺ يعتكف فی كلّ رمضان عشرة أيّام، فلمّا كان العامُ الذی قبض فيه اعتكف عشرين يوماً. [۸]

ترجمہ: حضور ﷺ ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کرتے تھے، جب وہ سال آیا جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو بیس دن اعتکاف کیا۔

[۸] وفی سنن الترمذی، كتاب الصوم عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الإعتكاف، رقم: ۷۲۰، وسنن أبی داؤد، كتاب الصوم، باب أين يكون الاعتكاف، رقم: ۲۱۱۰، وسنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ماجاء فی الاعتكاف، رقم: ۱۷۵۹، ومسند أحمد، باقی مسند المكثرين، باب مسند أبی هريرة، رقم: ۷۴۵۲، ۸۰۸۱، ۸۳۰۸، ۸۸۴۵، وسنن الدارمی، كتاب الصوم، باب اعتكاف النبی، رقم: ۱۷۱۳.

یعنی آخری سال جو بیس دن کا اعتکاف فرمایا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جو واقعہ ابھی گذرا ہے یہ اس کی تلافی تھی، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے شوال میں تلافی فرمائی، پھر سوچا کہ رمضان میں بھی تلافی کی جائے۔

لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے پہلے والے سال میں آپ ﷺ سفر میں ہونے کی وجہ سے اعتکاف نہ فرما سکے تھے، اس لئے اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ چنانچہ ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں اس کی تصریح ہے۔[9]

(۱۸) باب من أراد أن يعتكف ثم بدأ له أن يخرج

اگر کوئی شخص اعتکاف کرے اور اسے مناسب معلوم ہو کہ اعتکاف سے باہر ہو جائے

۲۰۴۵ ۔ حدثنا محمد بن مقاتل أبو الحسن : أخبرنا عبدالله : أخبرنا الأوزاعي قال: حدثني يحيى بن سعيد قال : حدثتني عمرة بنت عبدالرحمن عن عائشة رضي الله عنها : أن رسول الله ﷺ ذكر أن يعتكف العشر الأواخر من رمضان ، فاستأذنته عائشة فأذن لها. وسألت حفصة عائشة أن تستأذن لها ففعلت ، فلما رأت ذلك زينب بنت جحش أمرت ببناءٍ فبني لها ، قالت : وكان رسول الله ﷺ اذا صلى انصرف الى بنائه فأبصر الأبنية فقال : ((ماهذا ؟)) قالوا : بناء عائشة وحفصة وزينب ، فقال رسول الله : ((آلبر أردن بهذا ؟ ماأنا بمعتكف))، فرجع ، فلما أفطر اعتكف عشراً من شوال . [راجع: ۲۰۲۹]

اعتکاف کی قضاء کا طریقہ

اس میں اس بات پر استدلال کیا ہے کہ کسی نے اعتکاف کا ارادہ کیا اور پھر چھوڑ دیا تو یہ جائز ہے، اس سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب اعتکاف شروع نہ کیا ہو اگر شروع کر کے چھوڑ دے تو پھر اگر مسنون اعتکاف تھا تو ایک دن کی قضاء واجب ہوگی، اور اگر نفلی اعتکاف تھا تو پھر کچھ بھی واجب نہیں۔

مسنون اعتکاف کی قضاء کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اسی رمضان میں وقت باقی ہو تو اسی رمضان میں کسی دن غروب آفتاب سے اگلے دن غروب آفتاب تک قضاء کی نیت سے اعتکاف کرلیں، اور اگر اس رمضان میں وقت باقی نہ ہو یا کسی وجہ سے اس میں اعتکاف ممکن نہ ہو تو رمضان کے علاوہ کسی بھی دن روزہ رکھ کر ایک دن کے لئے اعتکاف کیا جا سکتا ہے اور اگلے رمضان میں قضاء کرے تو بھی قضاء صحیح ہو جائے گی، لیکن زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اس لئے جلد از جلد قضا کر لینی چاہیئے۔

---

[9] عمدۃ القاری، ج:۸،ص:۲۸۹۔

اعتکاف مسنون ٹوٹ جانے کے بعد مسجد سے باہر نکلنا ضروری نہیں، بلکہ عشرہ اخیرہ کے باقی ماندہ ایام میں نفل کی نیت سے اعتکاف جاری رکھا جاسکتا ہے، اس طرح سنت مؤکدہ تو ادا نہیں ہوگی، لیکن اعتکاف کا ثواب ملے گا اور اعتکاف کسی غیر اختیاری بھول چوک کی وجہ سے ٹوٹا ہے تو عجب نہیں کہ اللہ ﷻ عشرہ اخیرہ کا ثواب اپنی رحمت سے عطا فرمادیں، اس لئے اعتکاف ٹوٹنے کی صورت میں بہتر یہی ہے کہ عشرہ اخیرہ ختم ہونے تک اعتکاف جاری رکھیں، لیکن اگر کوئی شخص اس کے بعد اعتکاف جاری نہ رکھے تو یہ بھی جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ جس دن اعتکاف ٹوٹا ہے اس دن باہر چلا جائے اور اگلے دن سے بنیت نفل اعتکاف شروع کردے۔

☆☆☆☆☆

اللّٰھم اختم لنا بالخیر

کمل بعون اللّٰہ تعالیٰ الجزء الخامس من "انعام الباری" ویلیہ إن شاء اللّٰہ تعالیٰ الجزء السادس: أوّلہ کتاب البیوع، رقم الحدیث: ۲۰۴۷۔

نسأل اللّٰہ الإعانۃ والتوفیق لإتمامہ۔ والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وقائد الغر المحجلین وعلی الہ وأصحابہ أجمعین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

آمین ثم آمین، یا رب العالمین۔

علمی و دینی رہنمائی کے لئے ویب سائٹ

www.deenEislam.com

اغراض ومقاصد:

ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے اوراس کے ساتھ عصرِ حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

توہینِ رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف وکمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

نیز صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان ، شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت ایپلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (اتوار و منگل) کی اصلاحی مجالس ، سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک و ہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سُنی جاسکتی ہیں، اسی طرح آپ کے مسائل اوران کا حل ''آن لائن دارالافتاء'' اور مدارس دینیہ کے سالانہ نتائج سے بھی گھر بیٹھے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ:

PH:00922150З1039 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deeneislam.com

WebSite:www.deeneislam.com